ماہنامہ
کرن
جولائی 2014
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
فضائل رمضان

حمد، تنویر پھول 11

نعت، عبیدرضا 11

انٹرویو

حنا الطاف، شاہین رشید 12

میری بھی سنیئے، سوزین 18

آواز کی دنیا سے، حنا حبیبہ 22

مقابل ہے آئینہ، سعدیہ عبدالعزیز 28

ناول

اک ساگر ہے زندگی، نفیسہ سعید 32

درد دل، نبیلہ عزیز 144

شام آرزو، فرحانہ ناز ملک 210

مکمل ناول

میرے دل میرے مسافر، رفاقت جاوید 168

دل اک شہر ملال، عتیقہ ملک 235

اب محبت کرنی ہے، بشریٰ احمد 64

ناولٹ

بن مانگی دعا، صائمہ نصیر 118

افسانے

سفر زیست، فرحی نعیم 104

خطا ہوئی، حمیرہ خان 201

یہ جو دل کی بات، شازیہ جمال ناز 56

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 6000 روپے

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، شعاع عمیر 271

یادوں کے دریچے سے، بشریٰ محمود 274

تجھے یہ شعر پسند ہے، شگفتہ سلمان 277

مسکراتی کرنیں، ریحانہ امجد بخاری 279

کرن کا دسترخوان، خالدہ جیلانی 282

حسن و صحت، ادارہ 285

نامے میرے نام، مدیرہ کرن 287

جولائی 2014

جلد 37 شمارہ 4

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

کرن جولائی کا شمارہ حاضرِ خدمت ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہے۔ اس ماہ میں انوار و تجلیات رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی ہے۔ گناہ گاروں کے لیے اس ماہِ مبارک میں سامانِ مغفرت ہے۔ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے "نارِ جہنم" کے مستحق ہونے والوں کے لیے آزادی کا پروانہ ہے۔ اس ماہ میں گناہوں کی سیاہی سے زنگ آلود دلوں کی صفائی اور صیقل کا سامان کیا جاتا ہے۔ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس ماہِ مبارک میں دن کو روزہ فرض کیا گیا تاکہ نفسِ امارہ کو اس کی خواہشات اور مرغوبات سے دور رکھ کر زیورِ تقویٰ سے آراستہ کیا جائے۔ اور رات کو قرآن پاک سن کر دلوں کو جلا بخشی جائے۔

انسان اپنی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دنیا اور اس کے کاموں میں اتنا منہمک ہو گیا ہے کہ اپنے مقصدِ تخلیق کو بھلا بیٹھا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں کارِ دنیا سے نکل کر اپنے مقصدِ تخلیق کی طرف لوٹ آئیں اور عبادتِ الٰہی سے اپنے دل پر پڑے غفلت کے پردے اُتار دیں۔ اور اپنے خالق و مالک کے صحیح بندے بن کر اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑ لیں۔ کیونکہ یہ مہینہ خالص اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ رحمتوں اور مغفرتوں کو حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اطاعت و بندگی کے ساتھ عبادات کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری مالی، بدنی عبادات قبول فرمائے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- ثنا الطاف سے شاہین رشید کی ملاقات،
- آواز کی دنیا سے، نعت خواں ثنا حبیبہ سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ سوزین کہتی ہیں ۔ میری بھی سنیے،
- اس ماہ سعدیہ عبدالعزیز کے "مقابل ہے آئینہ"،
- دو دل ۔ نبیلہ عزیز کے ناول کی آخری قسط،
- فرحانہ ناز ملک کا سلسلے وار ناول "شامِ آرزو"،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا نیا سلسلے وار ناول،
- "میرے دل میرے مسافر" رفاقت جاوید کے مکمل ناول کا دوسرا حصہ،
- "دل اک شہرِ ملال" عتیقہ ملک کا مکمل ناول،
- "اب محبت کرنی ہے" بشریٰ احمد کا مکمل ناول،
- بن مانگی دعا ۔ صائمہ نصیر کا ناولٹ،
- شازیہ جمال نیر، حمیرہ خان اور فرحی نعیم کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، بخششوں اور کرم نوازیوں کے خاص مہینے رمضان المبارک کی مناسبت سے کرن کتاب "فضائلِ رمضان"، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

خدا کی معرفت ہے بالیقیں قرآن کا حاصل
کہا "لاتقنطو" یہ رحمتِ رحمٰن کا حاصل

بڑا فیاض ہے وہ، فیض پہنچاتا ہے بندوں کو
وجودِ رحمۃ اللعالمینؐ فیضان کا حاصل

نہ وہ بچہ کسی کا ہے، نہ اُس کا کوئی بچہ ہے
احد ہے وہ، صمد ہے وہ، یہی ایمان کا حاصل

نہ اُس کا کوئی ہمسر ہے، نہ اُس کا کوئی ثانی ہے
یقیناً سورۂ اخلاص ہے ایقان کا حاصل

رحیم اللہ، وہ رحمٰن، یہ آغازِ قرآں کا
یہی نکتہ ہے پیہم دل کے اطمینان کا حاصل

شبِ تارِ الست انساں! وہ تیرا "بلیٰ" کہنا
سمجھ عرفانِ خالق ہے اُسی پیمان کا حاصل

کہا باغِ سخن میں پھول نے اس کو نہ بھولو تم
خدا کی حمد اور نعتِ نبیؐ دیوان کا حاصل

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

میں مدینے چلا، میں مدینے چلا
پھر کرم ہو گیا میں مدینے چلا

کیف سا چھا گیا میں مدینے چلا
جھومتا جھومتا میں مدینے چلا

اے شجر اے حجر تم بھی شمس و قمر
دیکھو دیکھو ذرا میں مدینے چلا

وہ احد کی زمیں جس کے اندر مکیں
میرے حمزہ پیا میں مدینے چلا

اشک تھمتے نہیں پاؤں جمتے نہیں
لڑکھڑاتا ہوا میں مدینے چلا

میرے آقا کا در ہو گا پیشِ نظر
میرے دل کی صدا میں مدینے چلا

کیا کرے گا اِدھر باندھ رختِ سفر
چل عبید رضا میں مدینے چلا

عبید رضا

حنا الطاف سے ملاقات

شاہین رشید

کوئی فنکار کتنا ہی مشہور کیوں نہ ہو جائے اسے پرنٹ میڈیا کے ذریعے اپنی پہچان چاہیے ہی ہوتی ہے۔ مگر آج کل کے فنکار یہ سمجھتے ہیں کہ دو چار ڈراموں میں کام کریں گے اور "امر" ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہے۔ آج آپ اسکرین سے غائب ہو جائیں۔ لوگ بھی آپ کو بھول جائیں گے۔ مگر اخبارات اور میگزین آپ کو ایک مستقل پہچان دیتے ہیں۔ اس لیے آج کل کے فنکار پرنٹ میڈیا کی اہمیت کو سمجھیں۔

آج کل عاطف حسین کا سوپ "مریم کیسے جیے" ناظرین میں بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ نزہت سمن کی تحریر ہے۔ معروف فنکاروں کے جھرمٹ میں ایک نیا چہرہ بھی آپ کو نظر آ رہا ہو گا۔ جو سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور وہ نیا چہرہ "حنا الطاف" کا ہے۔ ایک ملاقات میں جو باتیں ہوئیں وہ آپ کی نذر ہیں۔

★ "کیا حال چال ہیں جناب۔۔۔ اور "مریم کیسے جیے" میں بہت اچھا پرفارم کر رہی ہیں۔ ماشاء اللہ؟"

* "جی بہت شکریہ۔"

★ "آپ کے بولنے کا انداز "صنم جنگ" سے بہت ملتا ہے۔ کیا وہ پسند ہے اور اس لیے اسے فالو کرتی ہیں؟"

* "میں انہیں نہ فالو کرتی ہوں نہ کاپی کرتی ہوں اور صرف آپ ہی نہیں اور لوگ بھی کہتے ہیں۔ کہ میرے بولنے کا انداز ان کے جیسا ہے پتا نہیں کیوں لوگ ایسا کہتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کا کردار ایک جیسا تھا۔ "صبح کا ستارہ" میں انہوں نے بھی مظلومیت کا کردار ادا کیا اور "مریم کیسے جیے" میں میں نے بھی ایسا ہی رول کیا۔ تو اس لیے لوگوں کو مشابہت لگ رہی ہے۔"

★ "اس فیلڈ میں کام کرنا کیسا لگ رہا ہے اور مزید کیا کیا انڈر پروڈکشن ہیں؟"

* "ابھی ایک آفر آئی تھی راشد سمیع صاحب کی طرف سے مگر میں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ نہ صرف میری عمر بلکہ میرا چہرہ بھی بہت کم عمر لگتا ہے اور جو لوگ اپنے آپ کو 21' 22 سال کا بتاتے ہیں در حقیقت وہ ان کی عمر نہیں ہوتی' ان کے چہرے کی میچوریٹی بتا رہی ہوتی ہے کہ وہ بڑی عمر کی ہیں۔ مگر میں اپنی اصلی عمر یعنی 20 سال کی ہی نظر آتی ہوں اور میری عمر کی لڑکیوں کو عموماً" چھوٹی بہن کے ہی رول ملتے ہیں۔۔۔ اور "مریم" سیریل سے پہلے جب بھی میرے پاس کوئی آفر آئی چھوٹی بہن کے رول کی ہی آئی۔ جس سے میں کافی چڑ گئی کہ میں ایک سائیڈ رول سے کیا کبھی اپنے آپ کو منوا سکوں گی تقریباً" 3 پروجیکٹس کی آفر تھی مگر بات نہ بن سکی اور اچھے رول کے لیے میں نے بڑا انتظار کیا تب کہیں جا کر مجھے "مریم" کا رول ملا۔۔۔ تو میں نے اپنے رب کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے موقعہ دیا کہ میں کچھ کر کے دکھاؤں۔"

★ "تو کیا ایسے ہی رول کرنے کا ارادہ ہے؟"

* "نہیں ایسے رول نہیں کروں گی' میں چاہتی ہوں کہ کچھ مختلف ہو' آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ آج کل جو ڈرامہ دیکھو اس میں رونا دھونا ہی ہوتا ہے اور اپنے اس سیریل میں میں نے اتنا رونا دھونا کیا ہے کہ اب میں کہتی ہوں کہ یا تو مجھے کوئی نگیٹو رول دے دیں یا کوئی "سٹ کام" دے دیں۔ اگر ہمیشہ ہی رونا دھونا کروں گی تو لوگ کہیں گے کہ اسے سوائے رونے دھونے والے کردار کے اور کوئی کردار کرنا ہی نہیں آتا۔"

★ "آج کل ڈرامے بن ہی رونے دھونے والے بن رہے ہیں' اس لیے کتنا انکار کریں گی؟ ابھی تو جگہ بنانی ہے آپ کو؟"

* "ہوں۔۔۔ یہ بات بھی آپ نے ٹھیک کہی۔۔۔ میں راشد سمیع کے لیے پہلے بھی کام کر چکی ہوں۔ مگر اب جبکہ انہیں پتا ہے کہ "مریم" جیسا بڑا رول میں نے کیا ہے تو انہیں مجھے چھوٹے رولز کی آفرز نہیں دینی چاہیے۔ عاطف حسین میرے بڑے بھائی جیسے ہیں ان کی بات کو میں بہت سیریس لیتی ہوں انہوں نے ہی

مجھے کہا ہے کہ اب چھوٹے موٹے کردار مت لینا بلکہ بڑے کردار کے لیے ڈٹ کر رہنا کیونکہ اگر چھوٹے رول کر لیے تو پھر بڑے رولز کی طرف آنا مشکل ہو جائے گا۔"

★ "اور کیا کرتی ہیں اداکاری کے علاوہ؟"

* "میں مجی جینل — میں وی جے بھی ہوں میرا شو ہوتا ہے نوجوانوں کے لیے اور مجھے اس کو بھی کافی ٹائم دینا پڑتا ہے اور اس پر بھی مجھے کافی محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ شو پیر سے جمعرات 3.50 سے 5 بجے تک ہوتا ہے اور ہوسٹنگ تو میرا پہلا عشق ہے کیونکہ جب میں اس فیلڈ میں آئی تھی تو یہی عشق لے کر آئی تھی کہ مجھے وی جے بننا ہے۔ مجھے ہوسٹ بننا ہے اور میں اپنے پروگرام کے لیے خود ریسرچ کرتی ہوں خود ٹاپک کا انتخاب کرتی ہوں ہر چیز میں خود کرتی ہوں تو مجھے کافی ٹائم دینا پڑتا ہے۔"

★ "تو پھر اداکاری اور ہوسٹنگ کو ساتھ ساتھ لے کر کیسے چل رہی ہیں مشکل تو ہوتی ہو گی؟"

* "میں بہت لکی ہوں کہ مجھے فہد مصطفیٰ جیسے پروڈیوسر اور عاطف حسین جیسے ڈائریکٹر ملے۔۔۔ اور یہ ان کا تعاون ہی تو ہے کہ میں شو بھی کر لیتی ہوں اور شوٹ بھی شوٹ کے دوران میں اپنے شو کے لیے 3، 4 گھنٹے کے لیے غائب ہوتی تھی اور یہ مجھے اجازت دیتے تھے۔"

★ "اس فیلڈ میں آئیں کیسے؟"

* "تھوڑی لمبی کہانی ہے۔۔۔ مگر آپ کو بتاتی ہوں ۔۔۔ میں جب پندرہ سولہ سال کی تھی تو مجھے "وی جے" بننے کا بہت شوق تھا۔ مائرہ، سائرہ اور دیگرز کو دیکھتی تھی تو مجھے بہت رشک آتا تھا اور میں ان سب کو بہت آئیڈیلائز کرتی تھی۔۔۔ کہ مجھے ان جیسا ہی بننا ہے۔ مجھے پتا چلا کہ غضنفر علی انڈس ویژن کے وی جے کے لیے آڈیشن لے رہے ہیں "ٹیلنٹ ہنٹ" کے نام سے کہ جو جیتے گا وہ "وی جے" بنے گا۔ جب وہاں گئی مائرہ، مانی اور فیضان حق ججز کے فرائض انجام دے رہے تھے۔۔۔ میں نے آڈیشن دیا۔ بڑی تعریف ہوئی کہ چھوٹی ہو مگر بہت اچھا بولی ہو تو جناب شارٹ لسٹ ہوتی گئی اور آخر میں 4 لوگ رہ گئے۔

ایک لڑکی کو ہوسٹ بننا تھا اور ایک لڑکے کو یا دو لڑکوں کو اور دو لڑکیوں کو فائنل آڈیشن ہونا تھا تو سب مجھ سے بڑے تھے پھر میڈیا سے میرا تعلق بھی نہیں تھا ۔۔ بس فائنل میں ہار گئی اور حیران کن بات یہ کہ جو لڑکا میرے ساتھ ہارا تھا اسے بھی وی جے بنا دیا یعنی 4 لوگوں میں تین کو وی جے بنا دیا میں ایک اکیلی رہ گئی۔۔۔ میں گئی ججز کے پاس کہ مجھے رکھا کیوں تھا وی جے ہنٹ میں تو کہنے لگے کہ جی آپ اٹھارہ سال کی نہیں ہیں اس لیے آپ کو نہیں لیا اور یہ بات ہے 2010ء کی۔ میرا بہت زیادہ دل برا ہوا، ٹوٹ گیا تھا میرا دل۔ اتنی ناانصافی ہوئی کہ ہارے ہوئے کو بھی وی جے بنا دیا اور میری دفعہ عمر کا بہانہ کر دیا۔ میں نے دو سال انتظار کیا کہ 18 سال کی ہو جاؤں، دو سال بعد ایک ٹی وی کے میوزک چینل "پلے" میں گئی آڈیشن دینے۔۔۔ پہلے آڈیشن میں کوئی آپ کو پوچھتا نہیں میں پھر دوبارہ آڈیشن دینے گئی تو پتا چلا کہ پہلا آڈیشن "باس" تک پہنچا ہی نہیں ہے۔ ہمارے یہاں یہی ناانصافیاں ہوتی ہیں کہ آڈیشن آگے تک پہنچایا ہی نہیں جاتا اور آڈیشن دینے والے اس آس پہ ہوتے ہیں کہ اب کال آئے گی۔ اب آئے گی۔۔۔ خیر میرا آڈیشن ہوا، باس نے پوچھا کتنے سال کی ہو میں نے بتایا کہ ابھی پورے اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی، کہنے لگے جس دن تم اٹھارہ کی ہو جاؤ گی میں تمہیں بلا لوں گا میرا وعدہ ہے۔ اٹھارہ میں دو مہینے باقی تھے جنوری کو میں اٹھارہ سال کی ہوئی اور 12 فروری کو میرا پہلا لائیو شو چلا پلے ٹی وی سے۔ میں اتنی ایکسائیڈ تھی کہ دو سال کی محنت اور انتظار کے بعد آخر میں "وی جے" بننے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ اور میں نے سوچ لیا تھا کہ میں بتا دوں گی کہ شو کیا ہوتا ہے۔ کس طرح کیا جاتا ہے اور سب کو بتا دوں گی کہ مجھے شو کرنا آتا ہے۔ اور پھر مجھے میرے شو کے بعد اتنی عزت ملی۔ اتنی پہچان ملی کہ بتا نہیں سکتی۔"

★ "کتنا عرصہ پلے ٹی وی میں کام کیا اور پے منٹ ملتی تھی؟"

* "میں نے تقریباً" آٹھ مہینے کام کیا اور مجھے شروع شروع میں تو کچھ معاوضہ بھی نہیں ملتا تھا۔۔۔ پورا پورا دن خواری ہو رہی ہوتی تھی۔ دیگر لوگ جو اپنے شو میں نہیں آسکتے تھے ان کا شو بھی میں کر رہی ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے پورے چینل کو میں چلا رہی ہوں۔۔۔ صبح کا شو میں کر رہی ہوتی تھی، شام کا شو میں کر رہی ہوتی تھی اور رات کا بھی میں ہی کر رہی ہوتی تھی اور پیسے بھی نہیں ملتے تھے۔ بہت مشکل سے یہ مقام بنایا ہے ہمیں تو کوئی پانی بھی نہیں پوچھتا تھا۔ آج کل جو لوگ آتے ہیں کہتے ہیں کہ پورا پروٹوکول ملے تو اتنی آسانی سے سب کچھ نہیں مل جاتا ۔۔۔ ٹھیک آٹھ ماہ کے بعد مجھے نیج — میوزک چینل سے آفر آئی بلکہ کال آئی کہ ہم نے آپ کا کام دیکھا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آجائیں۔ میں گئی وہاں باقاعدہ میرا انٹرویو ہوا۔۔۔ پھر میں نے "پلے ٹی وی" کو استعفیٰ دیا اور "اے س — میوزک چینل" میں آگئی۔"

★ "انہوں نے بھی مفت کام کرایا یا کچھ ہاتھ گرم کیے؟"

* "جی بالکل انہوں نے پیسے دیے اور بڑے ٹائم سے دیے اور جتنا خوش مجھے اے آر وائی والوں نے رکھا پلے والوں نے نہیں رکھا۔ مگر اس بات کو میں کبھی فراموش نہیں کروں گی کہ میری پہچان کا ذریعہ "پلے" ٹی وی ہی بنا اور میرے دل میں چنگاری لگانے والا اور مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دینے والا چینل "پلے" تھا۔"

★ "پھر اداکاری میں پہل کس نے کی؟"

* "اداکاری کے لیے پہل راشد سمیع صاحب نے کی۔ ان کی کال آئی میں چلی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ایک رول ہے جو آپ سے کروانا ہے۔ آپ کے والد کا کردار جاوید شیخ صاحب کریں گے میں نے سوچا کہ اگر اس ڈرامے میں جاوید شیخ ہیں تو پھر اس ڈرامے کی کیا ہی بات ہو گی اور میرے لیے تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں تو بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ بہت اچھا لگا کام کر کے۔۔۔ میں اکثر سنتی تھی کہ اس فیلڈ میں آنے کے لیے پرچی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شکر ہے کہ میں تو پرچی کے بغیر ہی آگئی اور میرے خیال سے زیادہ تر لوگ پرچی کے بغیر ہی آتے ہیں اور آڈیشن کے مراحل سے سب کو گزرنا ہوتا ہے تو جب راشد سمیع صاحب نے بلایا تو انہوں نے بھی پہلے آڈیشن ہی لیا۔۔۔ مجھے لگا کہ میں نے اچھا آڈیشن نہیں دیا۔ مگر ایک احساس تھا کہ میں سلیکٹ ہو جاؤں گی اور اگلے دن کال آگئی کہ آپ منتخب ہو گئی ہیں۔"

★ "رول کیا تھا؟"

* "رول چھوٹی بہن کا تھا اور چونکہ پہلی بار کر رہی تھی اس لیے مجھے کردار سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ مجھے کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ میری بہن کا رول ثنا عسکری نے اور ماں کا رول روبینہ اشرف نے کیا اور والد جاوید شیخ تھے اور ڈرامے کا نام ماتم تھا اس کے بعد آفرز کا سلسلہ چل پڑا۔ وہی چھوٹی بہن کا رول "میرے اپنے" کے لیے بلایا گیا پھر "بہو بیگم" کے لیے بلایا اور

رول مجھے اچھا لگا۔ پھر میرے پروڈیوسر کا فون آیا کہ ہم تمہیں "بہو بیگم" کی بجائے "مریم کیسے جیسے" دے دیں تو کیسا رہے گا۔ ان دنوں میرے امتحانات بھی ہونے والے تھے ــــ پھر انہوں نے بتایا کہ "مریم" کا جو کردار ہم تمہیں دے رہے ہیں وہ آمنہ الیاس نے کرنا تھا مگر کچھ مسائل کی وجہ سے وہ یہ کردار نہیں کر پا رہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ آپ یہ کردار کرلیں اور یوں مجھے ایک بڑا کردار مل گیا اور لوگوں نے پسند بھی کیا۔"

★ "اب کچھ اپنے بارے میں بتائیں کہ کہاں کب پیدا ہوئیں اور ــــ؟"

✻ "میرا پورا نام حنا الطاف خان ہے' خان خاندان سے تعلق ہے میرا یعنی پٹھان خاندان سے تعلق ہے اور پیار سے "ہنی" "حنو" بلاتے ہیں میری کزن مجھے ہنی کہتے ہیں۔ میں 2 جنوری 1994ء میں پیدا ہوئی۔ کراچی شہر میں' میرے والد مغل پٹھان ہیں اور امی شیروانی پٹھان ہیں اور ہاؤس وائف ہیں اور والد کا اپنا بزنس ہے اور سیاست سے بھی تعلق رہ چکا ہے ــــ میرے دو بڑے بھائی ہیں اور میں چھوٹی ہوں۔ انٹر کر چکی ہوں اب ان شاء اللہ بیچلر کروں گی ــــ اور ایڈورٹائزنگ میں جانے کا ارادہ بھی ہے اور آف دی کیمرہ بھی کام کرنا چاہوں گی بہ حیثیت پروڈیوسر کے اور شادی کے بارے میں ابھی کچھ نہیں سوچا ہے۔"

★ "والدین خوش ہیں آپ کے اس فیلڈ میں آنے سے ؟ اور چینل ــــ سے یا کسی بھی فیلڈ سے پہلی سیلری کیا ملی تھی؟"

✻ "جی والدین بہت خوش ہیں۔ بہت سپورٹ کرتے ہیں اور بڑے شوق سے میرا ڈرامہ اور میرا پروگرام دیکھتے ہیں ــــ اور پہلی کمائی 18 ہزار تھی جو Play ٹی وی نے چھ مہینے کے بعد دی تھی اور مجھے یاد ہے کہ جب 18 ہزار مجھے ملے تھے تو میں بہت خوش ہوئی تھی اور میں نے کوئی بہت ہی مزے کی چیز منگوا کر کھائی تھی اصل میں مجھے کھانے پینے کا بہت شوق ہے۔"

★ "اس فیلڈ میں آکر لوگوں کو کیسا پایا؟"

✻ "سچ بتاؤں ــــ اس فیلڈ کے لوگ بہت دوغلے ہیں۔ یہاں کسی کا دوست اور مخلص نہیں ہے۔ آپ کے سامنے کچھ آپ کے بعد کچھ اور ــــ"

★ "بہ حیثیت وی جے کون سے پروگرام کرکے انجوائے کرتی ہیں؟"

✻ "مجھے عید اور قومی تہوار کے پروگرام کرکے بہت مزا آتا ہے۔ خاص طور پر قومی تہوار منانے میں زیادہ مزا آتا ہے۔ بڑا جوش و خروش ہوتا ہے۔ قومی تہوار پہ باتیں بھی ہوتی ہیں اور ساتھ ساتھ قومی نغمے بھی۔"

★ "شہرت جلدی ملی یا دیر سے ــــ بہت جدوجہد کے بعد؟"

✻ "بہت جدوجہد کے بعد تو فیلڈ میں آئی اور جب فیلڈ میں آئی تو شہرت جلدی مل گئی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ جس طرح فیلڈ میں جدوجہد سے آئی اس طرح شہرت بھی مشکل سے ملے گی۔ مگر نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے ڈائجسٹ میں میرا انٹرویو شائع ہونا میرے لیے بہت خوشی کا باعث ہے۔ میں جب دوسروں کے انٹرویوز دیکھتی تھی تو سوچتی تھی کہ کس طرح ان کے انٹرویوز چھپ جاتے ہیں ــــ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ میرا انٹرویو لیں گی۔"

★ "رومینٹک رول پسند ہیں؟"

✻ "نہیں' مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہیں مجھ سے ہوتے ہی نہیں ہیں اور میں یہی کہتی ہوں کہ ہائے اس کو کس طرح کروں اور میں نے جو بھی سین کیے ہیں جو بھی دو تین رول کیے ہیں بڑی مشکل سے کیے ہیں۔ کیونکہ میرے مقابلے میں جو بھی ہیرو ہوتے ہیں وہ مجھ سے عمر میں کافی بڑے ہوتے ہیں۔ تو احترام بھی آڑے آجاتا ہے تو پھر بھی میں نے رول کر ہی لیے۔"

★ "گھر کے کاموں سے دلچسپی ہے ــــ اور اپنے ڈرامے شوق سے دیکھتی ہیں؟"

✻ "گھر کے کاموں سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے' بس تھوڑی بہت دلچسپی ہے اور اپنے ڈرامے بہت شوق ــــ اور بہت پابندی کے ساتھ دیکھتی ہوں سب کے ساتھ مل کر دیکھتی ہوں۔"

★ "فنکار لوگ کہتے ہیں ہم اس فیلڈ میں آئے تو ہماری زندگی بدل گئی۔ کیا ایسا ہے؟"

✻ "ہاں واقعی میں اس فیلڈ میں آئی تو میری زندگی بدل گئی۔ کہ میں عام سے خاص ہو گئی۔ میری روٹین لائف بدل گئی میں اپنی زندگی میں بہت زیادہ مصروف ہو گئی ہوں۔"

★ "ایک لڑکی کے لیے پردہ کتنا ضروری ہے؟"

✻ "بہت زیادہ ضروری ہے۔ میری امی آج بھی مجھے بازار سے کچھ لانے کے لیے کہتی ہیں اور میرا بھائی گھر پر نہ ہو تو امی کہتی ہیں کہ پہلے چادر اوڑھو پھر جاؤ اور دوپٹا سر پر لے کر جاؤ۔"

★ "ڈھیر ساری دولت ہاتھ آجائے تو کیا خریدیں گی؟"

✻ "کچھ نہیں ــــ زیادہ تر پیسہ مستحق لوگوں میں بانٹ دوں گی۔"

★ "فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں' کون سے چینل شوق سے دیکھتی ہیں؟"

✻ "فارغ اوقات ملتے ہی نہیں ہیں کیونکہ شو میں ہی زیادہ وقت گزر جاتا ہے۔ ویسے مجھے اے آر وائی' نیشنل جغرافک' ڈسکوری ٹائپ کے چینل زیادہ پسند ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے حنا الطاف سے اجازت چاہی۔

✡ ✡

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	دیا شاہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

میری بھی سنیے

سوزین

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"
"سوزین ہی ہے۔"
2 "پیار کا نام؟"
"لوگ اپنے حساب سے بلاتے ہیں۔ جن کو جیسی لگتی ہوں ویسا ہی بلاتے ہیں۔"
3 "میرا پسندیدہ نام؟"
"عینی۔"
4 "میرا پسندیدہ تاریخی دور؟"
"حضرت آدم کا دور..... اس دور میں جانا چاہتی ہوں اور دیکھنا چاہتی ہوں کہ لوگ اس زمانے میں کس طرح کی زندگی گزارتے تھے جبکہ اس زمانے میں تو کچھ ایجاد بھی نہیں ہوا تھا۔"
5 "لکی نمبر؟"
"2 بہت لکی ہے میرے لیے۔"
6 "دنیا کے خوب صورت رشتے؟"
"ماں کا اور پھر دوست کا۔ مگر وہ جو آپ کے ساتھ مخلص ہو۔"
7 "بیگ میں لازمی رکھتی ہوں؟"
"پیسے' پرفیوم اور دیگر ضروری چیزیں۔"
8 "24 گھنٹوں میں پسندیدہ وقت؟"
"صبح سویرے کا اور پھر شام کا۔"
9 "اکثر ناراض ہو جاتی ہوں؟"

"ان لوگوں سے، جو میرا دل دکھاتے ہیں۔"
10 "بہت برا لگتا ہے جب؟"
"جب کوئی میری غیر موجودگی میں میری برائی کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید مجھے پتا نہیں چلے گا۔ مگر لوگ کب کس کا راز رکھتے ہیں۔"
11 "لفظ جو زیادہ استعمال کرتی ہوں یا جملہ؟"
"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا' اس وقت جب کوئی چیز خریدتی ہوں اور دوسروں کو دکھاتی ہوں تو ضرور پوچھتی ہوں کہ 'کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔"
12 "بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے؟"
"او شٹ..... اس وقت جب کوئی کام غلط ہو جائے تو۔"
13 "کون سا دن شوق سے مناتی ہوں؟"
"اپنی سالگرہ کا دن۔"
14 "وہ دن جو یاد آتے ہیں؟"
"اپنے والد کے ساتھ گزارے ہوئے دن۔"
15 "کن کھانوں کو کھا کر بور نہیں ہوتی؟"
"چائنیز بہت پسند ہیں۔ اور اپنے پاکستانی کھانے۔"
16 "کس کو اغوا کرنا چاہتی ہوں؟"
قہقہہ..... "کسی پیسے والی شخصیت کو' تاکہ ڈھیر سارا پیسہ مل جائے اور زندگی سکون سے گزر جائے۔"
17 "شہرت نے کیا نقصان پہنچایا؟"
"شہرت سے نقصان تو نہیں ہوتا لیکن پرائیویسی ختم ہو جاتی ہے۔ آزادی سے کہیں گھوم پھر نہیں سکتے۔"
18 "میں گھبرا جاتی ہوں؟"
"جب لوگ پہچاننے کے چکر میں عجیب نظروں سے گھورنا شروع کر دیتے ہیں۔"
19 "لوگ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟"
"پتا نہیں جی کیوں بولتے ہیں۔ لیکن میں نے تو جب بھی جھوٹ بولا' دوسروں کو مشکل سے نکالنے کے لیے اور میرے خیال سے ایسے جھوٹ سے کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ ناراض ہوتا ہے۔"
20 "رشک آتا ہے قسمت پر؟"
"ان کی قسمت پر جن کو اللہ نے بہت عزت و شہرت سے نوازا ہے۔ بہت دولت سے نوازا ہے۔"
21 "گھر میں میری پسندیدہ جگہ؟"
"اپنا بیڈ روم اور کچن۔ کیونکہ یہ دونوں میرے اندر ہی ہوتے ہیں اور ان کو صاف ستھرا رکھنا میری ذمہ داری ہے تو بہت صاف رکھتی ہوں اس لیے پسند بھی ہے۔"
22 "گھر کا کام جو مجھے پسند نہیں؟"
"گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانا پکانا بھی پسند نہیں۔ کیونکہ اس طرح کچن گندا ہو جاتا ہے۔"
23 "تہوار جو شوق سے مناتی ہوں؟"
"عید کا تہوار مجھے بہت پسند ہے اور ویلنٹائن ڈے منانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت اہتمام کرتی ہوں۔"
24 "کسی سے ملتے ہی بے ساختہ کیا بولتی ہوں؟"
"ہیلو' ہائے' کیسی ہیں آپ' کہاں رہتی ہیں..... سب ایک ساتھ"
25 "کبھی چوری کا موقع ملے تو؟"
"ہے تو بری بات..... مگر آج کل پیسہ بہت زیادہ ضروری

ہو گیا ہے..... پھر بھی چوری نہیں کروں گی' جائز طریقے سے کماؤں گی اور ماشاء اللہ کما رہی ہوں۔"

26 "دو نمازیں جو باقاعدگی سے پڑھتی ہوں؟"

"ظہر اور عصر..... ویسے کوشش کرتی ہوں کہ پوری پڑھوں پھر بھی کوتاہی ہو ہی جاتی ہے۔"

27 "میرے پسندیدہ ریسٹورنٹ؟"

"پی سی اور کیفے زوم اور جہاں بہت ہی اچھا کھانا مل جائے وہ جگہ بھی پسندیدہ ہو جاتی ہے۔"

28 "صبح اٹھتے ہی پہلا کام؟"

"بس ناشتا مل جائے..... صبر نہیں ہوتا۔"

29 "فٹ رہنے کے لیے کیا کرتی ہوں؟"

"فاقہ نہیں کرتی..... بس ایکسر سائز کرتی ہوں اور فٹ رہتی ہوں اور اسمارٹ بھی۔"

30 "اگر کوئی پوچھے کن ممالک نے ترقی کی تو؟"

"تو میں کہوں گی کہ دبئی نے اور پھر ملائیشیا نے ترقی کی مگر دبئی نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔"

31 "ایک بات جو سچ ثابت ہوئی؟"

"مجھے یاد ہے جب میں چھوٹی تھی تو میری پھوپھو کہا کرتی تھیں کہ یہ بچی بڑی ہو کر اپنا نام روشن کرے گی اور اللہ کا شکر ہے کہ ان کی یہ بات سچ ثابت ہوئی۔ آج جب لوگ پہچانتے ہیں تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

32 "میری زندگی بنانے میں معاون ثابت ہوئے؟"

"میرے ابو..... بہت ساتھ دیا انہوں نے۔"

33 "میری شاپنگ نامکمل ہے؟"

"جوتوں اور بیگز کے بغیر میری شاپنگ مکمل نہیں ہے۔ کریز ہے مجھے ان چیزوں کا۔"

34 "میرے پسندیدہ گلوکار؟"

"گزرے زمانے کی میڈم نور جہاں اور موجودہ زمانے کے عاطف اسلم بہت پسند ہیں۔"

35 "شادی کی رسومات جو انجوائے کرتی ہوں؟"

"مایوں کی رسم اور ولیمہ مجھے بہت پسند ہے اور ولیمہ کرنا سنت بھی ہے۔"

36 "شاپنگ کے لیے مخصوص جگہ؟"

"ویسے تو جہاں سے دل چاہتا ہے شاپنگ کر لیتی ہوں' لیکن اگر کوئی بہت ہی اسپیشل شاپنگ کرنی ہو تو پھر میں فورم اور پارک ٹاور سے کرتی ہوں۔"

37 "کھانے کے ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

"سلاد اور پانی کا ہونا لازمی ہے..... ورنہ عجیب سا لگتا ہے میں سمجھتی ہوں کہ یہ چیزیں لازمی ہونی چاہئیں۔ پانی تو خیر ہوتا ہی ہے مگر سلاد بہت ضروری ہے۔"

38 "اپنے فیصلے خود کرتی ہوں؟"

"نہیں' ابھی اپنے آپ کو اتنا قابل نہیں سمجھتی' اس لیے دوسروں سے مشورہ ضرور لے لیتی ہوں۔"

39 "اپنے فیصلے خود کیوں نہیں کرتی؟"

"اس لیے کہ غلط ہو گیا تو ساری زندگی کی لعن طعن سننی پڑے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ غلط فیصلے کے بھی سب ذمہ دار ہوں اور صحیح فیصلے کے بھی سب ذمہ دار ہوں۔"

40 "مشروب میں کیا پسند ہے؟"

"صرف اور صرف جوسز۔"

41 "سخت پیاس میں کون سا جوس پیتی ہوں؟"

"سخت پیاس میں جوس نہیں پانی پیتی ہوں' کیونکہ اسی سے پیاس بجھتی ہے۔"

42 "مسائل کس سے شیئر کرتی ہوں؟"

"اپنی پوری فیملی سے۔"

43 "میں چھٹکارا چاہتی ہوں؟"

"مجھے غصہ بہت آتا ہے اور میں اس سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں باوجود کوشش کے میں اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکی۔"

44 "میری بری عادت؟"

"ضدی بہت ہوں..... کسی بات پر اڑ جاؤں تو بس پھر کر کے ہی چھوڑتی ہوں' منوا کے ہی چھوڑتی ہوں۔"

45 "کوئی فلم جو بار بار دیکھی ہو؟"

"جو پسند آجائے' سمجھ لیں کہ بار بار دیکھتی ہوں اور ایسی کئی فلمیں ہیں۔"

46 "ہفتے کے کن دنوں میں ریلکس ہوتی ہوں؟"

"ہفتہ اور اتوار..... بشرطیکہ اس دن کوئی ریکارڈنگ نہ ہو۔ کیونکہ ان دنوں کام ہو تو سارا ویک اینڈ مصروفیت میں ہی گزرتا ہے۔"

47 "سیاست دانوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے کو دل چاہتا ہے؟"

"سیاست دانوں پر گندے انڈے اور گندے ٹماٹر پھینکنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے ملک کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔"

48 "میرے پسندیدہ رنگ؟"

"سفید اور پیازی رنگ اور ہر وہ رنگ جو مجھ پر سوٹ کرے۔"

49 "تفریح کے لیے پسندیدہ جگہ؟"

"سی ویو اکثر جاتی ہوں اور فیملی کے ساتھ ہاکس بے جانا پسند ہے۔ بہت انجوائے کرتی ہوں۔"

50 "لوگ ہنستے ہیں جب؟"

"جب میں کہتی ہوں کہ مجھے گرمی کا موسم پسند ہے تو سب ہنستے ہیں سردی میں بہت اپنے آپ کو لپیٹ کر رکھنا پڑتا ہے۔"

51 "لڑکے برے لگتے ہیں جب؟"

"جب شوبازیاں کرتے ہیں اور بھرم دکھاتے ہیں۔ جبکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔"

52 "اپنے لباس میں خیال رکھتی ہوں؟"

"کہ ایک تو ایسا لباس ہو کہ جس کو پہن کر میں اچھی لگوں' پھر یہ کہ ان پر شکنیں نہ ہوں اور صاف ستھرا ہو۔"

53 "میں ڈرتی ہوں؟"

"آنے والے وقت سے کہ نہ جانے کیسا ہو۔ کیا ہو..... بس اللہ خیر کیے رکھے۔"

54 "اس فیلڈ نے مجھے سکھایا؟"

"کہ لوگوں سے کس طرح ڈیل کرتے ہیں میں پہلے کافی shy تھی مگر اب اچھی خاصی بولڈ ہو گئی ہوں۔"

55 "کن کیڑوں کو دیکھ کر جان نکلنے لگتی ہے؟"

"چوہوں کو دیکھ کر اور چھپکلی کو دیکھ کر..... چیخیں نکلتی ہیں میری۔"

56 "نخرے برداشت نہیں؟"

"لڑکیاں نخرے کریں تو اچھی لگتی ہیں۔ مگر لڑکے نخرے کریں تو مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوتا۔"

57 "میں بدلنا چاہتی ہوں؟"

"ملکی نظام کو نہیں۔ اپنے آپ کو..... میں ایک بہت ہی باوقار اور اپنے آپ کو میچور دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے اپنی کچھ عادتوں کو بدلنا ہو گا۔"

58 "موڈ خراب ہوتا ہے؟"

"جب کوئی میری بات نہیں مانتا' تو میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"

59 "بارش انجوائے کرتی ہوں؟"

"صرف اور صرف اپنی فیملی کے ساتھ۔"

60 "زندگی کیا ہے؟"

"ایک خوب صورت احساس' خدا کا تحفہ..... اگر زندگی خوشحال ہے تو..... ورنہ زندگی بوجھ ہی لگتی ہے۔"

☆ ☆

آواز کی دُنیا سے

حنا جیبہ سے مُلاقات

شاہین رشید
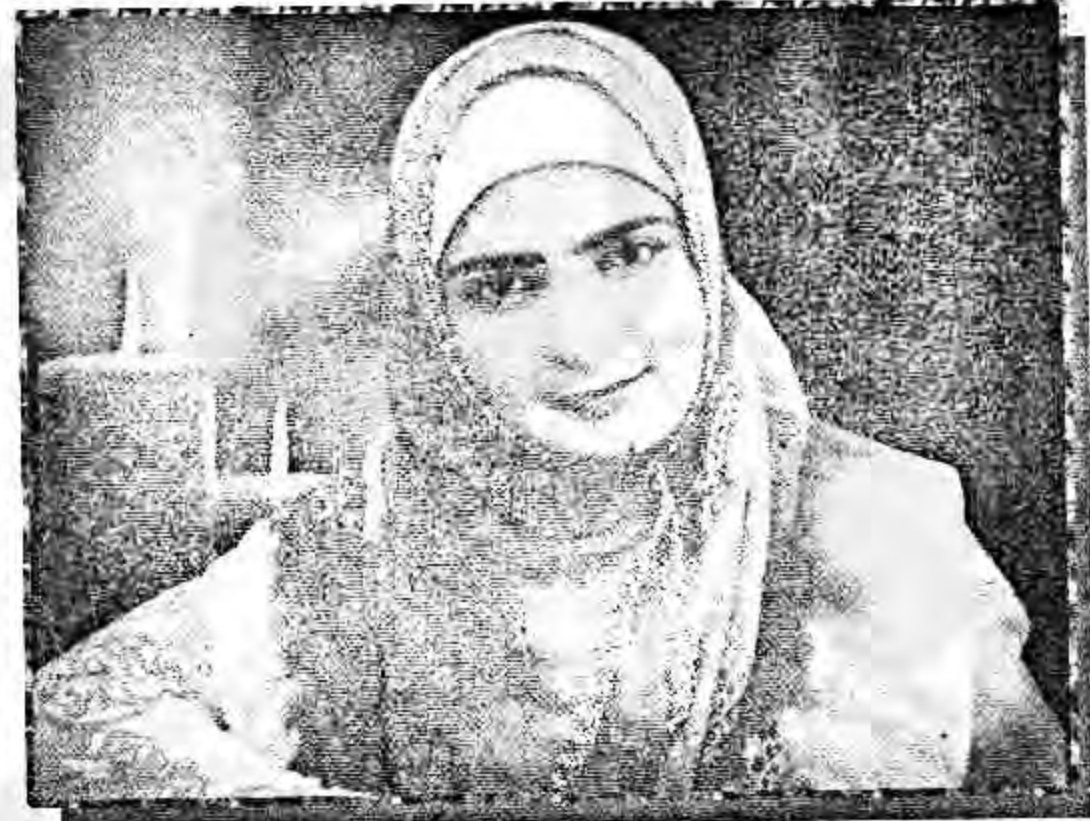
کچھ لوگ قسمت کے بڑے دھنی ہوتے ہیں۔ قدرت ان کے لیے ترقی کے راستے خود ہی کھول دیتی ہے اور وہ بغیر کسی جدوجہد کے وہ سب کچھ پالیتے ہیں جس کی تمنا میں انسان سالوں کی مسافت طے کرتا ہے اور پھر بھی اپنی مرضی کا حاصل نہیں کرسکتا۔ 17 سال کی عمر میں 26 زبانوں میں نعت خوانی کرنے اور بے شمار ایوارڈز حاصل کرنے اور ہر چینل پہ نعت خوانی کرنے والی "حنا جیبہ" کو یہ مقام صرف شوقیہ طور پر اپنی آواز سنوانے پر حاصل ہوا ہے...... کیونکہ قدرت نے اس بچی کو ایک اچھی شہرت کے لیے منتخب کرنا تھا۔

★ "کیسی ہیں حنا؟"

✻ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "میں دیکھتی ہوں، کبھی اس چینل، کبھی اس چینل۔ دن رات ماشاءاللہ مصروف رہتی ہیں، کچھ ملتا بھی ہے یا سب کچھ فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے؟"

✻ "نہیں، نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ بہت اچھا ملتا ہے۔ ایک پروگرام کے 5 ہزار آرام سے مل جاتے ہیں۔"

★ "ہوں...... گڈ...... زیادہ لگتے ہیں یا کم؟"

✻ "بس مناسب ہی ہیں، آپ کو پتا ہے کہ میڈیا والے کم ہی دیتے ہیں اتنے بھی دے دیں تو ان کی مہربانی ہے...... اکثر تو دیتے ہی نہیں ہیں۔"

★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

✻ "جی میری پیدائش کراچی کی ہے بلدیہ ٹاؤن میں ہی رہتی ہوں۔ میری تاریخ پیدائش 8 مارچ ہے اور اس لحاظ سے میرا ستارہ Pisces ہے اور ہم نو بہن بھائی ہیں، یعنی پانچ بہنیں اور چار بھائی اور میں گھر میں بڑی ہوں۔ میری عمر سترہ سال ہے۔ امی ہاؤس وائف ہیں اور میں جہاں جاتی ہوں وہ میرے ساتھ ہی رہتی ہیں، والد جاب کرتے ہیں اور دلچسپ بات بتاؤں کہ میرے دو بہن بھائی جڑواں ہیں پھر دو بہن بھائی جڑواں ہیں اور جو میری چھوٹی بہن ہے وہ گھر کو سنبھالتی ہے۔"

★ "آپ خود سترہ سال کی، تو جو چھوٹی بہن ہے وہ کس طرح گھر کو سنبھالتی ہوگی؟"

✻ "جی میری نانی، میری خالائیں سب کے گھر قریب قریب ہی ہیں تو ہمیں ان کا بہت سہارا ہے اس لیے گھر کی دیکھ بھال اور بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کے لیے زیادہ مشکل پیش نہیں آتی۔"

★ "پڑھائی کر رہی ہیں...... کیا بننے کا ارادہ ہے؟"

✻ "جی میں انٹر کی طالبہ ہوں اور میری خواہش ہے کہ میں نعت خوانی کی فیلڈ میں بہت ہی اعلا مقام حاصل کروں میرا ارادہ اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹرز کرنے کا ہے وہ میرا پسندیدہ مضمون ہے۔

✻ "بے شک کوئی فائدہ نہ ہو۔ لیکن اللہ مجھ سے راضی ہو گا۔ ہمیں اپنے جینے کا مقصد تو پتا چلے گا۔ اسلام کی جو تعلیمات ہیں ہم ان کو دوسروں میں پھیلا سکیں گے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی اچھی تربیت کرسکیں گے۔" چونکہ میں ہوسٹنگ بھی کرتی ہوں تو پھر میرے لیے اسلامی معلومات کا ہونا بہت ضروری ہے اور میں پرائیویٹ طالبہ کی حیثیت سے اپنی پڑھائی جاری رکھوں گی۔ کیونکہ میرے پاس ٹائم کا مسئلہ ہے تو میں ریگولر پڑھائی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ نجی محفلوں میں بھی جانا ہوتا ہے اور ٹی وی وغیرہ میں بھی۔ میں تو پورا سال ہی مصروف رہتی ہوں۔ تو میں نے ایک استاد رکھے ہیں جو مجھے آکر پڑھاتے ہیں۔"

★ "لڑکیوں کو عالمہ بننے کا بھی شوق ہوتا ہے اس

طرف رجحان ہے آپ کا؟"

* "عالمہ بننے کا شوق تو ہے مگر اس میں پابندیاں بہت ہوتی ہیں کہ کوئی غیر محرم آپ کا چہرہ نہ دیکھے نہ کوئی آواز سنے۔ ہم اگر اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو خوامخواہ میں گناہ گار ٹھہریں گے۔ اس لیے وہ کام ہی کیوں کریں کہ جس پر ہم عمل نہ کر سکیں اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ میں ماسٹرز ڈگری حاصل کر کے کسی کالج میں اسلامک اسٹڈیز میں لیکچررہوں۔"

★ "ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادی بڑی چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہے تو اپنی خواہشات کو کس طرح پورا کریں گی؟"

* "میں نے اپنی امی سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ آپ کو میری شادی کی کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی تو آپ سات سال تو بھول جائیں کہ "حنا" کی شادی کرنی ہے 25 سال کی عمر میں شادی کروں گی تاکہ اپنے آپ کو بھی سنبھال سکوں اور زندگی میں آنے والے رشتوں کو بھی۔"

★ "مجھے پتا چلا ہے کہ آپ ماشاءاللہ کئی زبانوں میں نعتیں پڑھتی ہیں تو کون کون سی زبانوں میں حمد و نعت پڑھتی ہیں؟"

* "الحمد للہ میں 26 زبانوں میں حمد و نعت پڑھ چکی ہوں جن میں اپنے ملک کی زبانیں تو ہیں ہی غیر ملکی زبانوں میں مثلاً "چینی' جاپانی' کوریا' عربی' افریقی' فرنچ' انگریزی وغیرہ اور ان زبانوں میں حمد و نعت پڑھنے میں میرے والد صاحب کی بہت محنت شامل ہے۔ مجھے یاد کروانا اس کا ترجمہ کرنا اور اتار چڑھاؤ یہ سب میرے والد کی محنت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب میں اسٹیج پہ پڑھ رہی ہوتی ہوں تو کوئی بھی پوچھ سکتا ہے کہ آپ کیا پڑھ رہی ہیں اس کا کیا مطلب ہے تو میں خوب اچھی طرح یاد کر کے جاتی ہوں اور انہی زبانوں کی وجہ سے مجھے دو بار انٹرنیشنل سطح پہ ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔"

★ "ملک سے باہر جا کر بھی نعت خوانی کی؟"

* "نہیں، مجھے آفرز آ چکی ہیں۔ مگر میرے والدین کا کہنا ہے کہ اگر ملک سے باہر جا کر پڑھنا ہے تو پھر شادی کے بعد ہی جانا ہے۔ اس لیے فی الحال تو میں اپنے ملک کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہوں اور میرا پانچواں البم بھی آنے والا ہے حمد و نعت کا اور جو میرا البم نکال رہے ہیں انہوں نے مجھے کئی بار ساؤتھ افریقہ جانے کی پیشکش کی ہے۔ مگر گھر والوں کی طرف سے بالکل اجازت نہیں ہے۔"

★ "یہاں کہاں غیر ملکی زبانوں میں نعتیں پڑھتی ہیں؟"

* "غیر ملکی قونصل خانے مجھے نعت خوانی کے لیے بلاتے ہیں، پھر آرٹس کونسل میں جب کوئی محفل ہوتی ہے اور وہاں غیر ملکی بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں تو ان کی فرمائش پہ ان کی زبان میں نعت پڑھ کر سناتی ہوں۔"

★ "وہ اچھی پے منٹ کرتے ہیں یا ویسے ہی بلاتے ہیں اور تلفظ کی غلطیاں نکالتے ہیں؟"

* "نہیں نہیں... وہ تو بہت ہی اچھا Pay کرتے ہیں —— بہت عزت بھی کرتے ہیں اور وہ اپنی کرنسی میں Pay کرتے ہیں اور کبھی انہوں نے تلفظ کی غلطیاں نہیں نکالیں۔ بلکہ یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ آپ کو معنی آتے ہیں اور جب میں بتاتی ہوں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ چینی تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج تک کسی نے ہماری زبان میں نعت نہیں پڑھی ہے۔"

★ "بول بھی لیتی ہیں؟"

* "نہیں بول نہیں سکتی... ٹائم ملا تو ان شاءاللہ ضرور بولنا بھی سیکھوں گی تاکہ جب میں ان ملکوں میں جاؤں تو مجھے بولنا بھی آئے۔"

★ "رمضان المبارک میں کیا مصروفیات ہوتی ہیں آپ کی؟"

* "رمضان میں ہر دن کسی نہ کسی چینل کے لیے بک ہوتا ہے میرا۔ سحری اور افطار کے وقت... اور گھر میں افطار اور سحری کرنے کو ترس جاتی ہوں اور عید کی تیاری تو بالکل بھی نہیں کر سکتی۔ بس چاند رات کو نکلتی ہوں اور پھر ریڈی میڈ کچھ نہ کچھ خرید لیتی ہوں۔ تو پورا مہینہ بہن بھائیوں کی شکلوں کو بھی ترس جاتی ہوں۔ میرا بڑا بھائی گیارہ سال کا ہے تو وہ مجھے بہت مس کرتا ہے کہ آپی تم کہاں مصروف رہتی ہو۔ بھائی میرے حافظ قرآن ہیں اور مجھ سے چھوٹی بہن بھی نعت خواں ہیں اور وہ بھی مختلف چینلز پہ پڑھتی ہیں۔"

★ "آپ کا نام "حنا حبیبہ" ہے ام حبیبہ سے کیا رشتہ ہے؟"

* "ام حبیبہ سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مگر میری ان سے کافی ملاقاتیں ہو چکی ہیں اور وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ جب میں نے "کیوٹی وی" سے اپنی نعت خوانی کا آغاز کیا تھا تو "حنا فیروز" کے نام سے کیا تھا کیونکہ میرے والد کا نام "فیروز" ہے لیکن کیوٹی وی والوں نے کہا کہ آپ کی آواز ام حبیبہ سے ملتی جلتی ہے تو مجھے اتنا اچھا لگا کہ پھر میں نے اپنے نام کے ساتھ حنا حبیبہ لگا دیا۔"

★ "یہ تو آپ نے غلط کیا کہ والد کا نام ہٹا کر ام حبیبہ کا نام رکھ دیا۔ والد صاحب ناراض نہیں ہوئے؟"

* "نہیں والد صاحب نے کچھ نہیں کہا بلکہ انہوں نے تو یہ کہا کہ تمہارے دادا کا نام حبیب تھا تو تم نے حبیبہ لگا کر ان کی روح کو خوش کر دیا۔"

★ "کب سے نعتیں پڑھ رہی ہیں اور کیسے آئیڈیا ہوا کہ آپ کی آواز نعتوں کے لیے اچھی ہے؟"

* "پہلی نعت میں نے چھ سات سال کی عمر میں پڑھی تھی اپنے اسکول کے ایک پروگرام میں سر نے کہا کہ کون سی بچی نعت پڑھنا چاہے گی تو میں نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ کیونکہ مجھے نعت پڑھنے کا شوق اپنے والد کی طرف سے ملا تھا وہ بھی ایک زمانے میں نعت پڑھا کرتے تھے تو جب میں نے نعت پڑھی تو سب نے میری بہت تعریف کی بس اس وقت سے مجھے شوق ہوا اور میں نے مختلف پروگراموں میں حصہ لینا شروع کیا اور "آل پاکستان مقابلہ نعت خوانی" میں بہت حصہ لیا اور کافی مقابلے میں نے جیتے تو جب آل پاکستان مقابلہ نعت خوانی ہوتے تھے تو میڈیا کے لوگ بھی بہت آتے تھے تو انہوں نے مجھ سے میرا نمبر لیا اور پھر فون کر کے مجھے بلایا۔ اس طرح ایک سے دوسرے اور تیسرے —— چینل والوں نے بلانا شروع کر دیا اور سب سے پہلے جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ کیوٹی وی سے نعت خوانی کا آغاز کیا اور پہلی ہی بار میں دو نعتیں میں نے پڑھیں "کیوٹی وی" کا ٹائٹل سونگ بھی میں نے ہی گایا ہے۔"

★ "سونگ پہ بات آئی تو میوزک میں بھی آنے کا ارادہ ہے؟"

* "نہیں کبھی نہیں... کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہے تو پھر کیوں نہ اسے اچھی چیزوں میں یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں استعمال کروں۔ کافی کمپنیز نے مجھے گلوکاری کی آفر دی مگر میں نے انہیں منع کر دیا۔ ہاں البتہ میں نے اپنے وطن سے محبت میں قومی نغمے بھی گائے ہیں۔ کیونکہ وطن سے محبت بھی ہمارے ایمان کا ایک حصہ ہے تو قومی نغمے تو گاؤں گی مگر

دیگر گانے نہیں۔"

★ "نعتوں میں کس کا کلام زیادہ پڑھتی ہیں اور ان کا انتخاب کون کرتا ہے اور کبھی سوچا تھا کہ شہرت مل جائے گی؟"

* "میری والدہ کا ہی انتخاب ہوتا ہے اور کس کا کلام ہوتا ہے یہ مجھے نہیں معلوم اور طرز کبھی کبھی خود بناتی ہوں اور پرانی طرز کو بھی کوشش کرتی ہوں کہ نیا انداز دوں اور مجھے نعتیں کلاسیکل انداز میں پڑھنا بہت پسند ہے۔ نہیں کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں ٹی وی میں آؤں گی اور مجھے شہرت مل جائے گی۔ مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ ہمارے خاندان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو میڈیا میں آیا ہو میں واحد ہوں جو دن رات ٹی وی پہ نظر آتی ہوں۔

★ "پرائیویٹ محفلوں میں جاتی ہیں تو آپ کی ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ اتنا پیسہ لینا ہے؟"

* "کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود ہی دے دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کتنا لیں گی تو میں یہی کہتی ہوں کہ جو آپ کو ٹھیک لگے دے دیجیے گا۔ خود سے میں نے کبھی کچھ نہیں مانگا۔"

★ "اور گھریلو کاموں سے دلچسپی ہے اور مزاج کی کیسی ہیں؟ غصہ آتا ہے؟"

* "نہیں بالکل نہیں ہے مجھے تو چائے بھی بنانی نہیں آتی۔ امی کہتی ہیں کہ بیٹا صرف نعت خوانی سے زندگی نہیں گزارنی تمہیں زندگی میں دوسرے گھر بھی جانا ہے۔ تو میں کہتی ہوں کہ انشاء اللہ آہستہ آہستہ سیکھ لوں گی اور غصہ تو مجھے آتا ہی نہیں ہے۔ گھر والے کہتے ہیں کہ حیرت ہے کہ تمہیں غصہ نہیں آتا اور جائز بات پر غصہ آنا چاہیے مجھے صرف پانچ چھ منٹ کے لیے غصہ آتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔"

★ "ٹی وی کے کون سے پروگرام شوق سے دیکھتی ہیں؟"

* "صرف اسلامی پروگرام۔"

★ "یہ بات دل سے کہہ رہی ہیں یا صرف اس لیے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ ایک طرف تو نعت خوانی اور دوسری طرف تفریحی پروگرام۔۔۔ دنیا کا ڈر بھی تو ہوتا ہے نا؟"

* "دل سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے اسلامی پروگرام پسند ہیں۔ انسان کا دل تو ہر چیز کا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دو راستے دکھائے ہیں، نیکی اور بدی کا ہمیں اپنے نفس پہ کنٹرول کرنا چاہیے۔۔۔ اور اگر ہم اپنے نفس پہ کنٹرول کریں گے تو پھر ہم جو چاہیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں دے گا۔"

★ "فیشن سے لگاؤ ہے؟"

* "اچھے ڈریسز پہننے کا بہت شوق ہے تو اپنا یہ شوق خوب صورت عربک عبائے پہن کر پورا کر لیتی ہوں۔۔۔ اور فیشن ایبل ڈریسز بھی پہنتی ہوں مگر ایسے کہ جس سے ہمارا پورا جسم ڈھک جائے اور ساتھ میں اسکارف بھی لیتی ہوں۔"

★ "فیس بک اور انٹرنیٹ سے دلچسپی ہے؟"

* "جی ہاں میں فیس بک پہ ہوں مگر زیادہ ٹائم نہیں دے پاتی۔"

★ "اور کچھ کہنا چاہیں گی آپ؟"

* "جی میں بس یہی کہنا چاہوں گی کہ آپ جہاں ہر کام کو ٹائم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بھی تھوڑا ٹائم دے دیا کریں نماز پڑھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی سنیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں پہ چلیں۔ حمد و نعت سن کر اسے محسوس کریں اور عمل بھی کریں اور کہتے ہیں کہ محسوس کر کے اگر اللہ تعالیٰ کی ثنا خوانی سنیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں بشرطیکہ آپ کا دل ایمان سے خالی نہ ہو۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے حنا حبیبہ سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

سعدیہ عبدالعزیز

ادارہ

☆ آپ کا نام؟ گھر والے کس نام سے پکارتے ہیں؟
○ سعدیہ عبدالعزیز۔ امی اور بڑی بہن "سعدی" پکارتی ہیں۔ شبیر بھائی پیار سے "کوئی موئی" پکارتے ہیں۔ساجدولت کا نک نیم "چھوٹی" ہے۔
☆ کبھی آئینے نے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟
○ میں آئینے سے اور آئینہ ہمیشہ مجھے یہی کہتے ہیں کہ خوش خوراکی کی کمی اور تھوڑی سی تگ و دو سے کافی خوب صورتی اویل کر سکتی ہوں۔
☆ آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟
○ میری فیملی، میری فرینڈز، میرے ذاتی تصورات اور لمحہ لمحہ ماضی بنتے وہ تمام پل جن کی یاد آج بھی لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتی ہے۔
☆ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟
○ والد صاحب کی وفات کے بعد گزشتہ بیس برسوں کے دوران جب سے محسوسات نے شعور پکڑا ہر وہ لمحہ دشوار ترین تھا۔ جب کسی بھی متعلقہ یا غیر متعلقہ فرد کا اپنی بیٹی سے فطری اور دلی لگاؤ دیکھتی ہوں تو اپنی تشنگی و کم مائیگی شدت اختیار کر جاتی ہے۔
☆ آپ کے لیے محبت کیا ہے؟
○ آفاقی و لافانی جذبہ۔ محبت شخصیات کو اعتماد و وقار عطا کر کے دل و روح کی تسکین کا باعث بننے کے علاوہ فرد واحد کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔
☆ مستقبل قریب کا منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟
○ عنقریب زندگی نیا رخ اختیار کرنے والی ہے اس کے آغاز سے پہلے پچھلی زندگی کے بکھیرے ہوئے کام سمیٹنے اور تمام نامکمل کاموں کی تکمیل کے ساتھ حتی الامکان گھر والوں کی سہولیات کی فراہمی کے لیے کی جانے والی کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف عمل ہوں۔
☆ پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا ہو؟
○ معاشی مسائل کی حل کے لیے گزشتہ دس برسوں میں کی جانے والی مسلسل محنت کا ثمر بتدریج بڑھتے گزشتہ برس اچھے نتائج و بہتر آمدنی کی صورت ہر ماہ مسرور و مطمئن کرتا رہا۔
☆ آپ اپنے گزرے کل اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟
○ بہترین۔۔۔ نشیب و فراز۔
☆ اپنے آپ کو بیان کریں؟
○ بظاہر غصے و خفگی کی مظہر درحقیقت حد درجہ خلوص و حساسیت کا پیکر۔
☆ کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟
○ بہت بچپن میں ابو کی وفات کے بعد پیارے رشتوں کا نظر انداز کرنا یہی نظر اندازی کا ڈر آج بھی دوسروں سے کھلنے ملنے سے روکتا ہے۔
☆ آپ کی کمزوری اور طاقت؟
○ میری فیملی۔۔۔ میرے پاکیزہ تصورات۔
☆ آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟
○ صرف اپنی بہنوں سے شیئر کر کے اور بذات خود دل و روح کو خوشگواریت کے احساس سے دوچار کر کے۔
☆ آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟
○ بہتر، باعزت اور طمانیت کے روح پرور احساس کے ساتھ زندگی گزارنے کی اولین اور بنیادی ترجیح۔
☆ گھر آپ کی نظر میں؟
○ خود ساختہ پیدا شدہ یا دوسروں کی شعوری پیدا کردہ دنیاوی صعوبتوں سے نجات اور بلا تفریق مرد و زن اپنائیت، ملکیت اور ذہنی سکون کی فراہمی کا واحد ذریعہ۔
☆ کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟
○ میری ڈکشنری میں غلطیوں اور رویوں پر شرمندہ افراد کے لیے تو معافی کی گنجائش ہے، مگر باقی راندہ سے کنارہ کشی ہی بہتر جانتی ہوں۔
☆ اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟

○ اللہ بزرگ و برتر کی مہربانی کے بعد باجی اور چچا کی کوشش، ماں کی دعاؤں اور اپنی مسلسل محنت کو کامیابی کا سہرا پہناتی ہوں۔

☆ کامیابی کیا ہے آپ کی نظر میں؟

○ کامیابی خود اعتمادی عطا کرکے مزید منزلوں تک رسائی کے لیے کوشش پر ابھارتی ہے۔

☆ سائنس نے ہمیں مشینوں کا محتاج کرکے کاہل کردیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟

○ سائنسی ترقی واقعی ترقی ہے۔

☆ کوئی عجیب خواہش یا خواب؟

○ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بے ریا لوگوں کے چہرے کی افسردگی اور آنکھوں کی اداسی کو دور کرکے اپنے خلوص کی یقین دہانی کراؤں۔

☆ برکھارت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟

بوند بوند برستی بارش کو یک ٹک لگا تار برستے دیکھنا اندرونی تسکین دیتا ہے۔

☆ آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

○ پھر بھی ایسی ہی ہوتی۔

☆ آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب۔۔؟

○ جب میری امی مجھ سے خوش ہوں۔ جب کوئی اچھا کام کروں۔ بچھڑی ہوئی ہم مزاج دوستوں کی یاد سے بھی دل کو سکون ملتا ہے۔

☆ آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟

○ سادہ دل لوگوں کی سادگی اور ان کے اچھے اعمال۔

☆ کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب کچھ پالیا ہے جو پانا چاہتی تھیں؟

○ بے شک ضروریات، توقعات، بساط اور اوقات سے بڑھ کر پایا۔

☆ اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟

○ اول الذکر دوسروں پر طنز کرنا اور تمسخر اڑانا میرا خوبی نہیں۔ خامی یہ کہ دوسروں کی دی ہوئی شعوری تکالیف کو بھلانا ناممکن لگتا ہے۔

☆ کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی شرمندہ کردیتا ہے؟

○ بھائی سے ہونے والی تلخ کلامی جو شرمندگی کے ساتھ ساتھ باعث اذیت بھی ہے۔

☆ کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوجاتی ہیں؟

○ مقابلہ کرنا میرا وصف نہیں بلکہ اپنی ذات میں مگن رہتی ہوں۔

☆ متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟

○ مصنفہ "عمیرہ احمد، فرحت اشتیاق، رخسانہ نگار، نبیلہ عزیز" کے تمام ناول۔
مووی "کبھی خوشی کبھی غم"

☆ آپ کا غرور؟

○ میرے پاکیزہ خیالات۔

☆ کوئی ایسی شکست جو آپ کو آج بھی اداس کردیتی ہے؟

○ ایف۔ اے میں امید سے کم نمبر آنا آج بھی اداس کردیتا ہے۔

☆ کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا؟

○ باپ کی شفقت سے بہرہ ور ہونے والی ہر بیٹی سے حسد تو نہیں مگر رشک محسوس کرتی ہوں۔

☆ مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟

○ دنیاوی تفکرات سے بچاؤ اور معلومات کے حصول کا ماخذ و منبع اور فرصت کے لمحات کا بہترین مصرف۔

☆ آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی جو آپ اپنے علم، تجربے اور مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟

○ انفرادی تعین کردہ مقاصد کے حصول میں کی جانے والی مسلسل کوشش کا نام زندگی ہے۔

☆ آپ کی پسندیدہ شخصیت؟

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

☆ ہمارا پیارا پاکستان سارا کا سارا خوب صورت ہے۔ آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟

○ ہر وہ تفریحی مقام جہاں انواع و اقسام کے جھولے ہوں۔

نفیسہ سعید

اک ساگر ہے زندگی

چلتے چلتے بالآخر گاڑی رک ہی گئی سفر کتنا طویل تھا اسے موبائل کی مصروفیت میں اندازہ بھی نہ ہوا اب جو گاڑی جھٹکا لے کر رکی تو اس نے بھی اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اگلی سیٹ سے پاپا اور ڈرائیور فضل چاچا ایک ساتھ ہی باہر نکل گئے تھے۔

اس نے کھڑکی کے شیشے کے پار جھانکا دور دور تک پھیلی ہوئی چھوٹی بڑی دکانیں جن کے سامنے جانے کس کس اشیائے صرف کے ٹھیلے کھڑے تھے' جہاں بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے ہر طرف رش ہی رش تھا لوگوں کا جم غفیر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا جانے یہ کون سا علاقہ تھا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک کبھی ایسی جگہ نہیں گیا جہاں اتنے لوگ ایک ساتھ موجود ہوں۔ یہ پاپا جانے کہاں لے کر آگئے تھے جبکہ اس کے دونوں بہن بھائی ماما کے ساتھ دو دن پہلے ہی ابروڈ گئے تھے اسے پاپا نے روک لیا تھا وہ اسے کسی سے ملوانا چاہتے تھے کس سے؟ یہ ابھی تک وہ جان نہ پایا تھا۔

پاپا باہر کھڑے فضل چاچا سے کچھ باتیں کر رہے تھے اسے الجھن سی محسوس ہونے لگی یہ دونوں اسے اندر چھوڑ کر ہی کہیں نہ چلے جائیں اس خیال کے آتے ہی اس نے تیزی سے اپنی جانب کا دروازہ کھولا جس کی آواز سنتے ہی ملک صاحب نے پلٹ کر دیکھا مگر کہا کچھ نہیں وہ خاموشی سے اتر کر ان کے قریب جا کھڑا ہوا فضل چاچا نے گاڑی

سے کچھ نکالا اور گاڑی لاک کردی۔

"اندر گلیوں میں گاڑی جانے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہمیں پیدل ہی آگے کا سفر کرنا ہوگا۔" پاپا نے ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے وضاحت کی ابھی مزید اندر کی تنگ و تاریک گلیوں میں بھی داخل ہونا تھا اس سوچ نے بھی اسے تھوڑا سا پریشان کردیا مگر وہ زبان سے کچھ نہ بولا اور اپنے پاپا کے ساتھ ساتھ چلتے سامنے نظر آنے والی تنگ و تاریک گلی میں داخل ہوگیا۔ فضل چاچا ان سے کچھ آگے چل رہے تھے ان کے ہاتھ میں غالباً" ایڈریس کی پرچی تھی یہ ہی سبب تھا جو وہ جگہ جگہ رک کر لوگوں سے کچھ پوچھ بھی رہے تھے۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟" اس سوال سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ تو اپنے اردگرد موجود چھوٹے چھوٹے اور تنگ و تاریک مکان دیکھ کر حیران ہورہا تھا اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہاں بھی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں اس کے تصور میں تو ان مکانات میں سانس لینا بھی مشکل تھا پھر بھی حیرت تھی کہ ہر طرف زندگی رواں دواں تھی شور شرابا بچوں کے کھیلنے کی آوازیں کہیں کہیں زور و شور سے بجتا ہوا تیز میوزک یہ سب اس کے ماحول سے یکسر مختلف تھا اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ ان کا کوئی ملنے والا کسی ایسی جگہ سے تعلق رکھتا ہو وہ سب تو بہت ہی ہائی فائی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے پھر ایسے میں پاپا کا ان گلیوں میں آنا' وہ کچھ سمجھ نہ پایا۔

چلتے چلتے فضل چاچا ایک تنگ گلی میں داخل ہوگئے جو آگے سے بند تھی گلی کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے چار پانچ مکان بنے ہوئے تھے وہ دو گھر چھوڑ کر تیسرے کے ساتھ جا کھڑے ہوئے اپنا چشمہ درست کرکے باہر لگی تختی پر نام پڑھا اور اگلے ہی پل سبز رنگ والے دروازے کی کنڈی زور و شور سے بجادی جس کے جواب میں فوراً ہی کسی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا فضل چاچا نے جانے پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اندر موجود نفوس سے کیا کہا جو اگلے ہی پل دروازہ پورا کھول دیا گیا۔

"آجائیں صاحب جی ہم صحیح جگہ آگئے ہیں۔"

فضل دین نے پلٹ کر اپنے مالک کو پکارا جو حیران پریشان کھڑے اس گھر کو دیکھ رہے تھے جس میں رہنے والی ہستی سے وہ ملنے آئے تھے انہیں کبھی امید نہ تھی آج اتنے سالوں بعد وہ انہیں اس گھر میں ملے گی اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے پردہ ہٹا کر وہ اس گھر کے اندر داخل ہوگئے ان کی تقلید میں چودہ سالہ ایشال کو بھی اس گھر کی دہلیز پار کرنی پڑی ورنہ عام حالات میں وہ کبھی اتنی گندی جگہ جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

چھوٹا سا صحن پار کرتے ہی وہ ایک نیم تاریک کمرے میں داخل ہوگئے انہیں اندر لانے والی خاتون نے جلدی سے آگے بڑھ کر کمرے کا بلب آن کیا مٹمیلا سا اجالا چاروں طرف پھیل گیا سامنے چارپائی پر کوئی وجود بالکل ساکت و صامت پڑا تھا لائٹ کھولنے والی خاتون اس کے سرہانے کھڑی ہوگئیں۔

"آنٹی آپ کے مہمان آئے ہیں اسلام آباد سے' جنہیں آپ نے خط لکھ کر بلوایا تھا۔" اس نے بستر پر لیٹے وجود کا کندھا دھیرے سے ہلایا۔

"فضل دین تم جاؤ اور وہ سب کام مکمل کرکے آؤ جو میں نے تم سے کہے تھے۔"

ملک صاحب نے اپنے پرس سے نکال کر جانے کتنی رقم اس کے حوالے کی جو اس نے خاموشی سے اپنی قمیص کی جیب میں رکھی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا ایشال کا دل چاہا وہ بھی چاچا کے ساتھ چلا جائے مگر گیا نہیں اور وہیں کھڑا رہا جب کہ اس کے پاپا دھیرے دھیرے چلتے اس وجود کے پاس جا کھڑے ہوئے جس میں زندگی کی کوئی رمق اتنی دور سے اسے محسوس نہیں ہورہی تھی' وہ حیران تھا کہ یہ پاپا کی کون سی ایسی عزیزہ ہیں جنہوں نے انہیں خط لکھ کر بلوایا' اور جن سے ملنے کے لیے پاپا نے ابروڈ میں جلد ہی منعقد ہونے والی ماما کی جیولری کی نمائش بھی اٹینڈ کرنے سے معذرت کرلی اور یہ بھی نہیں بلکہ جانے کیوں وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

جو بھی تھا ایشال چاہتا تھا کہ اس کے پاپا جلد از جلد ان سے مل کر واپس چلیں مگر پاپا تو مزے سے ان خاتون کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئے وہ ابھی تک اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا تھا۔ اس کے موبائل پر جانے کس کس کا میسج آیا ہوا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا اسے اس ماحول سے الجھن سی محسوس ہورہی تھی ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے آس پاس زندگی ختم ہوگئی ہو۔

"ایشال ادھر آؤ بیٹا اپنی آنٹی سے ملو" جانے کیسے پاپا کو اس کا خیال آگیا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دھیرے دھیرے چلتا ان کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔

"ایشال تو تمہیں یاد ہوگا نا' میرا سب سے بڑا بیٹا۔"

فخر پاپا کے لہجہ میں خود بخود در آیا۔

کھینچ کھینچ کر سانس لیتے وجود نے بمشکل اثبات میں اپنا سر ہلایا اور اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا اتنے حبس زدہ ماحول میں بھی بستر پر لیٹی ان خاتون کے پاس سے آتی دھیمی دھیمی خوشبو نے ایشال کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" پاپا نے بازو سے پکڑ کر اسے ان خاتون کے سامنے کردیا' نہایت ہی کمزور' پیلی زرد رنگت' آنکھوں کے نیچے گہرے گہرے حلقے' اپنی جانب تکتی ان سفید سفید آنکھوں کو دیکھ کر وہ تھوڑا سا خوف زدہ ہوگیا' ایسا ماحول اور اس طرح کی خاتون اس نے آج تک ڈراؤنی فلموں میں ہی دیکھی تھیں اپنی حقیقی زندگی میں اس کا واسطہ تو ہمیشہ خوب تیار شدہ' میک اپ سے آراستہ حسین و جمیل خواتین سے ہی پڑا تھا جن کے حسن میں قدرت سے زیادہ مصنوعی ہتھیار استعمال کیے جاتے تھے اور اسے ہمیشہ سے یہ سب کچھ ہی اچھا لگتا تھا رنگ روشنی' خوشبو ایسا ماحول برداشت کرنا یقیناً" اس کے اعصاب کے لیے ایک کڑا امتحان تھا۔

ایشال کے سلام کے جواب میں ان خاتون نے یک دم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا ان کے لرزتے ہاتھوں میں بھی ایشال کو اپنے لیے ایک گرم جوشی سی محسوس ہوئی اس کے ساتھ ہی اسے محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھوں سے آنسو بھر رہے ہوں' پاپا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چھڑوایا' اور اپنے قریب رکھی کرسی پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ایشال کرسی تھوڑا سا پیچھے کھینچ کر بیٹھ گیا اور ساتھ ہی ایک بار پھر اپنے موبائل میں مصروف ہوگیا اتنی دیر میں اس کا وہ گیم خراب ہوگیا جو اس نے اس گھر میں داخل ہونے سے قبل شروع کیا تھا گیم آف کرکے اس نے ان باکس

کھولا اور سارے میسج پڑھ کران کا جواب دینے لگا اس مصروفیت میں جانے کتنا وقت گزر گیا ہوش اس وقت آیا جب چاچا فضل کمرے کا دروازے پر پڑا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوئے ان کی آمد کا احساس ہوتے ہی ایشال نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا چاچا فضل کے ساتھ چار اجنبی اشخاص بھی تھے جن میں سے ایک شخص عمر رسیدہ اور باریش بھی تھا جس کے لیے پاپا نے فوراً ہی اپنی کرسی چھوڑ دی ان کی تقلید میں وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا چاچا فضل اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لائے تھے جو انہوں نے قریب دھرے لکڑی کے ٹیبل پر ہی رکھ دیا۔

سامان سے آتی خوشبو نے ایشال کو بھوک کا احساس دلایا وہ صبح سے بھوکا تھا اور یقیناً یہ سامان کھانے پینے کی اشیائے خورد و نوش تھیں ایشال کا سارا دھیان کمرے میں موجود واحد ٹیبل کی جانب منتقل ہو گیا' کمرے میں کیا ہو رہا تھا اسے اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی' چاچا فضل نے ایک بار پھر اسے بازو سے پکڑ کر پاپا کے قریب کر دیا۔

"بیٹا یہاں سائن کرو۔" ان کے قریب کھڑے کالے کوٹ والے شخص نے فائل میں رکھا ایک کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"نکاح نامہ' کچھ ناگزیر حالات کے سبب مجھے تمہارا نکاح کرنا پڑا اور چونکہ تم نا سمجھ ہو اس لیے تمہارے ولی کی حیثیت سے سب کچھ باقاعدہ میری اجازت سے ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" پاپا نے مکمل تفصیل کے ساتھ وضاحت کی۔

نکاح کے بعد انہوں نے جو کچھ کہا اس کی سمجھ میں نہ آیا مگر وہ حیران ضرور ہوا' اسے علم تھا کہ نکاح کے لیے ایک عدد لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے جو اسے اس کمرے میں دور دور تک دکھائی نہ دے رہی تھی' پچھلے دنوں اس کے ماموں کے بیٹے فاران بھائی کا نکاح بھی ایک مقامی ہوٹل میں ہوا تھا خوب دھوم دھام اور ہلے گلے کے ساتھ' ان کے پہلو میں روحا بھابھی بھی خوب تیار ہو کر بیٹھی تھیں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں یہ نکاح اس نکاح سے بالکل مختلف تھا۔

وہ چودہ سالہ لڑکا' نکاح کی اہمیت سے قطعی ناواقف تھا وہ نکاح کو صرف ایک رنگا رنگ تقریب کے حوالے سے جانتا تھا اور کچھ نہیں' یہ ہی سبب تھا جو بنا مزید کوئی سوال کیے اس نے خاموشی سے پیپرز پر سائن کر دیے۔

"ملک صاحب' بہت بہت مبارک ہو۔" سب پاپا سے مل رہے تھے انہیں اندر لانے والی خاتون ہاتھ میں ایک عدد ٹرے لیے کمرے میں آن موجود ہوئیں' ٹرے میں رکھی خالی پلیٹوں میں چاچا فضل نے مٹھائی اور کچھ اور کھانے پینے کی اشیا رکھ دیں سب کچھ نظر انداز کر کے وہ پھر سے اپنے موبائل میں مصروف ہو گیا اس ماحول سے اس کا دھیان ہٹانے میں آج اس کے سیل نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا ورنہ جانے اتنی دیر میں اس کا کیا حشر ہوتا' تمام لوگ ایک بار پھر پاپا کو مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جا چکے تھے' اب پاپا بھی چلنے کو تیار تھے اس عرصہ میں کسی نے اسے کچھ کھانے کا نہ پوچھا تھا اور نہ ہی اس نے مانگا' پاپا ان خاتون سے دھیرے دھیرے بات کر رہے تھے جب وہ چاچا فضل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

چھوٹا سا صحن ابھی پار نہ کیا تھا کہ پاپا بھی باہر آ گئے اور صحن کے دوسرے سرے پر بنے ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے' یہ چھوٹا کمرہ غالباً" کچن تھا ایشال نے دیکھا سبز دوپٹے میں ملبوس کوئی لڑکی وہاں' دروازے میں کھڑی تھی جو اندھیرے کے باعث اسے بالکل دکھائی نہیں دی اور نہ ہی اسے اس لڑکی کو دیکھنے میں کوئی دلچسپی تھی۔ پاپا نے اس لڑکی کو اپنے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور جانے کیا بات کی اس لڑکی کا یہ ہلکا سا تصور ایشال کے ذہن میں نقش ہو گیا اور وہ افضل چاچا کے ساتھ اس گھر کی دہلیز پار کرتا ہوا نکل گیا وہ جلد از جلد ان گلیوں کو چھوڑ کر جانا چاہتا تھا' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"پاپا مجھے برا ہٹ جانا ہے۔" ملک صاحب کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے فرمائش کی۔

"اوکے بیٹا۔" وہ کبھی اس کی کوئی فرمائش نہ ٹالتے تھے۔

"ایک بات اور بیٹا آج کی اس تقریب کے بارے میں تم فی الحال اپنی مما یا کسی اور کو میسج پر کچھ نہیں بتاؤ گے جو کچھ بتانا ہے میں خود بتاؤں۔"

"کون سی تقریب؟" وہ بالکل نہ سمجھ پایا۔

"تمہارے نکاح کی۔" پاپا نے پلٹ کر دیکھا۔

"پاپا مجھے بھوک لگی ہے پلیز پہلے کچھ کھلا دیں باقی بات بعد میں کریں گے۔" کیونکہ سمجھتے ہوئے بھی اسے پاپا کا "تمہارا نکاح" کہنا کچھ اچھا نہ لگا۔

☼ ☼ ☼

"سر یہ فائل یہاں رکھ دوں اس پر آپ نے سائن کرنا ہے۔"

شاہ زین نے پی سی سے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا' اورنج اور وائٹ پرنٹڈ کرتے کے ساتھ وائٹ دوپٹا گلے میں ڈالے وہ ہمیشہ کی طرح فریش تھی "آج تو بڑی اچھی لگ رہی ہو۔" وہ بے اختیار تعریف کر بیٹھا۔

"تھینک یو سر" وہ پچھلے ایک سال سے اس کے آفس میں تھی مگر آج تک اتنی ہی ریزرو تھی کہ کبھی کبھی تو شاہ زین کو حیرت بھی ہوتی کیونکہ وہ خود فطرتاً" خاصا ہنس مکھ تھا اور جلد ہی لوگوں سے گھل مل جاتا تھا اور اس کی اتنی کوششوں کے بعد یہ ضرور ہوا کہ حبیبہ اب بنا کسی تکلف اس سے بات ضرور کر لیتی مگر پھر بھی وہ بے تکلفی نہ تھی جو عام طور پر آفس میں کام کرنے والی لڑکیوں میں آجاتی ہے اس کے آفس کا ماحول تو ویسے بھی خاصا فرینڈلی تھا۔ شاہ زین نے ہاتھ بڑھا کر فائل کھولی اور جہاں جہاں حبیبہ نے ہاتھ رکھا سائن کرتا چلا گیا حبیبہ شام کی کسی یونیورسٹی سے بی بی اے کرنے کے ساتھ ان کے ہاں ملازمت بھی کر رہی تھی اور خاصی پر اعتماد لڑکی تھی جس کی خود اعتمادی شاہ زین کو شروع سے ہی پسند تھی۔

"تم آج شام کو فری ہو؟" وہ جیسے ہی فائل اٹھا کر پلٹی شاہ زین نے یک دم ہی پوچھ لیا اس کا یہ سوال یقیناً" غیر متوقع تھا۔

"کیوں سر خیریت؟" اپنے بالکل سیدھے کمر تک آتے بالوں کو وہ کان کے پیچھے کرتی ہوئی حیرت سے بولی اس کے یہ سلکی بال بھی اسے بہت پسند تھے اکثر اس کا دل چاہتا وہ قریب جا کر ان میں آتی خوشبو کو ایک لمبی سانس کے ذریعے اپنے اندر اتار لے۔

"دراصل میرے ایک دوست نے آج اپنی انگیج منٹ کی ٹریٹ دینی ہے سوچا تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں یہاں گھر والوں سے دور تم ضرور بور ہوتی ہوگی۔"

اس کے پاپا نے جب حبیبہ کو اپائنٹ کیا تھا تو بتایا تھا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی آئی ہے جبکہ اس کی فیملی حیدر آباد میں ہوتی ہے۔

"نہیں سر میں بالکل بھی بور نہیں ہوتی آپ شاید بھول گئے ہیں شام میں میری کلاسز ہوتی ہیں اور چھٹی والے دن میں ہوسٹل میں رہ کر اپنے تمام کام ختم کرتی ہوں میری مصروفیت مجھے بور نہیں ہونے دیتی۔" نرمی سے جواب دے کر وہ شیشہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے جلدی جلدی الماری کھول کر کپڑوں میں چھپے ہوئے پیسے نکال کر گنے بارہ سو پچاس روپے گننے کے بعد

اس نے منہ ہی منہ میں دہرایا۔

"اس میں تو لان کا ایک اچھا جوڑا نہیں آئے گا میں باقی شاپنگ کیا کروں گی۔" زینب مایوس سی ہو گئی یہ رقم جانے وہ کب سے جمع کر رہی تھی اس کا بہت دل چاہتا تھا کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح بازار جا کر خوب شاپنگ کرے گھومے پھرے، مزے مزے کے کھانے کھائے مگر فرہاد اس کا شوہر جانے کس طرح کا مرد تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ عورت کی ضروریات میں صرف دو وقت کا کھانا اور سردی گرمی کے چار سوٹوں سے زیادہ کچھ نہیں، وہ گھر کا راشن خود لاتا، ایک ایک چیز خود خریدتا، یہاں تک کہ اگر زینب کو کچھ چاہیے ہوتا تو وہ بھی اسے فرہاد سے ہی منگوانا پڑتا جب کہ اس کا دیور اور جیٹھ دونوں ایسے نہ تھے وہ اپنی بیویوں کو الگ سے باقاعدگی کے ساتھ خرچہ دیتے جو فرہاد کے نزدیک سوائے بے وقوفی کے کچھ نہ تھا ایسے موقع پر وہ ہمیشہ اپنی ماں کے حوالے دیتا جس نے پائی پائی جوڑ کر ان کے لیے گھر بنایا وہ کہتا اس کی ماں دو سوٹ گرمیوں میں اور دو سردیوں میں بناتیں اس کے نزدیک اس کی ماں کی یہ بچت اور سلیقہ شعاری ان کے کام آئی اور وہ یہ ہی امید زینب سے بھی رکھتا یہ جانے بغیر کہ اس کی دلی خواہشات کیا ہیں؟

وہ یہ ضرور چاہتا کہ جب گھر آئے زینب خوب تیار ہو مگر اس کے لیے وہ کوئی اضافی رقم خرچ کرنے پر بالکل تیار نہ تھا، اور اس کی یہ عادت زینب کو سخت ناپسند تھی ابھی بھی یہاں وہاں سے جمع کی گئی رقم جن میں اس کی بیٹی کی عیدی بھی شامل تھی ناکافی ہونے کے سبب زینب کو مایوس کر گئی وہ خاموشی سے رقم واپس رکھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

فرہاد کچن میں رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر ناشتا کرنے میں مصروف تھا پہلے اس کا دل چاہا وہ اس سے کچھ رقم مانگ لے اسے بتائے کہ اس نے شاپنگ کے لیے جانا ہے مگر پھر اگلے ہی پل اپنی اس خواہش کا گلا خود گھونٹ دیا اس کا بالکل دل نہ چاہا اس وقت فرہاد کے متوقع سوالات کا جواب دینے کو، رقم تو اس نے دینی نہیں تھی الٹا ایک بار پھر اسے اپنی ساس کے قصیدے سننے پڑتے جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھے۔

آگے بڑھ کر زینب نے خاموشی سے چائے کا چولہا بند کیا اور گرما گرم چائے دو کپوں میں نکال لی، ایک فرہاد کے سامنے رکھا اور دوسرا ہاتھ میں لیے باہر آ گئی۔ جہاں ٹی وی پر کوئی انتہائی واہیات مارننگ شو آ رہا تھا جس میں موجود میزبان خاتون کی باتیں اور ڈریسنگ اتنی فضول تھی کہ اس نے جلد ہی اکتا کر ٹی وی کا چینل تبدیل کر دیا کسی اچھی سی لان کا اشتہار آ رہا تھا۔ رنگ برنگے پرنٹ وہ دیکھنے میں مگن ہو گئی جب فرہاد کچن سے ہاتھ پونچھتا ہوا باہر نکلا زینب کے قریب رکھا ریموٹ اٹھا کر چینل تبدیل کر دیا۔

"اس لان کا ایک سوٹ ہی کافی مہنگا ہے۔ جس کا ابھی ٹی وی پر اشتہار آ رہا تھا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"اچھا۔" فرہاد جواب دے کر نیوز سننے لگا۔

"فضہ بھابھی اس لان کے چار سوٹ لے کر آئی ہیں۔" فرہاد کی بے توجہی کے باوجود اس نے اپنے دل کی بات اس تک پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک بار پھر ہمت باندھی۔

"لائی ہوں گی میں کیا کروں، ویسے بھی اسفند بھائی کے پاس فالتو پیسہ ہے جو ان کے بیوی بچے اس طرح اجاڑتے پھرتے ہیں وہ کام جو وہ دو دو ہزار کے سوٹ خرید کر کرتی ہیں وہ، چار سو والے سوٹوں میں بھی ہو سکتا ہے بس پہننے والے بندے کو سلیقہ ہونا چاہیے۔" اس کی یہ تھیوری کبھی بھی زینب کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"اب دیکھو تمہیں جو ریڈ اور بلیک سوٹ میں نے لا کر دیا تھا صرف تین سو روپے کا تھا مگر جب تم نے پہنا تو کس قدر اچھا لگ رہا تھا۔"

اس کی وہ باتیں جن سے ہمیشہ ہی زینب کو چڑ ہوا کرتی تھی شروع ہو گئیں اب اس سے مزید کچھ کہنا بے کار تھا لہٰذا وہ خاموشی سے سنتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کمرے میں ہونے والے ہلکے سے کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ منہ سے کمبل ہٹایا تو دیکھا روم میں پھیلے ملگجے سے اندھیرے میں اس کے پاپا تیار کھڑے تھے۔

"یہ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔" ایشال کے ذہن میں یہ خیال آتے ہی اس نے ایک نظر سامنے نظر آنے والی وال کلاک پر ڈالی جہاں ساڑھے تین بجے تھے وہ فوراً ——— کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔

"پاپا۔" ملک صاحب نے ایشال کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔

"یس بیٹا۔" آہستہ سے کہتے ہوئے وہ اس کے قریب آن کھڑے ہوئے۔

"آپ اتنی رات میں کہاں جا رہے ہیں۔" حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ پریشان بھی ہو گیا۔

"بیٹا ہم پرسوں تمہاری جس آنٹی سے ملے تھے نا ان کا انتقال ہو گیا ہے۔" پاپا اس کی جانب تکتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"اوہ تو آپ اتنی رات میں ان کے گھر جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ تنگ و تاریک گلیاں اس کے ذہن میں آ گئیں۔

"نہیں بیٹا وہ اسپتال میں تھیں، فضل وہیں ان کے ساتھ تھا اب وہ مجھے لینے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ صبح جلدی فارغ ہو کر جیسے ہی میں واپس آؤں گا ہم اسلام آباد کے لیے نکل جائیں گے تم سو جاؤ میں کمرہ لاک کر کے جا رہا ہوں صبح ناشتے کے لیے روم سروس فون کر دینا ورنہ فریج دیکھ لینا اس میں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔"

ان کا موبائل بج اٹھا، وہ اسے جلدی جلدی سمجھا کر باہر نکل گئے شاید فضل چاچا آ گئے تھے، کمرے سے نکلتے نکلتے وہ زیرو پاور کا بلب بھی آف کر گئے تھے کیونکہ ایشال ہمیشہ اندھیرے میں سونے کا عادی تھا۔

"اگر وہ آنٹی اسپتال میں تھیں تو وہ سبز دوپٹے والی ان کی بیٹی کہاں ہو گی کیا اکیلی اس تنگ و تاریک گھر میں... بے چاری اب کیسے رہے گی اس گھر میں اکیلی۔"

یہ آخری سوچ جو سونے سے قبل اس کے دماغ میں آئی اور پھر اس کا دماغ فوراً ہی نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا اپنی ماں کی موت کے بعد اس لڑکی کے اکیلے رہ جانے کے علاوہ کوئی دوسری سوچ ایشال کے ذہن میں نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ جیسے ہی باتھ روم نہانے کے لیے گھسی اچانک ہی داخلی دروازے کی گھنٹی بج اٹھی یہ وقت فرہاد کے گھر آنے کا نہ تھا پھر اس بھری دوپہر میں کون آ گیا؟ اسے یک دم ہی کوفت نے گھیر لیا۔ جگنو کو دو دن سے بخار تھا ابھی بھی بڑی مشکل سے وہ رو رو کر سوئی تھی اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بڑی بیٹی مریم کو بھی سلا دیا تھا کیونکہ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو کبھی بھی جگنو کو نہ سونے دیتی جانے کیوں وہ پیار ہی پیار میں اتنی شدت سے اس کے گال کھینچتی کہ بے چاری بچی بلبلا ہی اٹھتی یہ ہی سبب تھا جو زینب کبھی بھی اسے جگنو کے ہمراہ تنہا نہ چھوڑتی ابھی بھی جب تک وہ کپڑے دھوتی رہی تمام وقت مریم کو اپنے ساتھ ہی رکھا اور پھر دونوں کو ایک ساتھ سلا کر نہانے کے لیے باتھ روم گھسی تو جانے یہ کون آ گیا۔

پہلے تو سوچا نظر انداز کر کے نہا لے جو ہو گا خود ہی واپس چلا جائے گا مگر آنے والا بھی شاید بہت ہی ڈھیٹ تھا بیل ایک بار پھر پوری شدت سے بج اٹھی اپنا نہانے کا ارادہ ترک کر کے اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور باتھ روم

سے باہر نکل آئی کمرے سے باہر آتے آتے بیل ایک بار پھر سے بج اٹھی۔

"آ رہی ہوں صبر کرو۔" وہ باہر موجود شخص کی بے صبری محسوس کر کے صحن سے ہی زوردار آواز میں چلائی اور تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھول دی سامنے ہی خوب خوشبو میں بسی فضہ بھابھی کھڑی تھیں حسب توقع لدی پھندی غالباً" شاپنگ سے واپس آتے ہوئے وہ اس کے گھر کی جانب آ گئی تھیں آج خلاف توقع حذیفہ بھی ان کے ساتھ تھا ورنہ وہ ہمیشہ اکیلی ہی آتی تھیں اور دونوں بچے گھر ہی ہوتے۔

"السلام علیکم بھابھی۔" وہ کچھ دیر قبل والی کوفت بھلا کر خوشدلی سے سلام کرتے ہوئے ان سے گلے ملی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو تم؟"

جواب کے ساتھ ساتھ اس کی خیریت دریافت کرتی وہ اس کے چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گئیں ہاتھ میں پکڑے ڈھیروں شاپرز اس کے پلنگ پر ڈھیر کر دیے چاہتی تو یہ سب کچھ باہر گاڑی میں بھی رکھ کر آ سکتی تھیں مگر پھر زینب کے آگے اپنی شوبازی دکھانے کا موقع انہیں کیسے ملتا ویسے بھی وہ ہمیشہ سے ایسی ہی نمود و نمائش کی عادی تھیں۔ زینب کی بے تحاشا خوب صورتی کو اپنی دولت کے زور سے نیچا دکھانا ان کے پسندیدہ مشغلوں میں سے ایک تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں کھانا کھائیں گی آپ؟"

ان کا جواب جانتے ہوئے بھی زینب نے میزبانی کے تقاضے نبھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں کھانا تو میں آج باہر سے کھا کر آئی ہوں پلیز تم کوئی تکلف مت کرو یہاں آؤ بیٹھو میرے پاس۔" بیگ سے منرل واٹر کی بوتل نکال کر اپنے منہ سے لگاتے ہوئے انہوں نے بیڈ پر ہی اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی، مگر اتنی دیر میں وہ کمرے میں رکھے واحد موڑھے پر بیٹھ چکی تھی۔

"دراصل آج حذیفہ کا ایڈمیشن ٹیسٹ تھا اس کے لیے صبح سے ہی نکلی ہوئی ہوں۔ ٹیسٹ کے بعد تھوڑا بازار گئی کچھ اپنے لیے شاپنگ کی پھر حذیفہ کا یونیفارم اور کتابیں خریدیں، کھانا کھایا پھر سوچا چلتے چلتے تمہاری بھی خیریت معلوم کرتی جاؤں تم تو کبھی آتی ہی نہیں ہو۔"

یکے بعد دیگرے اپنی تمام دن کی مصروفیات بتاتے ہوئے انہوں نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ زینب کی دبی ہوئی دلی خواہشوں کو سلگانے کی کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئیں۔

"بس بھابھی کیا بتاؤں سارا دن ٹائم ہی نہیں ملتا۔" چند لمحوں قبل والی اس کی خوشدلی کافی حد تک کم ہو گئی اب جو وہ بولی تو اس کی آواز خاصی مدھم تھی اس کے تصور میں ایک بار پھر اپنے جمع کردہ بارہ سو پچاس روپے آ گئے جس میں سے اب صرف ایک ہزار باقی بچا تھا باقی کی رقم سے اس نے گلی کے نکڑ پر کھڑے ٹھیلا فروش سے برگر اور کولڈ ڈرنک منگوا کر اس وقت کھائی تھی جب فرہاد گھر نہیں تھا ورنہ اس کے نزدیک باہر کا کھانا کھانا۔ ایک نہایت ہی فضول قسم کی عیاشی تھی جو اس کی ماں نے کبھی نہ کی تھی جب کہ زینب کو ہمیشہ ہی باہر کا کھانا، کھانا اچھا لگتا اس کا دل چاہتا روزانہ نہ سہی کم از کم مہینے میں ایک دفعہ تو باہر جا کر کھانا، کھانا چاہیے اور اپنی اس دلی خواہش کو وہ کبھی کبھار اس طرح پورا کر لیتی کیونکہ فرہاد جیسے شخص سے کوئی بھی فرمائش کرنا اپنا سر دیوار سے مارنے کے مترادف تھا۔

"اور یہ تم نے مریم کا کہاں ایڈمیشن کروایا ہے؟"

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب یک دم فضہ بھابھی کو مریم کا خیال آ گیا۔

"مریم کا ایڈمیشن؟" اپنے خیالوں میں گم پہلے تو زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

"ابھی تو بھابھی وہ چار سال کی بھی نہیں ہوئی۔" اپنے تئیں اس نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں ہاں جانتی ہوں حذیفہ اور وہ ایک ہی عمر کے ہیں۔" عجیب جتاتا ہوا لہجہ وہ کیا کہنا چاہتی تھیں بنا کچھ کہے ہی زینب سمجھ گئی۔

"جی۔" اس سے بہتر کوئی جواب نہ تھا جو وہ انہیں دیتی۔

"چائے بناؤں آپ کے لیے؟" نہ چاہتے ہوئے پھر ایک بار انداز میزبانی نبھانا پڑا۔

"نہیں نہیں اب میں نکلوں گی آج اسفند کے دوست کے گھر رات کا ڈنر ہے اب گھر جا کر تیار ہونا ہے منظلہ بھی اسکول سے آچکا ہو گا جا کر اسے بھی دیکھوں۔"

ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا جس کا اندازہ بخوبی زینب کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا جانے کیوں انہیں ہمیشہ محسوس ہوتا کہ زینب کو اپنی خوب صورتی کا بہت غرور ہے اور یہ ہی سبب تھا جو وہ اپنی باتوں اور حرکتوں سے اسے یہ جتانا نہ بھولتیں کہ قسمت کا تعلق خوب صورتی سے نہیں ہے ورنہ آج اس مقام پر زینب ہوتی جہاں اپنے پیسے کے زور سے وہ کھڑی تھیں' اپنی اسی غلط فہمی اور حسد میں وہ زینب کو کس بری طرح دماغی طور پر مفلوج کر رہی ہیں اس کا انہیں بالکل بھی اندازہ نہ تھا۔

اگلے دن فرہاد کے گھر سے نکلتے ہی وہ اپنی پڑوسی کے ساتھ جا کر ایک قریبی اسکول سے داخلہ فارم لے آئی کیونکہ وہ کسی بھی صورت نہ چاہتی تھی کہ مریم تعلیمی درجہ میں حذیفہ سے پیچھے رہ جائے جب کہ فرہاد ابھی اس کے اسکول داخلے کے حق میں بھی نہ تھا وہ چاہتا تھا کہ مریم کو پانچ سال کی عمر سے اسکول بھیجا جائے مگر زینب کے دماغ میں جو بات فضہ بھابھی بٹھا گئی تھیں اب وہ نکلنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا یہ ہی سبب تھا جو رات کو فرہاد کے کھانا کھا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہی اس نے اپنا صبح کا لایا ہوا داخلہ فارم اس کے آگے رکھ دیا وہ چاہتی تھی کہ اگلی صبح ہی یہ فارم واپس جمع بھی کروا دیا جائے۔

"یہ کیا ہے؟" وہ ٹی وی پر چینل سرچ کرنے میں مصروف تھا۔

"مریم کے اسکول کا داخلہ فارم۔" وہ جوش و خروش سے جواب دیتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔" فرہاد نے ذرا کی ذرا ایک نظر داخلہ فارم پر ڈالی' زینب کا سارا جوش یک دم ٹھنڈا ہو گیا اپنے پہلے بچے کو اسکول داخل کروانے کی کوئی خوشی فرہاد کے چہرے پر نہ تھی۔

"کتنا خرچہ ہو گا؟" وہ پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تقریباً" دو ہزار۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اتنے پیسے۔" فرہاد کو سنتے ہی حیرت کا جھٹکا لگا۔

"حذیفہ کے ایڈمیشن پر خرچ ہونے والے پچاس ہزار سے تو بہت کم ہیں۔" دل میں آیا ہوا اپنا یہ جواب وہ لبوں تک نہ لا سکی کیونکہ اس موقع پر وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔

"داخلہ فیس' دو ماہ کی چھٹیوں کی فیس' سالانہ فنڈ کے علاوہ یونیفارم کی رقم بھی اس میں شامل ہے جو اسکول سے ہی ملے گا ہمیں صرف کتابیں الگ سے خریدنا ہوں گی۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ایک بات کی وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

"مطلب دو ہزار کے علاوہ ابھی مزید کتابوں کا بھی خرچہ ہو گا؟" وہ حیران ہوا۔

"اچھا اور جو دو ہزار میں تمہیں دوں گا اس کی رسید ضرور اسکول سے لے آنا۔" وہ ہمیشہ سے اتنا ہی بے اعتبار تھا سمجھتا تھا زینب اس سے پیسے بٹورنے کے لیے زیادہ رقم بتاتی ہے جبکہ وہ شروع سے پائی پائی کا حساب لینے کا عادی تھا۔

"اور ہاں داخلہ فارم کتنے کا آیا ہے تم صبح پانچ سو روپے مجھ سے لے کر گئی تھیں۔"

صبح والے پانچ سو روپے وہ ابھی تک نہ بھولا تھا جانے اس کے دونوں بھائی اپنی بیویوں کو اتنی اتنی رقم دے کر کس طرح بھول جایا کرتے تھے جو کبھی حساب نہ مانگتے' زینب کو تو یقین ہی نہ آتا تھا ان کے برخلاف یہ شخص تو پائی پائی کا حساب کتاب کرنے کا عادی تھا اپنی ماں سے ورثے میں ملنے والی ہر اچھی بری عادت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی فارم پر دو سو روپے لکھا ہوا تھا نہ بھی ہوتا تو بھی زینب کا کوئی ارادہ پیسے بچانے کا نہ تھا وہ خاموشی سے اٹھی اور تین سو روپے لا کر فرہاد کے پاس رکھ دیے جسے اس نے اٹھا کر اپنی جیب میں بھی رکھ لیے پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ مریم کے ایڈمیشن اور کتابوں میں سے کچھ پیسے ضرور بچائے گی مگر اب اس نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا اگر کسی شخص کو خود ہی احساس نہ ہو اپنی بیوی کی ضروریات کا تو پھر کیا ضرورت ہے اس طرح ہیر پھیر کر کے اس سے رقم حاصل کرنے کی اس نے دل برداشتہ ہوتے ہوئے سوچا۔

اور پھر تمام اخراجات کے بعد بچنے والے چار سو روپے بھی اس نے لا کر فرہاد کے حوالے کر دیے۔ یہاں تک کہ وہ اس دوران جتنی بار بھی اسکول گئی چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ایک کولڈ ڈرنک تک خرید کر نہ پی فی الحال وہ ان پیسوں میں سے ایک روپیہ بھی اپنی ذات پر نہیں خرچ کرنا چاہتی تھی ہمیشہ جب بھی کبھی فرہاد کی باتیں اسے دکھی کرتیں وہ کچھ عرصہ تک ایسی ہی ہو جایا کرتی اور پھر آہستہ آہستہ گزرتے وقت کے ساتھ خود ہی ٹھیک بھی ہو جایا کرتی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

آج ان کے آفس کا سالانہ ڈنر ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں منعقد کیا گیا تھا جہاں تقریباً" سارا ہی اسٹاف آچکا تھا سوائے حبیبہ کے ویسے بھی آج تک وہ آفس کے کسی بھی فنکشن میں شریک نہ ہوئی تھی وجہ ہمیشہ اس کی شام کی کلاسز ہوتیں یا پھر ہوسٹل کے مسائل' جو بھی تھا شاہ زین کو آج بھی اس کے آنے کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی وہ اپنے کسی دوست کو ریسیو کرنے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھا ایک دم ہی ڈائننگ ہال کے بڑے سے شیشے کے دروازے کو دھکیلتی وہ اندر داخل ہوئی جس کے آنے کے بعد کم از کم شاہ زین کو ایسا ضرور محسوس ہوا کہ جیسے چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی ہو۔

بلیک شفون کی پاؤں تک فراک کے ساتھ' سادہ بلیک دوپٹا' کمر تک آتے سلکی بال اور کانوں میں پہنے سلور نگینوں والے ٹاپس غرض اس کے جسم پر موجود ہر چیز اس کے ساتھ پرفیکٹ دکھائی دے رہی تھی کالے لباس میں اس کی سفید رنگت چاندی کی مانند دمک رہی تھی۔

ایک پل کو شاہ زین اپنی پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا' اندر داخل تو وہ نہایت اعتماد کے ساتھ ہوئی تھی' مگر ایک دم اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر شاید کچھ نروس سی ہو گئی یا شاہ زین کو ہی ایسا محسوس ہوا ہو بہرحال جو بھی تھا وہ اپنی جگہ پر تھم سی گئی۔ شاہ زین نے ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور پھر تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"ہیلو مس حبیبہ" اس کے قریب جا کر وہ دھیرے سے بولا۔

"السلام علیکم سر۔" اس کے ہیلو کے جواب میں حبیبہ نے سلام کیا' وہ ابھی بھی پہلے ہی جیسی پر اعتماد تھی شاہ زین کو جیسے ہی اپنے پہلے لگائے گئے اندازے کی غلطی کا احساس ہوا وہ لبوں ہی لبوں میں مسکرا دیا۔

"سر میں زیادہ لیٹ تو نہیں ہو گئی۔" وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں بالکل ٹھیک ٹائم پر آئی ہیں آپ' آئیں آپ کو اپنی مما سے ملواؤں۔"

بات کرتے کرتے شاہ زین کی نظر کچھ دور کھڑی اپنا مما پر پڑی تو بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکل گیا اس کی نظروں کے تعاقب میں حبیبہ نے دیکھا وائٹ ساڑھی میں گرے اسٹوکنگ کندھے تک آتے بالوں کے ساتھ'

دور سے خوب صورت دکھائی دینے والی وہ عورت یقیناً" شاہ زین کی ماں ہی ہوگی۔

اتفاق کی بات تھی آج ایک سالہ ملازمت کے باوجود وہ کبھی بھی ان سے نہ ملی تھی' ان کے کھڑے ہونے کے انداز میں جھلکتا احساس تفاخر اتنی دور سے بھی حبیبہ کو صاف دکھائی دے رہا تھا' اس کا بالکل دل نہیں چاہا وہ جاکر اس عورت سے ملے' اپنا ایک آفس ورکر کے طور پر یہاں اس طرح اتنے لوگوں میں متعارف کروایا جانا اور پھر خوشامدانہ انداز میں "السلام علیکم میڈم" کہنا اور اس کے علاوہ بھی مزید تکلفات نبھانا جن کی نہ وہ عادی تھی اور نہ ہی اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ شاہ زین کو کس طرح منع کرے لہٰذا خاموشی سے اپنا دوپٹا سنبھالتی اس کے ساتھ چلنے لگی ابھی بمشکل دو قدم ہی چلی ہوگی کہ یک دم اس کے سامنے جواد آگیا جو ان کے آفس میں ہی کام کرتا تھا۔

"میم آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔" اس کا اشارہ یقیناً" شاہ زین کے والد کی جانب تھا جن کے حسن اخلاق اور شفقت بھرے رویے کی وہ دل سے گرویدہ تھی۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی جو جانے کب سے رکی ہوئی تھی اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ شاہ زین کی والدہ سے ملنے کے بالکل بھی موڈ میں نہ تھی اور اس موقع پر بڑے صاحب ایک بار پھر اس کے کام آئے۔

"مجھے انکل بلا رہے ہیں۔" اس نے شاہ زین سے کہا اور جواد کے ساتھ چل دی۔ شاہ زین کچھ دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر جیسے ہی واپس پلٹا وہ جگہ خالی تھی جہاں کچھ دیر قبل اس کی مما کھڑی تھیں اسے یاد آیا آج مما کا فیملی ڈنر ان کے بڑے بھائی کے گھر تھا جہاں شاہ زین اور اس کے والد کے علاوہ سب لوگ موجود تھے چونکہ آفس ڈنر ہر سال اسی تاریخ کو ہوتا تھا لہٰذا اسے آج ہی رکھنا ان لوگوں کی مجبوری تھی اور فیملی ڈنر بھی بہت ساری وجوہات کی بنا پر کینسل نہیں ہوسکا تھا لہٰذا اس کی مما یہاں سے جلد واپس جاکر اپنی فیملی کو جوائن کرنا چاہتی تھیں جبکہ وہ اپنے پاپا کے ساتھ ہی تھا جنہیں رات میں فارغ ہوکر ماموں کے گھر سے ہوتے ہوئے جانا تھا۔

شاہ زین نے ایک نظر دور کھڑی حبیبہ پر ڈالی جو اپنی آفس کولیگ کرن کے ساتھ کھڑی کسی بات پر ہنس رہی تھی اس کی خوب صورتی اس تمام محفل میں سب سے نمایاں تھی یا شاید وہ شاہ زین کو ہی سب سے زیادہ حسین لگ رہی تھی جو بھی تھا کم از کم اس کے آنے کے بعد شاہ زین کو وہاں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا سوائے اس کے کہ وہ حبیبہ کو ہی دیکھتا رہے' مگر کب تک اتنی بھری محفل میں ایسا ممکن نہ تھا۔

ڈنر شروع ہوچکا تھا حبیبہ کو کچھ پل کے لیے نظرانداز کرکے وہ بھی ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا آج کا یہ ڈنر اس کی زندگی کا ایک خوب صورت اور یادگار ڈنر تھا کیونکہ اس میں اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ حبیبہ موجود تھی اور یہ بات شاید حبیبہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ شاہ زین کے نزدیک ہر گزرتے دن کے ساتھ کتنی اہمیت اختیار کرچکی ہے۔

☼ ☼ ☼

پاپا صبح نو بجے تک واپس آئے تو وہ ناشتا کرکے فارغ ہوچکا تھا جانے کیوں پاپا کو تنہا دیکھ کر وہ کچھ حیران سا ہوا اسے تو ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جب پاپا واپس آئیں گے وہ سبز دوپٹے والی لڑکی بھی یقیناً" ان کے ساتھ ہوگی' مگر ایسا نہ تھا وہ دل ہی دل میں خوش ہوا' پاپا کچھ پریشان اور الجھے ہوئے تھے' مسلسل فون پر مصروف جانے کس کس کو کیا کیا ہدایات دے رہے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آیا انہوں نے لنچ بھی نہیں کیا۔

"وہ کیوں اس قدر پریشان ہیں؟" ایشال پوچھنا چاہتا تھا' مگر نہ پوچھ سکا وہ اب مزید لاہور میں نہیں رہنا چاہتا تھا اسے جلد از جلد اپنے گھر واپس جانا تھا جہاں دو دن بعد اس کی مما واپس آنے والی تھیں اسے اپنی بیسٹ فرینڈ عرشہ

سے بھی ملنا تھا جو جانے کتنی بار پوچھ چکی تھی کہ وہ کب واپس آئے گا؟ وہ اسے اپنے وہ تمام وڈیو گیم بھی دکھانا چاہتا تھا جو پاپا نے لے کر دیے تھے' اسے عریشہ کی نئی کیٹ بھی دیکھنی تھی جو اس نے دو دن قبل لی تھی جس کی باتیں سن سن کر وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا' اس نے عریشہ کے لیے ایک خوب صورت کوٹ بھی خریدا تھا وہ جانتا تھا یہ کوٹ دیکھ کر عریشہ بہت خوش ہوگی' مگر جانے کیوں پاپا اتنی دیر کر رہے تھے واپس ہی نہیں جا رہے تھے وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ہمیں کب واپس جانا ہے' لیکن پاپا کی فون کی مصروفیت موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

"بیٹا اپنا سارا سامان سمیٹ لو کچھ ہی دیر میں فضل دین آ رہا ہے تو ہم اسلام آباد کے لیے نکل رہے ہیں وہاں کچھ آفس کا کام ہے جو نپٹا کے ان شاء اللہ کل دوپہر کی فلائٹ سے واپس کراچی چلے جائیں گے اور کل رات تک تمہاری مما نے بھی واپس آجانا ہے۔" اپنی فون کی مصروفیات سے فارغ ہو کر انہوں نے جلد جلدی اسے ساری تفصیل بتائی جسے سنتے ہی وہ خوش ہو گیا اپنا گھر' بہن بھائی اور مما سے ملنے کی خوشی میں وہ ساری کوفت بھول گیا جو کچھ دیر قبل اس پر سوار تھی اس نے جلدی جلدی اپنا تمام سامان سمیٹا اور کچھ ہی دیر بعد فضل چاچا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اسلام آباد کی جانب روانہ ہو گیا یہ جانے بغیر کہ اس کی زندگی میں کیا تبدیلی آچکی ہے۔ لاہور میں گزارا جانے والا یہ ہفتہ اس کی زندگی کو کس قدر تبدیل کر چکا ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

اسلام آباد پہنچ کر پاپا نے جلدی جلدی اپنا کام ختم کیا اور پھر دوپہر کی فلائٹ سے وہ اپنے گھر واپس پہنچ گئے۔ گھر واپسی کی خوشی اور سب سے ملنے کی بے قراری اس کے چہرے پر نمایاں تھی مما نے تو رات کو آنا تھا وہ جاتے ہی جلد از جلد عریشہ سے ملنا چاہتا تھا جس سے ملے ہوئے اسے آج ایک ہفتہ سے بھی زیادہ ہو گیا ورنہ وہ تو سارا دن ساتھ ہی رہا کرتے تھے ایئرپورٹ سے گھر تک تیس منٹ کا یہ سفر اب اسے تیس دن سے بھی زیادہ لگ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ جانے کب سے اپنی الماری کھولے کھڑی تھی جہاں موجود کپڑوں میں سے کوئی بھی سوٹ ایسا نہ تھا جو کسی بہت ہی اچھی تقریب میں پہن کر جایا جا سکے اور تقریب بھی وہ جہاں اپنے پورے کروفر کے ساتھ فضہ بھابھی موجود ہوں اسفند اور فرہاد کا سب سے چھوٹا اور تیسرے نمبر والا بھائی صمد پچھلے دس سالوں سے دبئی میں مقیم تھا جہاں اس نے ایک پاکستانی فیملی میں شادی کر لی تھی اس کی بیوی کسی نیوز چینل سے منسلک تھی۔

بہت کم ہی ایسا ہوتا جب صمد پاکستان آتا تو وہ بھی ساتھ ہوتی ورنہ ہمیشہ صمد اکیلا ہی آیا کرتا تھا اس دفعہ اتفاق سے وہ اپنی چھوٹی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی جس کا رشتہ یہیں کسی پاکستانی گھرانے میں طے پایا تھا اس نے ہر فنکشن میں شرکت کا دعوت نامہ اسفند بھائی کے ساتھ ساتھ انہیں بھی دیا تھا بے شک وہ اپنی عادتوں کے اعتبار سے فضہ بھابھی سے کافی مختلف تھی' مگر پھر بھی زینب کا ارادہ کسی بھی فنکشن میں شرکت کا نہیں تھا اور اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ اس کے پاس کوئی ایسا قیمتی لباس نہ تھا جو وہ کسی بھی تقریب میں پہن کر جا سکتی یہ ہی سبب تھا جو مہندی کے فنکشن میں بھی صرف فرہاد ہی شریک ہوا اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اس نے بڑی سہولت سے منع کر دیا' مگر آج بار بار آنے والے صمد کے فون پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

الماری کھولی' کوئی ڈھنگ کا کپڑا سامنے دکھائی نہ دیا وہ ہی گنتی کے چند سوٹ جو جانے کتنی بار پہن چکی تھی اس نے کئی بار فرہاد سے کہا تھا کہ اسے دو عدد جوڑے' ایک جوتی اور کچھ میک اپ کا سامان لا دے جسے اس نے سنا تو بڑی توجہ سے' مگر عمل کر کے نہ دیا اور آج شادی کا دن آپہنچا۔

دو دن قبل ہونے والی رسم مہندی سے واپسی پر وہ مسلسل وہاں کی ڈیکوریشن' کھانا اور دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ

اپنی بھابھی کی عالیشان ڈریسنگ کے قصیدے بھی ساری رات گاتا رہا بنا یہ جانے کہ اس کی ان باتوں سے زینب کو کیا تکلیف پہنچ رہی ہے۔

"صمد کی بیوی کو تیار ہونے کا بڑا سلیقہ ہے ماشاء اللہ بہت اچھا تیار ہوتی ہے۔" جواباً" وہ خاموش رہی۔

"آج تو فضہ بھابھی بھی بڑی اچھی لگ رہی تھیں ان کے سوٹ کا کلر بہت خوب صورت تھا۔"

وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ فرہاد کو ان باتوں کا کوئی سلیقہ نہیں ہے یہ سب سن کر تھوڑا سا حیران ضرور ہوئی۔

"تم بھی چلتیں سچ بہت مزا آتا خاصا انجوائے کرتیں' انہوں نے کھانا بھی بہت اچھا دیا تھا اور ویسے بھی وہاں سب ہی تمہارا پوچھ رہے تھے' میں نے کہہ دیا کہ طبیعت خراب تھی۔" وہ مسلسل بولے جا رہا تھا اور زینب خاموشی سے سن رہی تھی' مگر کب تک' وہ چپ نہ رہ سکی اور بول ہی پڑی۔

"فضہ بھابھی کے اچھے لگنے میں زیادہ کمال ان کے پارلر اور قیمتی لباس کا ہوتا ہے۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گئی جس کا اثر فرہاد پر بالکل بھی نہ ہوا۔

"یہ تو ہے بہرحال جو ریڈ سوٹ تم نے عید پر بنوایا تھا وہ بھی خاصا اچھا تھا اگر پہن کر جاتیں تو مجھے یقین ہے سب سے اچھی لگتیں مگر اب تمہیں کون سمجھائے۔"

"عید والا سوٹ۔" وہ متحیر زدہ لہجہ میں بولی۔

عام سی جارجٹ جس پر اس نے خود گوٹا لگایا تھا ساتھ ہی اس کے تصور میں فضہ بھابھی آگئیں خوب بجی سنوری قیمتی لباس سے آراستہ' دل چاہا پلٹ کر فرہاد کو کوئی سخت سا جواب دے' مگر حسب عادت صبر کے گھونٹ پی گئی۔

"ہاں اس میں کیا برائی ہے اصل میں زینب ہر انسان اپنی حیثیت کے اعتبار سے ہی خرچ کرتا ہے جتنا روپیہ اسفند بھائی کے پاس ہے وہ خرچ کرتے ہیں اور میں وہ خرچ کرتا ہوں جو میرے پاس ہے میرے اور ان کے معیار زندگی میں خاصا فرق ہے پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرو لاکھوں سے اچھے ہیں' اچھا کھاتے ہیں' کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا جو ہے اپنا ہے اب ان شاء اللہ کچھ ہی عرصہ میں' میں یہ گھر بنوانے والا ہوں سوچا ہے اوپر ایک کمرہ ڈال کر کرائے پر دے دوں۔"

فرہاد مسلسل بول رہا تھا ایسی باتیں جن سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ جانتی تھی کہ علاقے میں موجود فرہاد کا جنرل اسٹور ٹھیک ٹھاک چلتا ہے کچھ نہ سہی پھر بھی اس کی کم از کم اتنی آمدنی ضرور تھی جس سے اگر وہ چاہتا تو اسے ہر ماہ ایک لگا بندھا خرچہ دے سکتا تھا' مگر نہیں اس کے نزدیک زینب کو سوائے دو وقت کی روٹی کے کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی اس کے نزدیک یہ بھی بہت تھا کہ وہ ہر عید' بقر عید پر اسے دو جوڑے کپڑوں کے بنا دیتا تھا' دو سوٹ سردی گرمی میں بھی لے دیتا تھا چاہے وہ زینب کی پسند کے ہوں یا نہیں اسے ان باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

کبھی کبھی تو زینب کو اس وقت بہت حیرت بلکہ دکھ بھی ہوتا جب فرہاد کی بڑی بہن یاسمین آپا کراچی آتیں اور فرہاد کے سامنے اپنے شوہر کے رونے روتیں جو انہیں بقول ان کے خرچہ نہ دیتا تھا (اس کے باوجود وہ ہر چھ ماہ بعد جہاز کے ذریعے اسلام آباد سے کراچی آتیں) ایسے میں فرہاد بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتا خوب بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا جو عورت کے حقوق پر مبنی ہوتیں اور پھر اپنی بہن کو کچھ نہ کچھ رقم بھی ضرور دیتا اس کے نزدیک اس کا بہنوئی ایک ظالم شخص تھا جسے اپنی بیوی کی ضروریات کا بالکل بھی احساس نہ تھا وہ اپنے آپ کو ایک نہایت ہی قابل فخر مرد سمجھتا جو بیوی کی ہر ضرورت پوری کرتا۔

وہ جب جب یہ باتیں سوچتی اسے حیرت ہوتی مرد کے نزدیک۔ بہن اور بیوی کے معیار زندگی کا تصور کتنا مختلف

تھا، مگر شاید سارے مرد ایسے نہ تھے۔ اس کے بھائی، بڑا بہنوئی، جیٹھ اور دیور کوئی بھی تو ایسا نہ تھا شاید دنیا کا کوئی بھی مرد فرہاد جیسا نہ تھا، لیکن ہو سکتا تھا حقیقت اس کے برعکس بھی ہو جو اس نے دیکھا، ہو سکتا ہے دنیا کی بہت ساری عورتیں دوسروں سے اپنا آپ چھپا کر جیتی ہوں آخر وہ بھی تو ایک ایسی ہی عورت تھی اور یہ ہی سوچ اسے ہمیشہ تسلی دیتی۔

"کیا بات ہے میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں سو گئی ہو کیا؟"

فرہاد ہمیشہ یہ چاہتا کہ وہ جب بھی کوئی بات کرے زینب اس کا جواب ضرور دے خواہ دل چاہے یا نہ، اور ایسے میں کبھی کبھی جواب نہ پا کر وہ اکثر ہی چڑ جایا کرتا اسے لگتا زینب اسے اگنور کر رہی ہے اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ کئی کئی دن تک ناراض رہتا، سیدھے منہ بات نہ کرتا اس طرح شاید وہ زینب سے بدلہ لیا کرتا یہ ہی سبب تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی زینب کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"نہیں تو جاگ رہی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اچھا اب کل ضرور تیار ہو جانا شادی پر چلنے کے لیے آج بھی سب نے تمہارا بہت پوچھا۔"

"اچھا۔" اس کا دل نہ چاہا کوئی بات کرنے کو، اس نے آنکھیں موند لیں تاکہ فرہاد اسے سوتا جان کر خاموش ہو جائے اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئی، مگر اگلے دن جو تیار ہونے کے ارادہ سے کپڑوں کی الماری تک آئی تو خاصی مایوس سی ہو گئی اس کے پاس کوئی ایسا سوٹ نہ تھا جو وہ آج پہن کر جا سکتی تھک ہار کر الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر وہیں نزدیک ہی بیڈ پر بیٹھ گئی جب یک دم ہی اسے سادیہ کا خیال آیا جو نہ صرف اس کی پڑوسن بلکہ ایک اچھی دوست بھی تھی۔

"کیوں نہ میں سادیہ سے اس کا وہ سوٹ مانگ لوں جو اس نے پچھلے ماہ اپنے بھائی کی شادی پر بنوایا تھا۔"

اس خیال کے آتے ہی وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی پاؤں میں چپل پہنی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی سامنے ہی صحن میں فرہاد بڑے جذبے سے اپنے موٹر سائیکل دھو رہا تھا چاہتی تھی کہ اس کے قریب سے خاموشی سے گزر جائے، مگر کامیاب نہ ہو سکی اس کے پاس سے گزر کر وہ دو قدم ہی چلی ہو گی جب اس نے آواز دے کر روک لیا۔

"اس وقت کہاں جا رہی ہو تیار نہیں ہونا ابھی کچھ دیر میں ہی صمد نے گاڑی بھیج دینی ہے۔" اپنے بھائیوں کی گاڑیوں کا مان ہمیشہ سے ہی فرہاد کو رہا اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ان کی گاڑیاں اور حیثیت و مرتبہ فرہاد کے لیے باعث فخر و امتیاز ہے۔

"سادیہ کی طرف جا رہی ہوں تاکہ اس کا کوئی سوٹ مانگ کر آج پہن لوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکی سی تلخی اس کے لہجے میں آ گئی جسے غالباً" فرہاد نے محسوس ہی نہ کیا۔

"کیوں اپنا ریڈ والا نہیں پہن رہیں اچھا خاصا سوٹ ہے۔"

وہ اپنا ہاتھ روک کر اس کی جانب متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"اچھا جاؤ لے آؤ، مگر جلدی آ جانا دیر نہ ہو جائے۔"

شاید وہ زینب کے چہرے پر چھائی بے زاری اور بددلی بھانپ گیا تھا۔ زینب نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور بنا کوئی جواب دیے گھر سے باہر نکل آئی۔ دو گھر چھوڑ کر تیسرا سادیہ کا گھر تھا۔

وہ مریم کے اسکول میں جاب بھی کرتی تھی جہاں سے ہر ماہ ملنے والی تنخواہ وہ صرف اور صرف اپنی ذات پر ہی خرچ کیا کرتی شاید یہ ہی وجہ تھی جو اس کا رہن سہن ہر لحاظ سے زینب سے بہتر تھا۔

"اللہ کرے فتح محمد گھر پر نہ ہو۔" جانے کیوں اسے سادیہ کا شوہر بالکل پسند نہ تھا زینب کو اپنے سامنے دیکھتے ہی ایک عجیب مکروہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ جاتی جو اسے ایک آنکھ نہ بھاتی ایسے میں فتح محمد کا چہرہ بالکل ایک

عیار لومڑی جیسا دکھائی دیتا یا شاید زینب کو ایسا لگتا بہرحال جو بھی تھا وہ اسے بالکل ناپسند تھا یہ ہی سبب تھا وہ ہمیشہ کوشش کرتی کہ سادیہ کے گھر اس وقت جائے جب اس کا شوہر گھر نہ ہو، مگر اس وقت چونکہ ٹائم سات سے اوپر ہو چکا تھا اور یہ وقت فتح محمد کے گھر آ جانے کا تھا۔

زینب کی توقع کے عین مطابق گھنٹی بجاتے ہی گیٹ کے اس پار فتح محمد کا چہرہ دکھائی دیا، زینب پر نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے پر ہزار والٹ کا بلب روشن ہو گیا اور وہ پورے دل سے اپنی باچھیں کھول کر مسکرایا۔

"میں خواہ مخواہ ہی اسے لومڑی سے تشبیہ دیتی رہی یہ تو بالکل بھیڑیا جیسا دکھائی دیتا ہے۔" فتح محمد کے ہونٹوں سے جھانکتے دانت بھیڑیے ہی جیسے تھے اپنی اس نئی تشبیہ پر وہ دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"سادیہ گھر پر ہے؟" اپنی مسکراہٹ چھپائے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں ہاں بالکل ہے۔" دروازے کے دونوں در وا کیے وہ سامنے ہی کھڑا رہا۔

"فتح بھائی اسے بتائیں کہ میں آئی ہوں۔"

لفظ "بھائی" نے اس کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ کو یکسر غائب کر دیا۔

"سادیہ، سادیہ۔" وہ وہیں سے آواز لگاتا واپس پلٹ گیا۔

"ارے اندر آ جاؤ باہر کیوں کھڑی ہو۔"

وہ غالباً" کچن میں تھی اسی لیے تولیہ سے ہاتھ پونچھتی سامنے برآمدے میں آن کھڑی ہوئی۔ زینب گیٹ بند کر کے اندر داخل ہو گئی۔ سادیہ اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"بیٹھ جاؤ کھڑی کیوں ہو۔"

"نہیں میں بیٹھنے نہیں آئی مجھے تم سے ایک کام ہے۔ دراصل مجھے تمہارا وہ سوٹ چاہیے جو تم نے اپنے بھائی کی شادی پر بنوایا تھا۔"

کوئی تمہید باندھے بغیر وہ جلدی جلدی اپنی بات ختم کرتے ہوئے بولی اور اگلے ہی پل بنا کوئی جواب دیے سادیہ نے سوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا ریڈ شفون پر کامدانی کے ساتھ اس کا یہ سوٹ کافی خوب صورت تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم یہیں تیار ہو جاؤ میں تمہارا اچھا سا میک اپ بھی کر دیتی ہوں۔"

آئیڈیا برا نہ تھا۔ زینب نے اس کے ڈریسنگ ٹیبل پر نظر آنے والے میک اپ کے سامان پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا اور فوراً" ہی ہامی بھر لی اور پھر کچھ ہی دیر میں سادیہ کی مہارت نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے خود کو آئینہ میں دیکھ کر کئی پل تک زینب کو یقین ہی نہ آیا کہ سامنے نظر آنے والا عکس اس کا ہے۔

سچ ہے لباس شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، جسم پر سجے قیمتی لباس نے زینب کو یکسر تبدیل کر دیا نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی طور پر بھی اپنی خوب صورتی کا احساس ایک غرور کی طرح اس پر چھا گیا۔

"واہ یار تم تو بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" سادیہ نے دل کھول کر اس کی تعریف کی وہ ویسے بھی زینب کے سادہ حسن کی شیدائی تھی آج تو پھر بات ہی کچھ اور تھی۔

"یقین کرو آج کے فنکشن میں تم سے زیادہ حسین کوئی اور نہ ہو گا یہ میں تمہیں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔"

اور سادیہ کی یہ بات سو فیصد درست ثابت ہوئی جس کا احساس اسے شادی ہال میں داخل ہوتے ہی خود پر پڑنے والی ہر ستائشی نگاہ نے دلا دیا۔

یہ محفل جو آج سجی ہے
اس محفل میں ہے کوئی ہم سا

ہم سا ہو تو سامنے آئے

دل ہی دل میں گنگناتی وہ اسٹیج کی جانب بڑھی۔ جس کے بالکل قریب ہی اک شان بے نیازی اور غرور میں تنی فضہ بھابھی کھڑی تھیں اسے پوری امید تھی کہ زینب کو اپنے سامنے اس طرح دیکھ کر ان کا سارا غرور اور طنطنہ حسد میں تبدیل ہو جاتا ہے، جو ان کی ذات کا ایک خاص حصہ تھا اور زینب کا یہ خیال اگلے ہی پل درست ثابت ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"واؤ یار کوٹ تو بہت خوب صورت ہے۔" عریشہ کے منہ سے نکلنے والے ستائشی الفاظ نے ایشال کو پچھلے پورے ہفتے کی کوفت بھلا دی اور وہ یک دم خوش ہو گیا۔

"تھینک گاڈ تمہیں پسند آگیا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے تم میرے لیے کچھ لاؤ اور مجھے پسند نہ آئے۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" وہ جانتا تھا کہ اس کی دی ہوئی ہر چیز عریشہ کو بہت پسند آتی تھی یہ ہی سبب تھا جو وہ کہیں بھی جاتا عریشہ کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور خریدتا۔ اسے عریشہ کے لیے شاپنگ کرنا ہمیشہ ہی اچھا لگتا۔

"تمہیں یاد ہے، جو تم پچھلے سال میرا نام چاول کے دانے پر لکھوا کر لائے تھے مری سے، میرے پاس وہ بھی رکھا ہے اور تمہارا امریکا سے لایا ہوا ہینڈ بیگ تو میں نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا آج تک ویسے ہی رکھا ہے جیسے تم نے مجھے دیا تھا۔"

وہ ایک ایک چیز گنتی جا رہی تھی اور اس پل جو محبت اور جذبہ عریشہ کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا وہ ایشال کو بہت اچھا لگ رہا تھا اس کا دل چاہا وہ بولتی جائے اسی طرح ساری زندگی اور ایشال سنتا جائے اسے یقین تھا وہ عریشہ کے ساتھ کبھی بور نہیں ہو سکتا، کبھی تھک نہیں سکتا اس طرح جس طرح وہ لاہور سے تھک کر آیا تھا بور ہو کر آیا تھا عریشہ کا ساتھ اس کی خوشی تھا جس کا اندازہ ایشال کو شروع سے ہی تھا مگر آج یقین بھی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو بیٹا ماں کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا، مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا جو دکھ اور تکلیف تم اپنی زندگی میں اٹھا چکی ہو اب وہ تمہیں واپس نہ ملیں، میں تمہیں ماں نہیں دے سکتا اس کے علاوہ جو کچھ میرے بس میں ہوا وہ تمہارے لیے ضرور کروں گا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ دھرے، دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے ہوئے بول رہے تھے وہ رونا چاہتی تھی، مگر اس کے آنسو شاید خشک ہو چکے تھے یہ ہی سبب تھا جو سر پر دوپٹا لیے وہ خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی، سمجھ رہی تھی، مگر کچھ بول نہ پا رہی تھی۔

"تم ابھی بچی ہو بہت ساری باتوں سے لاعلم میرے بس میں ہوتا تو تمہیں آج اور ابھی اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتا جو تمہارا بھی ہے، مگر افسوس لے کر نہیں جا سکتا اس وقت تک جب تک میں تمہیں اس گھر میں کوئی مقام نہ دلا دوں۔"

وہ جاننا چاہتی تھی کہ اتنی محبت اور ذمہ داری کے باوجود وہ کیوں اسے یہاں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں، کیوں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے، مگر چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ سکی اتنا ضرور جان گئی کہ کوئی نہ کوئی مجبوری ایسی ضرور تھی جس نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اسے اس طرح تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔

"بیٹا تمہارے پاس فضل دین آتا رہے گا۔ اس کا فون نمبر بھی میں نے تمہیں دے دیا ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہو بلا دھڑک اسے فون کر دینا۔ کوئی پریشانی ہو تو میرا نمبر بھی تمہارے پاس ہے، میں بھی ہمیشہ تمہارے رابطے میں ہی رہوں گا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کھڑا ہونا پڑا۔

"اچھا بیٹا اللہ حافظ۔" انہوں نے اسے گلے لگا کر ماتھا چوما اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ اپنی جگہ پر ویسے ہی ساکت کھڑی رہی۔

زندگی کا پہلا سفر اپنے مقام پر پہنچ کر ختم ہو چکا تھا۔ زندگی کا ایک نیا سفر اپنے آغاز کو تیار کھڑا تھا فرق صرف اتنا تھا پہلے سفر میں تمام تر غربت کے باوجود ماں اس کے ساتھ تھی اور اس سفر میں ہر سہولت کی فراہمی کے باوجود وہ بالکل تنہا کھڑی تھی، تنگ دست اور خالی ہاتھ وہ آج بھی ویسی ہی غریب تھی، دولت نے آکر اسے رشتوں سے محروم کر دیا ایک اکیلا واحد رشتہ کھو کر وہ اس گندگی اور غربت کو کہیں پیچھے چھوڑ آئی تھی جس سے اپنی گزری زندگی میں ہمیشہ نالاں رہی۔

آج اسے بڑی شدت سے یہ احساس ہوا رشتوں کی کمی سے بڑھ کر زندگی کوئی نہیں اب شاید وہ اپنی زندگی میں سب کچھ پا سکتی تھی سوائے اس حقیقی رشتے کے جو یہاں تک کے سفر میں ہمیشہ کے لیے کہیں کھو گیا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی ماں کی یاد نے ایک بار پھر اسے گھیر لیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم بھابھی۔" فضا بھابھی اسے دیکھتے ہی کچھ عجیب سی ہو گئی تھیں۔ اب جو یک دم اس نے قریب پہنچ کر سلام کیا تو بے اختیار چونک اٹھیں۔

"وعلیکم السلام۔" اپنے سامنے کھڑی زینب کو دیکھ کر انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ زینب ہی ہے نک سک اور طریقے سے تیار، آج تو اس کا ڈریس بھی خاصا اچھا تھا بے شک ان کے ڈریس جتنا قیمتی نہ سہی، مگر پھر بھی زینب کے لحاظ سے اچھا تھا۔ اس پر کیا گیا نفاست سے میک اپ وہ حیران رہ گئیں۔

"پتا نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر حسن کیوں دے دیا۔" وہ دل ہی دل میں سلگ سی گئیں۔

"کیا ہوا بھابھی پہچانا نہیں۔" وہ اک ادا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

حقیقت میں قیمتی لباس نے زینب کے انداز و اطوار کو خاصا تبدیل کر دیا تھا، سچ ہے اچھا لباس اور اچھا کھانا کبھی کبھی انسان کو اپنی اوقات بھلا دیتا ہے۔ "لو بھلا اب میں تمہیں کیسے نہ پہچانوں گی۔"

وہ اپنی حیرانی اور حسد کو چھپاتے ہوئے مسکرا دیں۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" یہ جملہ انہوں نے کس دل سے کہا۔ یہ وہ ہی جانتی تھیں زندگی نے انہیں خاصی ڈپلومیسی سکھا دی تھی جس کا ثبوت آج وہ کھل کر دے رہی تھیں۔ ورنہ شاید کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کبھی اس طرح زینب کی تعریف نہ کرتیں۔

"شکریہ۔" فضا بھابھی کی تعریف نے اسے خوش کر دیا۔

"نگین سے ملی ہو؟" نگین یقیناً صمد کی سالی کا نام تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ابھی ابھی آئی ہوں اور سیدھی آپ ہی کی جانب آ گئی تھی۔ ابھی تک میں کسی سے نہیں ملی۔" جواب دے کر اس نے ایک نظر سامنے اسٹیج پر ڈالی قیمتی ملبوسات میں سجی سنوری خواتین سے اسٹیج بھرا ہوا تھا ان ہی کے درمیان، عین سامنے صوفے پر نگین موجود تھی۔ جو دور سے دیکھنے میں خاصی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔

"چلو آؤ میں تمہیں اس سے ملواؤں۔" فضا بھابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج کی جانب بڑھیں۔ مریم انگلی تھامے اس کے ساتھ ہی تھی۔ جبکہ چھ ماہ کی جگنو فرہاد کی گود میں تھی۔ یہ بھی شکر تھا جب وہ کہیں جاتی بچے سنبھالنے میں فرہاد اس کی خاصی مدد کر دیا کرتا تھا، ورنہ تو ایسے موقعوں پر خاصی مشکل ہو جاتی، اسٹیج پر ہی اس کی ملاقات صمد کی

بیوی سے بھی ہوئی جو اسے دیکھتے ہی خوشدلی سے مسکرا کر گلے ملی وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی یا شاید آج زینب کو اس کے مزاج میں اپنے لیے گرم جوشی زیادہ محسوس ہوئی۔

"اچھا ہوا آپ آج آگئیں۔ یقین جانیں میں نے کل فرہاد بھائی سے کئی دفعہ آپ کا پوچھا۔" وہ بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

"دراصل کل مریم کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی ورنہ ضرور آتی۔"

"اوہو۔۔۔ یہ کون ہے بھئی۔۔۔"

اپنے عقب سے ابھرنے والی مردانہ آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جو کوئی تھی اس کی نگاہوں کا مرکز وہ ہی تھی اور شاید اس کا بولا گیا جملہ بھی اس ہی کے لیے تھا اور اگلے ہی پل زینب کا خیال درست ثابت ہوگیا۔

"یہ میری دیورانی ہیں۔۔۔ یعنی فرہاد بھائی کی بیوی۔" صمد کی بیوی نے جواب دیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ارے میں تو سمجھا آپ کے پاس کوئی لڑکی کھڑی ہے۔"

بات کرنے کے دوران اس کی نگاہیں مسلسل زینب کے اردگرد گھوم رہی تھیں۔ وہ تھوڑی سی نروس ہوگئی۔ جواباً صباحت زور سے ہنس دی۔

"برا مت مانیے گا۔ یہ میرے فرسٹ کزن ہیں اور مذاق کرنا ان کی ہابی ہے۔"

"آپ نے انہیں میرا نام تو بتایا نہیں، مجھے سالار کہتے ہیں اور آپ کا نام۔"

وہ ابھی بھی اتنی ہی دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"زینب۔۔۔" آہستہ سے اس کے منہ سے نکلا، صباحت اسے وہیں چھوڑ کر نگین کی طرف بڑھ گئی جہاں شاید دولہا کے آنے کے بعد کوئی رسم شروع ہوگئی تھی۔

"آپ کو کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔" وہ دھیمے سے اس کے کان کے قریب آکر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ بات میں خود بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس لیے کسی کے بتانے کی مجھے کبھی ضرورت نہیں پڑی۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ ویسے میں نے تو مذاق میں تعریف کی تھی۔ آپ تو سنجیدہ ہی ہوگئیں۔" زینب کی بات سن کر وہ ایسے ہنسا جیسے خوب انجوائے کیا ہو۔

"ایک بات اور۔۔۔" آگے کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ رک گیا۔

"فرہاد کا آپ سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

جانے اس نے یہ بات کن معنوں میں کہی تھی۔ زینب سمجھ نہ سکی۔ مگر یہ سچ تھا کہ اسے فرہاد کے بارے میں سالار کا یہ تجزیہ بالکل پسند نہیں آیا۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت جواب دیتی وہ جانے کہاں غائب ہوچکا تھا۔ زینب نے اس کی تلاش میں یہاں وہاں نظریں دوڑائیں، وہ تو نظر نہ آیا، مگر کچھ دور کھڑی فضا بھابھی ضرور دکھائی دیں جو عجیب سی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔ شاید وہ کچھ دیر قبل اس کے پاس کھڑے سالار کو دیکھ چکی تھیں۔ اسے ان کی نگاہوں میں اک معنی خیزی سی نظر آئی، پتا نہیں وہ کیا سمجھ رہی تھیں۔ زینب نے گھبرا کر فرہاد کی تلاش میں اپنی نظریں گھمائیں، تاکہ اس سے پوچھے کہ گھر کب واپس جانا ہے، اسے فضا بھابھی کی نظروں نے پزل کردیا تھا۔ اس لیے اب وہ جلد از جلد اپنے گھر واپس جانا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اور تمہاری ایگزیبیشن کیسی رہی۔" مما اپنے بیگ میں سے اس کے لیے لائے ہوئے گفٹس نکال رہی

تھیں جب پاپا کا سوال سنتے ہی ان کا ہاتھ یک دم رک گیا۔

"وہ تو خیر اچھی رہی میں نے آپ کو تصاویر بھی بھیجی تھیں مجھے اس دفعہ کافی اچھا ریسپانس ملا۔" مما اپنی ایگزیبیشن کی کامیابی سے خاصی خوش اور پرجوش تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرہ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

"گڈ۔۔۔" پاپا جواب دے کر کسی گہری سوچ میں گم ہوگئے۔

"میں تو آخری لمحوں تک آپ کی منتظر رہی مگر آپ آئے ہی نہیں، جب کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کام ختم ہوتے ہی ایشال کو لے کر آجائیں گے۔" مما بات کرتے کرتے رک گئیں۔ انہوں نے شاید پاپا کی بے توجہی کو بھانپ لیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" مما کی بات پر ایشال نے سر اٹھا کر پاپا پر ایک نظر ڈالی۔

"نہیں تو بس ویسے ہی سر میں درد ہو رہا ہے ابھی چائے پیوں گا تو ٹھیک ہوجائے گا۔" انہوں نے اپنی آنکھیں موند کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"اچھا بیٹا اب تم اپنا سامان اٹھالو میں تمہارے پاپا کو چائے بنا کر دوں۔"

وہ ہمیشہ پاپا کو چائے خود بنا کر دیتی تھیں، بہت کم ہی پاپا سکینہ بوا کے ہاتھ کی چائے پیتے تھے انہیں صرف مما کی بنائی ہوئی چائے ہی پسند تھی۔

"اوکے مما۔۔۔" ایشال سامان سمیٹتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ بیٹا۔" نہیں شاید کچھ یاد آگیا تھا، ایشال رک گیا انہوں نے جلدی سے بیگ کی زپ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا چند سیکنڈ بعد جب ان کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹا سا شاپر تھا جو انہوں نے ایشال کی جانب بڑھایا۔

"یہ دیکھو کیسا ہے میں عریشہ کے لیے لائی ہوں۔"

جانتی تھیں کہ ایشال کو عریشہ کے لیے کچھ لینا اچھا لگتا تھا، اس سے قبل کہ ایشال ہاتھ بڑھاتا پاپا نے آگے بڑھ کر مما کے ہاتھ سے شاپر لے لیا اسے کھول کر اندر جھانکا، ایشال کو پاپا کی یہ حرکت کافی عجیب لگی کیوں کہ وہ کبھی بھی اس طرح کی حرکت نہیں کرتے تھے مما بھی ان کے اس عمل پر تھوڑا سا حیران رہ گئیں۔ شاپر میں کچھ جیولری تھی جسے نکال کر اچھی طرح دیکھنے کے بعد پاپا نے واپس اندر رکھ کر اسے ایشال کی جانب بڑھا دیا جسے ایشال نے خاموشی سے پکڑ لیا وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے یہ جیولری عریشہ کو خود دینی ہے اسی لیے مما نے اس کے حوالے کی ہے ورنہ وہ خود بھی اسے دے سکتی تھیں۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔" پاپا نے اپنا ماتھا دو انگلیوں سے رگڑتے ہوئے کہا۔ پریشانی کی شدت سے ان کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں ایشال کو کچھ کچھ اندازہ ہوچکا تھا کہ پاپا کیا بات کرنا چاہ رہے ہیں یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اپنی جگہ پر رک گیا۔

"بیٹا آپ اپنے کمرے میں جائیں۔"

مما کبھی کوئی بات بچوں کے سامنے کرنے کی عادی نہیں تھیں یہ بات شروع سے ہی ایشال جانتا تھا اس لیے وہ بنا کچھ کہے باہر کی جانب بڑھا ابھی اس نے قدم ہی اٹھایا تھا کہ پاپا نے آواز دے کر اسے روک دیا۔

"نہیں ایشال اپنے کمرے میں نہیں جائے گا مجھے جو بات کرنی ہے اس کے لیے ایشال کی یہاں موجودگی اتنی ہی ضروری ہے جتنی تمہاری اور میری۔" ایشال کا اندازہ درست تھا وہ رک گیا پاپا کے رویے اور گفتگو نے مما کو خاصا پریشان کردیا تھا جس کا بخوبی اندازہ ان کی شکل اور مسلسل انگلیاں چٹخاتی حرکت سے ہو رہا تھا۔

"خیریت تو ہے ایسی کیا بات ہوگئی جس کے لیے ایشال کی موجودگی ضروری ہے۔"

مما کی پریشانی ان کی آواز سے ہو رہی تھی اور پھر پاپا نے انہیں سب کچھ بتا دیا اپنا لاہور جانا، ایشال کا نکاح غرض

ہر وہ بات جو ان کی غیر موجودگی میں ہوئی پاپا کی بات ختم ہونے کے بعد مما کا ردعمل اتنا غیر متوقع تھا کہ ایشال دم بخود رہ گیا۔

"واٹ آپ ہوش میں تو ہیں اس زمانے میں ایک ہائی فائی اسکول سے اولیول کرنے والے اپنے ناسمجھ بیٹے کا نکاح آپ کس بنیاد پر کر آئے "اس کی اور اس کی ماں کی مرضی کے بغیر" وہ بھی ایک ایسی بدکردار عورت کی بیٹی کے ساتھ جس کی ماں کے کالے کرتوت آج تک سارے خاندان کو یاد ہیں۔"

اس نے کبھی اپنی ماں کو اس طرح چیختے نہیں سنا تھا وہ تو شروع ہی بہت نرم گفتار تھیں اور اسی سبب پاپا کے دل پر راج کر رہی تھیں آج ان کی اس چیخ و پکار نے ایشال کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا ضرور کچھ غلط ہوا تھا جس کا اندازہ وہ اپنے پاپا کے چہرے کو دیکھ کر بھی لگا سکتا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ بھابھی کینسر کے آخری اسٹیج پر تھیں اور ان کی موت کے بعد ان کی بیٹی کا کوئی پرسان حال نہ تھا میرے بھائی کی اولاد ہونے کے ناتے وہ میری ذمہ داری تھی اور مجھے اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کسی کی رضامندی کی ضرورت نہیں میں خود اپنے بیٹے کے ولی کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔"

"کیوں اس کا وہ عاشق کہاں گیا جس کے ساتھ بھاگ کے اس نے اخبارات میں اپنے اشتہار لگوائے تھے۔"

غصہ کی شدت سے کئی سالوں دل میں دبا راز ایک ہی پل میں ہونٹوں تک آگیا۔

اس نے اپنی مما کی زبان سے کبھی ایسے الفاظ نہیں سنے تھے جو وہ اس وقت بول رہی تھیں۔ مما کی گفتگو سنتے ہی ایشال کو اچھی طرح یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ ان خاتون سے کس قدر نفرت کرتی تھیں جن کے گھر وہ پاپا کے ساتھ گیا تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اس خاتون کو بہت اچھی طرح جانتی بھی تھیں۔ ایشال کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

"پلیز بیگم صاحبہ بہتر ہوگا آپ بچوں کے سامنے اس قسم کی گفتگو کرنے سے گریز کریں۔"

پاپا کی کمزور سی آواز ایشال کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کیوں بچوں کو پتا نہ چلے آپ انہیں کس گڑھے میں دھکیلنے والے ہیں ملک صاحب، ہر بیٹی اپنی ماں کی خصلت لے کر دنیا میں آتی ہے اور پھر اس کی تربیت بھی اس ماحول میں ہوئی جہاں اس کی آوارہ ماں جانے کن حالوں میں اسے لے کر رہ رہی تھی ایسی لڑکی کبھی بھی میرے بیٹے کی بیوی بن کر اس گھر میں نہیں آسکتی ایسا کرنے کے لیے آپ کو پہلے مجھ سے جڑا ہر رشتہ ختم کرنا ہوگا۔" پاپا نے شاید ان خاتون کی حمایت میں کچھ کہنا چاہا جسے مما کے آخری جملے نے بالکل ختم کر دیا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ ایشال کا رشتہ وہاں سے ختم نہیں کریں گے تو پھر مجھے طلاق دے دیں۔" مما کا لہجہ نہایت ہی سخت اور حتمی تھا اب پاپا کے پاس کوئی الفاظ ایسے باقی نہ بچے تھے جن سے وہ مما کو قائل کر سکتے انہیں مخالفت کی امید تو تھی مگر اتنی شدید مخالفت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہیں تھا ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس آخری جملے نے ختم کر دی ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ مزید کیا بات کریں ان کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔

"ملک صاحب یاد رکھیے گا ہمارا ان سے جو بھی رشتہ تھا وہ ان کا اپنی تین سالہ بیٹی کو لے کر گھر سے بھاگ جانے پر بالکل ختم ہوگیا اب آپ دوبارہ اس گھر میں اس عورت کا نام دوبارہ مت لیجیے گا۔"

ایک بار پھر وہ ہی طعنہ اتنے سالوں بعد بھی ملک صاحب کو شرمندہ کر گیا۔ اپنے بھائی کی بیٹی کو ایک محفوظ پناہ گاہ فراہم کرنے کی ان کی دلی خواہش اس قدر خطرناک موڑ اختیار کرلے گی اس بات کا انہیں بالکل اندازہ نہ تھا اب ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس عمر میں وہ اپنا گھر بچائیں یا اپنے بیٹے کا' یہ فیصلہ انہوں نے قدرت پر چھوڑ

دیا۔ مما وہیں بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ ایشال اپنی جگہ بالکل ساکت و صامت کھڑا تھا۔

وہ مسئلہ یقیناً "اس سے" تعلق رکھتا تھا مگر اب کمرے میں موجود دونوں افراد کو اس کی موجودگی سے کچھ لینا دینا نہ تھا جس کا اندازہ ان کے اس وقت کے ردعمل کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ ایشال کے لیے بہتر تھا کہ وہ بنا کسی معاملے میں مداخلت کیے کمرے سے باہر نکل جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ مما اور پاپا کے درمیان جو بھی بات ہو اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مما کی مخالفت اسے اچھی لگی اب پاپا اسے "اس حبس زدہ گھر میں دوبارہ جانے کے لیے کبھی مجبور نہیں کر سکتے وہ مطمئن ہوگیا وہ جانتا تھا کہ مما کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو کوئی بھی واپس نہیں کر سکتا چاہے وہ پاپا ہی کیوں نہ ہوں' وہ سمجھ گیا مما کو وہ آنٹی پسند تھیں اور نہ ہی ان کی سبز دوپٹے والی بیٹی "مما کی اور اس کی سوچ ہمیشہ سے ہی ایک جیسی تھی دونوں کی پسند اور ناپسند بھی ملتی جلتی تھی اسی لیے جتنی عریشہ اسے پسند تھی اتنا ہی مما بھی اسے چاہتی تھیں اور جتنی ناپسند' بنا دیکھے اسے وہ سبز دوپٹہ والی لڑکی آئی تھی غالباً "اتنی ہی وہ اس کی ماں کو بھی ناپسند تھی اس نے مما کے دیے ہوئے شاپر پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے گیٹ کی جانب چل دیا۔

اسے جلد از جلد عریشہ کے پاس پہنچنا تھا وہ مما کی لائی ہوئی ساری جیولری فوراً "اس کو دینا چاہتا تھا اسے پتا تھا کہ اس جیولری کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہونے والی ہے اور ایشال کو ہمیشہ سے عریشہ کا خوشی سے دمکتا چہرہ اچھا لگتا ابھی بھی وہ صرف اس کے چہرے پر چھائی خوشی دیکھنے کی امید میں گیٹ پار کر کے روڈ پر آگیا جہاں کچھ دور آگے اس کی عزیز از جان ہستی کا گھر تھا جو اسے شاید ساری دنیا سے زیادہ پیاری تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

شازیہ جمال نیر

ٹپ ٹپ ٹپ!

رات کا نجانے کون سا پہر تھا بارش کی بوندوں نے سبز سلاخوں والی بند کھڑکی پر دستک دی۔ اس نے کروٹ بدلتے ہوئے تکیے میں منہ گھسیڑ لیا تھا۔ دفعتاً" اس کے خوابیدہ احساسات بیدار ہوئے۔

"اوہ بارش!" کمبل ایک طرف ہٹا کر وہ چپل پاؤں میں اڑستی باہر کی جانب بھاگی۔ جہاں بارش کے ساتھ تیز ہوا میں تار پر پھیلے کپڑے بری طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔ سرعت سے کپڑے اتارتی وہ اندر کمرے کی جانب بھاگ گئی۔

تمام تر چابکدستی کے باوجود وہ سرتاپا بارش میں بھیگ گئی تھی۔ گیلے کپڑے بدل کر اپنے نرم گرم بستر میں لیٹتے ہی وہ ایک بار پھر بے خبر ہو گئی۔ بارش کی بوندیں دیر تک اس کی کھڑکی پر دستک دیتی رہی تھیں۔

صبح آنکھ کھلی تو ہوا کے رتھ پہ سوار ہلکے پھلکے بادلوں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد اماں کی مرغیوں کو دڑبے سے آزاد کرتے ہوئے گیلے کپڑے ایک ایک کر کے پھر سے تار پر پھیلاتے ہوئے رات اپنی بروقت چستی کو سراہ اٹھی۔ ذرا سی سستی اس کے کل کے دن کی ساری محنت مٹی میں ملا دیتی وہ آخری کپڑا تار پر پھیلا کر ٹوکری اٹھانے کے لیے جھکی ہی تھی کہ بیرونی دروازہ بری طرح دھڑدھڑایا اس نے آگے بڑھ کر کنڈی گرا دی۔

"کیا مصیبت ہے بیلا! کیوں ہر وقت دروازہ بھیڑ کے رکھتی ہو تم؟ ایسے کون سے قارون کے خزانے دفن ہیں تمہارے گھر۔"

اس کی ہمسائی کم دوست ریحانہ سخت چڑے ہوئے انداز میں بولتی اندر آئی تھی۔

"ثاقب کا یہ کچن گارڈن فی الحال ہمارے لیے کسی قارون کے خزانے سے کم نہیں۔ دروازہ کھلا نہیں ہے کہ محلے کی گستاخ بکریاں منہ مارنے اندر گھس آتی ہیں۔ اب میں چوبیس گھنٹے چوکیداری کرنے سے تو رہی۔"

وہ ریحانہ کو لیے اپنے کمرے میں آگئی۔

"صبح صبح مزاج کیوں برہم ہے؟ خیریت؟" بیلا نے پوچھا۔

"کاشفہ ملی تھی مجھے۔" ریحانہ نے گویا تمہید باندھی۔

"اچھا پھر؟" بیلا نے آگے کا مدعا جاننا چاہا۔

"پھر یہ کہ وہ محترمہ تو شادی کے بعد خود کو کوئی توپ شے ہی سمجھنے لگی ہیں اتنے روکھے انداز میں اس نے مجھ سے بات کی قسم سے بیلا! میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔"

"تو؟" بیلا نے ابرو اچکائے۔

"تو یہ کہ میری بچپن کی دوست جو اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات مجھے بتانے کے لیے گھنٹوں بے چین رہا کرتی تھی۔ مجھے ساتھ لیے بغیر جس نے کبھی شاپنگ نہیں کی، جس کے کمرے کی سیٹنگ میرے مشوروں کے بغیر کبھی تبدیل نہیں ہوتی تھی جو رات کا کھانا تک مجھ سے پوچھ کر پکاتی تھی۔ آج شادی کے چار ماہ بعد مجھے سرِ راہ ملی بھی تو اس درجہ اجنبیت لیے انداز میں کہ سرسری طور پر ہی سہی میری خیریت تک پوچھنا گوارا نہیں کیا۔ بس میرا میاں، میرا گھر، میری دعوتیں اور بس! کیا یہی ہوتی ہے دوستی؟" زور زور سے بولنے کی وجہ سے اس کا سانس تیز ہو گیا تھا۔

"تو اب وہ شادی شدہ ہو گئی ہے ماحول، افرادِ خانہ، ذمہ داریاں سب کچھ بدل جاتا ہے شادی کے بعد پہلے والی بے فکری، کھلنڈرا پن، موج مستیاں سب بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔" بیلا کا انداز رسانیت لیے ہوئے تھا۔

ریحانہ نے سر جھٹکا۔

"میں نہیں مانتی اس فضول کی فلاسفی کو کچھ شوباز خواتین خود کو دوسروں سے ممتاز ثابت کرنے کے لیے خوامخواہ اپنی شادی شدہ زندگی کو ہوا بنائے رکھتی ہیں۔"

"اور اگر تم بھی شادی کے بعد ان شوباز خواتین کی لائن میں جا کھڑی ہوئیں تو پھر؟"

بیلا نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ وہ ریحانہ کے مقابلے میں فطرتاً" صلح جو اور نرم خو تھی۔

"میں تمہیں ایسی نظر آتی ہوں؟" ریحانہ نے آستینیں چڑھائیں۔

"نظر آنے اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" بیلا نے نرم انداز میں بہت گہری بات کہہ دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بیلا! ریحانہ بلا رہی ہے تمہیں۔" سنک میں پڑے برتنوں کا ڈھیر دھوتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ کچن کے ادھ کھلے دروازے پر ریحانہ کا چھوٹا بھائی کاشف اس کے لیے پیغام لیے کھڑا تھا۔

"کیوں؟"
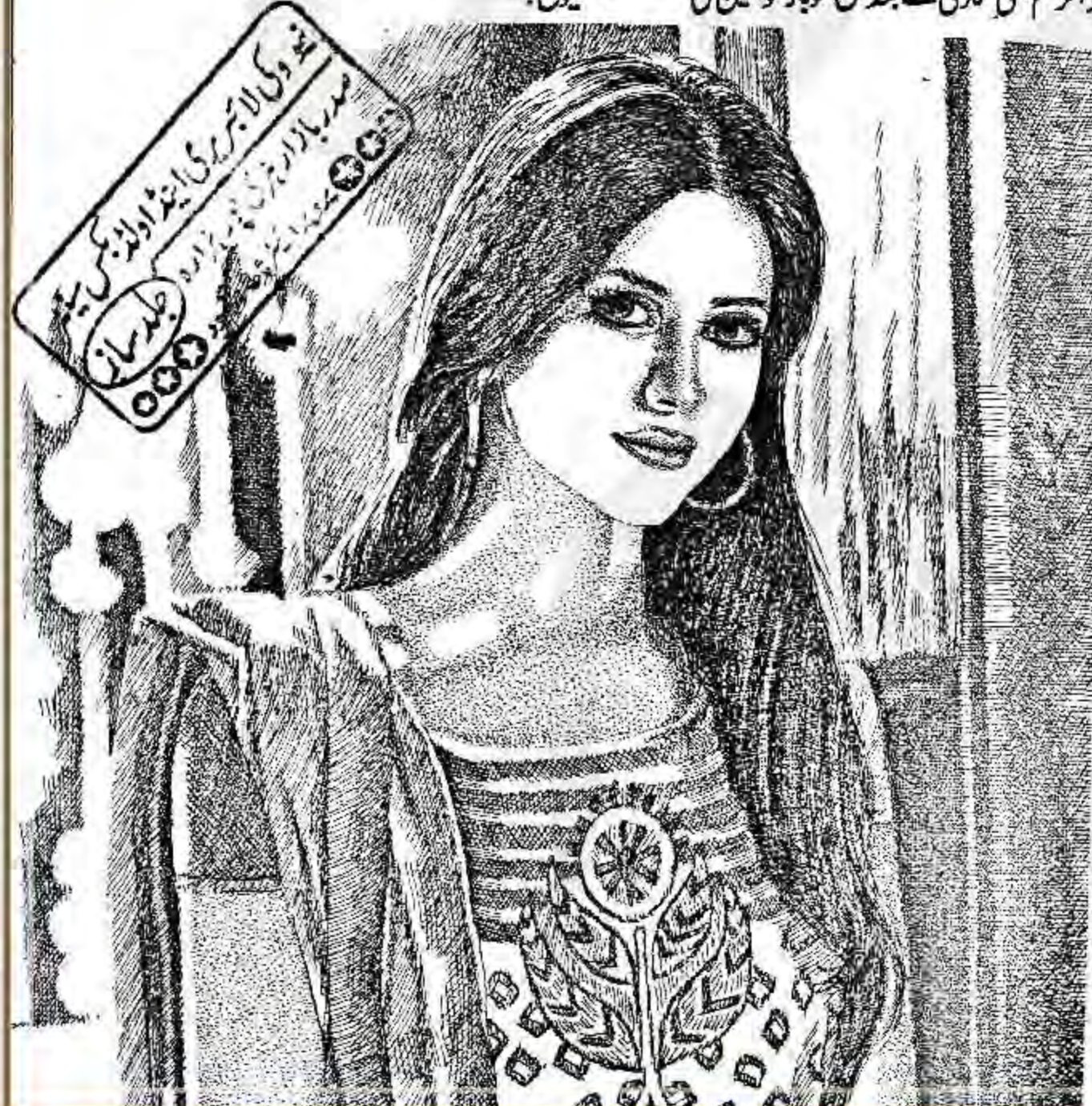
"پتا نہیں' کہہ رہی تھی کوئی ضروری بات کرنی ہے تم سے۔"

"اچھا! اس سے کہو فارغ ہو کر آتی ہوں۔ ابھی تو میرا بہت سارا کام پڑا ہے۔" بیلا پھر سے برتنوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"نہیں نا۔۔۔ اس نے کہا ابھی آؤ۔۔۔ بہت اہم بات کرنی ہے۔" وہ پھر بولا۔ اب کی بار لہجہ اصرار لیے ہوئے تھے۔ بیلا نے کچن سے نکل کر سبزی بناتی اماں کی جانب اجازت طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

"چلی جاؤ۔ لیکن ذرا جلدی واپس آنا تمہارا باپ آج گھر پر ہی ہے۔" وہ سر ہلاتی کاشف کی معیت میں باہر نکل گئی۔ ریحانہ کا گھر اسی لمبی گلی کے نکڑ پر تھا۔ وہ ملنے کے لیے دن میں دو تین چکر تو ایک دوسرے کے گھر کا لگا ہی لیا کرتی تھیں۔

"پتا ہے بیلا آج رشیدہ خالہ نے کیا کہا؟" ریحانہ کا تمہیدی انداز کبھی کبھار اسے بری طرح چڑا کر رکھ دیتا لیکن وہ محض صبر کا گھونٹ پی کر رہ جاتی۔ سو اس وقت بھی یہی کیا۔

"کیا کہا؟"

"نزی خالہ احمد کے لیے آج کل لڑکی تلاش کرتی پھر رہی ہیں۔" ریحانہ کا انداز بریکنگ نیوز کا سا تھا۔

"ہاں تو؟"

"تو یہ کہ تم جانتی ہو نا میں احمد میں انٹرسٹڈ ہوں بلکہ وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے۔ تمہاری تو نزی خالہ سے بہت بنتی ہے تم ان کی توجہ میری جانب مبذول کروا دو۔ احمد بھی تو اچھا خاصا بے تکلف ہے تم سے تم اس تک میرا حال دل پہنچا دو۔" بیلا کو جھٹکا سا لگا تھا۔

"دماغ خراب تو نہیں ہو گیا تمہارا؟"

"اس میں دماغ خراب ہونے والی کیا بات ہے؟" ریحانہ نے خفگی سے کہا۔

"اگر احمد اور تمہارے درمیان ایسا کچھ ہے تو احمد خود اپنی ماں کو تمہارا رشتہ لینے کے لیے تمہارے گھر بھیجے۔ ویسے بھی میری اس کے ساتھ کوئی بے تکلفی نہیں ہے۔ رسمی سی علیک سلیک ہوتی ہے اور بس۔" بیلا نے قطعیت سے کہا۔

"افوہ بیلا! تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ میں اسے پسند کرتی ہوں۔ تم اگر اس تک یہ بات پہنچا دو تو وہ اپنی اماں سے خود بات کرے اور تم نزی خالہ کے سامنے میری تھوڑی سی حمایت کر دینا۔ ویسے بھی وہ جس طرح ہر آئے گئے کے سامنے تمہارے گن گا رہی ہوتی ہیں سارے محلے کو لگتا ہے اگر تمہاری نزی خالہ نے اپنے بیٹے کے لیے تمہارا رشتہ نہ ڈال دیا ہوتا تو یقیناً" نزی خالہ تمہیں ہی اپنی بہو بنائیں۔"

نزی خالہ کے ذکر پر بیلا لحہ بھر کے لیے چپ سی ہو گئی۔ وہ کافی عرصے سے اپنے بیٹے عمران کے لیے بیلا کا رشتہ مانگ رہی تھیں لیکن ابا انہیں کوئی مثبت جواب دینے پر ابھی تک قطعی آمادہ نہیں تھے۔ اس کے خیال کی رو جنبکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر جھٹکتی ریحانہ کی طرف متوجہ ہوئی جو خاصی امید بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"یہ مناسب نہیں ہے ریحانہ!"

"پلیز بیلا! دوست نہیں ہو؟" اس نے لجاجت سے کہتے بیلا کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ بیلا بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"لڑکیاں تو سب ہی پیاری ہیں خالہ!" اس نے ایک ایک کر کے ساری تصویریں اٹھا کر نزی خالہ کی گود میں ڈال دیں۔

"تو بھلا میں نے کہا ان میں سے جو سب سے اچھی لگے بس وہ بتا دو۔ اب میں ان سب سے تو احمد کو بیاہنے سے رہی۔" نزی خالہ اپنے مخصوص ڈپٹنے کے سے انداز میں بولیں۔ بیلا نے گہری سانس کھینچتے ہوئے گویا خود کو واضح بات کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔

"خالہ! اپنی ریحانہ بھی تو ہے نا۔ آپ احمد کے لیے اسے کیوں نہیں مانگ لیتیں؟"

"اسے رہنے دو مجھے وہ لڑکی کچھ خاص پسند نہیں۔ نہ ہی اس کے طور طریقے۔" نزی خالہ کا انداز بے لچک تھا۔

"اچھی بھلی تو ہے خالہ! آپ ایک بار اسے اس نظر سے دیکھیں تو سہی۔"

"دیکھوں گی۔" وہ ٹالتے ہوئے بولیں۔ پھر ایک تصویر پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو نصیرالدین کی یہ لڑکی بہت پسند آئی ہے۔ میرے احمد کے ساتھ خوب جچے گی۔ نہیں؟" لیکن بیلا ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے انہیں برابر ریحانہ کے لیے قائل کرنے کی کوشش میں لگی رہی اور جب اسے لگا نزی خالہ ریحانہ کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کرنے والی ہیں تب وہ ان سے اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسی ہو بیلا؟ بہت دن بعد چکر لگایا۔" ڈیوڑھی پر ہی احمد سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ کیا اسے ریحانہ کے دل کی بات بتا دوں؟ اس نے لحہ بھر کے لیے سوچا۔

"نہیں!" اس کا دل آمادہ نہیں ہوا تھا۔ "جو کام ٹھیک طریقے سے ہو سکتا ہے اس کے لیے غلط راستوں کا انتخاب کیوں کیا جائے۔"

"جی کچھ مصروف تھی۔" نپے تلے انداز میں کہتی وہ دروازہ پار کر گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیسی ہے؟" بیلا نے اپنے آگے بڑھے ریحانہ کے ہاتھ کی دوسری انگلی میں جگمگاتی سونے کی انگوٹھی کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے تمہارے ہاتھ میں۔"

"قسم سے بیلا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو کام مجھے پہاڑ سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا وہ تم حیرت انگیز حد تک اتنی جلدی کر لوگی۔ نزی خالہ کا میرے لیے احمد کا رشتہ لانا مجھے کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔"

"اسے تقدیر ہی تو کہتے ہیں خدا نے تمہارے نصیب میں یہ لکھا تھا سو ہو کر رہا۔ میرا یا کسی اور کا کوئی کمال نہیں۔"

بیلا سادگی سے بولی تھی۔ حالانکہ نزی خالہ کو ریحانہ کا رشتہ لانے پر آمادہ کرتے ہوئے اسے حقیقتاً" دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ نزی خالہ کو ریحانہ کے خاندان سے لے کر طور طریقوں تک ہر چیز پر سخت اعتراض تھا۔۔۔ برسوں سے ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے وہ ایک دوسرے کو قریب سے جانتے تھے۔ لیکن یہاں بیلا کو اپنی دوستی کا حق ادا کرنا پڑا جو اپنے تئیں اس نے ادا بھی کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کہاں سے لیا تم نے؟" نئے ڈبا پیک موبائل کو پکڑتے ہوئے بیلا نے قدرے حیرت سے استفسار کیا۔

"لیا نہیں' گفٹ ملا ہے۔" ریحانہ لب دباتے ہوئے بولی۔

"گفٹ؟ کس نے دیا؟"

"احمد نے اور کس نے دینا ہے بھلا؟"

"لیکن احمد نے تمہیں کیوں دیا؟" بیلا نے نا سمجھی سے اس کا چہرہ تکا۔

"پاگل! لڑکا اپنی منگیتر کو موبائل کیوں گفٹ کرتا ہے؟"

"کیوں؟"

"افوہ! بات چیت کرنے کے لیے بھئی!" ریحانہ نے گویا اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"اوہ!" بیلا کو ساری بات سمجھ آگئی تھی۔

"تو اب تم اس سے موبائل پر رابطہ رکھو گی؟"

"یہ احمد کی خواہش ہے۔"

"اور تمہاری؟"

"میں۔۔۔" ریحانہ گڑبڑا سی گئی تھی۔ "ظاہر ہے۔ میں نے تو اس کی خواہش کا احترام کرنا ہے۔ آگے کی ساری زندگی جو گزارنی ہے اس کے ساتھ۔" اب کی بار لہجے میں اعتماد سا جھلکا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے ریحانہ! ہر کام اپنے وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔ قبل از وقت یا بعد از وقت ملنے والی چیز اپنا۔۔۔ چارم کھو دیتی ہے۔ تم اس رشتے کی تمام تر

لطافت کو شادی کے بعد محسوس کرنا۔"

"اُفوہ بیلا! کیوں دادی اماں بن رہی ہو؟ ارے بھئی ہم اکیسویں صدی میں رہ رہے ہیں وقت کے ساتھ نہیں چلیں گے تو یہ ہمیں پیچھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

"اور اگر وقت سے آگے بھاگنے لگو گی تو اور بہت کچھ پیچھے رہ جائے گا۔" بیلا کو لگا وہ اسے سمجھا نہیں پائے گی۔ اور اسے ٹھیک ہی لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا؟" بیلا چیخی تھی۔

"آہستہ بولو۔ اس میں دماغ خراب ہونے والی کیا بات ہے؟" ریحانہ کھسکتے ہوئے اس کے اور قریب ہوئی تھی۔

"تمہارا واقعی دماغ چل گیا ہے لیکن مجھ سے یہ امید مت رکھنا کہ میں اتنے واہیات کام میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

"کوئی واہیات کام نہیں ہے۔ بس تمہیں معمولی باتوں کو ایشو بنانے کی عادت پڑ گئی ہے۔"

"جو بھی سمجھو میری طرف سے انکار ہے۔" بیلا کا لہجہ دو ٹوک اور انداز بے لچک تھا۔

"پلیز بیلا! یقین مانو یہ پہلی اور آخری بار ہے۔ ایک ہی تو دوست ہو تم میری۔ پلیز میرا مان مت توڑو میں احمد کو ہاں کر چکی ہوں۔" آنکھوں سے چھلکنے کو بے تاب آنسو۔ التجائیہ انداز! بیلا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"بات مان توڑنے کی نہیں ہے ریحانہ! تم نے احمد سے ملنے کا پروگرام بنایا ہے اور وہ بھی میرے گھر پر۔ تم میرے ابا کو اچھی طرح جانتی ہو وہ میرا گلا دبا دیں گے اور اماں وہ تو مر کر بھی ایسا کچھ نہیں کرنے دیں گی۔" بیلا رسانیت سے بولی۔

"تمہیں بھلا ضرورت ہی کیا ہے اس سے اکیلے میں ملنے کی۔ کچھ دن بعد ویسے بھی تم لوگوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہونے والی ہے۔ تمہیں مجھ سے پوچھے بغیر احمد کو ہاں نہیں کرنی چاہیے تھی۔" اس کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی در آئی تھی۔ لیکن ریحانہ گویا سب کچھ پہلے سے طے کیے بیٹھی تھی۔ فوراً بولی۔

"تمہاری اماں کو میں کسی بہانے اپنے گھر بلوا لوں گی اور تمہارے ابا تو ویسے بھی رات گئے گھر آتے ہیں۔ یقین مانو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔"

"جو کام چھپا کر کیا جائے وہ غلط ہی ہوتا ہے اور غلط کام کا نتیجہ بہرحال کبھی صحیح نہیں نکلتا۔" بیلا سوچ کر رہ گئی۔ لیکن اسے لگا حقِ دوستی ادا کرنے کے لیے ایک بار پھر اسے ایسا کام کرنا پڑے گا جس کے لیے اس کے ذہن و دل قطعی آمادہ نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

"سنو کاشف!" پودوں کو پانی سے نہلاتے ہوئے اس کی نظر بیرونی دروازے کی جانب بڑھتے کاشف پر پڑی تو بے اختیار اسے آواز دے کر روک لیا۔ ہوا میں گیند اچھالتا کاشف یونہی استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ریحانہ کی کوئی خیر خبر۔ کب آئے گی ملنے؟" ریحانہ شادی کے بعد صرف ایک بار میکے آئی تھی۔ تب بیلا خود ہی اس سے جا کر مل آئی تھی۔

"ریحانہ آپی تو پچھلے دو دنوں سے ادھر ہی ہیں۔ احمد بھائی خود چھوڑ کر گئے تھے۔ شاید آج شام کو لینے آجائیں۔" کاشف کی بات پر اسے سخت اچنبھا ہوا۔ ریحانہ دو دن سے اپنے میکے میں تھی اور اس نے ایک بار بھی بیلا سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ وہ جو اس سے ملنے کے لیے ایک ایک دن بے چینی سے گزار رہی تھی دفعتاً ڈھیر سارا بوجھ دل پر لیے چارپائی پر چپ چاپ سی آکر بیٹھ گئی۔

ڈھیر سارے لمحے گومگو کی سی کیفیت کے نذر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری سانس کھینچتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اماں! میں ریحانہ کی طرف جا رہی ہوں۔"

دس منٹ کے فاصلے پر اس نے خود کو کوئی دس ہزار

تاویلیں دے کر مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن واپسی کے انہی دس منٹ میں اس کی ہر تاویل جھوٹی اور بودی ثابت ہوئی تھی۔

"شاید۔۔۔ شاید سب ہی اس طرح۔" انگلی کی پور سے آنسو جھٹکتے ہوئے اس نے ریحانہ کی بے رخی کو ایک بار پھر کسی نئی تاویل کا لبادہ اوڑھاتے اس نے اپنے گھر میں قدم رکھا۔

"میری اجازت کے بغیر اپنی بہن کو ہاں کرنے کی ہمت کیسے ہوئی تمہاری؟" ابا کی تیز آواز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔

"و نہیں۔۔۔ وہ میں نے ہاں نہیں کی وہ تو۔۔۔" اماں منمنائی تھیں۔

"تم نے ہاں نہیں کی تو پھر وہ کس خوشی میں سارے شہر میں مٹھائیاں بانٹتی پھر رہی ہیں؟" کوئی کانچ کا برتن چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ بیلا کے دل کی دھڑکنوں کی شوریدہ سری مزید بڑھ گئی۔

"کان کھول کر سن لو تمہارے اس ٹٹ پونجیے خاندان میں اپنی بیٹی دینے کا نہ میں پہلے کوئی ارادہ رکھتا تھا نہ ہی اب رکھتا ہوں۔"

"آخر برائی کیا ہے عمران میں دیکھا بھلا۔۔۔" پہلی بار اس سلسلے میں کی گئی اماں کی کمزور حمایت جلتی پر تیل چھڑک گئی تھی۔۔۔ ابا کا جلالی مزاج انگڑائی لے کر بے دار ہوا۔ غصہ، طنز و تشنیع، گالی گلوچ وہ سب کچھ جو ان کے حاکمانہ مزاج کا خاصہ تھا۔ بات بہت بڑھ گئی تھی۔ ابا کا ہاتھ اٹھا تو پھر رکا نہیں۔ بیلا ساکت آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ اماں روتے سسکتے دروازہ پار کر گئیں ابا نے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پہلے سے زیادہ پھرتی سے ابا کا ایک ایک کام کرتی، ثاقب کی چھوٹی بڑی ضروریات کا خیال رکھتی اپنے گھر کے تنکے تنکے کو جوڑ کر رکھنے کے جتن میں دن رات ایک کر دیتی۔ لیکن گنتی کے ان چند دنوں میں ہی اس نے اپنے گھر کو قبرستان میں بدلتے دیکھا۔ ویرانیوں نے ڈیرہ ڈالا اور صحرا کی خاک اڑنے لگی۔

گھر اماں کے وجود سے خالی تھا۔ بہت پہلے خالہ رفعت نے اپنے بیٹے عمران کے لیے اس کا رشتہ مانگا تھا۔ اس کے دل میں عمران کے لیے پسندیدگی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ لیکن ابا کی ان کے ساتھ رقابت و ناپسندیدگی کی عمر اس سے کہیں زیادہ طویل تھی۔ اماں بیلا کے دل کی خواہش جان گئی تھیں۔ اس لیے تو ابا کے حاکمانہ مزاج کے زیر تسلط ساری زندگی گزار دینے کے باوجود پہلی بار انہوں نے کمزور سا اختلاف کیا تھا۔ جس کی پاداش میں ابا نے انہیں اس عمر میں اپنی بوڑھی ماں کی دہلیز پر بٹھا دیا۔

"میں اماں کو یقین دلا دوں گی کہ عمران سے رشتہ ہونے نہ ہونے سے مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ابا جہاں بھی میری شادی کریں گے میں وہاں بہت خوش رہوں گی۔ یقین دلانا کون سا مشکل ہے محض نظریں ہی تو چرانی پڑتی ہیں۔"

بیلا فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اماں سے ملنا تھا۔ دقت یہ تھی کہ ابا نے اسے سختی سے نانی اماں کے گھر جانے سے روک دیا تھا۔

"ریحانہ!" اسے اندھیرے میں امید کی ایک ہی کرن دکھائی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے میری بات ٹھیک طرح سے سمجھ تو لی ہے نا؟" بیلا نے لاپروائی سے اپنے پراندے کے پھولوں کو چھیڑتی ریحانہ کو ٹوکا تھا۔

"ہاں ہاں فکر کیوں کرتی ہو سمجھو اماں تک تمہارا پیغام پہنچ گیا۔" اس کے ایک ایک انداز سے چھلکتی عدم توجہی کو بمشکل صرف نظر کر کے بیلا امید بھری نگاہوں سے دیکھتی تھوڑی دیر بعد اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تو اماں! میں ذرا خالہ زرینہ سے مل کر آتی ہوں۔" ریحانہ سامنے پڑی سموسوں کی خالی پلیٹ پرے کھسکاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اے پاگل تو نہیں ہو گئیں؟ دفع کرو ان کے جھگڑے تو ساری زندگی ختم نہیں ہونے والے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں پیغام رساں بننے کی جانتی نہیں ہے بیلا کا ابا کیسا خر مغز انسان ہے اسے بھنک بھی پڑی تو الٹا ہمارے گلے پڑ جائے گا۔ اپنے بکھیڑے خود ہی نبٹانے دے ان کو۔"

"اچھا!" اماں کے سمجھانے پر وہ بے تاثر سا اچھا کہتی پھر سے اطمینان سے بیٹھ گئی اور پیالے میں بچی چٹنی سے لطف اندوز ہونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"اماں!" وہ بھاگتی ہوئی ان کے سینے سے جا لگی تھی۔ ویرانیوں نے رخصت چاہی اور صحرا میں گویا رنگ بہار رنگ پھول نے اگ آئے۔

"صد شکر کہ اماں نے میرا مان رکھ لیا۔ مجھے ریحانہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آخر کو ذریعہ تو وہ ہی بنی تھی۔" اس کا دل اپنی دوست کے لیے احساس تشکر و ممنونیت سے بھرنے لگا۔

اور اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتی اماں نے سوچا کبھی کبھار چھوٹی پسپائی بڑی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ انا، خودداری ایک طرف۔ اپنے گھر خود ہی لوٹ کر آنے کا میرا فیصلہ درست ہے۔ یہ وقت خود ثابت کرے گا۔"

☼ ☼ ☼

"احمد کی دونوں خالائیں، پھپھیاں، تایا زاد بہنیں اور دو چار قریبی لوگ! دیکھ لے ریحانہ! خرچہ کچھ زیادہ نہیں ہو جائے گا؟"

کل رات کی دعوت کے لیے مدعو کیے جانے والے مہمانوں کی بابت اماں نے ریحانہ سے پوچھا۔

"ارے اماں! آپ خرچے کی فکر چھوڑیں۔ احمد نے کہا ہے ہمارے گھر میں پہلی خوشی آنے والی ہے دعوت شاندار سی ہونی چاہیے۔" ریحانہ نے تفاخر سے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

"اے بیلا کو تو بھول گئیں کاشف سے کہو جا کر کہہ آئے گا اسے۔"

"رہنے دیں اماں! اسے میں نہیں بلا رہی اس دعوت میں۔"

"کیوں؟" اماں نے اچنبھے سے پوچھا "اس دن تو نے اسے اپنا نیا موبائل نمبر دینے سے بھی منع کر دیا تھا۔"

"کیا بتاؤں اماں! احمد اور نزی خالہ کے سروں پر تو ایسا بھوت سوار تھا بیلا کا کہ میں تو چکرا کر رہ گئی۔ شرافت، خلوص، سلیقہ، گھڑ پن، یہ وہ سب کچھ تو اسی پر ختم۔ کوئی موقع ایسا نہیں جب دونوں ماں بیٹا اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملانا نہ بھولے ہوں۔ بڑی دقتوں سے میں نے اپنی جگہ بنائی ہے۔ اب آپ چاہتی ہیں میں ایک بار پھر اپنے سر پر بیلا رانی کو مسلط کر دوں؟"

"تمہاری ساس اور وہ احمد تو ضرور ہی اس موقع پر اس کی کمی محسوس کریں گے پھر؟"

"احمد کی نظر میں تو اس کی شخصیت کا سارا سحر میرے ایک چٹکی بھر جملے نے ہوا میں بکھیر دیا کہ وہ شادی سے پہلے مجھے تم سے ملنے کے لیے غلط ترغیبات دیتی تھی۔ خواہ یہ بات سننے میں کتنی ہی ناقابل یقین لگے لیکن میں چونکہ اسے قریب سے جانتی ہوں تو تمہیں میری بات پر یقین کر لینا چاہیے۔" ریحانہ پراسراریت سے مسکرائی تھی۔

"اچھا کیا اس لیے تو میں نے اس دن زرینہ تک اس کا پیغام پہنچانے سے تمہیں روک دیا تھا۔"

"اچھے لوگوں کی یہ بڑی برائی ہوتی ہے اماں! انہیں اپنی جگہ سے ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے چاہے وہ یہ جگہ کسی کے گھر میں بنا لیں یا دل میں۔" دہلیز پر کھڑی بیلا کی ساکت آنکھوں میں ہلکی سی لرزش اتری تھی۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھی اپنی بچپن کی دوست کو دیکھا تھا۔ جو اسے کبھی ایسی نظر نہیں آئی تھی۔ لیکن نظر آنے اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے نا۔"

☼ ☼

بشریٰ احمد

مکمل ناول

نانا جی کا گھر اب بھی پوری شان و شوکت سے اپنی جگہ ایستادہ تھا لیکن یہ گھر اب نانا جی اور نانی اماں کے مہربان وجود سے محروم ہو چکا تھا وہ دو ہستیاں جو ہر بار اس کی آمد پر کھلی بانہوں سے اس کا استقبال کرتی تھیں۔

اکلوتی مرحومہ بیٹی کی اکلوتی جیتی جاگتی نشانی نانا' نانی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی وہ اس سے والہانہ پیار کرتے' اس پر جان چھڑکتے تھے اور ان کے پاس آ کر وہ بھی جیسے اپنی ساری محرومیاں بھلا دیتی تھی۔ نو عمری میں ماں سے بچھڑنے کا غم' دوسری شادی کے بعد ابا کی دن دونی بڑھنے والی لاتعلقی کا دکھ' ابا کی نئی بیوی آنے کے بعد اپنے ہی گھر میں اجنبی بن جانے کا غم' ایسے میں نانا جی کی آمد اس کے لیے خوشیوں بھرا سندیسہ ثابت ہوتی۔

"تم اجازت دو تو عثمان میاں میں کچھ دنوں کے لیے عائزہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں' رابعہ خاتون بہت یاد کر رہی ہیں نواسی کو۔" نانا جی ابا سے مخاطب ہوئے اور وہ بہت آس بھری نگاہوں سے ابا کو تکتی جانے وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

"اجازت کیسی ماموں۔ عائزہ آپ کی نواسی ہے۔ آپ اس پر ہر طرح کا حق رکھتے ہیں لیکن اس کی پڑھائی کا پہلے ہی بہت حرج ہو چکا ہے تھوڑے دن پہلے بری طرح بیمار پڑ گئی تھی کتنے دنوں تک بستہ کھول کر نہیں دیکھا اب بے شک اسکول سے تو چھٹیاں ہیں لیکن میں نے گھر پر ٹیوٹر رکھوا کر دیا ہے۔ اچھا قابل ٹیچر ہے عائزہ کی پڑھائی پر مخصوصی توجہ دے رہا ہے اگر چند چھٹیاں کرے گی تو دوبارہ پڑھائی میں پیچھے ہو جائے گی آپ تو جانتے ہیں نا اس کی ذہنی قابلیت اپنی ہم عمر بچیوں سے بہت پیچھے ہے۔" ابا نانا جی کو رسانیت سے جواب دیتے تھے۔ نانا جی ابا کے صرف سسر ہی نہ تھے بلکہ رشتے میں ماموں بھی لگتے تھے اور نانا جی اب اپنا ماموں ہونے کا استحقاق جتاتے تھے۔

"دیکھو بھانجے وہ ٹیوٹر جو تم نے رکھا ہوا ہے اس کی ذہنی قابلیت کا بتاؤ۔ کیا مجھ سے زیادہ ذہین اور قابل ہے چالیس سال ہو گئے ہیں بچوں کو پڑھاتے ہوئے۔ میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہاں دور و نزدیک کوئی ایسا گھرانہ نہیں جس میں میرے ایک' دو شاگرد نہ بستے ہوں۔ ارے جب دنیا جہان میں علم کی روشنی بانٹ سکتا ہوں تو اپنی جان سے پیاری نواسی کو چند دنوں تک پڑھانے کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ تم ایک بیگ میں اس کے دو چار جوڑے ڈال دو اور اسکول کا بستہ بھی ساتھ دے دو۔ ابھی تو گرما کی چھٹیوں کا آغاز ہے میں ایک مہینے کے لیے اسے ساتھ لے کر جا رہا ہوں پھر خود ہی چھوڑ بھی جاؤں گا اب بھی کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ۔"

نانا جی کا انداز اتنا قطعیت بھرا ہوتا تھا کہ ابا کے پاس کسی اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہ بچتی۔

"نورین عائزہ کا بیگ تیار کر دو۔" وہ بیوی کو مخاطب کرتے۔ بیوی حکم کی تعمیل کرتی عائزہ کے دل کی کلی کھل جاتی نانا جی کی انگلی پکڑ کر ابا کو اللہ حافظ کہتے ہوئے وہ گھر سے نکلنے کو بے تاب ہو رہی ہوتی کہ نانا جی دھیرے سے اسے مخاطب کرتے۔

"امی کو بھی اللہ حافظ کہو۔" وہ آنکھوں میں ناراضی بھر کر نانا جی کو دیکھتی لیکن پھر ان کی بات مان لیتی۔

"اللہ حافظ۔" کافی کٹھ مار انداز میں نئی امی کو اللہ حافظ کہہ کر وہ گھر کی دہلیز پار کر جاتی سارے راستے اسے نانا جی سمجھاتے رہتے۔

"میں دیکھ رہا تھا تم نئی امی سے اکھڑی اکھڑی رہتی ہو۔ یہ اچھی بات نہیں بیٹا۔"

"مجھے بس کے سفر میں بالکل مزا نہیں آتا پچھلی بار آپ مجھے ٹرین میں بٹھا کر لے گئے تھے اس بار ہم ٹرین پر کیوں نہیں جا رہے۔" سوال گندم جواب چنا۔ نانا جی کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عثمان میاں کہہ رہے تھے کہ وہ ذہنی قابلیت میں اپنی ہم عمر بچیوں سے پیچھے ہے کتنی مہارت سے اس نے سوال پلٹا دیا تھا۔ ان کی نواسی بے حد ذہین تھی اس کی ذہانت پر انہیں ہرگز کوئی شبہ نہ تھا۔

"بس سے ہم جلدی پہنچ جائیں گے بیٹا۔ ٹرین اگر لیٹ ہو جائے تو تم جانتی ہو نا گھر پہنچنے میں کتنی دیر لگ

جاتی ہے۔" انہوں نے مشفقانہ انداز میں جواب دیا تھا۔ عائزہ ہنکارا بھر کر پھر بس کی کھڑکی میں سے باہر دوڑتے بھاگتے مناظر پر نگاہ جمادیتی اور پھر کب اس کی آنکھ لگتی پتا بھی نہ چلتا جب نانا جی اس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے تو دن کی روشنی پر رات کی سیاہی غالب آچکی ہوتی۔ مدقوق روشنی والا بلب بس میں مقدور بھر روشنی بکھیر رہا ہوتا۔

"گھر آگیا نانا جی۔" وہ آنکھیں مسلتے ہوئے پوچھتی۔

"بس آنے والا ہے بیٹا۔" نانا جی جواب دیتے اور واقعی ذرا دیر میں بس رک جاتی۔ نانا جی اس کا بیگ اور انگلی تھام کر بس سے اترتے اب رکشے میں سفر کا آغاز ہوتا یہ سارے راستے اس کے جانے پہچانے تھے وہ جانتی تھی اب رکشا دائیں مڑے گا پھر بائیں اس کے بعد دوبارہ دائیں اور پھر نانا جی کے گھر کے بڑے سے لکڑی کے پھاٹک کے سامنے جارکے گا۔ نانی جان شدت سے اس کی منتظر ہوتی تھیں۔ وہ دن جو وہ نانا' نانی کی سنگت میں گزارتی اس کی زندگی کے بہترین دن ہوتے تھے۔ نانی جان سے فرمائشیں کرکے من پسند پکوان بنواتی۔ نانا جی کے کندھے سے جھولتے ہوئے اپنی ضدیں مطالبے اور فرمائشیں پوری کرواتی ہاں شام کو دو گھنٹے صرف اور صرف پڑھائی کے ہوتے اردو اور انگریزی گرائمر کے قواعد' دونوں زبانوں کے الفاظ کا صحیح تلفظ' ریاضی کے قاعدے کلیے۔

نانا جی اس ایک ماہ میں اسے اتنا پڑھا دیتے جو سال بھر کے لیے کافی ہوتا گھر واپس جاکر اس کا پڑھائی میں جی ہی نہ لگتا۔ ٹیوٹر باقاعدگی سے ٹیوشن پڑھانے آتا مگر وہ غائب دماغی سے دو گھنٹے گزار دیتی تنگ آکر ٹیوٹر ابا کو جتا دیتا کہ سالانہ امتحان میں رزلٹ کی ذمہ داری اس کی نہیں ہوگی بچی پڑھائی میں بالکل دلچسپی نہیں لیتی مگر ہر بار سالانہ امتحان میں وہ اچھے نمبروں سے پاس ہوجاتی۔ ٹیوٹر کریڈٹ خود لینا چاہتا مگر ابا نے ایک بار ٹیوٹر کو جتا ہی دیا۔

"عائزہ کے نانا بہت قابل استاد ہیں۔ سال میں جو ایک' دو مہینے یہ ان کے پاس گزارتی ہے۔ وہ اس پر بہت محنت کرتے ہیں اور جس بچے کی بنیاد مضبوط ہو وہ کبھی امتحان میں فیل نہیں ہوسکتا۔" عائزہ نے حیرت سے ابا کو دیکھا تھا اسے لگتا تھا کہ ابا اسے نانا جی کے ساتھ اس لیے خوشی خوشی نہیں جانے دیتے کہ اس کی پڑھائی کا حرج ہوگا مگر وہ تو خود تسلیم کررہے تھے کہ وہاں رہ کر وہ زیادہ اچھا پڑھتی ہے پھر کیوں نانا جی کی آمد پر ابا اسے کچھ خفا خفا سے لگتے تھے۔ کچھ بڑی ہوئی تو اسے نانا جی کے ساتھ ابا کی گفتگو کا مفہوم سمجھ آنے لگا۔

"پلیز ماموں آپ برا مت مانیے گا لیکن عائزہ صرف آپ لوگوں کی وجہ سے اپنے گھر میں لاتعلق اور اجنبی بن کر رہنے لگی ہے۔ وہ اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتی نورین سے بھی کھنچی کھنچی رہتی ہے اور چھوٹے بہن بھائیوں سے بھی بالکل پیار نہیں کرتی اسے صرف آپ لوگوں کے پاس جانے کی جلدی لگی رہتی ہے۔ ہر دو ہفتے بعد وہ مجھ سے پوچھتی ہے کہ اسکول کی چھٹیاں کب ہوں گی آپ لوگوں کی اس سے محبت اور اس کی آپ لوگوں سے محبت اس سے منسلک دیگر تمام رشتوں پر حاوی آگئی ہے۔ وہ دنیا میں صرف آپ کو اور ممانی کو اپنا خیر خواہ سمجھتی ہے ہم سب اس کے لیے اجنبی اور پرائے ہیں اور میں اس صورت حال پر بہت پریشان ہوں۔" ابا نانا جی کو مخاطب کرتے۔

"عثمان میاں یقین کرو میں اور تمہاری ممانی تو عائزہ کو خود بہت سمجھاتے ہیں کہ اپنی والدہ سے بھی اپنا برتاؤ بہتر کرے اور چھوٹے بہن بھائیوں سے بھی دوستی کرے لیکن ابھی بچی ہے نادان اور کم عقل ہے۔" نانا جی اس پر ایک خفگی بھری نگاہ ڈالتے ہوئے ابا سے رسانیت سے مخاطب ہوتے۔ وہ ان کی نگاہ کا مفہوم سمجھتی تھی۔ "دیکھا ہماری بات نہ ماننے کا انجام" اور اگر اس بار ابا نے اسے واقعی نانا جی کے ساتھ نہ جانے دیا اس کا ننھا سا دل سہم جاتا۔ وہ ایسا کیا کرے کہ ابا اس سے خوش ہوجائیں۔ کچن میں کھانا پکاتی نورین کے پاس جاتی۔

"میں آپ کی ہیلپ کرواؤں۔" باوجود کوشش کے امی کا لفظ منہ سے نہ نکلتا۔ نورین اس پر حیرت بھری نگاہ ڈالتیں۔ وہ نورین سے بہت کم مخاطب ہوتی تھی۔

"تم تھوڑی دیر عون کو بہلا لو کچن میں بہت گرمی ہے اور یہ میری جان نہیں چھوڑ رہا۔" نورین کہتیں تو اس کی توجہ نورین کے پاؤں سے لپٹتے ریں ریں کرتے ڈیڑھ سالہ عون کی طرف مبذول ہوتی۔ عون کافی صحت مند بچہ تھا اس سے بمشکل اٹھایا جاتا مگر وہ اسے گود میں اٹھا لیتی۔

"آؤ عون میں تمہیں بسکٹ کھلاتی ہوں۔" وہ عون کو لے کر ابا کے سامنے سے تین چار بار چکر لگاتی تاکہ ابا دیکھ لیں کہ وہ چھوٹے بھائی کو پیار کرتی ہے اور تو اور جب ڈھائی سالہ شانزے نے اس کی ڈرائنگ بک پھاڑ دی تو اسے تھپڑ رسید کرنے کے بجائے وہ ڈرائنگ روم کا رخ کرتی۔

"ابا دیکھیں شانزے نے میری ڈرائنگ بک پھاڑ دی لیکن کوئی بات نہیں ابا میرے پاس ایک اور ڈرائنگ بک بھی ہے اور شانزے تو میری چھوٹی بہن ہے چھوٹے بچے تو کتابیں کاپیاں پھاڑ ہی دیتے ہیں۔" اس نے ابا کو مخاطب کیا۔ ابا اور نانا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نانا جی کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی اور ابا کے چہرے پر بھی مغموم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر عائزہ کو قریب کیا۔

"آپ کو پتا ہے ماموں عائزہ میری بہت سمجھ دار بیٹی ہے اور جب یہ آپ کے ساتھ جاتی ہے تو ہمارا بالکل دل نہیں لگتا۔" ابا نے عائزہ کی پیشانی چومی تھی۔ پتا نہیں کتنے بہت سے دنوں بعد بلکہ عائزہ کو تو یوں لگا جیسے زندگی میں پہلی بار۔ اسے اپنی پیشانی پر ابا کا محبت بھرا لمس اتنا بھلا لگا کہ بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

"ابا اگر آپ کا دل نہیں لگتا تو میں رک جاتی ہوں۔"

"نہیں بیٹا اب تو نانا جی لینے آئے ہوئے ہیں اور وہاں نانی اماں بھی تو انتظار کررہی ہوں گی آپ کچھ دنوں کے لیے نانا جی کے ساتھ چلی جاؤ۔" عائزہ کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگتے۔

"میں اپنی بکس اکٹھی کرلوں۔ کپڑوں کا بیگ تو وہ تیار کردیں گی۔" وہ سے مراد نورین تھیں ابا کی دوسری بیوی جنہیں وہ بھولے سے بھی امی نہیں کہتی تھی۔ عائزہ کے کمرے سے جانے کے بعد نانا جی نے آنکھیں پونچھ لی تھیں۔ ویسے وہ بہت حوصلہ مند شخص تھے لیکن اکلوتی لاڈلی بیٹی کی جوان موت نے انہیں اندر ہی اندر توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"تم صحیح کہتے ہو عثمان میاں۔ عائزہ کا ہم سے اتنا قریب ہونا صحیح نہیں۔ اسے اپنے گھر میں ہی دل لگانا چاہیے۔ ہم تو ویسے بھی چراغ سحری ہیں۔ ٹمٹماتی ہوئی لو جانے کب بجھ جائے۔" نانا جی کی آواز بھرا گئی تھی۔ ابا کو بے حد پشیمانی کا احساس ہوا۔

"ماموں جان معاف کردیجیے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا میں واقعی بنا سوچے سمجھے بول دیتا ہوں لیکن ماموں میں کیا کروں۔ میری ذہنی کیفیت ـــــ آپ کی بیٹی کی جدائی نے مجھے بالکل ہی توڑ ڈالا ہے وہ میرا ذہنی اور قلبی سکون اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے ماموں میں ـــــ عائزہ اس کی نشانی ہے مجھے بہت عزیز ہے ماموں۔" ابا کی باتوں میں ربط کی کمی تھی وہ اپنے بائیں ہاتھ سے پیشانی مسل رہے تھے۔ شدت جذبات سے ان کی آواز کپکپا گئی تھی۔

نانا جی نے اپنے سامنے بیٹھے بھانجے کو دیکھا۔ ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی جب انہوں نے اپنے جگر کا ٹکڑا اس کے سپرد کیا تھا ان کی لاڈلی کو کتنی محبت سے اس نے اپنے گھر میں بسایا تھا۔ بعض لوگ صرف محبتیں وصول کرنے کے لیے دنیا میں آتے ہیں۔ مریم کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ ماں باپ کی بے تحاشا محبتیں سمیٹ کر جب وہ بابل کے گھر سے رخصت ہوئی تو سسرال میں لاڈ اٹھانے کو سگی پھوپھی موجود تھی یہ رشتہ سراسر عثمان اور مریم کے والدین کی خواہش اور ایما پر طے پایا تھا مگر شادی کے بعد جب دونوں نے ایک دوسرے پر اپنے دل کا حال ظاہر کیا تو پتا چلا یہ خواہش تو ہمیشہ سے ان کے اپنے دلوں میں بھی دبی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہا۔

عائزہ کی پیدائش کے بعد گویا زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ محبتوں سے بھرپور ایک حسین ترین اور خوشگوار زندگی۔

عائزہ سال بھر کی ہوئی تو عثمان کو ماں کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ مریم نے ان دنوں شوہر کی خدمت اور دلجوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ بہت وفا شعار اور خدمت گزار بیوی تھی اس نے عثمان کو اپنے وجود کا اتنا عادی بنا دیا تھا کہ وہ اس کی ذرا سی دیر کی دوری بھی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ وہ مریم کو ماں باپ کے پاس بھی زیادہ دن نہ ٹھہرنے دیتا۔ ساتھ لے کر جاتا اور دو چار دن وہاں گزار کر ساتھ ہی واپس لے آتا۔ سعید الزمان اور رابعہ بیگم دونوں کی والہانہ محبت دیکھ کر دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے' ننھی عائزہ میں بھی گویا نانا 'نانی کی جان تھی۔ زندگی بہت سبک خرامی سے گزر رہی تھی۔ عائزہ چار سال کی تھی کہ مریم پھر امید سے ہو گئی۔ اس بار اسے بیٹے کی خواہش تھی شاید یہ ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ وہ عائزہ سے توتلی زبان میں دعا کرواتی کہ اللہ عائزہ کو ننھا منا پیارا پیارا سا بھائی دے دے۔ پیارا سا بھائی دنیا میں تو ضرور آیا لیکن زچگی کے دوران کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ نومولود نے دنیا میں آنکھیں کھولنے کے چند لمحوں بعد دوبارہ آنکھیں موند لیں اور مریم بھی تین دن موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر خالق حقیقی سے جا ملی۔

یہ عثمان اور سعید الزماں کے گھرانے پر قیامت سے پہلے ٹوٹنے والی قیامت تھی۔ عثمان تو کتنے دنوں ہوش و خرد سے بے گانہ رہا۔ سعید الزمان اور رابعہ بیگم پہاڑ جیسا غم سینے میں دفن کر کے اپنی اکلوتی بیٹی کی نشانی کو سنبھال رہے تھے۔ عثمان بھی تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ تینوں بہنیں شادی شدہ اور دور دور بیاہی گئی تھیں اپنی گھر گرہستی چھوڑ کر کون بھائی کے پاس زیادہ عرصے کے لیے ٹھہر سکتا تھا سو دکھے ہوئے بوجھل دل کے ساتھ چہلم کے بعد تینوں بہنیں رخصت ہوئیں۔

"عثمان بھائی ہماری تو بات سننے کو تیار نہیں ماموں آپ ہی انہیں سمجھائیں دوسری شادی کیے بنا زندگی مریم بھابھی کی یادوں کے سہارے نہیں کٹ سکتی۔ عائزہ ابھی بہت چھوٹی ہے اور پھر بھائی کے آگے بھی پوری زندگی پڑی ہے وہ جتنی جلد دوسری شادی پر راضی ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔" عثمان سے سال بھر چھوٹی فہمیدہ نے سعید الزمان کو مخاطب کیا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں بیٹے اس مسئلے کا واحد اور فوری حل یہی ہے۔" سعید الزمان نے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ورنہ عثمان کی زندگی میں اپنی مریم کی جگہ کسی اور کو دیکھنا کب آسان تھا لیکن وہ صرف مریم کے باپ نہیں تھے عثمان بھی ان کا اکلوتا لاڈلا بھانجا تھا اس کی حالت دیکھ کر ان کا جی کلستا تھا۔ انہوں نے بہت پیار اور رسانیت سے اسے دوسری شادی کے لیے راضی کرنا چاہا تھا۔

"آپ بھی ماموں؟" عثمان نے انتہائی شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ سعید الزماں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ہاں بیٹا میں بھی تمہاری بہنوں کا ہمنوا ہوں۔ اپنے آپ کو دوبارہ گھر بسانے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرو اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں۔"

"میں مریم کی جگہ کسی اور کو دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس کے انداز میں قطعیت تھی۔ سعید الزمان کو اپنی لاڈلی شدت سے یاد آئی وہ واقعی خوش قسمت تھی جس کو اتنا ٹوٹ کر چاہا گیا تھا۔

"اپنا نہیں عائزہ کا سوچو بیٹا وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ اس کی پرورش کرنا اکیلے تمہارے بس کا کام نہیں۔" رابعہ خاتون نے بھی اسے سمجھانا چاہا۔

"عائزہ پانچ برس کی ہونے والی ہے میں اسے سنبھال لوں گا کوئی دودھ پیتی بچی تو ہے نہیں۔" عثمان جذباتی ہو رہے تھے انہیں اس صورت حال کا صحیح ادراک ہی نہ تھا۔ عائزہ بے شک دودھ پیتی بچی نہیں تھی لیکن پھر آج کل گھر میں رابعہ خاتون موجود تھیں جو نواسی کا ہر طرح سے خیال رکھ رہی تھیں۔ عثمان صرف مریم کا غم منا رہے تھے لیکن جب سعید الزماں اور رابعہ خاتون بھی واپس اپنے گھر کو پلٹ گئے تو عثمان کو کچھ دنوں میں ہی اندازہ ہو گیا کہ بہنیں اور ماموں ممانی جو کہہ رہے تھے اس بات پر عمل کیے بنا کوئی چارا بھی نہیں وہ دفتر کی اور گھر کی ذمہ داریاں بیک وقت نہیں اٹھا سکتے تھے کل وقتی اور جزوقتی ملازمہ بھی رکھ کر دیکھ لی تجربات نہیں بنی۔ عورت کے بغیر زندگی گزارنا سہل کام نہیں۔ عثمان نے بوجھل دل کے ساتھ بہنوں کو شادی کے لیے رضامندی دے دی۔ بہنیں تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھیں بلکہ انہوں نے تو شاید رشتہ بھی پہلے ہی ڈھونڈ لیا تھا۔

نورین فہمیدہ کے چچا سسر کی بیٹی تھی۔ شکل و صورت کی گئی گزری نہ تھی مگر تانگ کے معمولی سے لنگ کی وجہ سے ابھی تک ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی تھی اس سے دو چھوٹی بہنیں شادی شدہ اور بال بچوں والی تھیں عثمان کا رشتہ نورین کے گھر والوں کو نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ لگا انہوں نے بخوشی یہ رشتہ قبول کر لیا انتہائی سادگی سے نکاح کر کے عثمان نورین کو اپنے سنگ رخصت کروا لائے عائزہ بلاشبہ ابھی بہت چھوٹی تھی اسے سوتیلی ماں کے مفہوم سے آشنائی تک نہ تھی لیکن بس اسے اپنے گھر میں نورین کا وجود اچھا نہ لگا پھر جیسے جیسے اس کی عمر بڑھنے لگی اسکول میں اس کی سہیلیوں نے سنو وائٹ اور اس میں مماثلت تلاش کرتے ہوئے اسے جتایا کہ سنو وائٹ کی طرح اس کی بھی اسٹیپ مدر ہیں اور وہ اس کے ابا کو بھی اس سے چھین لیں گی۔ عائزہ کو نورین مزید بری لگنے لگی اسے واقعی محسوس ہوتا جیسے ابا اس سے لاتعلق رہنے لگے ہیں اس معصوم کو یہ تو نظر ہی نہ آیا کہ ابا اپنی نئی بیوی سے بھی لاتعلق ہی رہتے ہیں۔ مریم مر گئی تھی اور عثمان میں جینے کی امنگ مر چکی تھی اب تو زندگی لگے بندھے' سرد و سپاٹ انداز میں گزرے چلی جا رہی تھی۔

وقت کچھ اور سرکا تو نورین کی گود میں شانزے اور اس کے بعد عون آ گئے تھے۔ عثمان کی زندگی میں تو جانے نورین کی کیا حیثیت تھی البتہ اس کے گھر میں اب اس کی حیثیت مستحکم ہو گئی تھی۔ عائزہ اس سے ابھی بھی کھنچی کھنچی ہی رہتی۔ نورین اس پر بہت ممتا تو نہ لٹاتی تھی لیکن اس کا حتی المقدور خیال رکھ لیتی تھی لیکن عائزہ اور اس کے باپ کے دل تک تاحال اس کی رسائی نہ ہوئی تھی۔ وہ کبھی کبھار تو بری طرح جھنجھلا ہی جاتی اور ایسے میں جب عائزہ کے نانا جی کی آمد ہوتی تو نورین کی کوفت مزید بڑھ جاتی۔ عثمان کی مرحوم بیوی کے والد رشتے میں عثمان کے ماموں بھی لگتے تھے۔

دونوں کا غم مشترک تھا ایک کو جیون ساتھی کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا تھا تو دوسرے کو بڑھاپے کے عالم میں لاڈلی بیٹی کے بچھڑنے کا غم برداشت کرنا پڑا تھا۔ نانا جی سے ملنے کے بعد جہاں عائزہ خوشی سے پھولے نہ سماتی وہاں عثمان بہت ڈسٹرب ہو جاتے۔ بچھڑی بیوی کی یاد شدت سے حملہ آور ہو جاتی۔ عثمان ماموں کے سامنے مریم کی باتیں دوہراتے ہوئے کبھی روتے کبھی ہنستے نورین کو اس ان دیکھی عورت پر بہت رشک آتا۔ اس کے شوہر کو اپنی مرحومہ بیوی سے کس قدر محبت تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ عثمان کے انداز میں ٹھہراؤ آتا گیا وہ اب عائزہ کے نانا کی آمد پر زیادہ جذباتی نہ ہوتے تھے بلکہ شاید اب انہیں عائزہ کا نانا' نانی کے لیے اتنا التفات پریشان کرنے لگا تھا۔ عثمان کو احساس ہونے لگا کہ عائزہ اپنے گھر میں بالکل اجنبیوں کی طرح لاتعلق انداز میں زندگی گزارے چلی جا رہی ہے۔ وہ ایک بار نانا کے ساتھ چلی جاتی تو اس کا واپس آنے کو دل نہ کرتا واپس آ جاتی تو دوبارہ ننھیال جانے کے لیے اس کا دل ہمکنے لگتا۔

پڑھائی میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی چھوٹے بہن بھائیوں سے بھی اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ عثمان جانتے تھے کہ ماموں' ممانی اس کی بیٹی کو کتنا چاہتے ہیں انہیں عائزہ میں اپنی مرحومہ بیٹی کی جھلک دکھائی دیتی تھی عائزہ کے وجود سے ہی ان کی زندگیوں اور ان کے گھر میں تھوڑے بہت دنوں کے لیے رونق ہو جاتی تھی عثمان کی ہمت نہ پڑتی کہ وہ کس منہ سے ماموں کو منع کرے کہ وہ عائزہ کو اپنا اتنا عادی نہ بنائیں لیکن نانا کے گھر سے واپسی کے بعد عائزہ کی پڑھائی میں

عدم دلچسپی چھوٹے بہن بھائیوں سے بے گانگی۔ باپ تک سے لاتعلقی بھرا رویہ اختیار کرنے پر عثمان کو مجبورا" اپنے ماموں یعنی عائزہ کے ناناجی سے یہ بات کرنی پڑگئی تھی کہ عائزہ نانا' نانی کے لاڈ پیار کی وجہ سے دنیا میں صرف انہیں خیر خواہ سمجھتی ہے باقی رشتے اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ناناجی عثمان کی بات سن کر شرمندہ سے انداز میں وضاحت دینے لگے تو عثمان کو اپنی نادانی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ معافی مانگتے ہوئے تسلیم کیا تھا کہ مریم ان کا ذہنی اور قلبی سکون ساتھ لے گئی ہے۔ وہ بلاوجہ عائزہ کے غیر فطری رویوں پر پریشان ہو رہے تھے سچ تو یہ تھا کہ مریم کے بچھڑنے کے اتنے عرصے بعد تک ان کی اپنی ذہنی کیفیت متوازن نہیں تھی۔

"میں کیا کروں ماموں۔ خونی رشتے بچھڑتے ہیں صبر آجاتا ہے۔ میرے والدین دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت دل کو گہرا دھچکا لگا تھا لیکن آہستہ آہستہ صبر آگیا جانے آپ کی بیٹی نے مجھ پر کیسا جادو پڑھ کر پھونکا تھا۔ کیسا سحر طاری کیا تھا مجھ پر جس کا اثر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ دنیا کے سامنے میں ایک نارمل زندگی گزار رہا ہوں۔ بیوی ہے بچے ہیں لیکن میرے دل کی ویرانی کا عالم کوئی نہیں جانتا۔ پتا نہیں میں نے مریم سے اتنی بے تحاشا محبت کی جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی یا مریم نے مجھے اپنی محبت میں ایسا جکڑا کہ مریم مرگئی لیکن میں اس کی محبت کے شکنجے سے باہر نہیں نکل پارہا۔" عثمان احمد کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہوئے جارہی تھیں اور دروازے کے پیچھے چائے کی ٹرے تھامے نورین کے دل پر بھاری بوجھ آن گرا۔ اس نے اس شخص کو خوش کرنے' مطمئن رکھنے کے کتنے جتن کرڈالے تھے لیکن یہ اب بھی اپنی بچھڑی محبت کا سوگ منا رہا تھا۔ بوجھل دل کے ساتھ واپس پلٹنے والی تھیں کہ عائزہ کے نانا کی آواز نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

"عثمان میاں تم نے مجھ سے اپنے دل کی بہت سی باتیں کرڈالیں اب کچھ میری بھی سنو گے؟"

"کہیے ماموں جان۔" وہ تھکے ہارے انداز میں بولے۔

"بچھڑے ہوؤں کا غم اتنا مت مناؤ کہ زندہ لوگ غمزدہ رہنے لگیں۔ تم نے کبھی اس بچی کے جذبات و احساسات کا سوچا جو مریم کے بعد تمہاری بیوی بن کر تمہاری زندگی کا حصہ بنی۔ جہاں تک میں نے نوٹ کیا ہے وہ بچی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی لیکن تم صحیح طور پر اس کے حقوق ادا نہیں کرپا رہے۔"

"کیوں ماموں میری طرف سے کس چیز کی کمی ہے۔ ساری تنخواہ نورین کے ہاتھ پر لاکر رکھتا ہوں پھر اس سے ایک پیسے کا حساب نہیں مانگتا۔ گھر کی مختار کل ہے وہ۔" عثمان نے رسانیت سے جواب دیا تھا۔

"عثمان میاں مانا روپے پیسے کے حوالے سے تم نے اسے کوئی تنگی نہیں دے رکھی۔ گھر میں ہر آسائش اور سہولت بھی موجود ہے لیکن ایک عورت کو خوش رکھنے کے لیے پیسہ ہی کافی نہیں ہوتا۔ اسے اپنے دل تک رسائی بھی دینی چاہیے اور اس کے دلی جذبات و احساسات کا خیال بھی رکھنا چاہیے ابھی تم عائزہ کے رویے کی شکایت کررہے تھے لیکن تم نے اپنے بارے میں سوچا تم بھی تو ایک ابنارمل زندگی جی رہے ہو زندگی کسی کے ساتھ گزار رہے ہو اور محبت کا دم کسی اور کا بھرتے ہو یہ طرز عمل۔"

"ماموں وہ کوئی اور نہیں آپ کی بیٹی تھی آپ تو کم از کم یوں نہ کہیں آپ جانتے ہیں میرا اور اس کا روح کا رشتہ جڑا تھا۔ میرے اور مریم کے رشتے کی گہرائی کے لیے شاید محبت لفظ بھی چھوٹا ہے۔" عثمان نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی تھی۔

"وہ میری بیٹی تھی عثمان میاں اسی لیے تمہارے رویے پر مجھے زیادہ دکھ ہوتا ہے میری بیٹی نے اپنی زندگی میں اپنی ذات سے کسی کو دکھ تکلیف نہیں پہنچائی مرنے کے بعد کسی اور کے رویے کی وجہ سے کوئی میری بیٹی سے چڑنے لگے اس کے لیے دل میں اچھے جذبات نہ رکھے یہ بات میری برداشت سے باہر ہے میری مریم اتنے پیارے دل اور ایسی اچھی عادتوں کی مالک تھی کہ ہر شخص اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتا تھا مجھے ڈر ہے کہ تمہاری اس سے بے پناہ محبت کسی اور کو اس سے نفرت پر مجبور نہ کردے۔" ناناجی کا لہجہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا عثمان احمد چپ رہ گئے تھے۔

"اور سچی بات تو یہ ہے عثمان میاں کہ میں بھی ایک بیٹی کا باپ تھا۔ مجھ سے کسی اور کی بیٹی سے کی جانے والی زیادتی بھی دکھ میں مبتلا کرتی ہے۔ تمہاری بیوی سے تمہارا لاتعلقی بھرا انداز مجھے بہت کھلتا ہے۔ تم صرف اس کے ہاتھ میں پیسے تھما کر سمجھتے ہو کہ تم نے اپنا فرض پورا کردیا نہیں عثمان میاں وہ اس سے کہیں زیادہ کی حق دار ہے۔ بیوی ہے تمہاری' تمہارے بچوں کی ماں اسے تمہاری کہیں زیادہ محبت اور توجہ درکار ہے۔ اسے اس کا پورا حق دو۔ تم خود بیٹی کے باپ ہو۔ بچیوں کے دل تو آبگینے سے زیادہ نازک ہوتے ہیں۔ ہمارے کسی بھی رویے سے انہیں ہرگز ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیے اور آخری بات یہ کہ اگر نورین تمہیں اپنے کسی رویے سے ذہنی بدسکونی میں مبتلا رکھتی تو شاید تم مریم کا غم منانے کے لیے آزاد نہ ہوتے اس نے تمہیں گھریلو سطح پر ہر طرح کا سکون فراہم کیا ہے جب ہی تم اتنے برسوں سے اپنی بچھڑی محبت کا سوگ منا رہے ہو ورنہ عثمان میاں اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔"

ناناجی نے سنجیدگی سے انہیں مخاطب کیا تھا۔ عثمان احمد چپ رہے تھے اور دروازے کے پیچھے کھڑی نورین کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی عثمان احمد کے سرد و سپاٹ رویے کو محسوس کرتے ہوئے کوئی عثمان احمد سے بازپرس بھی کر سکتا ہے اور وہ ہستی عائزہ کے ناناجی کی ہوگی یہ انہوں نے کب سوچا تھا۔ آج سے پہلے وہ اس بوڑھے شخص کی آمد پر دل ہی دل میں کتنا جز بز ہوتی تھیں ان کا بس نہ چلتا کہ وہ عثمان احمد کی آمد سے پہلے ہی عائزہ کا ہاتھ اس کے ناناجی کے ہاتھ میں تھما کر انہیں گھر سے رخصت کردیں حالانکہ عائزہ کے نانا ان سے ہمیشہ بہت مٹھاس بھرے لہجے میں بات کرتے تھے انہیں یہ سب ڈھکوسلہ ہی معلوم ہوتا جاتے وقت عائزہ کے نانا ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں زبردستی پیسے بھی پکڑا جاتے تھے۔ نورین بے زاری سے وہ روپے دراز میں ڈال کر بھول جاتی تھیں۔ آج ان کا ندامت سے برا حال ہو رہا تھا۔ جب عائزہ کے نانا نواسی کو لے کر رخصت ہو رہے تھے جب شرمندہ شرمندہ سی نورین ان کے پاس آئی تھیں۔

"میں نے عائزہ کے ابا کے لیے یہ کرتا کاڑھا تھا یہ آپ رکھ لیجیے۔ ان کے لیے میں اور بنالوں گی۔"

نورین نے خلوص کا جواب خلوص سے دینے کی کوشش کی تھی۔ ناناجی خوش ہوگئے تھے انہوں نے نورین کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا پاس کھڑے عثمان نے ایک اچٹتی نگاہ بیوی پر ڈالی اسی لمحے نورین نے بھی انہیں دیکھا۔ عثمان مسکرا دیے تھے۔ ایک نرم اپنائیت بھری مسکراہٹ نورین کا دل شاد ہوگیا تھا۔ اور شاد تو عائزہ کا دل بھی ہو رہا تھا۔ وہ ناناجی کے ساتھ ان کے گھر جارہی تھی۔ جہاں مہربان بانہوں میں سمیٹنے والی نانی جان بھی شدت سے اس کی منتظر تھیں۔

ناناجی کے گھر دن یوں گزرتے کہ گمان ہوتا پر لگا کر اڑ گئے ہیں۔ وہاں تو پڑھائی بھی بوجھ محسوس نہ ہوتی ہاں کبھی کبھار نانا' نانی کی **نصیحتیں** ضرور بور کرتی تھیں وہ اسے نئی امی کا ادب کرنے کی تلقین کرتے تو چھوٹے بہن بھائیوں سے پیار کرنے کا بھی کہتے رہتے۔ چھوٹے بہن بھائیوں سے تو خیر عائزہ کو خاص پرخاش نہ تھی ان کی معصوم حرکتوں پر پیار بھی آجاتا ہاں اسکول کی سہیلیوں نے سوتیلی ماں کے حوالے سے جو خناس دل میں بھر دیا تھا اس کا نکلنا مشکل تھا۔ ہاں نانا' نانی کے سمجھانے بجھانے پر وہ ان سے اپنا رویہ بہتر بنا گئی تھی۔

"اسی میں بھلائی ہے میری بچی اور پھر تم مانو یا نہ مانو تمہاری دوسری ماں بھلی عورت ہے' ہمایوں بے چارے کو دیکھو سر پر نہ ماں' نہ باپ۔ اللہ کے بعد ایک آپا کا

آسرا تھا اور اب تو آپا میں بھی دم خم نہیں رہا۔ بستر ہی سنبھال رکھا ہے۔ ہمایوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔" نانی جان اس کے بالوں میں تیل لگا کر مالش کر رہی تھیں جب انہوں نے ہمایوں کا ذکر چھیڑا۔

"کیوں کیا ہوا ہمایوں کو۔ ٹھیک نہیں ہے کیا وہ۔" عائزہ نے جو مالش کرواتے وقت غنودگی میں جا رہی تھی ایک دم چونکیں ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کہاں ٹھیک ہے بچے میرا تو اسے دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ دن آ دن سوکھ کر کانٹا ہوتا جا رہا ہے۔ بھرے پرے گھر میں کوئی ایک بھی اس کی پروا کرنے والا نہیں۔"

"بڑی نانی کی طبیعت کیا زیادہ خراب ہے۔ پہلے تو وہ ہی ہمایوں کا خیال رکھتی تھیں۔" عائزہ نے پوچھا تھا نانی جان ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

"شام کو چلیں گے تمہاری بڑی نانی کے گھر ان کا حال پوچھنے بس تم اللہ سے دعا کرو اللہ انہیں صحت تندرستی دے۔" نانی جان نے کہا تھا عائزہ نے اثبات میں سر ہلا دیا ورنہ سچ تو یہ تھا کہ اسے بڑی نانی کے گھر جانے سے ہمیشہ ہی بڑی الجھن ہوتی تھی۔ بڑی نانی دراصل نانی جان کی بڑی بہن تھیں۔ دو گلیاں چھوڑ کر ان کا گھر تھا وہ خود تو عائزہ کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتیں لیکن ان کے بدتمیز پوتے، پوتیاں عائزہ کو بالکل اچھے نہ لگتے ہاں ہمایوں کی بات الگ تھی ہمایوں بڑی نانی کا لاڈلا پوتا تھا وہ دو ڈھائی سال کا تھا کہ اس کے ماں، باپ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اللہ کو پیارے ہو گئے ہمایوں کی خوش قسمتی کہ وہ اس روز گھر پر اپنی دادی کے پاس تھا۔ گھر میں اس کی تائی اور چچی بھی تھیں لیکن وہ صرف دادی کی ذمہ داری تھا اور وہ بخوبی اس ذمہ داری کو نبھا بھی رہی تھیں لیکن جیسے جیسے عمر میں اضافہ ہو رہا تھا مختلف بیماریوں نے ہمایوں کی دادی کو گھیر لیا تھا وہ بہت کمزور اور ضعیف لگنے لگی تھیں۔ عائزہ نے انہیں دیکھا تو حیران ہی رہ گئی۔

"آپ تو بہت کمزور ہو گئی ہیں بڑی نانی۔" وہ کہے بنا نہ رہ پائی۔

"اور میری بیٹی تو ماشاء اللہ بہت بڑی اور پیاری ہو رہی ہے۔" بڑی نانی نے بہت پیار سے اسے دیکھا تھا عائزہ جھینپ کر ہنس پڑی تھی۔ چھوٹی نانی کے پاس بیٹھے ہمایوں نے اسے دیکھا۔

"کہاں سے بڑی لگ رہی ہے دادو، پچھلی بار بھی اس کا قد اتنا ہی تھا۔ میرا قد دیکھیں کتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔"

"ہاں تم تو کھمبے کی طرح لمبے ہوتے جا رہے ہو لڑکیوں کا قد اتنی تیزی سے تھوڑی بڑھتا ہے۔" عائزہ نے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا۔ چھوٹی اور بڑی نانی ہنس پڑی تھیں۔ ہمایوں کا قد واقعی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ پہلے کی نسبت کمزور دکھائی دیتا تھا۔ عمر میں وہ عائزہ سے دو چار برس بڑا ہی ہوگا لیکن دونوں ایک دوسرے کو بے تکلفی سے تم کہہ کر ہی مخاطب کرتے تھے۔

"گھر پر اور کوئی نظر نہیں آ رہا۔ بڑی اور چھوٹی بہو کہیں گئی ہوئی ہیں کیا۔" نانی جان نے بہن سے دریافت کیا۔

"ہاں ان کے میکے میں کوئی تقریب تھی دونوں وہاں گئی ہیں!" بڑی نانی نے بتایا تھا۔

اس کی دونوں بہویں آپس میں بہنیں تھیں دونوں میں بے مثال اتفاق تھا۔ اتفاق رائے سے ہی دونوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ بوڑھی ساس کی بیماری کو ہرگز خاطر میں نہ لایا جائے اور ہمایوں تو دادی کی ہی ذمہ داری تھا سو انہوں نے کبھی اس کے کھانے پینے کا تردد نہ کیا تھا اکثر دونوں بہنیں بچوں کو لے کر میکے چلی جاتیں دونوں کے میاں کمانے کی غرض سے سعودیہ مقیم تھے سو کسی جواب طلبی کا خوف ہی نہ تھا۔ ساس نے بھی کبھی بیٹوں کے کان بھرنے کی کوشش ہی نہ کی تھی سو بے فکری ہی بے فکری تھی۔ جہاں آرا بیگم جیسے تیسے گھر کے کام بھی نبٹا لیتیں اور اپنے اور پوتے کے لیے کھانا بنانے کچن میں بھی کھڑی ہو جاتیں لیکن ایک روز انہیں اتنی زور کا چکر آیا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ پائیں اور گر پڑیں۔ ہمایوں اتفاق سے کچن میں گیا تو

دادی کو فرش پر گرا دیکھا اس کے تو حواس ہی قابو میں نہ رہ پائے بے ہوش دادی اس سے اکیلے اٹھ نہ رہی تھیں۔ پھر عقل نے کچھ کام کیا تو اس نے عائزہ کے نانا جی کے گھر فون کیا تھا نانا جی، نانی جان اور عائزہ بھاگم بھاگ ان کے گھر پہنچے تھے۔ اتنے میں پڑوس کی دو خواتین نے بڑی نانی کو بیڈ پر لٹا دیا تھا ہمایوں ڈاکٹر کو بلانے گھر سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر آیا تو نانی کو ہوش بھی آ چکا تھا۔ ڈاکٹر نے تسلی دی اور بتایا کہ بڑھاپے کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت کا حملہ ہوا تھا ورنہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

"آپا آج دوپہر کو کیا کھایا تھا۔" ڈاکٹر کے جانے کے بعد نانی جان نے بہن سے دریافت کیا وہ چپ ہو گئی تھیں۔

"دادو نے مجھے صبح لنچ باکس تیار کر کے دے دیا تھا اور اپنے لیے دوپہر میں کچھ بھی نہیں بنایا۔ میں نے پوچھا تو کہا کہ چائے بسکٹ کھا لیے تھے بھوک نہیں ہے۔" ہمایوں نے دادی کو خفگی سے دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔

"ہاں تو واقعی بھوک ہی کہاں تھی چائے بسکٹ کھا لیے تھے اب ہانڈی چڑھانے کچن میں گئی تو چکر آ گیا۔"

"آپا آپ بھی نا بس۔ مجھے پتا ہے صرف اپنے لیے کھانا پکانے کا تردد نہیں کیا ہوگا بلکہ ہمت ہی نہیں ہو گی اب بھی پوتے کی محبت نے کچن میں کھڑا کر دیا۔ قصور میرا بھی ہے اتنے قریب رہتی ہوں اور دکھ تکلیف میں کام نہیں آتی کیسی نکمی بہن ہوں۔ معلوم بھی ہے کہ آپ کی بہویں گھر پر نہیں طبیعت آپ کی ٹھیک نہیں کھانا میں پکا کر بھیج دیتی۔" نانی جان خود کو مورد الزام ٹھہرانے لگیں۔

"ارے نہیں رابعہ شرمندہ مت کرو، تم کون سا تندرست و توانا ہو شوگر، بلڈ پریشر نے تمہارا پیچھا پکڑ رکھا ہے پھر بھی اس عمر میں اپنا گھر بھی دیکھتی ہو اور حتی المقدور میرا بھی خیال رکھتی ہو۔ تمہارے دم سے میرے وجود کو کتنی ڈھارس ملتی ہے نہ پوچھو مجھ سے۔" بڑی نانی بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"اچھا اب آپ نے بستر سے ہلنا نہیں ہے آپا۔ ہمایوں میرے ساتھ آٹھ بجے کھانا ہمارے ہاں کھاؤ اتنے میں آپا کے لیے یخنی تیار کر کے دوں گی۔ وہ لا کر اپنی دادی کو پلانا۔ آلو گوشت کا سالن بنایا ہے آپا ساتھ دو چپاتیاں ڈال کر بھجوا رہی ہوں۔ پہلے یخنی پی لینا تو انائی آ جائے گی ذرا دیر بعد کھانا کھا لینا بلکہ ہمایوں خود کھلائے گا آپ کو۔ اللہ نے ایسا فرمانبردار پوتا دیا ہے آپ کو۔

"ٹھیک ہے چھوٹی دادو ویسے تھوڑی بہت کوکنگ مجھے آتی ہے دادو سے طریقہ پوچھ پوچھ کر میں کھانا پکا سکتا ہوں۔" ہمایوں بولا تو نانی جان ہنس پڑیں۔

"مجھے معلوم ہے میرا یہ پوتا کتنا سگھڑ ہے چلو کسی روز تمہارے ہاتھ کا پکا کھانا بھی کھائیں گے ابھی تو آؤ میرے ساتھ آج میں نے عائزہ کی فرمائش پر کوفتے بھی بنائے ہیں۔ کوفتے تو تمہیں بھی پسند ہیں نا۔" نانی جان اس سے پیار سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا لیکن جب وہ ان کے ساتھ گھر پہنچا تو بالکل روہانسا ہو رہا تھا۔

"دادو کے سامنے تو میں نہیں رویا چھوٹی دادو لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے میری دادو ٹھیک تو ہو جائیں گی نا۔ کتنی بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہیں وہ۔ میں ان کے بغیر کیا کروں گا۔" انجانے خدشوں کے تحت اس کا دل لرز رہا تھا۔ لمبے ہوتے قد کا وہ لڑکا اس وقت چھوٹے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ عائزہ کو اس سے اس پر بہت ترس آیا۔ نانی جان نے بھی اسے اپنے ساتھ لگا کر بہت سا پیار کرتے ہوئے ڈھیر ساری تسلیاں دیں۔ اور جب نانی روٹیاں ڈالنے کچن میں گئی تھیں تو عائزہ ہمایوں کے قریب آئی تھی۔

"بڑی نانی کو کچھ نہیں ہوگا ہمایوں۔ میں نے اللہ سے ان کے لیے بہت دعائیں کی ہیں اور میں اور بھی دعا کروں گی۔ نانا جی کہتے ہیں کہ اللہ بچوں کی دعا بہت جلد قبول کرتا ہے۔" عائزہ نے اپنی طرف سے اسے بھرپور تسلی دی تھی اور روتے ہوئے ہمایوں کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔ "تم ابھی بھی بچی ہو کیا۔ اتنی بڑی تو ہو گئی ہو۔" اور عائزہ نے اسے خفگی سے گھورا تھا

مگر اگلے ہی پل اسے ہنسی آ گئی۔ ہمایوں بھی مسکرا رہا تھا۔ اللہ نے واقعی اس کی دعا سن لی تھی اگلی بار جب وہ چھٹیوں میں نانا جی کے گھر آئی تو بڑی نانی کے گھر بھی جانا ہوا۔ وہ پہلے کی نسبت صحت مند اور چاق و چوبند دکھائی دے رہی تھیں۔ حسب معمول عائزہ سے بہت محبت سے ملیں۔

"ہائے اللہ عائزہ کتنی پیاری ہو گئی ہو تم۔ کون سی کریم لگاتی ہو۔" یہ افشین تھی ہمایوں کی چچازاد بہن جو تقریباً" عائزہ کی ہم عمر ہی تھی۔ عائزہ اس سوال پر شرما سی گئی۔

"میں تو کچھ بھی نہیں لگاتی۔" اس نے جو سچ تھا بتا دیا۔ افشین کو یقین نہ آیا اتنے میں نوشین آپی بھی آ گئی تھیں۔

"ہمایوں کہاں ہے دادو۔ میں نے اسے اپنی دوست کے گھر بھیج کر کتاب منگوانی ہے۔" نوشین نے چلو عائزہ کو تو نظر انداز کیا ہی تھا اپنی دادو کے ساتھ محو گفتگو عائزہ کی نانی جان کو بھی سلام کرنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی' بڑی نانی نے اسے فہمائشی انداز میں گھورتے ہوئے اس بات پر ٹوکا تھا۔

"سوری دادو۔" نوشین نے منہ بناتے ہوئے سوری کی اور بادل ناخواستہ چھوٹی دادو کو بھی سلام کر ڈالا پھر دوبارہ ہمایوں کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"ہمایوں سو رہا ہے اندر طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس کی' تم عادل یا باسط کو بھیج کر اپنی کتاب کیوں نہیں منگوا لیتیں اتنی دور تمہاری سہیلی کا گھر ہے۔ عادل موٹر سائیکل پر جا کر لا دے گا کتاب' میں اتنی سردی میں ہمایوں کو نہیں بھیجوں گی۔" بڑی نانی نے دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔

"عادل بھائی اور باسط تو جیسے فارغ بیٹھے ہیں نا۔" نوشین ناراضی سے بڑبڑ کرتی واپس پلٹ گئی تھی۔ بڑی نانی کے تین بیٹے تھے' ہمایوں کے والد کا انتقال ہو گیا تھا ان کے باقی دونوں بیٹے سعودیہ مقیم تھے۔ بڑے بیٹے کے دو بیٹے عادل اور باسط تھے تو چھوٹے بیٹے کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ماؤں نے بچوں کی تربیت پر کچھ خاص توجہ نہ دی تھی۔ عجیب منہ پھٹ اور بد تمیز بچے تھے ہاں ہمایوں کی تربیت دادی نے کی تھی سو وہ بہت سلجھا ہوا اور مہذب تھا لیکن جانے کیوں تائی' چچی بھی اس سے خار کھاتی تھیں اور کزنز بھی اس سے چڑتے تھے۔ عائزہ ہمایوں کا خود سے موازنہ کرتی تو واقعی خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ اللہ نے اگر اسے ماں کی نعمت سے محروم کیا تھا تو ابا تو تھے نا اس کے پاس۔ اب ابا نہ صرف اس کے ساتھ بلکہ دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ بھی بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ گم سم' چپ چاپ اور اپنے خول میں بند رہنے والے ابا اب کافی بدل گئے تھے' ٹیوٹر ہٹا دیا گیا تھا ابا اب ان تینوں بہن بھائیوں کو خود پڑھاتے تھے۔ چھٹی والے دن انہیں سیر بھی کروانے لے جاتے اور کبھی کبھار ان کے ساتھ لڈو یا کیرم بھی کھیلتے تھے اور ایسے کسی بھی موقع پر وہ نورین کو بھی آواز دے کر بلا لیتے۔ نورین جو شانزہ اور عون کی امی تھیں عائزہ انہیں امی کہہ کر مخاطب نہ کرتی تھی آپ کہہ کر کام چلا لیتی۔ عون کو کسی شرارت سے روکنا ہوتا تو عون آپ کو آپ کی مما ماریں گی کہہ کر شرارت سے باز رکھتی۔

نورین کے لیے امی یا مما کے الفاظ منہ سے ادا نہ ہوتے ہاں ویسے ان کے ساتھ تعلقات ٹھیک تھے بہت زیادہ گرمجوشی نہ سہی تو پہلے کی طرح لاتعلقی یا سرد مہری بھی نہیں تھی۔ نانا' نانی کی مسلسل برین واشنگ کے بعد اس نے سوتیلی ماں کا وجود قبول کر لیا تھا اور یہ حقیقت بھی تسلیم کر لی تھی کہ اس کی سوتیلی ماں اس پر ہرگز ظلم و ستم کے پہاڑ نہیں توڑ رہی بے شک وہ جیسے لاڈ اپنے بچوں کے اٹھاتی تھیں شاید عائزہ کے نہ اٹھاتی یا پھر وہ جھجک جو روز اول سے دونوں کے رشتے میں قائم تھی وہ یکسر ختم نہ ہوئی تھی لیکن پھر بھی وہ عائزہ کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی کوشش کرتی تھیں اب عائزہ بھی ان کا ہاتھ بٹا دیتی تھی ان سے پوچھ کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتے ہوئے عائزہ کو مزا آتا تھا اور چھوٹے بہن بھائیوں کی تو وہ آپی تھی ہی' چاہے ان کے گال چوم چوم کر سرخ کر دے یا کسی شرارت پر ان کا کان مروڑ دے وہ ان پر بڑی بہنوں والا سارا حق جتا سکتی تھی نورین نے کبھی اسے ایسا کرنے سے نہ روکا تھا۔ وہ عون اور شانزے کے ساتھ اس کا تعلق دیکھ کر مطمئن اور خوش ہوتی تھیں۔

بحیثیت مجموعی زندگی متوازن انداز میں گزرے جا رہی تھی ہاں نانا جی کے گھر جانے کی خواہش ایسی خواہش تھی جس سے عائزہ کبھی دستبردار نہ ہو سکتی تھی۔ وہ اسکول کی چھٹیوں کے انتظار میں دن گنتی اور جیسے ہی چھٹیاں ہوتی نانا جی اسے لینے کے لیے آن موجود ہوتے۔ نانا جی اور نانی جان کی شفقت بھری چھاؤں میں گزارے گئے دن اس کی زندگی کے بہترین دن ہوتے تھے۔ لیکن جب یہاں آنے کے بعد وہ بڑی نانی کے گھر جاتی تو ہمایوں کے ساتھ اس کے گھر والوں کا رویہ دیکھ کر اس کا جی دکھتا تھا تو اپنی زندگی پر اللہ کا شکر بھی ادا کرتی تھی۔

ہمایوں ایسے گھر میں رہتا تھا جہاں دادی کے علاوہ سب لوگ اس سے خار کھاتے تھے اور جب سے اس نے اپنے چاچو کو خط لکھ کر دادو کی طبیعت کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا تو چاچو نے فون کر کے نہ صرف بیوی کو گھر کا تھا کہ وہ ان کی ماں کا بہتر طور پر خیال نہیں رکھ رہیں بلکہ ان کے علاج معالجے کے لیے خطیر رقم بھی بھجوائی تھی ہفتے میں ایک بار فون کر کے وہ بطور خاص ہمایوں سے پوچھتے تھے کہ کیا وہ دادو کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا تھا یا نہیں اور یہ کہ اس کی تائی اور چچی دادو کی خوراک کا خیال رکھ رہی ہیں یا نہیں۔

دادو تو فون پر کچھ سچ نہ بتاتی تھیں ہمیشہ بہوؤں کی پردہ داری کر لیتی تھیں لیکن ہمایوں سب کچھ صاف صاف بتا دیتا اسے تائی' چچی کے بگڑے موڈ سے زیادہ اپنی دادو کی صحت عزیز تھی اپنی ذات کے لیے تو اس نے کبھی تایا' چچا سے ایک روپے کا تقاضا نہ کیا تھا۔ تائی اور چچی اسے گھنا' میسنا' جاسوس' مخبر' جانے کیا کچھ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتیں۔ وہ ان کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکنے لگا تھا۔ ماؤں کی دیکھا دیکھی بچے بھی اس سے تحقیر آمیز انداز میں پیش آتے لیکن دادو کا وجود ہمایوں کے لیے بہت بڑی ڈھارس تھا اور اب تو بہتر علاج اور مناسب غذا ملنے سے دادو کی صحت بہت بہتر ہو گئی تھی عائزہ کی ہمایوں سے ملاقات ہوئی تو اس نے سارا کریڈٹ خود لینا چاہا۔

"دیکھا میری دعاؤں سے بڑی نانی بالکل ٹھیک ہو گئیں تم پچھلی بار بلاوجہ پریشان ہو رہے تھے۔" عائزہ کے انداز پر ہمایوں کو ہنسی آ گئی۔ عائزہ میں واقعی اب تک بچوں والی معصومیت تھی حالانکہ اب وہ نویں جماعت میں جا پہنچی تھی اور اگلے برس جب عائزہ دسویں میں اور عون سیکنڈ ایئر میں تھا تو زندگی نے کچھ اور ہی پلٹا کھایا۔

موسم گرما کی تعطیلات ختم ہونے کے بعد ابا عائزہ کو نانا جی کے ہاں لینے آئے ہوئے تھے جب نانی جان نے ابا سے عجیب سی بات چھیڑ دی۔

"عثمان بیٹا ہے تو یہ بات بہت قبل از وقت لیکن مسئلہ یہی ہے کہ ہم بوڑھے لوگوں کے پاس وقت ہی بہت کم ہوتا ہے۔ دراصل آپا نے ہمایوں کے لیے عائزہ کا رشتہ مانگا ہے آپا کو اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں وہ عائزہ کو ہمایوں کی طرح ہی بہت عزیز رکھتی ہیں اور یہ چاہتی ہیں کہ اس اطمینان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوں کہ ان کے لاڈلے پوتے کی نسبت ایک بہت ہی اچھی اور پیاری بچی سے طے ہے۔"

"لیکن ممانی۔" ابا تو ان کی بات سن کر حق دق ہی رہ گئے تھے اور حق دق تو عائزہ بھی رہ گئی تھی وہ اس وقت نانی جان کے لحاف میں دبکی نانی اور ابا کی نگاہوں میں سو رہی تھی لیکن صرف اس کی آنکھیں بند تھیں دماغ چوکس اور بیدار تھا۔

"میں جانتی ہوں عثمان بیٹا کہ تمہارے لیے یہ بات بالکل غیر متوقع ہے۔ ابھی بچوں کی عمریں بہت کم ہیں۔ اتنی چھوٹی عمروں میں اس قسم کے فیصلے نہیں کیے جاتے مجھے تسلیم ہے کہ یہ بہت قبل از وقت ہے لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپا کے سوا ہمایوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ بھلے سے خونی رشتے موجود ہیں لیکن کسی کو اس بچے سے کوئی سروکار نہیں آپا اس کی زندگی سے

متعلق یہ اہم ترین فیصلہ خود کرنا چاہ رہی ہیں انہیں ہمایوں کے معاملے میں کسی دوسرے پر ذرا برابر بھی اعتماد نہیں۔"

"آپ کی ساری باتیں بجا ممانی لیکن پھر بھی میں بچوں کے رشتے اتنی چھوٹی عمر میں کرنے کا قائل نہیں۔ آگے جانے کیا حالات ہوں اور ہمایوں بھی تو ابھی کم عمر ہے۔ اس کا مستقبل بالکل غیر واضح ہے۔"

"خیر میاں ہمایوں کے بارے میں تو میں ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔ پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں۔ وہ بہت ہونہار' قابل اور مہذب بچہ ہے ناساعد حالات کے باوجود اس کا تعلیمی سفر شاندار طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہر جماعت میں اسکالر شپ کا حقدار ٹھہرتا ہے وہ۔ ایک ذہین اور محنتی بچے کا مستقبل کبھی بھی غیر واضح نہیں ہوتا وہ بہت روشن اور تابناک ہوتا ہے۔" نانی جی نے ابا کے سامنے ہمایوں کی بے تحاشا تعریف کی تھی ابا اس وقت تو ہنکارا بھر کر چپ ہو گئے نہ اقرار نہ انکار' شام کو وہ بڑی نانی سے ملنے گئے تھے وہاں انہوں نے ہمایوں کو بھی دیکھا۔ اگلے دن جب عائزہ اور ابا کی واپسی تھی تو بڑی نانی نانا جی کے گھر پہنچ گئیں۔

"میری درخواست تم تک پہنچ گئی ہوگی عثمان بیٹا کہو کس فیصلے پر پہنچے۔" انہوں نے ڈائریکٹ ابا کو مخاطب کیا۔ ابا نے ایک نظر انہیں دیکھا وہ صرف نانی جی کی بہن نہیں تھیں دور پار کے رشتے سے ابا کی پھوپھی بھی لگتی تھیں۔ وہ بہت نیک طینت خاتون تھیں ابا نے ہمیشہ دل سے ان کا احترام کیا تھا۔ مریم بھی اپنی خالہ سے بہت محبت کرتی تھی اور وہ ضعیف العمر خاتون اس وقت بہت آس سے انہیں تک رہی تھیں۔ کچھ رشتے کا لحاظ آڑے آیا یا پھر ہمایوں ابا کو خود بہت پسند آیا تھا سو انہوں نے بڑی نانی کو ان الفاظ میں رضامندی دے ڈالی تھی۔

"بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں پھوپھو لیکن ماموں' ممانی کو عائزہ کے لیے آپ کا پوتا بہت موزوں لگا ہے اور عائزہ پر مجھ سے کہیں زیادہ اس کے نانا' نانی کا حق ہے اس کے متعلق وہ جو بھی فیصلہ کریں وہ مجھے منظور ہے۔ انہوں نے آپ کے پوتے کو سند قبولیت بخش دی تو مجھے بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔" اور بڑی نانی کا چہرہ وفور مسرت سے جگمگانے لگا تھا۔

"اللہ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ درازی عمر عطا کرے آپ ان بچوں کی خوشیاں خود دیکھیں۔" ابا مسکرائے تھے۔ نانا جی اور نانی جان بھی بے تحاشا خوش نظر آرہے تھے اور رہی عائزہ تو بے شک وہ بچی تھی کم عمر اور نادان بھی مگر اتنی بھی نادان نہیں کہ ان باتوں کا مفہوم سمجھ ہی نہ پائے۔ اس کا دل عجیب و غریب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ اسے اپنا چہرہ بے تاثر رکھنے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ بڑی نانی کی اپنی زندگی سے متعلق بے اعتباری چنداں غلط نہ تھی۔ نانا جی کے ہاں سے واپس آنے کے ڈیڑھ مہینے فقط ڈیڑھ مہینے بعد بظاہر صحت مند نظر آنے والی بڑی نانی کی عمر کی نقدی تمام ہو گئی تھی۔

ابا ان کی تدفین میں شرکت کے لیے فوراً" روانہ ہو گئے تھے ہاں عائزہ کو ساتھ نہ لے گئے بلکہ اسے ساتھ لے جانا انہوں نے ضروری ہی نہ سمجھا تھا۔ نانا جی کے ہاں جانا اس کے اسکول کی تعطیلات سے مشروط تھا اور اب کون سا اسکول کی چھٹیاں تھیں ہاں بڑی نانی کو یاد کر کے عائزہ کئی دن تک چپکے چپکے روتی رہی اور ان کے ساتھ ہی اسے ہمایوں کو یاد کر کے بھی رونا آتا تھا۔ وہ کتنا تنہا ہو گیا ہوگا۔ شاید اپنے اور ہمایوں کے حالات میں مماثلت کی وجہ سے اسے ہمیشہ سے ہی ہمایوں سے دلی ہمدردی تھی اور اب وہ ہمدردی محض ہمدردی نہ رہی تھا ہمایوں کے لیے دل میں ابھرنے والا جذبہ بہت انوکھا اور خالص تھا۔ چند مہینوں بعد جب وہ نانا جی کے ہاں گئی تھی تو وہاں گزارے گئے بہت سے دنوں میں ہمایوں سے محض ایک بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھ دار ہو گیا تھا اور عائزہ جو اس خیال میں تھی کہ وہ اپنی دادو کے غم میں اب تک نڈھال ہوگا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"غم خود پر طاری کرنا بہت آسان ہے عائزہ بی بی لیکن اس دکھ کو اپنے سینے میں چھپا کر اسے اپنی طاقت بنا لینا اصل ہنر ہے اور اب میں اس ہنر میں طاق ہو گیا ہوں۔ دادو کی یادیں میرا سرمایہ ہیں وہی میری طاقت ہیں اور وہی مجھ میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا کرتی ہیں۔" ہمایوں اس کے چہرے پر چھپی حیرت پا گیا تھا جب ہی مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ عائزہ دھیرے سے مسکرا دی تھی کچھ جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ ہمایوں اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دلی جذبات پا جائے گا۔

"تم بھی خوش رہنے کی کوشش کیا کرو عائزہ۔ اپنے حالات پر بلاوجہ جلنے کڑھنے کا فائدہ ہمیں اپنے حالات بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" ہمایوں نے مسکرا کر اسے مخاطب کیا اور اس بار وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا تھا عائزہ اس کی غلط فہمی دور کیے بنا نہ رہ پائی۔

"میرے ساتھ تمہارے جیسا کوئی مسئلہ نہیں ہے ہمایوں! ابا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہوں اور میری اسٹیپ مدر وہ بھی شاید تمہاری تائی اور چچی سے کہیں زیادہ میرا خیال رکھتی ہیں۔" عائزہ نے صاف گوئی سے جواب دیا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" ہمایوں نے سر ہلایا۔

"ارے واہ کیا راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔" اسی لمحے افشین کی آمد ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں کتابیں تھیں وہ آج کل شام کو نانا جی کے پاس پڑھنے آتی تھی بلکہ اس کی امی اسے زبردستی یہاں بھیجتی تھیں کہ موصوفہ کا دماغ پڑھائی میں بالکل نہ چلتا تھا۔ اور ٹیوٹر خراب رزلٹ کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے اور یہاں عائزہ کے نانا جی مفت میں اس کے ساتھ سر کھپا لیتے تھے۔

"نانا جی نماز پڑھنے گئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔" عائزہ نے اسے بتایا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں میں نے پوچھا ہے کہ کیا راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔" افشین نے دوبارہ اپنی گول گول آنکھیں گھمائی تھیں۔

"کوئی خاص بات تو نہیں۔" عائزہ اس کے انداز پر بوکھلا سی گئی۔

"خاص باتیں بھی کر سکتے ہو۔ کوئی پابندی تھوڑی ہے آخر تم دونوں منگیتر ہو باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی تو کیا ہوا ادو نے تمہارے ابا سے۔"

"اسٹاپ اٹ افشین تم اپنا دماغ فضول باتوں کے بجائے اپنی پڑھائی میں لگایا کرو تو زیادہ اچھی بات ہوگی۔" ہمایوں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ناگواری سے ٹوک دیا تھا۔ افشین برا مانے بغیر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ عائزہ خجل سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ اتنی کم عمر نہ تھی کہ اپنے اور ہمایوں کے بیچ جڑے رشتے کو نہ جانتی لیکن یہ ضرور جانتی تھی کہ وہ دونوں ابھی کم عمر ہیں اور اس عمر میں اس طرح کی باتیں مناسب نہیں ہوتیں۔ افشین کی بات اور اس کا انداز عائزہ کو خود بہت معیوب لگا تھا اتنے میں ہی نانا جی بھی آ گئے تھے۔ افشین اپنی کتابیں سنبھالتی ان کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ہمایوں بھی انہیں سلام دعا کر کے واپس پلٹ گیا تھا۔

اور پھر جتنے دن بھی وہاں عائزہ رہی ہمایوں دوبارہ نہ آیا۔ پتا نہیں وہ اس کا سامنا کرنے سے ہچکچا رہا تھا یا اس کی کوئی اور مصروفیت تھی۔ عائزہ کو بہر حال جاتے سمے تک اس کا انتظار رہا تھا۔ آخر ابا اسے لینے آگئے اور وہ واپس چلی گئی۔ نانی جان نے وقت رخصت اسے خوب بھینچ کر سینے سے لگایا اور دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھام کر کئی سیکنڈ اسے تکتی رہیں پھر آبدیدہ ہو کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"کیا ہوا ہے نانی جان۔ آپ اتنی اداس کیوں ہو رہی ہیں۔ میں دسمبر کی چھٹیوں میں پھر آجاؤں گی۔" عائزہ ان کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر خود بھی روہانسی ہو گئی تھی۔

"دسمبر کس نے دیکھا بیٹا۔" نانی جان نے ایک سرد آہ بھری تھی۔

"نیک بخت۔" نانا جی تنبیہی انداز میں انہیں

پکارتے ہوئے کھنکھارے تھے۔
"ممانی آپ حوصلے سے کام لیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ اس وقت آپ کی قوت ارادی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔" عائزہ کے ابا نے انہیں مخاطب کیا۔ نانی جان آنکھیں پونچھتے ہوئے زبردستی مسکرا دیں۔ عائزہ کو یہ تمام گفتگو پلے نہ پڑی تھی لیکن اس کی چھٹی حس نے کسی انہونی کا احساس دلایا تھا۔
"کیا ہوا ہے ابا۔" اس نے متوحش ہو کر باپ سے پوچھا۔
"ارے کچھ نہیں بیٹا۔ تمہاری نانی تمہارے جانے سے اداس ہو رہی ہیں۔" جواب نانا جی کی طرف سے آیا تھا۔ عائزہ پتا نہیں کیوں پھر بھی مطمئن نہ ہو پائی البتہ مزید سوال کرنے سے گریز کیا تھا۔ گھر واپس آ کر اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ وہ پڑھائی میں مشغول ہو گئی تھی اب اس کا شمار کلاس کی لائق اسٹوڈنٹس میں ہوتا تھا۔ چند دن بعد ابا دفتر کے کام سے دوسرے شہر گئے تو واپسی میں نانا جی اور نانی جان کے شہر کا بھی چکر لگایا کم از کم انہوں نے عائزہ کو یہ ہی بتایا تھا۔ نانی جی نے اس کے لیے ایک سوئیٹر بن کر بھیجا تھا۔
"اپنی نانی کے اس تحفے کو بہت احتیاط سے اور سنبھال کر رکھنا بیٹا۔ انہوں نے خراب طبیعت کے باوجود بہت محبت سے تمہارے لیے بن کر بھجوایا ہے۔" ابا نے اس تاکید کے ساتھ اسے سوئیٹر تھمایا تھا۔
"کیا ہوا ہے نانی جان کو۔" عائزہ نے متوحش ہو کر پوچھا۔
"بڑھاپا سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے بیٹا۔" ابا افسردگی سے بولے تھے۔
"ابا میں نے نانی جان سے ملنے جانا ہے۔ وہ ٹھیک تو ہیں نا۔" عائزہ کا دل بے چین ہو گیا تھا۔
"دسمبر کی چھٹیوں میں میں تمہیں خود وہاں چھوڑ آؤں گا۔ فی الحال تم اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔" ابا نے اس کے سوال کا جواب ہی گول کر دیا لیکن دسمبر کی چھٹیوں سے پہلے ہی ابا کو اسے نانا جی کے ہاں لے جانا پڑ گیا تھا۔ جان سے پیاری نانی اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔ چند ماہ پہلے ہی انہیں کینسر کی تشخیص ہوئی تھی نانا جی نے شریک حیات کے علاج کی خاطر پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے ویسے بھی اکلوتی بیٹی کی جدائی کے بعد نانی جی کا وجود اندر سے بھربھری مٹی کی طرح ڈھے چکا تھا رہی سہی کسر بیماری کے حملے نے نکال دی حالانکہ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ یہ ابھی مرض کی پہلی اسٹیج ہے علاج ممکن ہے۔ نانا جی نے اپنی زندگی کی ساتھی کے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر نانی جی نے قوت ارادی سے کام ہی نہ لیا۔ ساری عمر وفا نبھانے والی نے زندگی کے آخر میں یوں بے وفائی کا مظاہرہ کر ڈالا۔ عائزہ اور اس کے نانا کو روتا چھوڑ کر وہ اپنی مریم کے پاس چلی گئیں۔ جان نچھاور کرنے والی حقیقی سی نانی اب اس دنیا میں نہ تھیں عائزہ کا دل یہ حقیقت تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ وہ نانا جی کے سینے سے چمٹ کر یوں بلک بلک کر روئی کہ ہر دیکھنے والی آنکھ اشک بار ہو گئی۔
نانا جی اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تسلی دلاسا تو دے رہے تھے مگر سچ تو یہ تھا کہ اب وہ بھی ہمت ہار بیٹھے تھے اور جب عائزہ نے ابا سے کہا کہ وہ نانا جی کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی اب وہ ان کے پاس رہے گی تو ابا نے اسے بہت پیار اور نرمی سے سمجھایا تھا۔
"دیکھو تم جانتی ہو کہ ایسا کسی طور ممکن نہیں۔ تم اور تمہارے نانا یہاں اکیلے نہیں رہ سکتے۔ نانا جی کو سہارے کی ضرورت ہے تم انہیں راضی کرو کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر وہاں رہیں۔" عائزہ کو ابا کی بات سمجھ آ گئی تھی اس نے نانا جی کو اپنے ساتھ چلنے پر راضی کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر وہ نہ مانے۔
"میں جانتا ہوں ماموں جان یہ آپ کے لیے مشکل فیصلہ ہے مگر خود سوچیں آپ یہاں اکیلے کیسے رہ پائیں گے۔" ابا نے انہیں رنجیدگی سے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔ وہ چند دنوں کے اندر اندر کتنے بوڑھے اور کمزور دکھائی دینے لگے تھے۔

"عثمان میاں تمہاری محبت بھری تشویش اپنی جگہ لیکن میں اپنی زندگی کے آخری ایام اسی گھر میں بسر کرنا چاہتا ہوں اور بے فکر رہو اکیلا نہیں رہوں گا میں۔ آصف کے بیوی بچے چند دن میں یہاں شفٹ ہو جائیں گے۔" نانا نے بڑی نانی کے بیٹے' بہو کا ذکر کیا تھا۔
"وہ یہاں کیوں شفٹ ہو جائیں گے۔" عائزہ کو نانا جی کی بات سن کر اختلاج ہونے لگا۔
"تمہاری نانی کی بیماری اور علاج معالجے پر بہت خرچہ کیا تھا بیٹی۔ مکان تمہاری نانی سے قیمتی تو نہ تھا۔ پیسوں کی ضرورت پڑی تو بیچنے کی سوچی' آصف کو پتا چلا تو اس نے سعودی عرب میں بیٹھے بیٹھے فوراً" رقم کا چیک بھجوا دیا۔ ماشاء اللہ ان بھائیوں کا کنبہ بڑا ہو رہا ہے اس چھوٹے مکان میں گزارا نہ تھا۔ قریب ہی دوسرا گھر مل گیا انہیں اور کیا چاہیے تھا اور میں بھی کسی انجان' اجنبی کو گھر فروخت کرتا تو دل دکھتا۔ اب یہ ہے کہ جب تک زندگی باقی ہے اسی گھر کے ایک کونے میں پڑا رہوں گا۔ کہیں اور کرائے دار بن کر رہنے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنے مکان میں ہی کرائے دار کی حیثیت سے رہ لے۔" نانا جی بات کے آخر میں ذرا سا مسکرائے تھے۔
عائزہ دکھ سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ دکھ تو ابا کو بھی بہت ہوا تھا۔
"آپ نے مجھے اپنا سمجھا ہی نہیں ماموں' ممانی کے علاج کے لیے جب بھی آپ کو رقم دینا چاہی ہمیشہ ٹال گئے۔ یہ کہا کہ جب ضرورت پڑی تو تم سے ہی مانگوں گا عثمان میاں اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ آپ کو گھر تک بیچنا پڑا۔"
"گھر گھر والی سے بنتا ہے عثمان میاں وہ نیک بخت چلی گئی اب تو بس زندگی کے دن پورے کرنے ہیں' تم ہماری فکر چھوڑو' ہم تو اب چراغ سحری ہیں۔" نانا جی یاسیت سے مسکرائے تھے پھر حیران پریشان کھڑی عائزہ کو ساتھ لپٹا کر پیار کیا۔
"ہماری عائزہ ماشاء اللہ پڑھائی میں بہت اچھی ہو گئی ہے۔ اگر اس کا رجحان ہو تو اسے ڈاکٹر بنانے کی کوشش کرنا' مریم کو بھی ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا' مگر تمہاری طرف سے شادی کی ایسی جلدی مچائی گئی کہ اس کا یہ خواب ادھورا رہ گیا خیر خدا کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ اس کی اتنی جلد شادی نہ ہوتی تو ہمیں یہ جان سے پیاری نواسی کیسے ملتی۔ اب یہ پیاری سی نواسی اچھی سی ڈاکٹر بن جائے ہم سب شاد ہو جائیں گے۔" نانا جی نے اس کی پیشانی پر پھر بوسہ دیا۔
"میں آپ لوگوں کو ڈاکٹر بن کر دکھاؤں گی۔" عائزہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے عزم کا اظہار کیا تھا۔ نانا جی مسکرا دیے۔ ابا بھی غمگین سی ہنسی ہنس دیے سچ تو یہ تھا کہ اس بار انہیں ماموں کو تنہا چھوڑ کر جانے کا حوصلہ نہ ہو رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ مریم کی روح بھی باپ کی تنہائی اور لاچارگی پر بے چین ہو رہی ہو گی بہت بوجھل دل کے ساتھ ابا اور عائزہ واپس لوٹے تھے اور پھر عائزہ کو دوبارہ نانا جی کے ہاں جانا نصیب نہ ہوا تھا۔
اس کے میٹرک کے پیپرز کے دوران نانا جی کا انتقال ہو گیا تھا۔ شاید نانی جان کے بعد ان میں جینے کی امنگ ہی نہ بچی تھی۔ ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر جو سوئے تو تہجد کے لیے نہ اٹھ پائے۔ رات کے کسی پہر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابا دفتری کام سے دوسرے شہر دوروں پر جاتے رہتے تھے' لیکن اس بار ابا دورے پر جاتے ہوئے جتنے غم زدہ اور نڈھال لگ رہے تھے عائزہ انہیں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔
"تمہیں پتا تو ہے اتنے دن سے تمہارے ابا کو بخار ہو رہا تھا اس لیے کمزوری اور تھکاوٹ ہے۔ دفتر کے کام سے جانا مجبوری نہ ہوتی تو کبھی نہ جاتے تم بلاوجہ پریشان مت ہو اپنی پڑھائی پر توجہ دو کل تمہارا فزکس کا پیپر ہے۔" ابا کے جانے کے بعد جب اس نے نورین سے ابا کے یوں نڈھال اور بے حال ہونے پر استفسار کیا تھا تو انہوں نے اسے رسانیت سے سمجھایا تھا۔ عائزہ اور نورین کے درمیان اگر بے تحاشا محبت پیدا نہیں بھی ہو پائی تھی تو اپنائیت اور انسیت کا رشتہ ضرور

استوار ہو گیا تھا۔ عائزہ کو تسلیم تھا کہ یہ سب نانا جی اور نانی جان کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اسے تصویر کا روشن رخ دیکھنے کا سلیقہ آگیا تھا۔ اسے کبھی کبھار اب بھی شرمندگی ہوتی تھی کہ بہت بچپن میں دوسرے لوگوں کی باتوں میں آکر وہ نورین سے نہ صرف بدگمان رہتی تھی بلکہ کبھی کبھار بدتمیزی بھی کرجاتی تھی' لیکن اب معاملہ یکسر مختلف تھا وہ نورین سے بہت ادب اور تمیز سے بات کرتی تھی اور وہ بھی اس کا ہر ممکن خیال رکھتی تھیں۔

ابا کے دوسرے شہر کاروباری دورے پر جانے کے بعد نورین نے امتحانوں میں اس کا بہت خیال رکھا اسے کیا پتا تھا کہ ابا ہرگز بھی کسی دفتری کام سے دوسرے شہر نہیں گئے ہیں صرف اس کے امتحانوں کی وجہ سے اس سے یہ بات چھپائی گئی تھی کہ نانا جی اب اس دنیا میں نہیں رہے اتنے کم عرصے میں جان سی پیاری یہ ہستیاں بچھڑ گئی تھیں وہ یقین کرتی تو کیسے کرتی ابھی تو نانی جان کا غم ہی تازہ تھا کہ نانا جان بھی چل بسے۔ ابا نے اسے یہ اطلاع دینے سے پہلے بہت لمبی تمہید باندھی تھی دنیا فانی ہے جو بھی یہاں آتا ہے اسے واپس جانا ہوتا ہے۔ بہت پیاری ہستیاں بھی سدا کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ عائزہ متوحش ہو کر ابا کی تمہید سنتی رہی اور جب ابا نے بتایا کہ نانا جی اب اس دنیا میں نہیں رہے تو عائزہ غش کھا گئی تھی۔ نانی جان کا آخری چہرہ دیکھنا تو نصیب ہو گیا تھا' مگر نانا جی کا تو آخری دیدار بھی نہ کرپائی۔

کئی دن تک وہ دل ہی دل میں ابا سے شاکی رہی۔ امتحان جائے بھاڑ میں آخر ابا اسے ساتھ کیوں نہ لے کر گئے وہ آخری بار تو اپنے نانا کو جی بھر کر دیکھ لیتی' لیکن پھر اس نے خود کو سمجھالیا۔ نانی جان کے انتقال پر جب وہ ٹوٹ کر روئی تو نانا جی کی مہربان بانہیں اسے سمیٹنے کو موجود تھیں' لیکن واقعی اب وہ اس گھر جا کر کیا کرتی۔ نانا' نانی کے بغیر اس گھر میں ایک رات بھی گزارنے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ صدمہ تازہ ہوتا ہے تو ناقابل برداشت لگتا ہے۔ ابا کا فیصلہ درست تھا۔ نانا جی کے گھر جا کر ان کی جدائی کا صدمہ سہنا اس کے دل کے لیے ناقابل برداشت ہوتا۔ اب تو وقت گزرنے کے ساتھ صبر بھی آجاتا تھا اور دل پر لگے زخموں پر کھرنڈ بھی۔ پڑھائی اس کے غم کی شدت کو کم کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی اب اسے اپنے نانا جی کا خواب سچ کر دکھانا تھا۔ اسے ڈاکٹر بننا تھا۔ میٹرک میں شاندار رزلٹ کے بعد ابا نے شہر کے مشہور تعلیمی ادارے میں اس کا ایڈمیشن کروادیا۔

ایف ایس سی کے دو سال محنت اور شدید محنت کے سال تھے۔ نتیجہ حسب توقع تھا نمبر اتنے شاندار آئے تھے کہ کسی بھی میڈیکل کالج میں با آسانی داخلہ مل سکتا تھا۔

جب اس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تو زندگی میں پہلی بار اس نے ابا کو اتنا خوش دیکھا۔ اس کی پیشانی چوم کر انہوں نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔ نورین' شانزے اور عون بھی اس کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ خوشی کے اس موقع پر اس کی آنکھیں اپنے نانا' نانی کو یاد کرکے نہ بھیگتیں یہ کب ممکن تھا۔ ہاں نانا' نانی کی یاد کے ساتھ ایک اور ہستی کی یاد شدت سے حملہ آور ہوتی۔ وہ اس کی ذات سے جڑا وہ خوب صورت حوالہ تھا جو اس کے نانا' نانی کی خواہش پر اس کی زندگی سے منسلک کیا گیا تھا۔ پتا نہیں ہمایوں کیسا ہوگا۔ اس کا تعلیمی سلسلہ کہاں تک پہنچا ہوگا۔ حالات اس کے لیے سازگار ہوئے ہوں گے یا وہ اب بھی تائی' چچی اور کزنز کے ناروا رویوں کا شکار ہوتا ہوگا وہ اس کے بارے میں سوچنے لگتی تو سوچے ہی جاتی۔ کبھی کبھار دل کرتا کہ وہ نانا جی کے گھر کے ایڈریس پر ہمایوں کو خط لکھ کر اس کا حال احوال دریافت کرے وہ گھر اب آصف ماموں کی ملکیت تھا اگر ہمایوں آصف ماموں کی فیملی کے بجائے واصف ماموں کی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہوگا تب بھی اس کا وہاں آنا جانا تو ہوگا ہی۔ اس کے نام کا خط اس تک پہنچ ہی جاتا تھا' لیکن پھر فطری شرم اور جھجک آڑے آجاتی۔

بچپن بیت چکا تھا صرف ایسا خط جس میں صرف ہمایوں کا حال' احوال ہی دریافت کیا ہوتا وہ بھیجنا بھی "بولڈنیس" کے زمرے میں آسکتا تھا۔ جانے ہمایوں سے پہلے کون وہ خط کھول کر پڑھ لیتا۔ افشین جیسی نے تو ہمایوں کو چھیڑ چھیڑ کر عاجز ہی کردینا تھا اور ہمایوں خود پتا نہیں اسے بھی عائزہ کی یہ جسارت پسند آتی یا ناگوار گزرتی۔ بچپن کا بہت اچھا دوست محض اس سے جڑے نئے رشتے کی وجہ سے ناقابل رسائی ہو گیا تھا۔ وہ اس کے متعلق کچھ نہ بھی جان سکتی تھی پھر بھی یہ تو اسے علم تھا کہ مناسب وقت آنے پر اسے ہمایوں کی زندگی کا حصہ بننا ہے وہ وقت آنے تک اسے نہ صرف اپنے لیے بلکہ ہمایوں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے دعاگو رہنا تھا اور یہ کام وہ بہت مستقل مزاجی سے کرتی رہی تھی۔ میڈیکل کی مشکل پڑھائی کے دوران جب وہ تھکنے لگتی تو ہمایوں کا تصور اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکان اور اعصاب کو ریلیکس کرنے کا باعث بنتا۔ اس کی سہیلیاں اسے ہمایوں کا نام لے کر چھیڑتی تھیں اور وہ بری طرح جھینپ جاتی۔ کم عمری میں جڑا یہ رشتہ وقت گزرنے کے ساتھ مزید گہرا اور پیارا لگنے لگا تھا۔

جب وہ میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں تھی تو اس کی ایک کلاس فیلو اپنے بھائی کا رشتہ لیے اپنی ماں کے ساتھ ان کے گھر آگئی۔ عائزہ کی اس سے دوستی تک نہ تھی ورنہ شاید وہ عائزہ کی بچپن کی منگنی سے واقف ہوتی عائزہ کی خوب صورتی کی وجہ سے اس کی کلاس فیلو اسے اپنی بھابھی بنانا چاہ رہی تھی۔ نورین نے بہت شائستگی سے ان لوگوں سے معذرت کرلی تھی۔

"دراصل عائزہ کا رشتہ بہت پہلے اس کی مرحومہ نانی نے اپنی بہن کے پوتے سے طے کردیا تھا۔" نورین نے مسکراتے ہوئے انہیں آگاہ کیا وہ لوگ مایوس واپس لوٹے تھے۔ رات کو جب نورین نے عثمان سے اس بات کا ذکر کیا تھا تو وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو کر کسی سوچ میں کھو گئے تھے۔

"کیا ہوا آپ کیا سوچنے لگے۔ کیا میں نے کچھ غلط کہا۔" نورین ان کے انداز پر کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

"نہیں کہا تو تم نے بالکل صحیح۔ ظاہر ہے میں نے عائزہ کے لیے ہمایوں کی دادی کو زبان دی تھی اگرچہ عائزہ کے نانا' نانی اور ہمایوں کی دادی جن کی ایما پر یہ رشتہ طے ہوا تھا ان بزرگوں میں سے اب کوئی اس دنیا میں موجود نہیں' لیکن میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ پھر بھی سچی بات تو یہ ہے کہ میں مستقبل میں اس رشتے کے قائم رہنے کے بارے میں بہت زیادہ پریقین نہیں ہوں۔" عثمان صاحب نے اپنی الجھن بیوی سے شیئر کی اور کمرے کے باہر سے کسی کام سے گزرتی عائزہ جو اپنا نام سن کر ویسے ہی رک گئی تھی ابا کی بات سن کر جیسے اس کا دل ڈوب کر رہ گیا۔

"ماموں' ممانی سے میرا تعلق ایسا تھا کہ میں انہیں کسی بات پر انکار کر ہی نہ سکتا تھا اگر وہ دونوں حیات ہوتے تب تو کوئی فکر کی بات ہی نہ تھی' لیکن ان کے بعد تو وہاں سے رابطہ ہی ختم ہو گیا۔ ہمایوں بلاشبہ بہت اچھا' ذہین اور پیارا بچہ تھا' لیکن اب جانے حالات کیا ہوں۔ بن ماں' باپ کا بچہ ہے وہ۔ والدین سر پر ہوتے تو ان سے ملاقات کرکے صورت حال سے باخبر ہوا جاسکتا تھا' میں تو جب بھی اس بارے میں سوچتا ہوں الجھ کر رہ جاتا ہے آخر تنگ آکر سوچنا چھوڑ دیتا ہوں۔"

"آپ دل کی تسلی کے لیے ایک چکر وہاں کا لگائیں۔ ہمایوں کے تایا' چچا آپ کے دور کے کزن بھی تو ہیں ان سے مل کر۔۔۔"

"آصف' واصف تو کب سے سعودیہ مقیم ہیں میرے پاس تو ان کا رابطہ نمبر تک نہیں۔ ان کی بیویاں رہتی ہیں وہاں ان سے جا کر کیا بات کروں میں۔۔۔" عثمان نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

"چلیں جب مناسب وقت آئے گا تب میں آپ کے ساتھ چلی چلوں گی۔ ابھی تو عائزہ کی پڑھائی چل رہی ہے۔ اتنی ٹف پڑھائی ہے میڈیکل کی درمیان میں یہ قصہ چھیڑا گیا تو ڈسٹرب ہو کر رہ جائے گی۔" نورین نے عثمان کو رسانیت سے مخاطب کیا۔ عثمان صاحب نے تائیدی انداز میں ہنکارا بھرا تھا۔ انہیں کب علم تھا کہ عائزہ ان کی باتیں نہ صرف سن چکی ہے

بلکہ بہت زیادہ ڈسٹرب بھی ہو چکی ہے۔ ابا کی باتوں کی صداقت سے انکار ممکن نہ تھا۔ پتا نہیں کاتب تقدیر نے اس کا اور ہمایوں کا ساتھ لکھ بھی رکھا تھا یا نہیں۔ اس نے بہت یاسیت سے سوچا لیکن پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر کے وہ پھر سے اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

جب وہ میڈیکل کے فائنل ایر میں تھی تو اس کا ایک اور رشتہ آیا تھا۔ شہریار ابا کے کسی دوست کا بھانجا تھا۔ وہ بھی ڈاکٹر تھا اور اس کی خواہش تھی کہ لائف پارٹنر بھی اسی پیشے سے وابستہ ہو "کافی ہینڈ سم لڑکا تھا۔ فیملی بھی پڑھی لکھی اور رکھ رکھاؤ والی تھی۔ عائزہ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب شہریار کے گھر والوں کو صاف انکار کے بجائے سوچنے کی مہلت مانگی گئی۔

"آپ لوگوں نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ میری نسبت طے ہوئے برسوں بیت گئے ہیں۔" عائزہ نے صدمے سے چور لہجے میں نورین کو مخاطب کیا۔

"تم نے درست کہا عائزہ۔ اس بات کو کئی برس بیت چکے ہیں۔ اور اتنے برسوں میں ہمایوں کی طرف سے اس بات کی کبھی تجدید نہیں کی گئی ہے۔ پتا نہیں وہ برسوں پرانا یہ تعلق نبھانے کے موڈ میں ہے بھی یا نہیں۔" نورین نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ عائزہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی۔

"دیکھو عائزہ تمہاری پڑھائی کا سلسلہ مکمل ہونے والا ہے کچھ دنوں بعد تمہارے پیپرز ہو جائیں گے پھر ہاؤس جاب کا مرحلہ باقی رہ جائے گا، لیکن تم خود سوچو ہمایوں جو تم سے عمر میں چند برس بڑا ہی ہو گا کیا وہ اب تک عملی زندگی میں سیٹ نہیں ہو گیا ہو گا۔ آج تک اس کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں کیا گیا اس کا اور تمہارا باقاعدہ نکاح تھوڑی ہوا تھا بلکہ ضابطہ منگنی کی رسم تک نہیں ہوئی تھی محض ان بزرگوں کی خواہش پر تمہارے ابا نے ہاں کر دی تھی۔"

"اور بزرگوں کے دنیا سے گزر جانے کے بعد ابا اپنی بات سے پیچھے ہٹ گئے۔" عائزہ تلخ ہوئی نورین نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اب انہیں عائزہ کو بتانا ہی پڑا۔

"تمہارے ابا چند ماہ پہلے وہاں گئے تھے۔ ہمایوں سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے ناردرن ایریاز گیا ہوا تھا، لیکن تمہارے ابا اس کی تائی کو اپنا ایڈریس اور فون نمبر دے کر آئے تھے کہ جب ہمایوں آئے تو وہ تمہارے ابا سے رابطہ کرے اس بات کو مہینوں گزر چکے ہمایوں کی جانب سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ وہ ماضی میں جڑے اس رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

"پلیز ایسا نہ کہیں۔" عائزہ کے آنسو اس کے گال بھگونے لگے، یہ رشتہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت سچائی بن کر مزید مضبوط اور مستحکم ہوا تھا وہ کیسے تسلیم کر سکتی تھی کہ جن جذبوں نے اتنے عرصے سے اسے اپنا اسیر کر رکھا تھا ہمایوں کے لیے وہ بالکل بے معنی تھے۔

"ہم بھی تمہارے ایگزامز کی وجہ سے ہم تمہارے سامنے یہ ذکر نہیں چھیڑنا چاہ رہے تھے۔ اگر شہریار کا پرپوزل نہ آتا تو شاید میں اب بھی تمہیں یہ بات نہ بتاتی۔"

"پلیز آپ ابا سے کہیں کہ فی الحال میری شادی کا ذکر نہ چھیڑیں۔ نہ ڈاکٹر شہریار نہ ہی کوئی دوسرا فی الحال مجھے اپنی اسٹڈیز پر دھیان دینے دیں۔ میری پانچ سال کی محنت کو بے ثمر مت ہونے دیں۔" اس نے اس بار ہمایوں کے بجائے اپنی پڑھائی کو جواز بناتے ہوئے شادی کا ذکر ٹالنا چاہا تھا۔

"ٹھیک ہے تم ٹینشن مت لو میں تمہارے ابا کو سمجھا دوں گی۔" نورین نے اسے ریلیکس کرنا چاہا اور پھر واقعی اس کے ایگزامز تک دوبارہ یہ موضوع نہیں چھیڑا گیا امتحانوں کے بعد ڈاکٹر شہریار کی فیملی پھر آن موجود ہوئی تھی۔ وہ لوگ باقاعدہ منگنی کی رسم کرنا چاہ رہے تھے۔

"ہم بھی ہم لوگوں کی طرف سے انہیں ہاں کی نہیں گئی تو وہ کیسے منگنی کی رسم کرنا چاہ رہے ہیں۔" عائزہ ان کے مطالبے پر بھونچکی ہی تو رہ گئی تھی۔

"تمہارے ابا کو لڑکا بہت پسند ہے۔" نورین نے نگاہیں چراتے ہوئے بتایا تھا۔

"ابا نے انہیں ہاں تو نہیں کر دی؟" عائزہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "دیکھو عائزہ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے ابا بس ہاں کرنے ہی والے ہیں۔" نورین نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ عائزہ چند لمحوں تک انہیں خاموشی سے تکتی رہی پھر اس نے سر نیچے جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ نورین اس کے آنسو دیکھ کر بے چین سی ہو گئی تھیں۔

"میں تمہارے لیے ضرور کچھ کرتی عائزہ اگر میرے بس میں ہوتا۔" وہ ہولے سے بولی تھیں عائزہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"کیا آپ میرے ساتھ نانا جی کے گھر جا سکتی ہیں؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بہت آس سے نورین سے پوچھا تھا۔ اس بار چپ ہو جانے کی باری نورین کی تھی۔

"میں جانتی ہوں میرا وہاں جانا ابا کو مناسب نہیں لگے گا لیکن میں ایک بار..." عائزہ نے بے بسی سے لب کچلتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ مگر اگلے ہی پل اسے کچھ یاد آیا تھا۔ وہ تیزی سے رائٹنگ ٹیبل کی طرف مڑی اور کتابوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" نورین نے حیرانی سے پوچھا۔ اتنے میں عائزہ کو اس کی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک شادی کارڈ تھا۔

"میری کلاس فیلو سحرش کی شادی کا کارڈ ہے۔ اس نے سب ہی دوستوں کو شادی پر انوائیٹ کیا تھا لیکن تقریباً" سب نے اسے پہلے ہی گفٹ دے کر شادی پر جانے سے معذرت کر لی۔ آپ تو جانتی ہیں ناکہ سحرش ہاسٹل میں رہتی تھی اس کا گھر ساہیوال میں ہے۔" عائزہ نے نورین کو مخاطب کیا۔

"ہاں مجھے علم ہے وہ اتنی بار تو ہمارے گھر آچکی ہے۔ اچھی سلجھی ہوئی اور مہذب لڑکی ہے۔" نورین نے کہا تھا۔

"ساہیوال سے اوکاڑہ زیادہ دور تو نہیں۔ آپ ابا سے بات کریں اگر وہ مجھے اس کی شادی میں شریک ہونے دیں تو..." عائزہ نے پھر بات ادھوری چھوڑ کر بہت آس سے نورین کو دیکھا۔ نورین چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہیں۔

"تمہارے ابا اتنی دور تمہیں اکیلے نہیں جانے دیں گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" انہوں نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے سنجیدگی سے عائزہ کو مخاطب کیا۔ عائزہ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا تھا۔

"تھینک یو... تھینک یو سو مچ امی۔" وہ بے ساختہ ان سے لپٹ گئی تھی نورین نے مسکراتے ہوئے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔ اس کی زبان سے امی سن کر انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ پتا نہیں انہوں نے ابا سے صرف سحرش کی شادی کا ذکر کیا تھا یا ابا کو عائزہ کے اصل ارادے کے متعلق بھی بتا دیا تھا۔ بہر کیف ابا نے عائزہ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی تھی۔ دو دن کے لیے شازیے کو گھر کا چارج دے کر اور ڈھیروں نصیحتیں کرنے کے بعد نورین اور عائزہ ساہیوال کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ سحرش کے لیے اس کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ خوشگوار حیرت سے دوچار ہو گئی۔

"شکر ہے میری کسی دوست نے تو وفا نبھائی۔ میرے گھر والے تو مجھے طعنہ دے رہے تھے کہ اتنے سال وہاں گزار کر آئی ہو اور تمہاری خاطر کوئی ایک شخص بھی اتنا سفر کر کے شادی میں شریک ہونے کا روادار نہیں۔ سچ عائزہ میں بتا نہیں سکتی میں تمہیں دیکھ کر کتنی خوش ہوں۔" سحرش اس کے ہاتھ تھام کر اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ عائزہ جی ہی جی میں شرمندہ بھی ہوئی اگر سحرش کو علم ہو جاتا کہ اس کے آنے کا اصل مقصد کیا ہے تو عائزہ کے بارے میں اس کی خوش گمانی پل بھر میں رخصت ہو جاتی مگر خیر ایسا کوئی چانس ہی نہیں تھا۔ نورین اور عائزہ کو شادی والے گھر میں وی آئی پی پروٹوکول ملا تھا اور جب سحرش کی رخصتی کے بعد عائزہ نے سحرش کی امی کو بتایا کہ وہ اوکاڑہ میں اپنے مرحوم نانا کا گھر دیکھنے کی غرض سے اوکاڑہ جا رہی ہے تو سحرش کی والدہ نے گاڑی اور

ڈرائیور ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔ گزشتہ چند برسوں میں شہر کے نقشے میں خاطر خواہ تبدیلی آئی تھی مگر عائزہ کو نانا جی کے گھر پہنچنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں ہوا تھا یہ راستے تو اس کے دل پر نقش تھے وہ انہیں کیسے بھول سکتی تھی۔

گاڑی نانا جی کے گھر کے عین سامنے جا رکی۔ ڈرائیور نے گردن موڑ کر عائزہ سے تصدیق چاہی کہ کیا وہ گاڑی اس کے بتائے گئے ایڈریس کے مطابق مطلوبہ جگہ پر لے آیا ہے مگر عائزہ کی آنکھیں پانیوں سے لبریز تھیں اور اس کا وجود ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ وہ بھول گئی کہ وہ یہاں کس مقصد کے تحت آئی ہے اسے یاد رہا تو بس یہ کہ وہ اس وقت اپنے نانا جی کے گھر کے سامنے موجود ہے مگر گھر کے اندر کھلی بانہوں سے استقبال کرنے والے نانا' نانی نہیں ہوں گے وہ آخری بار نانی جان کے انتقال پر ابا کے ساتھ یہاں آئی تھی اور نانا جی' اس کے پیارے نانا جی ان کا تو وہ آخری دیدار بھی نہ کر پائی تھی۔ ڈاکٹر عائزہ عثمان اس وقت تیرہ' چودہ سالہ عائزہ بن گئی تھی جس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش نانا' نانی کے گھر جانا اور سب سے بڑی خوشی ان سے چمٹ لپٹ کر ان کا شفیق لمس محسوس کرنا ہوتی تھی مگر اس کے پیارے نانا' نانی تو اس شہر میں منوں مٹی کی چادر اوڑھے جانے کب کے سو چکے تھے کیا انہیں پتا چلا ہوگا کہ آج ان کی عائزہ ان کے گھر کے عین سامنے موجود ہے وہ سوچے جا رہی تھی اور روئے جا رہی تھی۔

"اترو عائزہ۔" نورین نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا وہ جان چکی تھیں کہ منزل مقصود یہی ہے۔ عائزہ کو بھی جیسے ہوش سا آیا۔ ٹشو سے آنکھیں ناک رگڑتی اپنا چھوٹا سا سفری بیگ اور ہینڈ بیگ لے کر وہ نورین کے ساتھ نیچے اتری تھی۔

"اگر آپ لوگوں کو یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا تو میں آپ لوگوں کا انتظار کر لیتا ہوں۔ واپسی کے لیے آپ کو بس میں بٹھادوں گا۔" ڈرائیور نے مؤدبانہ لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"نہیں شکریہ آپ چلے جائیں۔ ہمیں یہاں دیر لگ سکتی ہے۔" عائزہ نے رسانیت سے جواب دیا تھا۔ ڈرائیور نے گردن ہلاتے ہوئے پھر سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی "ایک منٹ پلیز۔" عائزہ نے اسے مخاطب کیا پھر ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم باہر نکالی تھی۔

"یہ میرے نانا جی کا گھر ہے۔" اس نے لکڑی کے پھاٹک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا۔

"اگر میرے نانا جی حیات ہوتے تو آپ کو چائے پلائے بغیر بلکہ کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیتے وہ بہت مہمان نواز شخص تھے لیکن اس گھر کے موجودہ مکین اس معاملے میں کیسے ہوں گے مجھے قطعاً" علم نہیں۔ آپ یہ پیسے رکھ لیجیے اور راستے میں میری طرف سے کسی اچھے سے ہوٹل میں اچھی سی چائے پی لیجیے گا۔ عائزہ نے بوڑھے ڈرائیور کو رقم تھمانا چاہی۔ نورین کو بے ساختہ اس کے نانا یاد آئے وہ واقعی وفادار نانا کی وفادار نواسی تھی۔

"ارے بیٹا میں تھوڑی دیر میں واپس پہنچ بھی جاؤں گا یہ تو میری ڈیوٹی تھی اور مجھے اس ڈیوٹی کی تنخواہ ملتی ہے۔" ڈرائیور نے انکار کرنا چاہا تھا۔

"رکھ لیجیے بابا یہ میری خوشی ہے۔" عائزہ نے اسے زبردستی پیسے تھمائے تھے وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا تھا۔ عائزہ نورین کی معیت میں گھر کی طرف بڑھی اتنے میں ہی کوئی اور گھر سے باہر نکلا تھا انہیں دستک دینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ باہر آنے والی نوشین تھی جو عائزہ اور نورین کو گھر کے باہر کھڑا دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

"جی فرمائیے کس سے ملنا ہے آپ کو۔" وہ یقیناً" ان دونوں کو نہ پہچان پائی تھی نورین کو تو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی ہاں عائزہ اس کے لیے اجنبی نہ تھی مگر عائزہ کو دیکھے ہوئے بھی اتنے برس بیت چکے تھے اور اب تو اس کا رنگ روپ ہی نرالا تھا۔ نوشین نے انہیں مخاطب تو کر لیا تھا مگر اس کی نگاہیں عائزہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور جب عائزہ نے السلام علیکم نوشین آپی کہہ کر سلام کیا تو نوشین کو اپنے اندازے کی درستگی کا یقین ہو گیا۔

"عائزہ تم یہاں کیسے۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں اور امی ساہیوال آئے تھے میری سہیلی کی شادی تھی۔ وہاں تک آ گئے تو سوچا کہ نانا جی کا گھر دیکھتے ہوئے اور آپ لوگوں سے ملتے چلیں۔"

"ہاں ہاں بہت اچھا کیا۔" نوشین نے خوشدلی سے کہا پھر نورین کو بھی سلام کیا تھا۔ "آئیں اندر چلتے ہیں" وہ انہیں لے کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھی عائزہ کی پیاسی نگاہیں گھر کے در و دیوار سے لپٹ گئی تھیں۔ گھر کے نقشے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن ساز و سامان کی تبدیلی سے ہی گھر کچھ پرایا پرایا سا لگ رہا تھا۔ نوشین نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔

"میں افشین اور امی کو بلاتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

"نانا جی یہاں اپنے اسٹوڈنٹس کو پڑھاتے تھے۔" اس نے نورین کو بتایا تھا۔ نورین نے سر ہلا دیا وہ جانتی تھیں کہ عائزہ اس وقت پرانی یادوں میں کھوئی ہوئی ہے اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا اور آنکھوں کا فرش بھی مسلسل گیلا ہوئے جا رہا تھا۔

زندگی میں آپ کا کوئی بہت پیارا آپ سے بچھڑ جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ صبر آ ہی جاتا ہے لیکن کبھی زندگی میں ایسا مقام آتا ہے کہ زخموں پر جمے کھرنڈ یکلخت اتر جاتے ہیں اور زخم بالکل تازہ ہو جاتے ہیں یہی حال اس وقت عائزہ کا ہو رہا تھا۔ بچھڑے نانا' نانی کی یاد بہت شدت سے حملہ آور ہو رہی تھی۔ وہ ٹشو سے آنکھیں رگڑتی اور چند سیکنڈوں میں آنکھیں پھر سے پانی سے بھر جاتیں۔ اتنے میں ہی شمسہ ممانی اور افشین ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ان کے پیچھے نوشین آپی تھیں۔ ملنے' ملانے کا مرحلہ طے ہوا۔ سب لوگ نشستیں سنبھال کر بیٹھ گئے تو چند لمحوں کے لیے ڈرائنگ روم میں خاموشی کا راج ہو گیا۔

"سنا ہے ڈاکٹر بن گئی ہو۔" شمسہ ممانی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"بس ہاؤس جاب کا مرحلہ رہ گیا ہے ابھی فائنل ایر کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی ہے۔" عائزہ کے بجائے نورین نے جواب دیا ان کے لہجے میں انجانا سا فکر چھپا تھا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا ماشاءاللہ۔" شمسہ ممانی نے کہا تھا۔

"تم کیا کر رہی ہو افشین۔" عائزہ نے قدرے مسکرا کر افشین کو دیکھا۔ وہ اس کی ہم عمر تھی۔ ڈرائنگ روم میں موجود اس کی ماں' بہن کی نسبت عائزہ کی ماضی میں اس سے بے تکلفی تھی سو اسی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"آپی کی شادی کے بعد گھر ہی سنبھال رکھا ہے۔ امی کے جوڑوں میں درد رہتا ہے ان سے کہاں گھر کے کام ہوتے ہیں۔" افشین نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کافی کمزور ہو گئی تھی۔ چہرے پر عینک کا بھی اضافہ ہو گیا تھا شاید وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

"نوشین آپی کا سسرال کہاں ہے۔" عائزہ نے پوچھا تھا۔

"اے لو سسرال کہاں ہونا۔ عادل سے ہوئی ہے نوشین کی شادی جو ہمارا اپنا گھر تھا وہ اب اس کا سسرال ہے۔" شمسہ ممانی نے ہنس کر جواب دیا۔ عادل واصف ماموں کا بڑا بیٹا تھا۔ عائزہ نے سر ہلا دیا۔

"اور باسط بھائی کیا ان کی بھی شادی ہو گئی۔" عائزہ نے عادل کے چھوٹے بھائی کی بابت دریافت کیا۔

"باسط کو کون اپنی بیٹی دینے لگا۔" شمسہ ممانی کے لہجے میں حقارت در آئی تھی۔ "لوگوں کے موبائل اور موٹر سائیکل چھیننے کے جرم میں دو سال قید کاٹ کر ابھی رہا ہوا ہے اس کم بخت کی وجہ سے تو ہمارے خاندان کے نام پر بٹا لگ گیا۔" ان کے لہجے میں حقارت سمٹ آئی تھی۔ عائزہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ آگے کیا کہے۔

"بڑی ممانی' وہ ٹھیک ہیں؟" اس نے شمسہ ممانی

سے ان کی بہن اور واصف ماموں کی بیوی کے بارے میں دریافت کیا۔

"انہیں کیا ہونا ہے۔ بھلی چنگی ہیں۔" اس بار جواب نوشین کی طرف سے آیا تھا۔ ساس کے لیے اس کے لہجے میں موجود بے زاری ڈھکی چھپی نہ تھی۔

"اے افشین یہاں بیٹھی کیا کررہی ہے چائے پانی کا انتظام کر۔" شمسہ ممانی کو اچانک آداب میزبانی نبھانے کا خیال آیا تھا۔ افشین چپ چاپ اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ عائزہ کو نانا جی کے اس کشادہ سے گھر میں عجیب گھٹن کا سا احساس ہورہا تھا۔ سب کا حال احوال دریافت کرلیا تھا کرنے کو اب کیا بات باقی رہ گئی تھی۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی جب ہی نورین نے شمسہ کو مخاطب کیا۔

"ہمایوں کہاں رہتا ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ یا واصف بھائی کے گھر۔" ان کے سوال پر شمسہ اور نوشین نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"ہمایوں کی جاب تو لاہور ہے وہ تو کب کا لاہور چلا گیا۔ پہلے یہیں امی وغیرہ کے ساتھ رہتا تھا۔" نوشین کی طرف سے جواب آیا تھا۔

"بس بہن کیا پوچھتی ہو اس لڑکے کی توتا چشمی اور خود غرضی کو کیا نام دیں۔ اللہ نے ہمیں تو کوئی بیٹا دیا نہیں تھا مرحوم جیٹھ کے بیٹے کو بیٹا سمجھ کر پالا پوسا' پڑھا لکھا کر اس قابل کیا ماشاءاللہ اتنا قابل انجینئر ہے ایسی اچھی نوکری بھی لگ گئی سوچا تھا بڑھاپے میں بیٹا بن کر خیال رکھے گا مگر نہ جی اس نے تو نوکری لگنے کے ساتھ ہی آنکھیں پھیر لیں۔ لاہور میں ہی مستقل رہائش رکھ لی۔ اپنے باس کی بیٹی سے منگنی کرلی بلکہ ہوسکتا ہے اب تک تو شادی بھی کرڈالی ہو ہمیں کون سا اس نے شادی پر بلوانا تھا چلو خیر ہر کسی کا اپنا ظرف ہماری تو بس یہی دعا ہے کہ جہاں رہے خوش رہے۔"

شمسہ ممانی نے بات کے اختتام پر اسے دعا بھی دے ڈالی۔ عائزہ کو لگا کوئی بھاری ٹرین اس کے وجود کے پرخچے اڑاتی گزر گئی ہے۔ شمسہ کن انکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

"اے نوشین ذرا تصویریں تو لاکر دکھا ہمایوں کی منگیتر کی۔ منگنی میں تو بہن اس نے ہمیں بلوایا نہیں ہاں تصویریں بھجوائی تھیں ہمیں شاید خیال ہوگا کہ تصویریں دیکھ کر ہم جل جائیں گے مگر ہم تو بھئی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے والے لوگ ہیں۔" شمسہ اپنی تعریفیں آپ کیے جارہی تھیں۔ نوشین ماں کے حکم کی پیروی کرنے کو اٹھی اور چند لمحوں بعد وہ تین تصویریں نورین کو تھمادی تھیں۔ نورین نے اچٹتی ہوئی نگاہ تصویر پر ڈالی۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی جو ہار سنگھار کیے کیمرے کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ تینوں تصویروں میں اس کے مختلف پوز تھے۔ نورین نے تصویریں دیکھ کر عائزہ کو پکڑادی تھیں۔ عائزہ نے اچٹتی ہوئی نگاہ تصویروں پر ڈالی اور نوشین کو واپس کردیں۔

"عثمان بھائی آئے تھے وہ بھی ہمایوں کے بارے میں استفسار کررہے تھے میں نے تو انہیں بھی بتادیا تھا کہ ہمایوں کا ارادہ لاہور شادی کرنے کا ہے۔ اپنا فون نمبر دے کر گئے تھے کہ ہمایوں سے کہیے گا رابطہ کرے۔ ہم نے تو بھئی ان کے کہنے کے مطابق ہمایوں کو فون نمبر دے دیا تھا لیکن جانتے ہیں کہاں رابطہ کیا ہوگا اس نے۔" شمسہ ممانی بولے جارہی تھیں۔ خفت سے عائزہ کا برا حال ہورہا تھا کیا سوچ رہی ہوں گی شمسہ ممانی کہ وہ لوگ ہمایوں کی خاطر اتنی دور سفر کرکے آئے وہ ہمایوں جو بچپن کی نسبت کو آسانی سے توڑتے ہوئے نئی دنیا بسانے جارہا تھا۔

"ہمایوں' اتنی ارزاں تو نہیں تھی عائزہ کی ذات۔" عائزہ نے دل ہی دل میں اسے پکارا۔ احساس توہین سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا شمسہ اور نوشین بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں اور عائزہ کو بھی اپنے چہرے پر جمی ان کی نگاہوں کا احساس ہوگیا تھا۔ وہ اپنی ذات کا مزید تماشا نہیں لگانا چاہتی تھی سو بروقت خود کو سنبھالا تھا اور چہرے پر بشاشت طاری کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔

"میں چاہتی تھی شادی سے پہلے ایک بار نانا جی کے گھر کا چکر لگا آؤں۔ بس اسی لیے امی کو ساتھ لیے یہاں آگئی۔ ویسے تو ڈاکٹر شہریار اچھے مزاج اور عادتوں کے مالک ہیں لیکن اگر میں ان کے ساتھ یہاں آنے کی خواہش ظاہر کرتی تو پتا نہیں وہ مجھے ساتھ لے کر یہاں آتے یا میری خواہش کو بچکانہ کہہ کر رد کردیتے۔ بس اسی لیے میں نے سوچا شادی سے پہلے ہی نانا جی کے گھر کو آخری بار دیکھ آؤں۔" عائزہ نے یہ بات کرکے نورین کو تو حیران کیا ہی تھا نوشین اور شمسہ بھی اس کی بات سن کر حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں

"اچھا ماشاءاللہ خیر سے تمہاری بات طے ہوگئی ہے۔" شمسہ نے اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"جی ممانی۔ میاں بیوی کا تعلق ایک پروفیشن سے ہو تو زندگی میں آسانی ہوجاتی ہے اسی لیے میں نے لائف پارٹنر کے طور پر ایک ڈاکٹر کو ہی منتخب کیا۔" وہ اب متوازن لہجے میں ان سے مخاطب تھی نورین کا دل دکھ سے بھر گیا عائزہ کے دل ودماغ پر اس وقت کیا بیت رہی ہوگی ان سے بہتر کون جان سکتا تھا' وہ محبت کا جوا ہار چکی تھی مگر اپنی انا اور عزت نفس کو بچانے کی کوشش کررہی تھی۔

"یہ تم نے ٹھیک کہا میاں بیوی کا تعلق ایک پروفیشن سے ہو تو زندگی اچھی گزرتی ہے۔" نوشین نے سرہلاتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی اتنے میں افشین چائے اور اسنیکس لے کر آگئی تھی۔

"عائزہ کی بات کسی ڈاکٹر سے پکی ہوگئی ہے۔" نوشین نے افشین کو مخاطب کیا تھا اور جانے عائزہ کو کیوں اس کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا سا لگا افشین نے حیرت سے سر اٹھا کر عائزہ کو دیکھا۔ "کیا واقعی عائزہ۔" وہ ماں بہن کے برعکس یہ خبر سن کر مضطرب ہوئی تھی۔ عائزہ نے دھیرے سے اثبات میں سرہلادیا۔

"بچیاں تو جتنی جلدی اپنے گھربار کی ہوجائیں اتنا ہی اچھا۔" شمسہ ممانی نے نورین کو مخاطب کیا۔ انہوں نے خالی الذہنی کی حالت میں سرہلادیا۔

"تمہاری بات تو تمہارے نانا نانی اور میری دادی کی خواہش پر ہمایوں سے طے ہوگئی تھی پھر تم نے۔" افشین افسوس کے عالم میں کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی مگر اس سے پہلے ہی نوشین نے اسے جھڑک دیا۔

"فضول باتیں مت کرو افشین ہر انسان کو اپنی زندگی سے متعلق بہتر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ ماضی میں بڑوں نے زبانی کچھ طے کر بھی دیا تھا تو وہ بات پتھر کی لکیر تھوڑی تھی۔" نوشین افشین کو شرربار نگاہوں سے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

"میرا تو خیال تھا زبان دینے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وضع دار لوگ کبھی اپنی زبان سے پیچھے نہیں ہٹتے۔" افشین نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔ دونوں بہنوں کی گفتگو سے عائزہ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ دل و دماغ میں پہلے ہی عجیب تلاطم برپا تھا وہ مزید کچھ کہنے کے موڈ میں نہ تھی۔

"میں ذرا گھر گھوم پھر کر دیکھ لوں۔ پھر ہم واپس چلیں گے۔" وہ اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"شاہدہ خالہ سے ملنے اور اپنی بڑی نانی کا گھر دیکھنے نہیں چلو گی کیا۔" افشین نے عائزہ کو مخاطب کیا۔ نوشین اور شمسہ نے پھر افشین کو گھورا تھا مگر جب عائزہ نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلادی تو دونوں کو یک گونہ تسلی ہوئی تھی۔

"نانا جی کی بہت سی کتابیں تھیں کیا وہ اب تک رکھی ہیں۔" عائزہ نے دل ودماغ کو صرف نانا' نانی کی یاد تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"اے بیٹا کیا پوچھتی ہو سارا گھر ہی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ کو دیمک کھا گئی کچھ ردی میں بیچیں اور تھوڑی بہت کتابیں ہمایوں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایک الماری اب بھی کتابوں کی بھری پڑی ہے۔ ہمایوں نے ہی بیچنے سے منع کیا تھا کہہ رہا تھا بہت نادر اور قیمتی کتابیں ہیں۔ ہم نے تو بھیا کیا کرنا تھا ان قیمتی کتابوں کا الماری میں بھردیں۔ تم نے لے کر جانی ہیں تو شوق سے لے جاؤ۔" شمسہ ممانی نے اسے مخاطب کیا۔

"میں دیکھ لیتی ہوں۔ کہاں رکھی ہے الماری؟"

"سامنے والے کمرے میں وہی جو تمہارے نانا' نانی

کے سونے کا کمرہ تھا۔" شمسہ ممانی نے بتایا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے ڈرائننگ روم سے باہر نکلی تھی۔

"میں بھی اب چلوں امی بچے ٹیوشن پڑھ کر واپس آنے والے ہوں گے۔ شام کے کھانے کی تیاری بھی کرنی ہے اپنی بہن کا تو آپ کا پتا ہے سبزی تک بنانے کی روادار نہیں اور کھانا وقت پر تیار نہ ہو تو شور مچا دیتی ہیں کہ شوگر کی مریضہ ہوں بھوکا مارنے کا ارادہ ہے کیا۔" نوشین نے ماں کو مخاطب کیا۔

"ہاں بیٹا ٹھیک ہے جاؤ۔" شمسہ نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ نوشین سلام دعا کر کے چلی گئی تھی۔

"یہ سوچ کر بیٹی کو بہن کے گھر بیاہا تھا کہ سدا سکھی رہے گی لیکن سگی خالہ نے ساس بن کر وہ پر پرزے نکالے کہ خدا کی پناہ۔ بس بہن کیا کریں بیٹی والے ہیں ہر ظلم اور زیادتی خاموشی سے سہنی پڑتی ہے۔" نوشین کے جانے کے بعد شمسہ بیگم نے نورین کو مخاطب کیا۔ وہ محض سرہلا کر رہ گئیں جی میں آیا تو سہی کہ کہیں بہن ظلم سہنے والی نہ آپ لگتی ہیں نہ آپ کی بیٹی اتنی سیدھی لگ رہی ہے لیکن خوامخواہ میں یہ بات کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ سوانہوں نے چپ رہنے پر اکتفا کیا تھا۔

"امی، آپ کا موبائل بج رہا ہے شاید ابو کا فون ہے۔" اتنے میں افشین نے ماں کو آواز دی تھی۔

"ایک منٹ بہن میں فون سن کر آتی ہوں۔ چارجنگ پر لگایا تھا بس ابھی آئی۔" شمسہ بیگم عجلت میں اٹھی تھیں ان کے جاتے ہی افشین کمرے میں آئی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے آنٹی کہ عائزہ کی بات کہیں اور طے ہو چکی ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی نورین کو مخاطب کیا۔ اس گھر کے مکینوں کا انداز گفتگو اب تک نورین کو حیران کیے دے رہا تھا افشین کے عجلت بھرے انداز پر بھی وہ حیرانی سے اسے تکنے لگی تھیں۔

"پلیز آنٹی سچ بتایئے گا کیا واقعی عثمان ماموں عائزہ کے نانا، نانی اور میری دادی کو دیئے گئے قول سے پھر چکے ہیں۔" افشین نے انہیں پھر مخاطب کیا تھا۔

"عائزہ کے ابا ہرگز اپنی بات سے نہیں پھرے ہیں لیکن جب ہمایوں کو بڑوں کی طے کی گئی اس نسبت کا کوئی پاس نہیں تو ہم بھی عائزہ کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ عائزہ کے ابا بہت جلد عائزہ کے مستقبل کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے والے ہیں ابھی تک عائزہ اس بارے میں یکسو نہیں تھی لیکن یقیناً" آج کے بعد اسے بھی اپنے ابا کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" نورین نے افشین کو دو ٹوک انداز میں باور کروایا تھا لیکن انہیں ابھی تک یہ سمجھ نہ آیا تھا کہ یہ لڑکی آخر ان سے یہ بات کیوں کر رہی ہے۔

"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں آنٹی۔ ہو سکتا ہے آپ میری بات سن کر مزید کنفیوز ہو جائیں اور میری بات پر یقین نہ کریں لیکن میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں یہ یوں کہہ لیں کہ یہ بات بتانے میں کسی حد تک میری اپنی غرض بھی شامل ہے اگر میں عائزہ کے پاس جا کر اسے کچھ بتانے کی کوشش کروں گی تو امی ٹھٹک جائیں گی ان کا عتاب سہنا میرے لیے بہت مشکل ہوگا اسی لیے میں آپ کو بتا رہی ہوں۔"

افشین نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا تھا نورین بے یقینی سے اسے سن رہی تھیں۔

"عائزہ کے مستقبل کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے دوسرے فریق کا موقف بھی جان لیں۔ پلیز جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کیجیے گا۔" افشین نے التجائیہ انداز اختیار کیا تھا نورین کا دماغ واقعی ماؤف ہو چکا تھا وہ ابھی افشین کو کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھیں کہ شمسہ بیگم آن موجود ہوئیں۔ افشین کو نورین کے پاس بیٹھا دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔

"تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ جاؤ کچن میں کھانے دانے کا انتظام کرو۔" انہوں نے بیٹی کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا اتنے میں ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی اور دستک کے ساتھ ہی باسط گھر میں داخل ہوا تھا۔

"بھابھی" نوشین بھابھی کی صدا لگاتا کمرے میں آیا تو نورین کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر رکا۔

"یہ باسط ہے۔ واصف بھائی کا چھوٹا بیٹا اور نوشین کا دیور۔" شمسہ بیگم نے برا سامنہ بناتے ہوئے نورین سے تعارف کروایا۔

"السلام علیکم" باسط کے لیے وہ یکسر اجنبی شخصیت تھیں مگر پھر بھی ادب سے سلام کیا تھا۔ نورین کو لڑکا معقول لگا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی داڑھی تھی آنکھوں سے بھی شرافت ٹپکتی تھی۔

"امی نے بھابھی کو بلوایا تھا۔ عادل بھائی کا دفتر سے فون آیا تھا کہ دفتر سے واپسی پر ان کے دو دوست بھی ساتھ آئیں گے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔" باسط نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔

"نوشین تو کب کی چلی گئی کیا ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔" شمسہ بیگم کو تعجب ہوا۔ دو منٹ ہی تو لگنے تھے نوشین کو میکے سے سسرال پہنچنے میں۔

"اچھا پھر تو پہنچ گئی ہوں گی میں دراصل مسجد سے آرہا ہوں۔" باسط نے کہا پھر ——— فوراً ہی واپس پلٹ گیا تھا۔

"تو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔" اس کے جانے کے بعد شمسہ نے ٹھٹھا اڑایا تھا۔

"امی پلیز۔" افشین نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"تو کیا غلط کہہ رہی ہوں ایک سال کی جیل کاٹ کر آیا اب نمازی پرہیزی بن گیا ہے۔" انہوں نے پھر طنز کیا تھا۔

"باسط سزا بھی کاٹ آیا ہے اور توبہ بھی کرلی ہے آپ پھر بھی اس کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔" افشین کا رنج سے برا حال تھا۔ نورین عجیب سٹپٹائی ہوئی کیفیت میں بیٹھی تھیں اس گھر کے مکین احساس سے عاری لگتے تھے۔ آپس میں کرنے والی باتیں کتنے مزے سے گھر آئے مہمان کے سامنے کیے جا رہے تھے۔ ان سے یہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا عائزہ پتا نہیں کہاں رہ گئی تھی اس سے پیشتر وہ اسے بلاتیں وہ خود ہی آگئی تھی ہاتھ میں دو چار کتابیں تھیں۔

"یہ میں اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔" اس نے دھیرے سے شمسہ بیگم کو مخاطب کیا تھا اور کتابیں بیگ میں ڈال کر زپ بند کرلی۔

"چلیں امی۔" اس نے نورین سے پوچھا۔

"چلو بیٹا۔" وہ فوراً" اٹھ گئی تھیں۔

"ارے ایسے کیسے چل دیں۔ کھانا وغیرہ کھاتیں رات یہیں رکتیں۔" شمسہ بیگم کو آداب میزبانی نبھانے کا خیال آیا۔

"شکریہ ممانی ہم ضرور رکتے لیکن شانزے اور عون ہمارے بغیر رہنے کے عادی نہیں ہمیں جلد از جلد گھر پہنچنا ہے۔ شانزے بار بار فون کر رہی ہے عون نے اسے تنگ کر رکھا ہے۔" بہن بھائی کے متعلق بتاتے ہوئے عائزہ کی آنکھیں محبت سے چمکی تھیں۔

"اللہ تمہاری محبتوں کو قائم رکھے ورنہ سوتیلے رشتوں میں اتنا سلوک کہاں ہوتا ہے۔" شمسہ بیگم کہے بغیر نہ رہ پائی تھیں۔

"رشتوں کو خلوص سے نبھایا جائے بہن تو کوئی سگا سوتیلا نہیں ہوتا ورنہ بعض اوقات سگے رشتے سوتیلے رشتوں سے زیادہ زیادتی کر دیتے ہیں۔" نورین نے ٹھنڈے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔ شمسہ بیگم ان کے انداز پر قدرے چونکیں۔

"اچھا اللہ حافظ۔ قسمت میں دوبارہ ملاقات لکھی ہوئی تو پھر ملیں گے۔" نورین ان سے گلے ملتے ہوئے بولیں۔

"ہاں جی کیوں نہیں۔" شمسہ بیگم خوشدلی سے بولی تھیں عائزہ کو بھی لپٹا کر پیار کیا جاتے سے عائزہ کا دل پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل ہو رہا تھا۔ گھر سے باہر نکل کر اس نے الوداعی نگاہ نانا جی کے گھر پر ڈالی تھی زندگی میں پہلی بار اس گھر میں اس کی دلجوئی نہیں کی گئی تھی بلکہ وہ کرچیوں کی صورت میں ٹوٹا ہوا دل لے کر یہاں سے رخصت ہو رہی تھی۔ نورین اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کے دلی جذبات کا اندازہ لگا سکتی تھیں مگر وہ اسے تسلی دینے کی پوزیشن میں نہ تھیں انہیں ابھی بہت سی گتھیاں سلجھانی تھیں۔ واپسی کے سفر میں دونوں چپ چاپ اپنی اپنی سوچوں میں گم رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ ابا سے کہہ دیجیے گا کہ ڈاکٹر شہریار کے گھر والوں کو ہاں کردیں۔" وہاں سے واپس آنے کے تین چار دن بعد عائزہ نے نورین کو اپنا جواب دے دیا تھا نورین نے اس کی اجڑی ہوئی صورت پر نظر ڈالی۔ اس کے دل میں ہمایوں کی محبت کی جڑیں بہت گہری تھیں اس نے بہت چھوٹی عمر میں اپنے نام کے ساتھ اس کا نام جڑتا سن لیا تھا جب لڑکیاں خواب بننے کی عمر میں پہنچتی ہیں تو اسے اپنے خوابوں کے شہزادے کی تلاش کی کوئی جستجو نہ کرنا پڑی تھی اسے صرف اس شہزادے سے محبت کرنا تھی جو وہ اتنے برسوں سے مستقل کیے چلے جارہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ مناسب وقت آنے پر اسے باقی زندگی اس شہزادے کے سنگ گزارنی ہے یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شہزادہ اپنے لیے نئی شہزادی کا انتخاب کرتے ہوئے اس شہزادی کو یکسر فراموش کردے گا جس کے دل نے صرف اس کے نام پر دھڑکنا سیکھا تھا۔ دل تو اب بھی ضدی بچے کی طرح مچل مچل کر اسی نام کا الاپ کررہا تھا مگر دماغ دل پر حاوی تھا۔ جب باقی زندگی ایک سمجھوتے کے تحت گزارنی تھی تو باپ کی رضا کے سامنے سر جھکانے میں کیا مضائقہ تھا۔ اس نے اچھی بیٹی ہونے کے ناتے ابا کی پسند پر رضامندی کا اظہار کر ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسلسل تیسری بیل پر فون اٹھالیا گیا تھا۔

"السلام علیکم!" گمبھیر مردانہ آواز نے فون ریسیو کرتے ہی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیا یہ نمبر ہمایوں احمد کا ہے، مجھے ان سے بات کرنی ہے۔"

"جی میں ہمایوں احمد ہی بول رہا ہوں مگر معاف کیجیے گا میں آپ کی آواز کو نہیں پہچان پایا۔" شائستگی سے پوچھا گیا تھا۔

"آپ زندگی میں پہلی بار مجھ سے مخاطب ہیں میری آواز کو کیسے پہچانیں گے۔ اگر آپ فارغ ہوں تو میں آپ سے اپنا تعارف کروائے دیتی ہوں دراصل مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں ہمایوں؟"

"جی ضرور کہیے میں سن رہا ہوں۔" ہمایوں کی حیران سی آواز سنائی دی۔ اور اسے ابھی مزید حیران ہونا باقی تھا وہ جیسے جیسے دوسری طرف کی بات سنتا گیا حیرانی بڑھتی چلی گئی تھی۔

"پلیز آپ مجھے اپنا ایڈریس سمجھائیے، میں پہلی فرصت میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔" گفتگو کے اختتام پر ہمایوں بے قراری سے بولا تھا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" مطمئن آواز نے اسے ایڈریس لکھوادیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آج ہمارے ہونے والے داماد ہم سے ملنے آرہے ہیں۔ تم کہوگی تو تم سے بھی ملاقات کروا دوں۔" وہ اسپتال جانے کے لیے تیار ہورہی تھی جب نورین نے قدرے شوخی اور شگفتگی سے اسے مخاطب کیا۔ بالوں میں برش کرتا عائزہ کا ہاتھ یکلخت رکا تھا۔ دل بھی کہیں گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا تھا۔

"میں مل کر کیا کروں گی آپ اور ابا مل لیں کافی ہے۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا تھا۔ نورین نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ کمرے سے نکلیں تو عائزہ بے دم سی ہوکر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اب جب اس نے ابا کو رضامندی دے ڈالی تھی تو یہ سب مرحلے تو طے ہونے ہی تھے۔ اس نے روتے کرلاتے دل کو ڈپٹ کر سمجھایا لمبی سی گہری سانس اندر کھینچ کر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔ آئینے میں اپنے عکس پر ایک نگاہ ڈالی کیا وہ مطمئن نظر آرہی تھی؟ پھر نگاہ چرا کر وہ اپنا ہینڈ بیگ چیک کرنے لگی۔ اسپتال میں ایک تھکا دینے والا اور مصروف دن گزار کر وہ شام ڈھلے گھر لوٹی تھی۔ امید تھی ابا کے مہمان ان سے مل کر رخصت ہوچکے ہوں گے مگر نورین اور شازنے کو کچن میں مصروف دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

"آپ آگئیں آپی۔" شانزے اس پر نظر پڑتے ہی مسکرائی۔ عائزہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"مہمان ابھی تک گئے نہیں میرا خیال تھا ابا نے انہیں لنچ پر انوائٹ کیا ہوگا۔" اس نے نورین کو مخاطب کیا۔

"مہمان بہت سے نہیں بس ایک ہی مہمان ہے اور وہ ابھی ذرا دیر پہلے ہی پہنچا ہے۔ چائے ہم سب نے اکٹھے پی ہے اور اب ہم اس کے لیے شاندار ساؤنر تیار کررہے ہیں۔" نورین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا وہ آج بے تحاشا خوش لگ رہی تھیں۔ عائزہ نے ایک شاکی نگاہ ان پر ڈالی اگر وہ اس کی سگی ماں ہوتیں کیا تب بھی وہ بیٹی کے دل کے اجڑنے پر اتنی مطمئن اور مسرور ہوتیں مگر اگلے ہی پل اس نے دل کو ڈپٹا تھا نورین نے تو اپنے طور پر اس کا ساتھ دینے کی ہر ممکن کوشش کی تھی آگے اس کا نصیب۔ وہ دل گرفتگی سے مسکرائی تھی۔ نورین بغور اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہی تھیں۔

"آپی آئی ایم سو ہیپی۔ میرے ہونے والے دولہا بھائی اتنے ڈیشنگ اور اسمارٹ ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ سچی میں نے اپنی زندگی میں اتنا ہینڈسم بندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شانزے بہت جوش اور خوشی کے عالم میں اسے بتا رہی تھی۔ وہ بدقت مسکرائی تھی۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے' میں اپنے کمرے میں جاکر لیٹ رہی ہوں' طبیعت صحیح ہوتی تو ضرور آپ لوگوں کی ہیلپ کرواتی۔" عائزہ نے نورین کو مخاطب کیا ٹف پڑھائی کے باوجود وہ کوشش کرتی تھی کہ گھر کے کام کاج میں نورین کا ہاتھ بٹادیا کرے مگر آج واقعی اس کا کچھ کرنے کا موڈ نہ تھا۔

"آپ ریسٹ کریں آپی میں اور امی ہیں نا۔ اپنے دولہا بھائی کے لیے مزے دار ساؤنر تیار کرلیں گے۔" شانزے نے اسے مخاطب کیا نورین نے بھی مسکراتے ہوئے تائیدی انداز میں گردن ہلادی۔

عائزہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے اپنے بیڈ روم کی طرف مڑ گئی اسے اس ہینڈسم بندے کو دیکھنے کا کوئی اشتیاق نہ ہو رہا تھا۔ اس نے جس سے محبت کی تھی اسے دیکھے برسوں بیت چکے تھے اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ وہ اب کیسا ہوگا۔ تاڑ سا لمبا قد تو وہ رکھتا تھا' مگر نہیں اب وہ پہلے کی طرح دبلا ہوگا یا موٹے بندے میں تبدیل ہوگیا ہوگا اس کی رنگت پہلے کی طرح سرخ و سپید ہوگی یا بیتے برسوں میں اس کی رنگت کملا گئی ہوگی۔ اسے ان خصوصیات میں سے کسی سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کیونکہ اسے ہمایوں سے محبت تھی اس کی ذہانت وجاہت' امارت کسی چیز سے بھی کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ جیسا بھی تھا اسے قبول تھا' مگر ڈرائننگ روم میں بیٹھا یہ شخص جتنا مرضی وجیہہ اور خوبرو ہوتا اس کا ساتھ عائزہ کے لیے ایک سمجھوتے کے سوا کچھ نہ تھا سمجھوتہ بھی ایسا جو وہ کر تو بیٹھی تھی' مگر جب اسے نبھانے کا سوچتی دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ہمایوں۔" اس کے لبوں سے ایک کراہ برآمد ہوئی۔ وہ کتنی ہی دیر اپنے بستر پر بے حس و حرکت لیٹی رہی پھر عون اسے بلانے آیا تھا۔

"ہم سب کھانے کی میز پر آپ کا انتظار کررہے ہیں آپی۔"

"تم جاکر کہہ دو کہ میں سو رہی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا عون سرہلا کر پلٹ گیا تھا۔ کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ باتوں اور قہقہوں کی آواز یہاں تک آرہی تھی شاید مہمان بہت خوش مزاج تھا اور شاید وہ خوش مزاج شخص فلو میں بھی مبتلا تھا ہر پانچ منٹ بعد اس کی زوردار چھینک کی آواز سنائی دیتی۔

"اتنا فلو ہورہا تھا تو آنے کی کیا ضرورت تھی معذرت کرلیتا۔ کیسا بے ڈھنگا شخص ہے۔" عائزہ کا کوفت سے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگی' مگر ڈرائنگ روم میں بیٹھے شخص کی زوردار چھینکیں اسے سخت ڈسٹرب کررہی تھیں پھر شانزے کمرے میں آئی تھی۔

"آپ نے کھانا کھالیا آپی۔" اسے خیال آیا۔

"بھوک نہیں ہے سو رہی ہوں۔" عائزہ نے جواب دیا۔

"بھائی جان کہہ رہے ہیں کہ اپنی آپی سے بخار اور سر درد کی کوئی ٹیبلٹ لادو۔"

"میں نے کوئی فری ڈسپنسری نہیں کھول رکھی انہیں کہو اتنی رات ہو رہی ہے گھر جاکر دوالیں اور سکون کریں آخر ان کا جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا۔" وہ بری طرح چڑ ہی تو گئی تھی۔

"وہ اتنی رات کو کیسے جاسکتے ہیں۔" شانزے نے حیرت سے الٹا سوال پوچھا۔

اتنے میں ہی نورین کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں شانزے کا فقرہ ان کے کان میں پڑ گیا تھا جب ہی وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

"کیا ہم اپنے داماد کو ایک رات بھی اپنے گھر نہیں ٹھہراسکتے۔"

"جب ان کا اپنا گھر اسی شہر میں ہے تو انہیں کیا شوق چرایا ہے یہاں قیام کرنے کا اور بائی دا وے یہ اکیلے کیوں تشریف لائے ہیں ان کے گھر والے ان کے ساتھ کیوں نہیں آئے۔" اس نے کافی دیر سے ذہن میں کلبلاتا سوال پوچھ لیا۔

"اسے تمہارے ابا کو کچھ وضاحتیں اور صفائیاں دینی تھیں اسی لیے اس نے اکیلے آنے کو ترجیح دی۔" نورین نے رسانیت سے جواب دیا۔

"کیسی وضاحتیں۔" عائزہ نے حیرت سے ابرو اچکائے۔

"ارے بھئی بیٹی بیاہنے سے پہلے ماں باپ کے دل میں سو طرح کے خدشے' کئی طرح کے سوال جنم لیتے ہیں۔ اپنی پوری تسلی کرکے ہی تو تمہارے ابا ہاں کریں گے۔" نورین نے گول مول سا جواب دیا اس سے پہلے عائزہ کچھ اور جرح کرتی انہوں نے کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

"اب سوال' جواب ختم اور کھانا کھاؤ۔ تمہاری پسند کے نرگسی کوفتے بنائے ہیں اور دیکھو شانزے نے پہلی بار کیسا مزے کا فروٹ ٹرائفل بنایا ہے۔ چاول تم رات کے وقت کھاتی نہیں اگر کھانے ہیں تو ادون میں گرم کرکے لادوں۔" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ارے نہیں امی۔ جو لے آئی ہیں یہ ہی بہت ہے۔" عائزہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ نورین سرہلاتے ہوئے واپسی کے لیے مڑیں پھر کچھ یاد آیا تو پلٹیں۔

"فلو اور بخار کی کوئی ٹیبلٹ ہے تو دینا۔ اس کا بخار تیز ہو رہا ہے۔" عائزہ پھر چڑ سی گئی۔

"وہ خود ڈاکٹر ہیں گھر سے نکلتے وقت کیا اپنی حالت پتا نہ تھی دوا کا انتظام کرکے آتے۔" اس نے اکتا کر جواب دیا تھا۔ نورین مسکرادیں۔

"اچھا تم غصہ نہ کرو تمہارے ابا کا میڈیسن باکس اس کے پاس لے جاتی ہوں خود لے گا دوا اور شانزے بیٹا تم بھی فوراً آؤ بھائی کے لیے چائے بناؤ۔" نورین شانزے کو بھی بلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ شانزے عائزہ کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے ماں کے پیچھے نکل گئی۔ نورین ہونے والے داماد کو ضرورت سے زیادہ پروٹوکول دے رہی تھیں۔ عائزہ کو عجیب سی الجھن نے گھیرے میں لے لیا پھر سب سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس نے کھانے کی ٹرے اپنی جانب کھسکالی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اس ماہ کی چودہ تاریخ کو تمہارا نکاح ہے۔ اپنی سہیلیوں کو انوائیٹ کرلینا۔" اگلی صبح وہ دن چڑھے سو کر اٹھی تھی آج ڈیوٹی کا آف تھا وہ جان بوجھ کر دیر تک سوتی رہی اٹھی تو پتا چلا ڈاکٹر شہریار علی الصبح ہی گھر واپس چلا گیا تھا۔ عائزہ نے سکون کا سانس لیا' مگر اب نورین کی بات سن کر اس کا سکون پھر سے رخصت ہوگیا۔ پراٹھے کا لقمہ اس کے حلق میں اٹکا تھا۔

"اتنی جلدی؟؟" وہ بس یہی کہہ سکی۔

"فکر مت کرو فی الحال صرف نکاح ہو رہا ہے' رخصتی تمہاری ہاؤس جاب مکمل ہونے کے بعد ہوگی۔" نورین نے تسلی دی۔

"ہاؤس جاب مکمل ہونے میں کون سا بہت عرصہ

رہ گیا۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری گویا آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار کرنے کی کوشش کی۔

"بلکہ کسی چھٹی والے دن اپنی سہیلیوں کو بلوالو۔ میں ڈھولکی منگوالوں گی۔ تمہاری دوستیں گیت وغیرہ گالیں گی ایسے موقعوں پر تو سہیلیاں ہی رونق لگاتی ہیں۔" پتا نہیں نورین کیوں اتنی خوش، اتنی پرجوش ہو رہی تھیں۔ عائزہ کے دل میں ہوک سی اٹھی کاش اس کی سگی ماں زندہ ہوتی تو وہ اس کی گود میں سر چھپا کر اپنا سارا دکھ آنسوؤں کی صورت میں بہا دیتی۔ بیتے برسوں میں نورین اور اس کے مابین ممتا کانہ سہی محبت اور اپنائیت کا ایک اور خوب صورت رشتہ پروان چڑھ چکا تھا، لیکن اس مشکل وقت میں وہ اس کے دل کی حالت جانتے ہوئے بھی کتنی انجان بن کر الٹے سیدھے مشورے دے رہی تھیں۔

"میری سب دوستیں جس پروفیشن سے تعلق رکھتی ہیں اس پروفیشن میں ایسی چیزوں کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا امی گیت گائے بغیر بھی نکاح کی تقریب ہو سکتی ہے اور یہ سب کچھ جتنا سادگی سے ہو اتنا ہی اچھا ہوگا۔" اس نے سنجیدہ اور سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔

"تم جو بھی کہو ہم تو بھئی اپنے دل کے سارے ارمان پورے کریں گے۔" نورین نے مسکراتے ہوئے گویا اس کے زخموں پر نمک چھڑکا اور وہ اف بھی نہ کرپائی۔ دن گزرتے جا رہے تھے نورین ذوق و شوق سے فنکشن کی تیاری کر رہی تھیں۔ ان کا روز ہی بازار کا چکر لگتا ایک دن عائزہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔

"تمہارے دولہا کی خواہش ہے کہ نکاح کا جوڑا تم اپنی پسند کا خریدو۔ اس نے پیسے بھی بھجوا دیے ہیں۔ آج میرے ساتھ بازار چلو گی ہاتھوں یہ کام بھی نبٹا دیں۔" نورین نے اسے محبت سے مخاطب کیا۔

"میرا موڈ نہیں بن رہا۔ آپ خود لے آئیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں انکار کیا تھا۔ نورین چند لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں پھر مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میری چوائس پر بھروسہ کر رہی ہو تو وہی بھروسہ مجھ پر بھی کرو۔ ان شاء اللہ سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق ہوگا۔" نورین نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی تھی۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی اس کے چہرے پر پھیلی استہزائیہ مسکراہٹ نورین نہ دیکھ پائی تھیں۔ انہیں شاپنگ پر جانے کی جلدی تھی وہ شانزے کو پکار رہی تھیں کہ وہ ایک شاپر میں اپنا وہ سوٹ بھی ڈال لے جس کے ساتھ کا میچنگ جوتا اور میچنگ جیولری خریدنی تھی۔ عائزہ چپ چاپ اٹھ کر وہاں سے چل دی۔ اگلے چند دنوں میں اس کی پھوپھیاں بھی بال بچوں سمیت آن پہنچی تھیں برسوں بعد یوں سب اکٹھے ہوئے تھے گھر میں عجیب رونق اور ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ عائزہ کو بھی اپنے چہرے کی بے زاری چھپا کر زبردستی بشاشت طاری کرنی پڑی تھی وہ اپنی ذات کا ہرگز کوئی تماشا نہ لگوانا چاہتی تھی ہاں رات کو جب سونے کے لیے لیٹتی تو بے آواز آنسوؤں سے اس کا تکیہ بھیگتا رہتا جانے کیوں اس کے دل نے اب تک ڈاکٹر شہریار کو ہمایوں احمد کی جگہ نہ دی تھی۔ کبھی کبھی اسے خود پر ہنسی بھی آتی کتنی نادان تھی وہ بچپن کی محبت کو جوانی کا سپنا بھی بنا لیا تھا کاش وہ بھی ہمایوں کی طرح پریکٹیکل ہوتی بچپن اور لڑکپن کی یادوں کو فراموش کر کے حال میں زندگی گزارتی اور ہمایوں اور اس کے مابین بچپن میں کون سے عہد و پیمان ہوئے تھے۔ پھر کیوں وہ اس کے پیچھے اتنی دیوانی ہو گئی اسے خود پر غصہ آتا، ہنسی آتی، ترس آتا اور آخر میں ڈھیروں ڈھیر رونا آجاتا، لیکن آج شاید اس نے آخری بار ہمایوں کے لیے آنسو بہائے تھے کل اس کے جذبے کسی اور شخص کی امانت بن جانے تھے کاش وہ اپنے دل کو اس شخص کے نام پر دھڑکنا سکھا دے وہ یہی دعا کرتے سوئی تھی رات کو بہت عجیب و غریب خواب دیکھا۔ صبح اٹھنے پر بھی وہ خواب اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اسے یاد تھا۔ بڑی نانی، نانا جی اور نانی جان تینوں بہت مطمئن اور خوش و خرم اکٹھے بیٹھے دکھائی دیے۔ پھر اچانک ان کے درمیان ہمایوں بھی آن بیٹھا تھا ہاں وہ

ہمایوں ہی تھا وہی تاڑ سا لمبا قد، کھڑی ناک، کشادہ پیشانی، لیکن وہ لڑکپن والا ہمایوں نہ لگ رہا تھا وہ بھرپور جوان تھا اس کی بڑھی ہوئی شیو اس کے چہرے پر کتنی بھلی لگ رہی تھی۔ نانا جی نے عائزہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہمایوں کے قریب بٹھایا تھا۔ نانی جان نے اس کا ہاتھ ہمایوں کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر بڑی اور چھوٹی نانی نے باری باری دونوں کی پیشانی چومی اس کی آنکھ کھلی تو اسے لگا نانی کے ہونٹوں کا لمس اب بھی اس کی پیشانی پر موجود ہے۔

خواب یاد کر کے وہ ٹھنڈے پسینے میں نہا گئی تھی اب جب اس کی زندگی میں ہمایوں کا کوئی گزر نہ تھا پھر وہ کیوں اس کے خوابوں میں آکر اسے اپنے وجود کا احساس دلوا رہا تھا۔ پھر اسے خود پر نئے سرے سے غصہ آیا وہ کیوں اس کی سوچوں سے پیچھا نہیں چھڑوا رہی۔ یہی خیالات ایسے خوابوں کا باعث بن رہے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر دوبارہ سونے کی کوشش کی اور آخر اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی، مگر صبح اٹھ کر بھی یہی خواب حواسوں پر چھایا رہا پھر وہ شام بھی آگئی جب عائزہ عثمان کی شناخت بدل جانی تھی ایک اجنبی شخص اب اس کی ذات کا حوالہ بننے جا رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر اس کے تمام تر احساسات پر جیسے برف سی چھا گئی تھی۔ بڑی پھوپھو کی صائمہ ماہر بیوٹیشن تھی اس نے بہت مہارت سے عائزہ کا میک اپ کیا تھا وہ تو پہلے ہی بہت خوب صورت تھی سلیقے سے کیے گئے میک اپ سے حسن دو آتشہ ہو گیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر ابھی تک اس کے سسرالیوں کا کچھ اتا پتا نہ تھا بلکہ آخری بار جب ڈاکٹر شہریار ابا وغیرہ سے ملنے آئے تھے اس کے بعد ان کے گھر سے کوئی یہاں نہ آیا تھا کم از کم عائزہ کی موجودگی میں تو نہیں۔ وہ اسپتال ہوتی اور دن میں کوئی آتا تو اسے اس کا علم نہ تھا اور نہ ہی وہ جاننے کی خواہش مند ہوتی لیکن آج بھی ان کی آمد کا کوئی غلغلہ نہ اٹھا تھا۔ وہ شانزے سے پوچھے بنا نہ رہ پائی "دولہا والے اب تک نہیں آئے کیا؟"

"دولہا بھائی اور ان کے ایک چچا آگئے ہیں۔" اس نے اطمینان سے آگاہ کیا۔

"بس؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"ابھی تو صرف نکاح ہے آپی جب آپ کو رخصت کروانے کے لیے آئیں گے تو پوری بارات لے آئیں گے۔" شانزے نے مسکرا کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ بری طرح چڑ گئی تھی۔ جانے ڈاکٹر شہریار کے باقی گھر والے ان کے والدین، بہن بھائی کیوں تقریب میں شریک نہ تھے ورنہ پہلے جب وہ رشتے کی بات کرنے آئے تھے تو پورا خاندان ہر دوسرے دن پہنچ جاتا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی طرف سے اتنی لاتعلقی کیوں اختیار کر لی گئی ہے کیا ڈاکٹر شہریار کا اپنے گھر والوں سے کوئی پھڈا وغیرہ تو نہیں ہو گیا اس روز بھی وہ ساری رات جانے ابا سے کیا مذاکرات کرتا رہا تھا ابا اس سے کیسی یقین دہانیاں چاہ رہے تھے وہ باتیں جو بہت پہلے سوچنے کی تھیں جانے کیوں آج اس کے دماغ پر یلغار کر رہی تھیں اتنے میں ہی بڑے پھوپھا اور چھوٹے پھوپھا نکاح کا رجسٹر اٹھائے اس سے ایجاب و قبول کروانے آن پہنچے تھے۔ نورین اس کے قریب آگئی تھیں۔ پھوپھا نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی رضامندی چاہی تھی، مگر جو طویل فقرہ ان کے لبوں سے برآمد ہوا تھا عائزہ کو لگا اس کی سماعتوں کو دھوکا ہوا ہے۔

"ہاں بیٹا بتاؤ تمہیں ہمایوں احمد ولد معید احمد بعوض حق مہر..." پھوپھا دوبارہ بول رہے تھے اور وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ نورین نے پیار سے اس کا ہاتھ دبایا گویا اسے ہاں کرنے کا کہہ رہی ہوں اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا، نورین نے مسکراتے ہوئے دھیرے سے گردن ہلائی اور پھر اس نے بھی اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے دھیرے سے ہاں کہہ دی تھی۔ تین بار ہاں سن کر پھوپھا نکاح کے رجسٹر سنبھالتے ہوئے مردانے میں چلے گئے تھے۔

"یہ سب کیسے ہوا امی۔" وہ روتے ہوئے نورین سے لپٹ گئی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا مجھ پر اعتبار کرو۔" انہوں نے

پیار سے اس کی پیشانی چومی۔
"مجھے لگ رہا ہے یہ کوئی خواب ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔
"یہ صرف ایک سرپرائز ہے اس سرپرائز کو میں اتنا طول نہیں دینا چاہ رہی تھی۔ کچھ دن پہلے جب ہمایوں ہم سے ملنے آیا تھا تب میں تمہاری اس سے ملاقات کروانا چاہ رہی تھی تم نے انکار کردیا پھر ہمایوں نے کہا کہ اس شرارت کو ذرا اور لمبا کھینچ لیتے ہیں۔" نورین نے مسکرا کر بتایا۔
"جی آپی آپ نے اتنی دور سے آئے تھکے ہارے بیمار شخص کو ایک ٹیبلٹ تک نہیں دی آپ کے کٹھور پن کی کچھ سزا تو ملنی چاہیے تھی آپ کو۔" شانزے بھی چہکی تھی۔
"مگر یہ سب کیوں اور کیسے..." اس سے جملہ مکمل نہ ہوسکا وہ اب تک شدید بے یقینی کے عالم میں تھی۔
"دماغ پر زیادہ زور نہ دیں اسٹوری زیادہ پیچیدہ نہیں یہ سب ہمایوں بھائی کی چچی کے زرخیز ذہن کی کارستانی تھی انہوں نے دونوں فریقین کو ایک دوسرے سے بدگمان کرنے کی کوشش کی ابا وہاں گئے تو انہیں بتایا کہ ہمایوں بھائی کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں ابا بجائے ہمایوں بھائی سے رابطے کے لیے ان کا کوئی فون نمبر لیتے یہ کہہ کر اپنا نمبر دے آئے کہ ہمایوں آئے تو اس سے کہیں کہ وہ اس نمبر پر رابطہ کرے ہمایوں بھائی کو اس کے برعکس یہ پیغام دیا گیا کہ ابا نسبت ختم کرنے کا اعلان کرگئے ہیں۔ بے چارے ہمایوں بھائی پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ کچھ عرصے بعد جب آپ اور امی وہاں پہنچے تو آپ لوگوں کو بھی ہمایوں بھائی کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن بھلا ہو آپ کی ایک کزن کا جنہوں نے امی کو اشاروں کنایوں میں بہت کچھ بتایا اور ساتھ ہی ہمایوں بھائی کا فون نمبر بھی دے دیا امی نے انہیں فون کرکے بلایا بس جب ہمایوں بھائی امی ابا سے ملے تو سب کچھ کلیئر ہوگیا نہ صرف کلیئر ہوا بلکہ ابا کو ہمایوں بھائی اتنے پسند آئے کہ انہوں نے ہمایوں بھائی کی نکاح کی درخواست کو فوراً" شرف قبولیت بھی بخش دی۔ یہ تھی ساری اسٹوری مجھ آپی۔" شانزے نے شوخی سے مسکراتے ہوئے بتایا۔ عائزہ کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکان بکھر گئی تھی اور باہر ابا کے پاس ہمایوں کے چچا آصف احمد کھڑے تھے۔
"میں بہت شرمندہ ہوں عثمان بھائی میرے گھر والوں کی وجہ سے آپ لوگوں کو اتنی ذہنی اذیت سہنی پڑی۔" وہ ابا سے مخاطب تھے۔
"تم بار بار معذرت کرکے مجھے شرمندہ مت کرو آصف۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ شکر ہے انجام بخیر ہوگیا۔" ابا مسکرائے تھے۔
"یہ آپ کی اعلا ظرفی ہے عثمان بھائی ورنہ میں اپنے ضمیر کے آگے خود شرمسار ہوں۔ ہمایوں میرے مرحوم بھائی کی آخری نشانی ہے خدا گواہ ہے کہ مجھے اپنی اولاد کی طرح ہی عزیز ہے۔ اماں نے بھی مرتے وقت مجھ سے آخری بار ٹیلی فون پر یہی بات کی تھی کہ ان کے بعد ہمایوں کا خیال رکھوں اور میں روزگار کے چکر میں دیار غیر ایسا مصروف رہا کہ کبھی جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ میرے پیچھے میرے گھر میں ہمایوں سے کیسا سلوک ہوتا ہے میں اپنی دانست میں ہمایوں کی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لیے خطیر رقم بھجواتا تھا اور مطمئن ہوجاتا تھا کہ میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ ہمایوں میرا خوددار بھتیجا جو اپنی دادی کے علاج معالجے کے لیے بلا جھجک فون کرکے مجھ سے پیسے منگوالیتا تھا۔ اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے مجھ سے ایک روپیہ تک نہ مانگا۔ میں سمجھتا رہا کہ میری بیوی ہمایوں کا خرچہ ایمان داری سے اسے سونپ دیتی ہوگی۔ ہمایوں کی تعلیمی کامیابیاں مجھ تک پہنچتیں تو میں مزید خوش اور مطمئن ہوجاتا۔ مجھے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ ہمایوں اسکالرشپ اور ٹیوشنز کے سہارے اپنا تعلیمی کیریر آگے بڑھا رہا ہے۔
میری بیوی امانت دار کو امانت پہنچاتے میں ناکام ثابت ہوئی تھی۔ ہمایوں نے کبھی اس بارے میں مجھ سے ایک لفظ نہ کہا۔ بھرپور جدوجہد کے بعد جب ہمایوں منزل پر پہنچ گیا۔ تب میری بیوی نے اس کی اگلی منزل کھوٹی کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اسے میرے لائق فائق بھتیجے کو داماد بنانا تھا۔ حالانکہ میری بیوی اور بھابھی دونوں بہنیں، بہت عرصے پہلے بچوں کے رشتے آپس میں جوڑ چکی تھیں۔ میری دونوں بیٹیوں کو بھابھی نے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے مانگ لیا تھا۔ نوشین اور عادل کی شادی تک سب ٹھیک تھا۔ لیکن پھر میری بیوی کو بہن اور اس کے بیٹوں میں سو عیب نظر آنا شروع ہوگئے۔ رہی سہی کسر باسط کی آوارہ گردی نے پوری کردی۔ غلط دوستوں کی صحبت نے اسے بگاڑ دیا۔ میری بیوی افشین اور باسط کا رشتہ توڑ کر افشین اور ہمایوں کی شادی کا خواب دیکھنے لگی۔ اس نے ہمایوں کو آپ لوگوں سے بدظن کرنے کی کوشش کی تو آپ لوگوں کو اس کے متعلق بدگمان کیا گیا۔ لیکن بھلا ہو افشین کا جس نے نورین بھابھی کو اپنی ماں کی سازش کے بارے میں بتایا اور مجھے بھی اس نے فون پر ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ میرا تو سر ہی شرم سے جھک گیا۔
عثمان بھائی اگر آپ کو آپ کی زندگی کا ساتھی بے وقوف سمجھتے ہوئے اپنی چالاکیوں سے بے خبر رکھے تو اس سے زیادہ اذیت ناک احساس اور کوئی نہیں ہوتا۔ میں آپ لوگوں کے سامنے بھی شرمسار ہوا اور اپنے مرحوم بھائی کی روح کے آگے بھی، بلکہ شاید سب سے زیادہ اماں مرحومہ کے سامنے، کیونکہ ہمایوں ان کے جگر کا ٹکڑا تھا۔ بہت چاہتی تھیں وہ اسے۔" آصف احمد کی آواز بھر آئی تھی۔ ان کا واقعی شرمندگی سے برا حال تھا۔
"تم بلاوجہ اپنے آپ کو قصوروار گردان رہے ہو آصف۔" عثمان نے لمبی سانس کھینچی تھی۔
"تم سمندر پار بیٹھے تھے، اپنی طرف سے ہمایوں کی خبرگیری بھی کی، میرا قصور زیادہ بڑا ہے۔ ماموں، ممانی کے انتقال کے بعد میں نے پلٹ کر وہاں کی خبر نہ لی۔ میں سوچتا تھا بچوں کے بڑے ہونے کے بعد ان کے رشتے کو باضابطہ شکل دے دی جائے گی۔ لیکن مجھے ہمایوں کے معروفی حالات کا کسی قدر اندازہ تو تھا، مجھے اسے اپنی شفقت کے سائے میں رکھنا چاہیے تھا۔ اس سے مستقل رابطہ رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن شاید بیٹی کا باپ ہونے کی جھجک آڑے آجاتی تھی اور میں نے سب کچھ مناسب وقت کے انتظار پر اٹھا رکھا، میں یہ بھول گیا کہ رابطے نہ رکھے جائیں تو قریبی رشتوں میں بھی فاصلے بڑھ جاتے ہیں اور ہمایوں کے ساتھ تو قریبی رشتہ استوار ہونا باقی تھا۔ وہ میری بیٹی کا مستقبل تھا۔ مجھے اس کے حال سے باخبر رہنا چاہیے تھا میرا قصور زیادہ بڑا ہے آصف۔" عثمان نے انہیں شرمندگی کے اثر سے نکالتے ہوئے سارا الزام اپنے سر لیا۔
"اور سچی بات تو یہ ہے آصف کہ اگر غلط فہمیاں تمہارے گھر والوں کی طرف سے پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں تو اس کا ازالہ بھی تو تمہارے گھر سے ہی ہوا۔ اللہ خوش رکھے تمہاری بیٹی کو۔ اس نے میری بیٹی کے دل کو اجڑنے سے بچالیا۔" عثمان ممنون ہوتے ہوئے بولے۔ آصف مسکرائے تھے۔
"افشین واقعی میری بہت سمجھ دار بچی ثابت ہوئی ہے۔ انشاء اللہ اسی مہینے کے آخر میں۔ میں اس کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں گا۔ اس کی ماں اور بہن کی طرف سے تو سخت مزاحمت ہے۔ لیکن میں نے کہہ دیا کہ مجھے بار بار چھٹی ملنا مشکل ہے۔ میں اسی چکر میں بیٹی کو وداع کرکے جاؤں گا اور سچی بات تو یہ ہے۔ عثمان بھائی کہ مجھے اپنی بچی کے دل کی خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک عرصے سے وہ اپنے نام کے ساتھ باسط کا نام سنتی آرہی ہے۔ اس کی ماں باسط کی ماضی کی سرگرمیوں کو بنیاد بنا کر یہ رشتہ توڑنا چاہتی ہے۔ مگر الحمد للہ باسط بالکل بدل چکا ہے۔ اس کا رجحان دین کی طرف ہوگیا ہے۔ واصف بھائی نے اسے جنرل اسٹور بھی کروادیا ہے۔ پیسے کی ریل پیل نہ سہی، مگر معقول آمدنی ہے میرے لیے مادی آسائشات سے زیادہ بچوں کے دل کی خوشی اہم ہے۔" آصف اور عثمان دھیرے دھیرے دل کی باتیں ایک دوسرے کر رہے تھے اور کچھ فاصلے پر ہمایوں، نورین کی منت کر رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی سے چند دل کی باتیں کرنی

تھیں۔ اس کے لیے اسے نورین کی اجازت درکار تھی۔

"میری بیٹی ابھی تمہارے سرپرائز کے شاک سے ہی نہیں نکلی ہے، تمہیں روبرو پاکر مزید بوکھلا جائے گی۔" انہوں نے شرارت سے داماد کو چھیڑا۔

"میں اس کا وہی بوکھلایا ہوا روپ ہی تو دیکھنے کا خواہشمند ہوں آنٹی۔" ہمایوں سر کھجاتے ہوئے مسکرایا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" نورین نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

"کوئی بہت دور سے تم سے ملنے آیا ہے عائزہ۔" انہوں نے کمرے کا دروازہ کھول کر عائزہ کو مخاطب کیا۔ وہ بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی ابھی کچھ دیر پہلے کمرے میں اس کی پھوپھیاں اور ان کے بچے موجود تھے، لیکن اب سب کھانا کھانے کے لیے جاچکے تھے۔ کھانے کا انتظام لان میں کیا گیا تھا کیٹرنگ والوں نے چھوٹی سی تقریب کا بھی بہت عمدہ انتظام کیا تھا سب کھانے کے لیے چلے گئے تو وہ پھر سے بے یقین دل کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی کہ یہ سب خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے نورین کی آمد پر وہ خیالوں سے چونکی تھی، مگر نورین کے عقب میں کھڑی شخصیت کو دیکھ کر اس کے اوسان ہی خطا ہوگئے۔ اتنے برسوں بعد بھی وہ اسے پہلی نگاہ میں ہی پہچان گئی تھی حالانکہ لڑکپن سے جوانی تک کے سفر میں اس کی شخصیت میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی تھیں، لیکن اسے سیکنڈ کے لیے بھی اس کے بارے میں کوئی مغالطہ نہ ہوا تھا وہ بے ساختہ نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"دس منٹ ہیں صاحبزادے تمہارے پاس پھر اس کی پھوپھو وغیرہ کھانا کھا کر یہاں آجائیں گی۔" نورین کہتی ہوئی چلی گئیں ہمایوں نے کمرے میں آکر دروازہ بند کیا پھر بیڈ پر بیٹھی اس کامنی سی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے جملہ حقوق وہ کچھ دیر پہلے ہی اپنے نام کروا چکا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" گمبھیر مردانہ آواز عائزہ کے کانوں میں پڑی۔ اس کا سر مزید جھک گیا اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ہمایوں سے پہلا سامنا اس کو اتنی شرم، جھجک اور گھبراہٹ میں مبتلا کردے گا ابھی تو وہ خود کو یہ یقین دلانے میں مصروف تھی کہ اس کے بچپن کا دوست واقعی اس کی زندگی کا ساتھی بن چکا ہے وہ اس کا سامنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔

"ہم ایک ہوگئے ہیں عائزہ یقین کرلو اب۔" ہمایوں اس کے دل کی حالت سے باخبر تھا۔

"یہ سب مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی اگر مجھے نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا تو۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر شکوہ کر ہی ڈالا مگر ہمایوں کی متبسم نگاہیں خود پر مرکوز پاکر نگاہیں پھر جھکا گئی تھی۔

"شاید واقعی سرپرائز زیادہ ہی طویل ہوگیا تھا سوری فار دیٹ۔" ہمایوں نے فراخدلی سے تسلیم کرتے ہوئے معذرت بھی کرڈالی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ خفیف ہوگئی۔

"کہنے سننے کو تو بہت سی باتیں ہیں مسز۔ بیتے برسوں کا حال بھی ایک دوسرے کو سنانا ہے اور حال دل بھی لیکن تمہاری امی صرف دس منٹ کی مہلت دے کر گئی ہیں۔" ہمایوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ عائزہ نے پھر اس پر ایک نگاہ ڈالی۔ اسے اپنا گزشتہ رات والا خواب ایک دم یاد آیا تھا۔ وہ وہی تھا ہو بہو وہی۔ عائزہ کو اب پتا چلا کہ وہ اسے دیکھ کر کیوں نہیں چونکی تو کیا وہ سچا خواب تھا۔ ناناجی اور نانی جان ان کے ملن کو جانتے تھے وہ اسی لیے اتنے خوش تھے۔ عائزہ کی آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکی تھی۔

"تمہیں پتا ہے ہمایوں میں نے کل رات تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔" اچانک ساری شرم اڑنچھو ہوگئی تھی وہ اب اس کا بچپن کا دوست تھا جس کو وہ اپنا رات والا خواب سنا رہی تھی۔ ہمایوں مسکراتے لبوں کے ساتھ اسے سن رہا تھا بچوں والی معصومیت کے ساتھ وہ اسے اپنے خواب کی جزئیات سنا رہی تھی۔

"بس، تمہاری شیو بڑھی ہوئی تھی ورنہ تم ہو بہو ایسے ہی تھے۔" اس نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں رات کو تو میری شیو بڑھی ہوئی تھی۔ شیو میں نے صبح ہی بنائی ہے۔" ہمایوں مسکرایا تھا۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔" اسے لگا ہمایوں نے مذاق اڑایا ہے جب ہی اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

"یقین تو تم نے میرا نہیں کیا تھا عائزہ بی بی۔ چھوٹی چچی نے افشین کی کسی دوست کی دلہن بنی تصویر دکھا کر کہا کہ یہ ہمایوں کی منگیتر ہے اور تم یقین کرکے واپس پلٹ آئیں۔ اگر دلہن کے پہلو میں مجھے بیٹھا دیکھتیں تب تو شک و شبہ کی گنجائش نکلتی بھی تھی۔ حد ہوتی ہے یار۔" اس نے اسے بے تکلفی سے ڈپٹا تھا۔

"پھر کیا کرتی اپنی سی تو کوشش کرلی تھی تمہیں ڈھونڈنے کی۔ کم از کم مجھے اس بات کا کریڈٹ تو دو کہ میں نے اپنے رشتے کو بچانے کی ایک کوشش کی اور میری اسی کوشش کی وجہ سے ہمارا ملنا ممکن ہوا ہے۔" عائزہ نے اسے جتایا۔

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔" ہمایوں نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"کتنی عجیب بات ہے نا کہ ہم جو ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی نہ تھے حالات نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے ناقابل رسائی بنادیا وہ عائزہ جو ہر چھٹیوں میں اپنے نانا نانی کے گھر ٹیک پڑتی تھی مجھ سے منسوب ہوئی تو میں اس کی شکل دیکھنے کو ترس گیا بلکہ کبھی کبھی تو میں تمہیں سوچنے لگتا تو مجھے تمہارے نین نقش بھی بھولنے لگتے لیکن میری سوچوں تک میں تمہارے سوا کسی کا گزر نہ تھا عائزہ۔" ہمایوں بول رہا تھا اور عائزہ بہت محویت سے اسے سنے جارہی تھی۔

"تمہارا ایف ایس سی کا رزلٹ میں نے نیٹ پر سرچ کیا تھا تمہارے اتنے اچھے نمبروں کی خوشی شاید تم سے زیادہ مجھے ہوئی تھی مجھے تمہارے ناناجی کی خواہش کا علم تھا وہ تمہیں ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے اور میں جانتا تھا کہ تم نے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہی جان توڑ محنت کی ہوگی میڈیکل کالجز کی میرٹ لسٹیں چھاننے کے بعد مجھے تمہارا نام مل گیا تھا۔ میرا انجینئرنگ میں داخلہ ہوچکا تھا لیکن مجھے مستقبل کی ڈاکٹر عائزہ کے قابل بننے کے لیے بہت محنت کرنی تھی۔ دادو کے انتقال کے بعد بڑی اور چھوٹی چچی کی نگاہوں میں میرا وجود بری طرح کھٹکنے لگا تھا۔ وہ اپنے شوہروں کی کمائی کا ایک روپیہ بھی میری ذات پر خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں میں نے جس طرح اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا یہ میں جانتا ہوں یا میرا خدا میں ہر کسی کے سامنے ماضی کا رونا رونا بھی نہیں ہوں عائزہ۔ اچھا یا برا جیسا بھی وقت تھا گزر گیا۔ میری دادو کی دعائیں رنگ لائیں اور میرے اللہ نے میری محنت کو بے ثمر نہ ہونے دیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ہی تعلیمی قابلیت کی بنا پر اچھی نوکری بھی مل گئی لیکن ابھی بھی مجھے ڈاکٹر عائزہ کے قابل بننے کے لیے بہت کچھ کرنا تھا۔ میں بالکل بے سروسامانی کے عالم میں لاہور گیا تھا یقین کرو عائزہ میری پہلی تنخواہ تو ڈھنگ کے جوڑے اور جوتے خریدنے میں ہی خرچ ہوگئی تھی۔ میری سیلری میں پروبیشن پیریڈ گزرنے کے بعد خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا اب مجھے اپنے اور تمہارے لیے چھوٹا سا گھر خریدنا تھا جو بہت عالیشان نہیں مگر اپنا ہو۔ میں جب عثمان انکل کے پاس تمہارا ہاتھ مانگنے آتا تو فخر کے ساتھ سر اٹھا کر آنا چاہتا تھا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ بزرگوں کو دی گئی زبان کے احترام میں میری تمہاری شادی کردیں جبکہ ان کا دل مطمئن نہ ہو اور جب میں نے تنکا تنکا جوڑ کر اپنا آشیانہ بنایا تو میرے حساب سے تمہاری تعلیم بھی مکمل ہی ہونے والی تھی اب وقت آگیا تھا کہ میں تمہارے شہر میں آکر تمہاری اور عثمان انکل کی تلاش مہم کا آغاز کروں۔

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ مجھے اپنے سسرال کا ایڈریس تک معلوم نہ تھا جبکہ میری نسبت طے ہوئے برسوں بیت چکے تھے۔

"تم کیسے ڈھونڈتے ہمیں۔" عائزہ نے اس کی بات کے دوران ہی تجسس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"گلی گلی تمہارے نام کی صدائیں بلند کرتا۔ اور کیا کرتا تھا مجھے۔" ہمایوں نے اسے شرارت سے چھیڑا تھا۔ وہ کچھ خفا سی ہوگئی۔

"تمہاری تلاش میں فیس بک پر درجن بھر ڈاکٹر عائزائیں میرے گلے پڑ گئی تھیں اتنے برسوں تمہیں تلاشنے کے علاوہ میں نے کیا ہی کیا ہے مسز۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میں فیس بک پر نہیں ہوتی۔" اس نے خفگی سے جتایا۔

"جانتا ہوں۔" ہمایوں نے اس پر محبت بھری نگاہ ڈالی۔

"تمہارا ایڈمیشن اپنے ہی شہر کے میڈیکل کالج میں با آسانی ہوگیا تھا مجھے اس حقیقت کا تو علم تھا نا۔ اور کچھ نہیں تو تمہارے میڈیکل کالج جاکر تمہارا نام پتا ڈھونڈتے ڈھونڈتے تم تک پہنچ ہی سکتا تھا اور خیر شہر آکر عثمان انکل کو تلاش کرنا بھی ناممکن کام نہیں تھا لیکن اس سے پہلے میں اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا مجھے خبر دی گئی کہ عثمان انکل اوکاڑہ آکر تمہاری میری نسبت توڑنے کا اعلان کرگئے ہیں۔"

"تم نے یقین کرلیا؟" عائزہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"سچ کہوں تو عائزہ میں ٹوٹلی کنفیوژڈ تھا۔ اتنے عرصے عثمان انکل نے مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا کبھی کبھی تو میں سوچتا تھا کہ کیا یہ میری بے وقوفی تو نہیں کہ میں نے بچپن کی طے کی ہوئی نسبت کو زیادہ سنجیدگی سے اپنے دل و دماغ پر سوار کرلیا۔ عثمان انکل یہ بات فراموش کرچکے ہوں۔"

"ابا کا حافظہ اتنا کمزور نہیں تھا۔ وہ تم سے ملنے گئے تھے لیکن انہیں بھی تمہارے متعلق غلط معلومات فراہم کی گئیں۔"

"چلو چھوڑو یار۔ بہت کچھ غلط ہوتے ہوتے سب کچھ صحیح ہوگیا نا۔ اور سارا کریڈٹ نورین آنٹی کو جاتا ہے۔ تم بچپن میں کیسے بھاگ بھاگ کر اپنے نانا جی کے گھر جاتی تھیں میں تو سوچتا تمہاری اسٹیپ مدر روایتی سوتیلی ماؤں جیسی ہوں گی۔ وہ تو بہت نائس خاتون ہیں۔ ہمارا تمہارا ملن صرف ان کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔" ہمایوں نے فراخدلی سے تسلیم کیا تھا۔ عائزہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلادی۔

"لیکن ایک مسئلہ ہوگیا ہے عائزہ۔" اس نے لہجے کو گمبھیر بنایا عائزہ نے پریشان ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

"میں تو صرف نکاح کے ارادے سے آیا تھا۔ رخصتی تمہارے ہاؤس جاب ہونے کے بعد طے پائی تھی لیکن تمہارا یہ روپ دیکھنے کے بعد میں اکیلا واپس کیسے جاپاؤں گا۔ رخصتی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ہاؤس جاب وہاں لاہور میں کسی اچھے سے اسپتال میں کرلینا۔" ہمایوں نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"لیکن ہمایوں۔۔۔" وہ اس کی بات سن کر بوکھلا ہی تو گئی تھی مگر جب اس کی آنکھوں میں چھپی شرارت نظر آئی تو جھینپ کر سر جھکا گئی۔

"تمہیں پتا ہے عائزہ میں لاہور جانے کے ساتھ ہی پہلی فرصت میں کیا کروں گا۔" وہ دوبارہ سنجیدگی سے مخاطب تھا عائزہ نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلادی۔ "میں جانے کے ساتھ ہی ایک کیلنڈر خریدوں گا۔" ہمایوں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

"وہ کیوں؟" عائزہ حیرت سے پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

"تمہاری ہاؤس جاب مکمل ہونے کے دن گنا کروں گا نا یار۔" وہ متبسم لہجے میں بولا تھا۔ عائزہ کو ہنسی آگئی۔

"دن بعد میں گن لیجیے گا پہلے گھڑی پر نگاہ ڈالیں آپ کو دس منٹ کی مہلت دی گئی تھی اور دس منٹ گزرے بھی دس منٹ ہوچکے ہیں۔" عائزہ نے وال کلاک کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"چلتا ہوں۔" ہمایوں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی پھر جانے کو مڑا۔ عائزہ اس کی پشت کو تک رہی تھی کہ وہ یکدم پلٹا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پر عائزہ گڑبڑا گئی۔

"آئی لو یو کہنا بھول گیا تھا۔" اس نے معصومیت سے رکنے کی وجہ بتائی۔

"کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں پلیز اب جائیں۔" عائزہ بوکھلا گئی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ عائزہ کے لبوں پہ دھر مسکان بکھر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سب مہمان رخصت ہوچکے تھے۔ آج کی تقریب نے انہیں خاصا تھکا دیا تھا۔ وہ سونا چاہتی تھیں مگر پتا تھا کہ عثمان کو اس وقت چائے کی طلب ہو رہی ہوگی سو ان کے لیے چائے بنائی تو ایک کپ چائے اپنے لیے بھی بنالی۔ ٹرے میں دو کپ سجا کر وہ بیڈ روم میں آئی تھیں۔

"آپ کی چائے۔" انہوں نے عثمان کو کپ تھمایا۔ عثمان نے محبت بھری نگاہ اپنی مزاج آشنا بیوی پر ڈالی۔

"میں تمہارا مشکور ہوں نورین۔ عائزہ اور ہمایوں کا ملاپ صرف تمہاری وجہ سے ممکن ہوا۔ شکر ہے دونوں بچوں کے دل کی خوشی پوری ہوئی۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں بیوی کو مخاطب کیا۔

"میں یہ نہیں کہوں گی عثمان کہ یہ میرا فرض تھا۔" نورین ہولے سے مسکرائی عثمان نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا تھا۔ نورین بات کرنے کے بعد جیسے کسی گہری یاد میں کھو گئی تھیں۔

"آپ کو یاد ہے عثمان جب آپ کی اور میری شادی ہوئی تھی تو شروع کے کتنے برس آپ کا میرے ساتھ کیسا رویہ رہا۔" نورین کھوئے کھوئے لہجے میں انہیں کچھ یاد دلا رہی تھیں۔ عثمان شرمندگی کے مارے کچھ بول نہ پائے۔

"آپ کا اکھڑا اکھڑا رویہ مجھے ہر پل اس بات کا احساس دلاتا تھا کہ میرا ساتھ آپ کے لیے محض ایک سمجھوتہ ہے۔ میں تو پہلے ہی محبتوں کی ترسی ہوئی تھی میرے پاؤں کا معمولی سی نقص میرا پیدا کردہ نہ تھا لیکن جانے کیوں اس کے لیے مجھے ہی قصوروار گردانا جاتا تھا مجھے میرے گھر میں کبھی محبت اور اہمیت سے نہ نوازا گیا میں اپنے گھر والوں کے لیے صرف ایک بوجھ تھی میرے لیے پانچ سال کی بچی کے باپ کا رشتہ بھی بخوشی قبول کرلیا گیا۔" نورین دھیرے دھیرے بول رہی تھیں وہ پہلی بار شوہر کے سامنے اپنے دل کی باتیں کررہی تھیں عثمان دم بخود ہوکر انہیں سن رہے تھے۔

"آپ کی یہ دوسری شادی تھی عثمان لیکن میری پہلی شادی تھی آپ اپنی پہلی محبت کے سوگ سے نہ نکلے تھے اور میں آپ سے پہلی نگاہ میں ہی محبت کرنے لگی تھی۔ آپ کی بے رخی مجھے کس ذہنی کرب میں مبتلا کرتی تھی آپ اس کا اندازہ بھی نہیں لگاسکتے۔"

"وہ سب کچھ میں شعوری طور پر نہیں کرتا تھا۔" عثمان شرمندہ ہوتے ہوئے بولے۔

"جانتی ہوں عثمان لیکن قصور تو میرا بھی کوئی نہ تھا۔ میں آپ کے التفات کو ترستی تھی اور آپ مجھے ذرا سی اہمیت تک نہ دیتے تھے۔ میرے آنے سے آپ کے گھر کا انتظام چلنے لگا تھا۔ بس یہ اہمیت تھی میری۔ میں آپ کی تنہائیوں کی رفیق تھی لیکن آپ تنہائی میں بھی اپنی مرحومہ بیوی کو یاد کرکے آنسو بہاتے تھے۔ ان دنوں مجھے مریم سے شدید حسد محسوس ہوتا تھا وہ مرنے کے باوجود آپ کے دل و دماغ پر قابض تھی۔ میں عائزہ کے ساتھ ناروا سلوک تو نہیں کرسکتی تھی کہ مجھے آپ سے ڈر لگتا تھا لیکن مجھے عائزہ کا وجود بھی بوجھ لگتا تھا وہ جب اپنے نانا' نانی کے ہاں جاتی تو مجھے دلی سکون ملتا تھا صرف چند دنوں کے لیے ہی سہی مریم کی نشانی آپ کی نگاہوں سے اوجھل تو ہوئی میرے اطمینان کے لیے یہی بات کافی تھی۔ عائزہ خود مجھ سے چڑتی تھی دور بھاگتی تھی مجھ سے لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس کے آس پاس کے لوگ سوتیلی ماں کے حوالے سے اس کے ذہن میں الٹی سیدھی باتیں بٹھاتے تھے وہ کم عمر اور نادان تھی۔ میرے ساتھ اس کا اکھڑا ہوا رویہ سمجھ میں آنے والی بات تھی لیکن آپ تو میچور تھے سمجھ دار تھے پھر بھی آپ کو میرے جذبات کا خیال کیوں نہ آیا تھا۔ ہم بغیر کسی جذباتی وابستگی کے "حقوق و فرائض" ادا کرنے والے میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارتے چلے آرہے

تھے میں آپ کے دو بچوں کی ماں بننے کے باوجود آپ کے دل میں جگہ نہ بنا پائی تھی مجھے عائزہ کے نانا کی آمد پر ان سے بھی سخت الجھن ہوتی تھی۔ مرحومہ بیوی کے باپ سے مل کر آپ کے زخم ہرے ہو جاتے لیکن پھر آپ کو بھی محسوس ہونے لگا کہ عائزہ کی ان لوگوں سے اتنی وابستگی ٹھیک نہیں۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ آپ اتنی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص ہونے کے باوجود میرے جذبات کیوں نہیں سمجھتے۔ میرے ساتھ آپ کی روز اول والی بے رخی قائم تھی۔ میں کبھی اپنے ماں باپ سے آپ کے رویے کی شکایت کرتی اپنی زندگی کے ادھورے پن کی طرف ان کی توجہ دلاتی تو وہ مجھے جھڑک کر خاموش کروا دیتے۔ میری ماں کہتی تو ناشکری ہے نورین۔ عثمان نے تجھے ہر طرح کا عیش و آرام دیا ہوا ہے۔ اپنی بہنوں کے مقابلے میں تیرے حالات کتنے اچھے ہیں کھانے کو وافر ہے۔ اچھا پہنتی اوڑھتی ہے۔ گھر میں ہر طرح کی آسائش ہے اللہ نے اولاد کی نعمت سے بھی نواز دیا کیوں الٹا سیدھا بول کر کفران نعمت کرتی ہے۔" نورین بھیگے لہجے میں بول رہی تھیں۔ ان کا بھیگا بھیگا لہجہ عثمان کا دل چیر رہا تھا۔ شرمندگی کے احساس سے ان کی گردن جھکتی جارہی تھی مگر وہ خاموشی سے بیوی کو سننے پر مجبور تھے۔

"پھر میں نے سمجھوتہ کرلیا عثمان۔ اپنے منہ سے اپنا حق مانگنا مجھے گوارا نہ تھا۔ عزت نفس تو میں بھی رکھتی تھی نا۔ کبھی کبھار میں خدا سے شکوہ بھی کرتی کہ اس بھری دنیا میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو میرے جذبات و احساسات کو سمجھتا ہو۔ جس کو میرا صبر اور آپ کی خاموش زیادتی نظر آئے۔ مرحومہ بیوی سے آپ کو عشق تھا۔ اسے یاد رکھنا آپ کا حق تھا لیکن میرے بھی تو کچھ حقوق تھے اور پھر آپ کو پتا ہے کہ کسی نے آپ سے میرے ان حقوق کی بات کی۔ میں ششدر رہ گئی تھی عثمان۔ اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو میرے جذبات و احساسات سمجھ سکتا تھا جو آپ کی زندگی میں میری حیثیت کا از سر نو تعین کر رہا تھا۔ شاید آپ کو تو یاد بھی نہ ہو عثمان لیکن میرے لیے بات کرنے والا میرا باپ نہ تھا بلکہ وہ آپ کی مرحوم بیوی کا باپ تھا۔ عائزہ کے نانا جی جن کی آمد پر مجھے چڑ بھی ہوتی تھی اور خوشی بھی۔ چڑ اس لیے کہ وہ مریم کے باپ تھے اور خوشی اس لیے کہ وہ چند دنوں کے لیے عائزہ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

مجھ سے ہمیشہ پیار سے بات کرنے والے اس مہربان بزرگ کا پیار بھرا لہجہ بھی مجھے بناوٹی لگتا تھا لیکن جب وہ میری غیر موجودگی میں میرا مقدمہ لڑ رہے تھے تو میرا سر شرمندگی سے جھکتا چلا گیا اور شاید ان کی باتوں کا اثر تھا کہ آپ کا رویہ میرے ساتھ بدلنے لگا۔ محبت نہ سہی آپ مجھے اہمیت دینے لگے تھے۔ میرے ساتھ مسکرا کر بات کرتے تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے تو مجھے بھی آواز دے کر بلا لیتے۔ میں نیا سوٹ پہنتی تو مجھے نظر بھر کر دیکھتے تعریف کے دو بول بھی بول دیتے۔ آپ بہت اچھے شخص تھے عثمان بس کسی نے اس سے پہلے آپ کی توجہ ہی اس طرف مبذول نہ کروائی تھی۔

عائزہ کا رویہ بھی دن بہ دن مجھ سے بہتر ہوتا گیا اور اس کی بڑی وجہ اس کے نانا نانی کی برین واشنگ تھی ہر بار جب وہ ان کے پاس سے واپس لوٹتی اس کا رویہ پہلے سے بہتر ہوتا تھا۔ بچپن والی بے زاری کی جگہ اب اپنائیت نے لے لی تھی اور میں خود عائزہ سے ماں جیسی خالص محبت کا دعوا نہیں کرتی۔ میری کوکھ سے جنے بچے مجھے عائزہ کی نسبت زیادہ محبوب ہیں لیکن عثمان محبت پر کسی کو اختیار ہو نہ ہو رویوں پر تو انسان کا مکمل اختیار ہے نا۔ محبت کے بجائے اگر ہم کسی سے اپنائیت اور خلوص کا رشتہ جوڑ لیں تو وہ رشتہ بھی تو بہت انمول ہوتا ہے نا وہی رشتہ جو عائزہ کے نانا کے سمجھانے پر آپ نے مجھ سے استوار کیا وہی رشتہ جو میرے اور عائزہ کے درمیان ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید مستحکم ہوا ہے۔ عائزہ کے نانا جی نے میری سوچ کو بہت وسعت عطا کی۔ یقین جانیں مجھے اس دن کے بعد مریم سے کبھی حسد محسوس نہ ہوا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مریم سے آپ کی بے پناہ محبت کی وجہ کیا تھی۔ جن والدین نے اس کی تربیت کی تھی اس کے بعد اسے بہت منفرد اور خاص ہی بننا تھا۔ جب میں نے آپ کی زندگی میں اس کی اہمیت تسلیم کرلی تو میرا دل خود بخود سکون ہو گیا اور پھر حیرت انگیز طور پر مجھے آپ کی توجہ بھی ملنے لگی۔ میں نے محبت کے بجائے توجہ پر قناعت کرلی۔ میں جانتی تھی کہ عائزہ کے نانا جی کے سمجھانے پر آپ نے اپنا رویہ بدلا ہے۔ یہ میری زندگی پر ان کا بڑا احسان تھا جس کو میں نے اپنی زندگی کے کسی پل فراموش نہیں کیا۔

عائزہ اور ہمایوں کے ملاپ کے لیے میں نے جو بھی کوشش کی یوں سمجھیے میں نے اک قرض اتارا ہے جو کئی برسوں سے مجھ پر واجب الادا تھا۔" نورین مسکرائی تھیں جب کہ ان کی آنکھوں کے گوشے نم تھے۔ عثمان کئی لمحوں تک انہیں خاموشی سے دیکھتے رہے۔ ندامت کا احساس دیگر تمام احساسات پر حاوی تھا۔ انہوں نے اپنے دل کو ٹٹولا وہاں اب بھی مریم پورے طمطراق سے موجود تھی لیکن کیا وہ نورین کے بنا رہنے کا تصور کرسکتے تھے۔ انہوں نے ویسے ہی دل میں خود سے سوال کیا تھا۔ جواب پوری شدت کے ساتھ نفی میں ملا تھا۔

انہوں نے اک نگاہ نورین کے چہرے پر ڈالی۔ نورین کی بھیگی پلکیں دیکھ کر ان کا دل بری طرح بے چین ہوا تھا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر نورین کو اپنے قریب کیا تھا۔

"اگر میں تم سے اظہار محبت کروں گا تو تمہیں یقین نہیں آئے گا لیکن یقین کرو نورین تم میری ذات کا لازمی جزو ہو میں تمہارے بنا بالکل ادھورا ہوں۔" انہوں نے دھیمے سے لہجے میں نورین کو یقین دلانا چاہا تھا۔

"آپ میرے عادی ہوگئے ہیں عثمان اور جس چیز کی عادت ہو جائے اس کے بنا رہنا بہت مشکل لگتا ہے جانتی ہوں میں۔" نورین مسکرائی تھیں۔ عثمان انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گئے۔ نورین ان کی محبت کی حق دار تھیں اور وہ ان سے محبت کرنے بھی لگے تھے۔ اس محبت کا ادراک انہیں بہت دیر سے ہوا اور شاید اظہار کرنے میں تو اس سے بھی زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ وہ شدید پشیمانی میں مبتلا تھے۔

"جو ہوا بھول جائیں عثمان۔" نورین ان کی ذہنی کشمکش سے واقف تھیں انہیں دھیرے سے مخاطب کیا۔

"پہلے کے سب قصور معاف لیکن۔۔۔" انہوں نے عثمان کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

"اب۔۔؟" عثمان نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"اب محبت کرنی ہے۔" ایک عمر گزار کر ساری انا بالائے طاق رکھتے ہوئے نورین نے استحقاق بھرے لہجے میں شوہر کو مخاطب کیا۔ "ہاں" انہوں نے لمبی سانس اندر کھینچ کر کہا تھا۔

"اب محبت کرنی ہے۔"
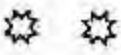
☆ ☆

قرحی نعیم

سفرِ زیست

مقصودہ نے آنکھیں کھول کر لمحے بھر کے لیے باہر سے آتی ہوئی آوازوں کی سمت دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ایک دفعہ پھر بہنے لگے تھے۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا، لیکن چند لمحوں کے بعد پھر اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ اس کے اردگرد اب خاصی عورتیں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ چھوٹا سا گھر تیزی سے آنے والوں سے بھرنے لگا تھا۔ آنے والی خواتین آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کررہی تھیں۔ کچھ معنی خیزی سے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو کچھ کہنے سننے کی کوشش کررہی تھیں۔ چند ایک اپنے ساتھ آنے والے چھوٹے بچوں کو گھرک کر خاموش بیٹھے رہنے پر مجبور کررہی تھیں۔ مقصودہ کے برابر آکر بیٹھنے والی نے اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی، لیکن مقصودہ آنکھیں موندے، سر گھٹنوں پر رکھے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ کیوں اپنی پیاری سہیلی کے راز کھولتی۔ آہستہ آہستہ سب دور و نزدیک کے رشتہ دار آگئے تھے۔ سارا محلّہ بھی جمع ہوگیا تھا۔

"جس جس نے شکل دیکھنی ہے دیکھ لے۔" ایک آواز نے باتوں میں مصروف خواتین کو متوجہ کیا اور عورتیں آواز سنتے ہی ٹولے بنا بنا کر تیزی سے اٹھنے لگیں۔ مقصودہ نے آواز کی سمت دیکھا، یہ بلقیس کی چھوٹی بہو تھی۔

مقصودہ نے دیوار کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی، لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی ٹانگیں جام ہوگئی ہیں۔ قریب کھڑی عورت نے اس کا بازو پکڑا، پھر وہ اسی عورت کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلتی اس جگہ آئی۔ سفید کفن میں لپٹی وہ خود بھی سفید ہوچکی تھی۔ مقصودہ نے اب تک بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا، لیکن اب وہ بری طرح ڈھے گئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اب آئندہ کبھی بھی اس پیاری شکل کو اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے گی۔ ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اردگرد کی عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کررہی تھیں، کسی نے پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ لیکن اسے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی، نہ پانی اور نہ ہی تسلی دلاسے کی اور پھر جانے کا وقت آگیا تھا۔ اس سفید چہرے کو بھی ڈھک دیا گیا تھا۔ عورتیں پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ مردوں نے آکر جنازہ اٹھالیا تھا اور گھر سے باہر لے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

دروازے پر دوسری دفعہ دستک ہوئی تھی۔ وہ روٹیاں پکا رہی تھی۔ تب ہی اس نے گڈو کو آواز لگائی کہ وہ جلدی سے دروازہ کھول دے۔

"کون ہے گڈو۔" دروازہ کھلنے پر اس نے بیٹے سے پوچھا۔

"امی، پھپھو آئی ہے۔" گڈو نے وہیں سے آواز لگائی اور باہر گلی میں دوڑ گیا۔

"کیا کررہی ہو؟ روٹی ڈال رہی ہے۔" آنے والی وہیں آرہی تھی۔

"بلو ادھر ہی آجا۔" اس نے پیڑھی اس کی طرف بڑھائی۔

"اور کیا حال ہے؟ بچے ٹھیک ہیں۔" وہ روٹی توے پر ڈالتی ہوئی بولی۔

"کیا پوچھتی ہے، میرا حال کیا ہونا ہے؟" وہ پرات میں پڑے آٹے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں اب کیا ہوا۔"

"وہی جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ اکبر اور اصغر دونوں اتنے اتھرے ہوگئے ہیں۔ جمیلہ، سلیمہ تو میری بات ہی نہیں سنتیں۔ باپ کیا مرا ہے سارے کے سارے میرے قابو سے باہر ہوگئے۔" جواب میں وہ خاموش ہی رہی کہ یہ سارے حالات تو وہ خود دیکھ رہی تھی۔

"بھائی کب آئے گا؟" بلو پوچھ رہی تھی۔

"عشاء ہی ہوجاتی ہے۔ آتے آتے، کیوں خیر تو ہے نا؟"

"ہاں، بھائی سے کہہ کہ ان دونوں سمجھائیں، اگر کوئی ڈھنگ کا کام ملتا ہو تو وہاں لگوادیں۔ یہاں تو آمدنی بھی ڈھنگ کی نہیں ہے اور پھر جو کماتے ہیں اپنے ہی

الٹے تلّلے میں اڑا دیتے ہیں یا پھر آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں۔" بلو بہت رنجیدہ تھی۔

"ہاں' ہاں تم فکر نہ کرو' چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" مقصودہ نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا اور دونوں باہر آکر صحن میں بیٹھ گئیں' پھر کتنی ہی دیر تک بلو اس کے سامنے اپنے گھر کے دکھڑے روتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"سلیمہ کا رشتہ لائی ہے رشیدن' اپنے بھائی کے لیے' سبزی کا ٹھیلا لگاتا ہے' کہہ رہی تھی خاصا کمالیتا ہے۔ ٹھیلا بھی اپنا ہے۔" بلو مقصودہ کو بتارہی تھی۔

"پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میرا کیا ارادہ ہونا ہے' اگر لڑکا ٹھیک ہے تو ہاں کروں گی۔ اسی سلسلے میں بھائی سے بات کرنی ہے ذرا مل آئے۔ ان دونوں کو بھی ساتھ لے جائے' تاکہ کچھ وہ اپنی ذمہ داری بھی سمجھیں۔ جمیلہ کی بات طے ہوئے بھی سال ہونے کو آرہا ہے۔ سوچ رہی ہوں' اب کے کمیٹی کھلتی ہے تو دونوں کو ساتھ ہی رخصت کردوں۔ ایک ہی ہاتھ میں نبٹادوں۔" بلو کے ماتھے پر لکیریں واضح تھیں۔

"ہاں یہ تو اچھی بات ہے۔"

"اپنی بیگم سے بھی بات کروں گی کہ کچھ ایڈوانس مل جائے۔"

"بس بس زیادہ ایڈوانس نہ مانگنا اور زیادہ خرچ کرنے کی بھی ضرورت نہیں' پھر کہاں اس کی واپسی کے لیے اپنی ہڈیاں گھساتی رہوگی۔ بیمار تو تم ویسے ہی رہتی ہو۔"

"ایک تم ہی ہو جس کو میری اتنی فکر رہتی ہے۔ ورنہ یہاں تو اپنی اولاد بھی صرف روٹیاں توڑنے کے لیے ہے۔" اس کا اشارہ دونوں لڑکوں کی طرف تھا۔

"چلو چھوڑو کیوں ہر وقت اپنے دل کو جلاتی رہتی ہو۔" مقصودہ نے اس کو بہلایا۔

"جب دونوں کی شادی ہوجائے گی تو دونوں کو سمجھ بھی آجائے گی۔ بیوی' بچوں کی ذمہ داری پڑے گی تو سنجیدگی سے کمانے کی فکر بھی ہوجائے گی۔"

"ہاں۔۔۔ یہی سوچتی ہوں ان لڑکیوں کی شادیوں سے فارغ ہوجاؤں تو جلد ہی ان کو بھی گھربار کا کروں گی۔ لیکن ڈھنگ کا کمائیں بھی تو' اب کوئی خالی لڑکے کو تو دیکھ کر اپنی بیٹی بیاہے گا نہیں۔" بلو بے زار تھی۔

"ویسے کوئی لڑکی ہے تمہاری نظر میں۔" مقصودہ اس کے پاس جھکی۔

"ہاں' ہے کیوں نہیں اپنے فیاض چاچا کی بیٹی' پھوپوا کی بیٹی رضو' اور بھی ایک آدھ ہیں میری نگاہ میں' پہلے ان لڑکیوں سے فارغ ہوجاؤں' یہ تو پھر بعد کی کہانی ہے۔" بلو بولی اور پھر دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک بڑے شہر کی پسماندہ بستی تھی۔ جہاں چھوٹے چھوٹے کچے گھر بنے ہوئے تھے۔ ساری ہی آبادی محنت کشوں کی تھی۔ مرد زیادہ تر مزدوری کرتے' پھل' سبزی کی ریڑھی لگاتے یا بالٹی پیپر کا ٹھیلا لیے گلی گلی پھرتے' عورتیں زیادہ تر اس بستی سے متصل پوش علاقے میں برتن' کپڑے' صفائی کا کام کرتیں۔ اپنے بچوں کو بھی ہوش سنبھالتے ہی اپنے ساتھ کام پر لگادیتیں۔ یوں سارا گھر مشقت کرتا تو زندگی کی گاڑی چلتی۔

بلو کا میاں غلام قادر جوڑوں کے درد کا مریض تھا۔ طرہ یہ کہ شہر کی آب و ہوا سے وہ دمہ کا مریض بھی ہوگیا۔ یوں پہلے کام کاج سے گیا اور پانچ سال پہلے زندگی سے بھی گیا۔ دونوں لڑکے جوان تھے' لیکن ساتھ ہی کام چور بھی تھے۔ محنت مزدوری ۔۔۔ کی نہ ۔۔۔ کی تو کوئی غم نہیں۔ ماں تھی نا کھلانے کو' بچے چھوٹے تھے' تب ہی سے وہ میاں کا ہاتھ بٹانے کے لیے بنگلوں پر کام کرتی تھی۔

میاں کی بیماری کے دوران اس نے مزید گھروں کے کام لگالیے' صبح گھر سے نکلتی تو آتے آتے شام ہی ہوجاتی۔ دونوں لڑکیاں گھر اور باپ کو دیکھ لیتیں۔ یوں وہ گھر سے تھوڑا بے فکر تھی۔

اپنی بستی کے برخلاف اس نے اپنی بیٹیوں کو اپنے ساتھ کام پر نہ لگایا تھا' بلکہ ان کو سلائی سکھادی تھی کہ گھر بیٹھے وہ کام کرلیں۔ لیکن بیٹیاں بھی من موجی تھیں۔ دل چاہتا تو سلائی کرتیں' ورنہ کئی کئی دن تک کپڑے پڑے رہتے۔ وہ کتنا ہی ان کو سمجھاتی کہ کم از کم اپنے جہیز کے لیے چار پیسے جمع کرلو' لیکن وہ ماں کی بات سنی ان سنی کردیتیں۔ جس پر وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ بجلی' گیس کا بل' پھر پانی کی ٹنکی ہر ہفتے ڈلوانی' گھر کا راشن' میاں کی دوا دارو اور ان سب سے بچ بچاکر کمیٹی بھرنی اس سب کو پورا کرنے میں وہ اپنی کتنی جان مارتی' اس کے بعد صرف اس کے خدا کو ہی معلوم تھا۔

وہ جب گھر آتی تو ایسا لگتا کہ جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ یہ شکر تھا کہ گھر کے کام کاج دونوں بیٹیاں مل کر کرلیتی تھیں۔ وہ تو آتے ہی پلنگ پر پڑجاتی۔ یا پھر بہت ہوتا تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے پچھلی گلی میں واقع اپنے بھائی کے گھر چلی جاتی' جہاں بھائی کے بجائے بھابھی اس کی غم خوار اور ہمدرد تھی۔ وہ اسی سے اپنا دکھ سکھ کہہ کر اپنے دل کا بوجھ اتار لیتی۔ بلو اور اس کا بھائی یہ دو بہن بھائی اس بستی میں قیام پذیر تھے۔ باقی دیگر بھائی' بہن گاؤں یا دوسرے شہر میں تھے۔ مقصودہ اس کی بھابھی کم' دوست اور بہن زیادہ تھی۔ دونوں میں بڑی محبت اور پیار تھا۔ مقصودہ بھی جو بات کسی سے نہ کرسکتی تھی وہ بلو کو ضرور سناتی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی ہمدم و ہمراز تھیں۔

☼ ☼ ☼

سلیمہ کے لیے جو رشتہ آیا تھا تھوڑی بہت چھان بین کرکے منظور کرلیا گیا تھا۔ اکرم کی ماں' بہنیں ہار پھول لے آئی تھیں اور بلو نے ان کا منہ میٹھا کروایا تھا۔ یوں سلیمہ کی بات پکی ہوگئی تھی۔ چھ ماہ بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ دوسری طرف اس نے جمیلہ کے سسرال جو کہ اس کی اپنے ہی رشتہ کی خالہ کا بیٹا تھا وہاں بھی چھ ماہ بعد کہلوادیا تھا۔ وہ تو انتظار میں ہی بیٹھے تھے۔ یوں تینوں گھروں نے اپنی حیثیت کے مطابق شادی کی تیاری شروع کردی۔

دونوں لڑکیاں بھی شادی کا سن کر مسرور تھیں اور شاید اسی وجہ سے دونوں نے سلائی کرنے پر توجہ کی۔ بلو نے دونوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ میری جتنی جیب اجازت دیتی ہے اتنی جہیز کی تیاری تو میں کروں گی' لیکن جو کچھ تم نے اپنے لیے سوچ رکھا ہے وہ میں تمہاری مدد سے ہی کرسکتی ہوں۔ یوں دونوں نے شاید پہلی مرتبہ اس ہنر کو سنجیدگی سے لیا اور ان چھ ماہ میں خاصی رقم اکٹھی کرلی' جس سے بلو نے ان کی ضروریات کے لیے سامان خریدا اور دونوں کو رخصت کردیا۔

☼ ☼ ☼

جمیلہ' سلیمہ کو بیاہے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے اور ابھی تو وہ لی ہوئی کمیٹی کی قسط ہی بھر رہی تھی کہ بڑے اکبر کی طرف سے شادی کا مطالبہ ہوگیا تھا۔ اس نے بھی صاف کہہ دیا تھا کہ اتنی رقم جمع کرکے میرے ہاتھ پر رکھو تو میں تمہاری شادی کردوں گی اور یہ بات اسے مقصودہ نے ہی سمجھائی تھی کہ بیٹوں کی شادی اسی وقت کرنا جب وہ کمانے کھانے کی پوری ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوجائیں۔ اگر آج تم نے یہ بوجھ اٹھالیا تو پھر ساری زندگی بیٹے' بہو کو پالتی رہنا ساتھ پھر ان کے بچوں کو بھی۔ (کیونکہ اس بستی میں ایسی کئی مثالیں ان کے سامنے تھیں۔) ماں کی یہ بات سن کر اکبر غصہ میں آگیا تھا۔ ویسے بھی وہ مزاج کا تیز تھا۔ ماں' بیٹوں میں خاصی جھڑپ ہوگئی تھی۔

اس پر جلتی پر تیل کا کام چھوٹے اصغر نے کیا تھا وہ بھائی کو اکسا رہا تھا کہ اماں ہماری شادیاں اتنی آسانی سے نہیں کرے گی۔ اس نے بہنوں کی شادی کردی۔ جبکہ وہ ہم دونوں سے چھوٹی ہیں۔ بڑے ہونے کی وجہ سے اصولاً پہلے ہمارا حق تھا۔ لیکن اماں نے ناانصافی سے کام لیا اور اپنا سارا جمع جتھا۔ ان دونوں پر لگاکر اب خالی ہاتھ ہوگئی ہے۔ بلو تو یہ ساری بکواس سن کر اصغر پر چڑھ دوڑی۔ تب کہیں جاکر اصغر کا منہ بند ہوا اور ابھی

اکبر اور بلو کا معاملہ اسی طرح چل رہا تھا کہ ایک دن انہونی ہو گئی۔ اصغر ایک لڑکی کو گھر لے آیا اور ماں کے سامنے کھڑا کر دیا۔

بلو جو صحن میں لگے نلکے کے پاس بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے پہلے۔ آنے والی لڑکی کو دیکھا' پھر اصغر کو دیکھتے ہوئے گردن ہلائی۔

"کون ہے؟"

"نفیسہ نام ہے اس کا۔" اصغر نے دانت نکالے۔

"پر ہے کون؟"

"تیری بہو۔" اصغر نے گویا دھماکا کیا تھا۔ بلو جو کپڑوں پر صابن رگڑ رہی تھی' اس کے ہاتھ سے صابن نیچے گر گیا تھا۔ وہ متحیر سی دونوں کو ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ نلکے سے پانی بہہ رہا تھا اس کو نل بند کرنے کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" بڑی دیر بعد اس کے منہ سے نکلا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں' اب دیکھتی ہی رہو گی یا اپنی بہو کو بٹھاؤ گی بھی۔ میں بازار سے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔" اصغر کہہ رہا تھا۔ تب وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی' نل بند کیا' کپڑے وہیں چھوڑے اور پھر صورت حال سمجھتے ہوئے وہ یکدم ہی غصہ میں آگئی تھی۔

"تمہارا دماغ تو درست ہے' کون ہے یہ۔ کہاں سے لایا ہے' چھوڑ کر آ اسے واپس۔"

"نکاح کر کے لایا ہوں' تمہارے پاس تو ہماری شادی کے لیے رقم نہیں ہے نا۔ بھائی کو بھی تم کب سے ٹال رہی ہو اور مجھے تو نہ جانے کب تک ٹالتیں اسی لیے تمہارا خرچہ بچا لیا۔ تم کو تو خوش ہونا چاہیے بیٹھے بٹھائے بہو مل گئی۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"ارے کیا بھگا کر لایا ہے؟"

"او ہو' اس کے ماں' باپ کی مرضی سے نکاح کر کے لایا ہوں' بے فکر رہو' وہ جو منور مستری تھا نا ہمارے پرانے محلہ کا اسی کی بیٹی ہے۔ بس اب زیادہ انٹرویو نہ کرو اور کھانا گرم کرو میں بازار سے بھی کچھ لے آتا ہوں۔" اصغر نے منہ بنا کر کہا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

بلو حیران نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔

"اب کب تک دروازے کو دیکھو گی اماں' بہو پہلی میں اس گھر کی' اتنی دیر ہو گئی کھڑے کھڑے' میری تو ٹانگیں دکھنے لگیں' کیا اس گھر میں بہو کو بٹھانے کا رواج نہیں۔" نفیسہ کی اکھڑے لہجے میں کہی بات سے وہ چونک کر نفیسہ کو دیکھنے لگی۔ اس کا ذہن تو اب تک سن ہو رہا تھا۔

اس نے خاموشی سے بہو کو اندر کمرے میں لے جا کر کرسی پر بٹھایا اور خود کچن میں گھس گئی۔ دل کی عجیب ہی کیفیت ہو رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اصغر بھی بازار سے بریانی اور کباب لے آیا اور دونوں میاں' بیوی اطمینان سے کھانا کھانے لگے۔ دونوں نے ماں کو کھانے میں شریک ہونے کا کہا' لیکن بلو کی تو بھوک ہی مر گئی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ خالی الذہن — بیٹھی رہی۔ اصغر اگرچہ شروع سے ہٹ دھرم اور بدتمیز تھا' لیکن اسے اس انتہائی قدم کی اس سے امید نہ تھی۔

"یہ کیا' کیا تم نے اصغر' میں اب رشتہ دار' برادری اور ان کم بخت محلے والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔" وہ سر ہاتھوں میں تھامے خود کلامی کر رہی تھی اور ایسے مشکل وقت میں اسے اپنی بیٹیوں سے پہلے مقصودہ ہی یاد آئی۔ اس نے پڑوس کے بچے سے اسے بلا بھیجا۔ اصغر اور اس کی بیوی تو کھانا کھا کر آرام کرنے کے غرض سے لیٹ گئے تھے۔ مقصودہ کے آتے ہی وہ بے ساختہ ہی اس کے ہاتھ تھام کر رونے لگی۔ مقصودہ حیرانی سے اس کو تسلی دیتے ہوئے ماجرا پوچھنے لگی' تب اندر کمرے میں لے جا کر دروازہ بند کر کے اسے پوری رام کہانی سنائی۔ مقصودہ تو خود کھلی آنکھوں اور منہ سے یہ سب سن کر متحیر ہی رہ گئی۔

"تو کیا اصغر نے پہلے تم سے کبھی اپنی شادی کا تذکرہ کیا تھا۔" ساری تفصیل سن کر اس نے بلو سے پوچھا۔

"نہیں پر جب اکبر کہتا تو بڑا طنز کرتا تھا۔ اب بھلا میں کیا جواب دوں گی سب کو۔" بلو کا اب گلی محلے والوں کی باتوں کا سوچ کر ہی دل بیٹھ رہا تھا۔ اصغر نے تو جو کر لیا تھا۔ سو کر لیا' لیکن اب آگے آنے والے وقت کا سوچ سوچ کر اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ لوگوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔

"تم نے دونوں لڑکیوں کو خبر کر دی۔"

"کہاں' میری تو مت ہی ماری گئی ہے۔" وہ آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"اچھا ایسا کرو تم' دونوں کو فون کرو اور انہیں یہاں بلاؤ اور محلے والوں کی زیادہ فکر نہ کرو' یہ ایسے کون سے شریف ہیں' خود ان کے گھر میں ہر روز ڈرامے ہوتے ہیں۔ ہم بھی کوئی بہانہ کر دیں گے۔" مقصودہ نے اس صورت حال کو قابو کرنے کی ترکیب سوچ لی تھی اور اسے بھی حوصلہ دلایا تھا۔ دونوں لڑکیاں یہ سنتے ہی فوراً" آگئی تھیں۔

مقصودہ نے انہیں بھی سمجھایا' ورنہ وہ تو گھر میں گھستے ہی ہنگامہ کرنے کے لیے تیار تھیں۔ لیکن مقصودہ نے ہی انہیں ماں کی پریشانی اور موقع کی نزاکت سمجھاتے ہوئے خاموش رہنے پر مجبور کیا۔ مقصودہ نے ہی یہ منصوبہ بنایا کہ نفیسہ کو اچھی طرح تیار کر کے بٹھاؤ اور ارد گرد خبر کر دو کہ ہم چار' پانچ گھر والے سادگی سے اسے بیاہ لائے' کیونکہ اس کے باپ کی حالت ٹھیک نہیں' وہ اپنی زندگی میں ہی بیٹی کو گھر بار کا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ آج ہی صبح میں اس کا فون آیا' پھر ہم سب نے جلدی میں پروگرام بنایا اور نکاح کروا کر لے آئے۔ اب ولیمہ' اکبر کے بیاہ کے بعد دونوں کا ساتھ کریں گے اور سب کو بلائیں گے بھی اور کھانا بھی کھلائیں گے۔ اگرچہ یہ کہانی تھی تو بڑی گھسی پٹی' لیکن مجبوری تھی۔ چنانچہ اڑوس پڑوس میں اس نے کہلوا دیا اور اصغر اور نفیسہ کو بھی اس کے بارے میں بتا دیا۔ ان دونوں کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ اصغر تو خوش ہو گیا کہ بڑی آسانی سے گھر والے اس حادثہ کو قبول کر رہے ہیں۔ منٹوں میں ہی یہ بات یہاں سے وہاں تک پھیل گئی اور عورتیں جوق در جوق آنے لگیں۔ رات کو اکبر جب گھر میں گھسا تو تو تھوڑی دیر کے لیے تو چکرایا' لیکن پھر بھائی کو خوب شاباشی دی۔

"یار تو تو واقعی مرد نکلا' میں خوامخواہ ہی اتنے ٹیم (ٹائم) سے اماں سے مغز ماری کر رہا ہوں اور تو نے ایک ہی دفعہ میں ہاتھ مار لیا۔"

"مان گیا نا مجھے۔" اصغر اکڑا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں مانا' بڑی جی داری دکھائی' پر یار مجھے تو اپنے پروگرام میں شریک کر لیتا۔ بس تو نے بھی اپنے ان یاروں کو ہی آگے رکھا۔" اکبر کہہ رہا تھا۔

"بس بھائی اچانک ہی بالکل یہ سب ہوا۔ جلدی جلدی سب کام ہوا۔ موقع ہی نہ ملا تم سے کہنے کا۔"

"بس اب زیادہ بہانے نہ بنا۔" پھر وہ ماں کی طرف مڑا جو غصہ اور افسوس سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

"ویسے اماں اب میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے خود کرے گی یا میں بھی۔۔۔" اس نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

"ہاں اب باقی کی کسر تو نکال دے۔" وہ غصہ سے بولی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

نفیسہ نے جلد ہی اپنے رنگ ڈھنگ دکھا دیے تھے۔ وہ بھی اصغر کے مزاج جیسی تھی' بد زبان' جھگڑالو اور طعنہ زنی اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ گھر میں اس کا دل کم ہی لگتا' گھر کے کام کاج سے بھی اسے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ بلو اگر کام کو کہتی تو اسے بھی آگے سے جواب دیتی۔

"آخر میرے آنے سے پہلے بھی تو یہ گھر چل رہا تھا۔ اب کیا میرے آتے ہی سب پر فالج گر گیا۔" وہ ناک چڑھا کر کہتی۔ اصغر پر سے بھی عشق کا بھوت آہستہ آہستہ اتر رہا تھا' لیکن وہ سنتا' پھر بھی بیوی کی۔ بلو نے تو اس کی گز بھر کی زبان کی وجہ سے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی اور ویسے بھی اب وہ اتنی تھکی ہوئی آتی کہ آنے کے بعد کسی سے بات کرنے کی اس کی خواہش بھی نہ ہوتی۔ اگر کھانا پکا ہوا ہوتا تو کھا لیتی' ورنہ منہ سر لپیٹ کر پڑ جاتی۔

اسی دوران اس نے اپنے جاننے والوں میں اکبر کی

بات بھی پکی کردی تھی اور شادی کی تاریخ بھی ٹھہرالی تھی۔ جس پر کم از کم اکبر تو مطمئن ہوگیا تھا۔ اگرچہ کمانے سے اسے اب بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اس نے ماں کے مطالبہ پر صرف چند ہزار ہی لاکر اس کے ہاتھ پر رکھے باقی سارا خرچہ بلو نے اپنے کام پر سے ایڈوانس لے کر ہی کیا' کیونکہ اسے دونوں کا ولیمہ کرنا تھا اور یوں وہ دوسری بہو بھی لے آئی۔

شبنم اگرچہ نفیسہ کی طرح بدزبان تو نہ تھی۔ لیکن جھوٹی اور بہانہ باز تھی۔ پھر بات بات پر رونے لگتی اور قسمیں کھاتی' تاکہ اگلا اس کی بات پر یقین کرے۔ جلد ہی گھر کے ماحول میں تناؤ پیدا ہوگیا۔ پہلے نفیسہ اکیلی تھی' من مانی کرنے کے لیے' لیکن اب شبنم بھی آگئی تھی۔ دونوں میں اکثر جھگڑا ہی رہتا' جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے تعلقات میں بھی کھنچاؤ آگیا تھا اور وہ بھی ایک دوسرے پر اس کا سارا ملبہ ڈالتے۔ چند سالوں میں ہی گھر کا نقشہ بدل چکا تھا۔ دونوں کے ہاں اوپر تلے کئی بچے ہوچکے تھے۔ آمدنی کم اخراجات دگنے تگنے ہوگئے تھے۔ جس کی وجہ سے الگ کھینچا تانی لگی رہتی۔ بچوں میں الگ ہر وقت کا لڑائی دنگا رہتا' چھوٹا سا گھر افراد زیادہ' دونوں کے پاس ایک ایک کمرہ تھا۔ باقی ایک صحن تھا جس کے ایک کونے میں بلو پڑی رہتی۔

اس کی حیثیت گھر میں ایک فالتو سامان سے زیادہ نہ تھی۔ دونوں بہوؤں کو ہی اس کا وجود کھٹکتا' لیکن دونوں ہی اس کو گھر میں رکھنے پر مجبور تھیں۔ میاں کے ڈر سے نہیں' بلکہ اس لیے کہ وہ ہر مہینے اتنا ضرور کمالیتی کہ بجلی' گیس کا بل ادا ہوجاتا۔ ورنہ تو شاید اب تک دونوں چیزیں کٹ چکی ہوتیں۔ خود بلو کو بھی اپنے ناکارہ اور بے حیثیت ہونے کا احساس تھا۔ لیکن کیا کرتی' کہاں جاتی۔ دونوں بیٹوں کے علاوہ ایک بھائی ہی تھا۔ وہ بھی اپنے مسائل میں الجھا رہتا۔ ایک لے دے کر مقصودہ ہی تھی جس کے پاس وہ جاکر دل ہلکا کرلیتی' وہی اس کے دکھ سنتی اور اس پر تشفی کے پھاہے رکھتی۔

☼ ☼ ☼

آج بلو گھر پر ہی تھی' صبح سے اسے کچھ حرارت تھی۔ اٹھا ہی نہ گیا جو کام پر جاتی۔ لہٰذا یوں ہی پڑی رہی۔ ایک دفعہ شبنم نے پوچھا بھی کہ۔

"اماں آج کام پر جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" تو اس نے اپنی طبیعت کا بتادیا۔ پھر کسی نے کچھ نہ کہا' نہ ناشتے کا اور نہ دوا کا' وہ چپ چاپ پڑی رہی۔ ورنہ روز تو اپنی چائے بناکر اور رات کی روٹی کھاکر وہ کام پر چلی جاتی تھی۔ کافی دیر بعد ہمت کرکے اٹھی' چائے بنائی' ناشتا کرکے دوا کھائی' پھر کہیں جاکر اس کی طبیعت سنبھلی۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں' پھر نفیسہ کی آواز آئی۔

"کچھ چھوڑتے ہی نہیں' نہ چینی ہے' نہ پتی' نہ دال' نہ چاول' غسل خانے میں صابن بھی نہیں' تم ادھر صابن رکھو ادھر ختم۔"

"تو یہ تمہارے ہی بچے ہیں جو اتنے اتنے پانی میں صابن ڈال دیتے ہیں۔ سارا صابن گھل جاتا ہے۔ پہلے انہیں تو سمجھاؤ' چینی الگ پھانکتے پھرتے ہیں جیسے اپنی پرچون کی دکان ہے۔" شبنم نے بھی فوراً" جواب دیا تھا اور اب دونوں کی لڑائی شروع ہوگئی تھی۔ تب ہی اس نے نہ چاہتے ہوئے دخل اندازی کی۔

"تو کسی بچے کو بھیج کر چینی' پتی منگوالو۔"

"لو کیسے مزے سے کہہ دیا کہ منگوالو' کیا میرے پاس پیسے رکھے ہیں۔ تمہارا بیٹا کیا مجھے رقم دے کر جاتا ہے گھر کے لیے' جو میں منگوالوں اور پھر کیا' کیا منگواؤں' یہاں تو سب ختم پر ہے۔" نفیسہ کڑک کر بولی۔ جواب میں بلو تو خاموش رہی' لیکن شبنم کو اچانک خیال آیا۔

"اماں تم رحمت چاچا کی دکان سے سودا لے آؤ' ہم کو تو شاید دے دے' ہمارے کسی بچے کو نہ دے گا' قسم سے اس سے پہلے بھی میں نے روشو کو بھیجا تھا تو چاچا نے ویسے ہی بھگا دیا تھا کہ پہلے پیسے لاؤ۔" اس نے حسب معمول جھوٹ بولا۔ اگرچہ بلو کو پتا تھا' لیکن وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

"میرے پاس زیادہ پیسے نہیں اور ابھی تنخواہ ملنے میں بھی دیر ہے۔" وہ آہستہ سے بولی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی رحمت کی دکان پر پہنچ گئی۔ رحمت چاچا کی چھوٹی سی پرچون کی دکان تھی' جہاں سے محلے والے روزمرہ کا سامان خریدتے' یوں اس کی آمدنی ٹھیک ٹھاک ہوجاتی۔ اگرچہ وہ ادھار سودا نہیں دیتا تھا' لیکن چند ایک مجبور گھرانوں کو دے بھی دیتا اور ان ہی میں سے ایک گھر بلقیس کا بھی تھا۔ بلو کے گھر بھی اکثر سودا سلف ادھار ہی آتا اور مہینہ بعد ہی وہ حساب کرکے اسے رقم بھجواتے' لیکن اکثر یہ رقم کم ہی ہوتی' جس پر رحمت بڑبڑاتا' لیکن پھر شاید رحم کھاکر انہیں سودا دے دیتا۔ بلو نے دکان پر آکر جب اس سے مطلوبہ چیزیں لیں تو اس نے ایک نظر بغور اسے دیکھا' پھر چیزیں نکال کر اس کے آگے رکھ دیں۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟ اور ابھی پرسوں ہی تو اکبر کا بیٹا کچھ چیزیں لے کر گیا ہے۔ لیکن پیسے نہیں دے کر گیا۔" اس نے بلو کی خیریت پوچھنے کے ساتھ ساتھ اسے چیزوں کے بارے میں بھی جتلایا۔

"کتنے کا لے کر گیا۔"

"ڈھائی سو کا۔"

"اور یہ آج کا کتنے کا ہوا؟" بلو نے چیزوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تقریباً" ڈیڑھ سو روپے بنتے ہیں۔" اس نے حساب جوڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا' ایسا ہے کہ تم ابھی دو سو لے لو' پھر باقی کے۔" بلو نے دوپٹا کے پلو سے سو سو کے دو تڑے مڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"تم نے اپنی دوا بھی لی؟" رحمت چاچا نے نوٹ پکڑتے پکڑتے اچانک پوچھا۔

"ہاں کھالی تھی۔" وہ لاپروائی سے بولی اور آگے بڑھی۔ رحمت کو اس کے گھر کے حالات کا خوب اچھی طرح اندازہ تھا۔ تبھی کچھ سوچ کر بولا۔

"او بلقیس یہ اپنے پیسے رکھ۔ کام آئیں گے' میں اکبر یا اصغر سے پیسے لے لوں گا۔ تم اس سے دوا لے لینا۔" وہ دوبارہ نوٹ بلو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"نہیں نہیں رکھ لو رحمت بھائی۔ یہ لڑکے بھی کہاں تم کو اتنی جلدی دیں گے۔" "پروا نہیں تم یہ لے لو۔" اس نے زبردستی ہی اس کو واپس پکڑا دیے۔ اور بلو احسان مندی سے واپس لوٹ آئی۔ گھر آکر اس نے خاموشی سے تھیلا کچن میں رکھا اور مقصودہ کی طرف آگئی۔ مقصودہ نے اس کی طبیعت دیکھی تو فوراً" ہی اس کو لٹا دیا کھانا دیا اور دوا دے کر ہاتھ پیر دبانے لگی۔ بلو کروٹ لیے آنسو بہاتی رہی۔ اور اپنی بے بسی کا اظہار اس نمکین پانی سے کرتی رہی۔

رحمت چاچا بھی چھڑا چھانٹ تھا کئی سال قبل اس کی بیوی ایک حادثے میں مرگئی تھی اولاد اس کی کوئی تھی نہیں۔ یوں وہ تنہا ہی زندگی کے دن پورے کررہا تھا۔ صبح صبح دکان کھول لیتا اور پھر سارا دن اسی پر گزارتا۔ اپنے کسی بہن بھائی کے گھر جاکر کھالی لیتا یا بازار سے کھالیتا۔ یوں اس کی بھی گزر رہی تھی۔ بلقیس کے گھریلو حالات وہ کافی عرصہ سے دیکھ رہا تھا۔ یوں بھی بلقیس کا باپ اور اس کی ماں آپس میں رشتہ دار بھی ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ رشتہ داری دور کی تھی۔ جب تک بلقیس کا میاں زندہ تھا رحمت ان کے گھر کبھی کبھی عید تہوار پر چلا جاتا تھا۔ لیکن اب تو زمانے سے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا نہ تھا۔ اور اسی پرانی رشتہ داری کا لحاظ کرکے رحمت ان کو ادھار سودا دے دیتا۔ لڑکے بھی آتے جاتے اسے سلام کرلیتے۔

☼ ☼ ☼

"کیا کروں' کہاں جاؤں' کبھی کبھی تو مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ میری ہی اولاد ہے۔ اب کمانے جوگی نہیں رہی تو ان لوگوں کو میرا وجود ہی کھٹک رہا ہے۔" بلو آنسو بہاتے ہوئے مقصودہ سے کہہ رہی تھی۔

"تو ان جوان جہانوں کو شرم نہیں آتی کہ ماں کی کمائی پر نظر رکھتے ہیں بجائے اس کے کہ تم کو گھر میں آرام کرائیں الٹا پیسہ مانگتے ہیں۔ ساری زندگی تم نے ان کو کھلایا ہی تو ہے۔ بے غیرت کہیں کے۔" مقصودہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دونوں لڑکوں کو بے بھاؤ کی

سنائے۔

"اور تم کون سا اب بھی آرام کر رہی ہو۔ کام پر تو اب بھی جاتی ہی ہو۔"

"جاتی ہوں پر صرف دو گھروں میں اور صرف تین ہزار لا رہی ہوں پہلے کی طرح تھوڑی کہ آٹھ' دس ہزار لے آتی تھی۔" بلو اسے بھی اپنا ہی قصور گروان رہی تھی۔

"آنکھ میں لحاظ ہی نہیں۔ ماں کی طبیعت نہیں پوچھتے' دوا تو لا کر دے نہیں سکتے لیکن رقم پوری پوری چاہیے۔" مقصودہ جل کر بولی۔

"آج بھی پہلے تو شبنم اور نفیسہ کی تکرار ہوتی رہی پھر مجھے بھی لپیٹے میں لے لیا۔ میاں آئے تو انہیں بھی نہ جانے کیا کہا کہ اصغر نے صاف کہہ دیا کہ اگر اتنا کما کر لاؤ گی تو ٹھیک ورنہ......"

"ورنہ کیا' تم پوچھیں نا' ماں کو دھمکیاں دیتا ہے۔" مقصودہ نے اسے پانی کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

دونوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں بلو اسے گھر کے حالات سنا رہی تھی اور مقصودہ اس پر پیچ و تاب کھا رہی تھی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ باہر صحن میں رحمت چاچا جو کہ بلو کے بھائی سے کچھ ضروری کام کے سلسلے میں ملنے آیا ہوا تھا۔ یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کا اپنا دل بھی یہ سب سن کر مسوس کر رہ گیا تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ بلو کا بھائی بھی کسی ضروری کام سے گھر سے باہر گیا ہوا تھا اور وہ اس کے انتظار میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ کہ یہ سب باتیں اس کے کان میں پڑیں۔ پھر وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ اس کے ذہن میں بلو کی باتیں ہی گونج رہی تھیں۔ اس کی بے چارگی اور بے بسی پر وہ ہاتھ ملتا چلتا رہا۔

گھر جانے کا اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ کبھی کبھی خالی گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ تب وہ بہن کے گھر چلا آیا۔ ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد اس نے بلو کا قصہ چھیڑ دیا کہ کیسے اولاد ہوتے ہوئے بھی وہ بے چاری کسی پریشانی سے زندگی گزار رہی ہے۔

"ہاں بھائی' شوہر کے بعد عورت کی زندگی بھی بس ایک تماشا بن کر رہ جاتی ہے۔" بہن بھی سن کر رنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس نے بھائی سے بلو کے حالات سن کر افسوس سے کہا۔

"ضروری تو نہیں' بہت سی عورتیں میاں کے بعد بھی بڑی اچھی زندگی گزارتی ہیں۔" یہ بات شبانہ نے کہی تھی جو رحمت کی بھانجی تھی اور آج ماں سے ملنے میکے آئی ہوئی تھی۔

"ارے تم تو چپکی رہو۔"

"تم کو کیا پتا۔" رحمت کی بہن نے بیٹی کو گھر کا۔

"واہ جی مجھے کیوں نہیں پتا کیا میں اس دنیا میں نہیں رہتی' بلو خالہ کو تو چاہیے کہ ایسی اولاد کی پروا نہ کریں اور دوسری شادی کر کے اپنا گھر بسائیں' کیا فائدہ اپنی جان مارنے کا' اولاد نے تو قدر نہیں کرنی۔"

"ہائیں' ہائیں' کیسی باتیں کر رہی ہے۔ ارے کیا وہ اب نکاح کرے گی میاں کے مرنے کے دس بارہ سال بعد۔" ماں نے شبانہ کی بات پر اسے گھورا۔

"لوگ کیا کہیں گے اس عمر میں۔"

"اماں لوگوں کی پروا کیا کرنی' لوگوں نے تو ہمیشہ ہر بات میں کیڑے ہی نکالے ہیں۔ اب ماموں کو ہی دیکھو کتنے عرصہ سے اکیلے زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے ان کی پروا کی ان کے خالی گھر کو آباد کرنے کی' اپنے بہن بھائیوں تک نے تو کبھی سوچا نہیں۔ اگر کبھی کہا تو وہ بھی سرسری' ماموں بھی یہاں وہاں پھر کر ٹائم گزار دیتے ہیں۔ اب ماموں بھی ارے۔ ماموں! آپ کیوں نہیں بلو خالہ سے نکاح کر لیتے اس طرح آپ کا بھی خالی گھر آباد ہو جائے گا اور بلو خالہ کو بھی ٹھکانہ مل جائے گا۔" شبانہ کو بولتے بولتے اچانک ہی یہ آئیڈیا آیا تھا اور اس نے اس کا اظہار کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی اس کی بات پر جہاں رحمت حیران ہوا وہیں ایک زوردار دھپ ماں نے لگائی تھی۔

"ارے جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے نہ بڑا دیکھتی ہے نہ چھوٹا۔" ماں سخت شرمندہ ہو رہی تھی بیٹی کے اس طرح منہ پھاڑ کر ماموں کو مشورہ دینے سے۔

"اچھا ماموں آپ بتائیں میں نے کیا برا کہا' یہ کوئی گناہ کی بات تو نہیں' بالکل جائز کام ہے۔ آپ کو ایک عورت کی ضرورت ہے جو کہ آپ کے گھر کو کھول دے۔ آپ کے کھانے پینے' چائے پانی کا انتظام کرے اور بلو خالہ کو ایک سہارے کی ضرورت۔ ماموں جانیں' اگر میں غلط ہوں تو مجھے معاف کر دیں۔ ورنہ یقین کریں میں تو آپ کی بھلائی کے لیے ہی کہہ رہی ہوں۔" شبانہ نے ماموں سے کہا تو جواب میں رحمت نے اس کے سر کو تھپتھپایا اور ہلکے سے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر شبانہ قریب کھسک کر اس کے کان میں بولی۔

"ماموں اس پر سوچیے گا ضرور۔" جواب میں رحمت سرہلاتا اٹھ گیا۔

اگرچہ رحمت نے شبانہ کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا صرف اس کا دل رکھنے کو سرہلا دیا تھا۔ لیکن اگلے چند دن اور اس کے بعد بھی کئی روز تک اس کے دماغ میں شبانہ کی بات گونجتی رہی اور آخر کار وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہو ہی گیا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے' اگر میں بلقیس سے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"وہ بھی مجبور ہے اور میں بھی اکیلا' لیکن کیا وہ اس پر تیار ہو جائے گی اور اس کے بیٹے' بیٹیاں۔" وہ خود کلامی کر رہا تھا کتنی ہی دیر وہ سوچتا رہا پھر آخر کار وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھا۔ مجھے اس سلسلے میں بلقیس سے بات کرنی چاہیے۔

☼ ☼ ☼

لیکن بلقیس سے بات کرنے سے پہلے وہ اپنی بہن سے بھی مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ آیا یہ مناسب ہے بھی یا نہیں۔ رحمت کی بات سن کر پہلے تو بہن سمجھی نہیں۔ اپنی بیٹی کے اس بے وقوفانہ مشورہ کو دفع دور کرنے کا کہا' لیکن جب رحمت نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہ بات بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہے تو کچھ دیر تو اس کا منہ کھلا ہی رہ گیا پھر جلدی سے اپنی حیرانی کو قابو میں کر کے بولی۔

"بھائی اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو میں بلقیس کے بھائی' بھابی سے بات کرتی ہوں ویسے بھی ہمارے مذہب نے اس کی اجازت دی ہے۔ بات نامناسب بھی نہیں ہے لیکن میرے خیال سے تم پہلے بلقیس سے بھی پوچھ لو' یہ نہ ہو کہ میں اس کے بھائی کے گھر جاؤں اور بلو صاف انکار کر دے۔"

"تو ایسا کرو کہ تم ہی پہلے بلقیس کے گھر جا کر اس سے بات کرلو۔" رحمت بولا۔

"تم کہو گے اس سے تو یہ زیادہ بہتر رہے گا' پھر میں آگے بات کرلوں گی۔" بہن شاید اپنا دامن بچا رہی تھی یا کچھ اور' بہرحال رحمت خاموش ہو گیا۔

یہ دو تین کے بعد ہی کی بات تھی کہ بلقیس کام سے واپسی پر اس کی دکان پہ آئی تھی۔

"بھائی رحمت آج تنخواہ ملی تھی ایک گھر سے' پورا حساب تو چکتا نہیں ہو گا یہ کچھ رقم ہے یہ تم رکھ لو باقی کا پھر۔" بلو نے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"بلقیس مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" رحمت نے پیسوں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو' میں تم کو جلد ہی پوری رقم بھجوا دوں گی۔ اکبر سے کہوں گی وہ بھی آج کل میں۔"

"میں رقم کے سلسلے میں بات نہیں کر رہا۔" رحمت نے اس کی بات کاٹی۔

"تو پھر۔؟" بلقیس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دیکھو بلقیس۔" وہ اٹکا' اسے بات کرتے ہوئے کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"دراصل میں اس دن تم اپنے بھائی کے گھر آئی ہوئی تھیں تو میں بھی اتفاق سے وہیں بیٹھا تھا تم بھابھی کو اپنے گھر کے حالات سنا رہی تھیں تو میں نے بھی وہ سب سن لیے تھے۔"

"ہاں بھائی رحمت اس اولاد کی وجہ سے مجھے یہ دن بھی دیکھنے پڑ رہے ہیں۔"

"تو ایک مشورہ ہے کہ تم۔ تم کسی سے نکاح کرلو۔

الگ گھر میں رہو آرام سے۔" اس نے دانستہ اپنا نام نہ لیا تاکہ اس کا رد عمل دیکھ سکے۔

ایک لمحہ کے لیے تو بلقیس نے آنکھیں پھاڑ کر اس کا مشورہ سنا پھر غصے سے بولی۔

"میرے خیال سے تم اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو اور آئندہ ایسی بات نہ کرنا۔"

"تم مجھے غلط نہ سمجھو اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا، میں تمہیں ایک جائز راستہ بتا رہا ہوں تمہارے بیٹے اور بہوئیں، خود تم دیکھ رہی ہو۔ کیا سلوک ہے ان کا۔"

"تم کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ یہ کہتی آگے بڑھی۔

"ایک منٹ بلقیس۔" رحمت نے اسے روکا وہ بات پوری کرنا چاہتا تھا۔ اور آج موقع اچھا تھا دکان پر کوئی دوسرا گاہک بھی نہ تھا اور گلی میں بھی سناٹا تھا۔

"تم اپنی بھابھی سے بھی اس بارے میں بات ضرور کرنا۔ تم بھی کافی عرصے سے حالات کی مار سہہ رہی ہو اور میں بھی تنہائی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ میں اس سلسلے میں خود آگے بڑھ کر یہ چاہتا ہوں کہ۔" وہ پھر کچھ رکا۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کی تنہائی اور مشکلات بانٹ لیں۔ شاید اس طرح ہمارے مسائل کچھ کم ہو جائیں۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور پلٹ کر چیزوں کی ترتیب آگے پیچھے کرنے لگا۔ بلقیس کچھ دیر تو اس کی پشت دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کا ذہن منتشر ہو چکا تھا۔ رحمت کی باتوں پر غصہ بھی آ رہا تھا اور رونا بھی کیا اب ہر کوئی اس پر ترس بھی کھائے گا۔ وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئی تھی چند لمحے رکی، پھر آگے بڑھ گئی، اب اس کا رخ مقصودہ کے گھر کی طرف تھا۔ وہ اس سے رحمت کی اس جرات کے بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو، سچ، اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے میری سن لی۔" بلو نے جب مقصودہ کو ساری بات بتائی تو مقصودہ تو اچھل ہی پڑی اور جواب میں اس نے یہ عجیب بات کہی۔

"کیا مطلب "کیا سن لی؟" بلو حیران تھی۔

"یہی کہ اللہ تمہیں ان مشکل حالات سے نکال دے اور تمہاری پریشانی کو آسانی میں بدل دے تو دیکھ لو کیسی مدد آئی۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، بھائی رحمت کیا کہہ رہا ہے، شاید تم نے ٹھیک سے سنا نہیں۔"

"ارے میری بہن یہ تو ایک راستہ بنا ہے۔ تمہاری اولاد کیسے تمہیں بوجھ سمجھ رہی ہے۔ اب تم خود اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں اطمینان اور سکون سے رہ سکتی ہو۔ تمہیں ایک چھت مل جائے گی، اس کا مطالبہ ناجائز نہیں ہے اور نہ ہی وہ کوئی تم پر احسان کر رہا ہے بلکہ تم دونوں کو ہی اس طرح ایک دوسرے کا سہارا مل جائے گا۔" مقصودہ اسے اپنی بساط کے مطابق سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کا غصہ دور کر رہی تھی۔

"لیکن اس عمر میں، جوان اولاد کے ہوتے ہوئے تم کو کیا ہو گیا ہے مقصودہ، ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیا یہ اچھی بات ہے؟" بلو نے اوپر تلے کئی سوال کر دیے تھے۔ وہ تو بھائی رحمت کی اس بات سے ہی پریشان تھی کجا کہ مقصودہ نے بھی اس کی حمایت کر دی۔

"تو اس میں برائی بھی کیا ہے۔ کیا لوگ دوسری شادی نہیں کرتے؟ اور تم کوئی اسی سال کی بڑھیا ہو جو عمر کے لیے پریشان ہو رہی ہو، اور تم کو اپنی اولاد کی فکر ہو رہی ہے کیا انہوں نے تمہیں پھولوں کی طرح رکھا ہے، یہ ان ہی کے تو کرتوت ہیں جن کی وجہ آج تم اپنا گھر ہونے کے باوجود بے گھر ہونے کے احساس میں گھری ہو۔" اور مقصودہ پھر کتنی ہی دیر تک اسے قائل کرتی رہی۔ دونوں کی بحث ہوتی رہی لیکن پھر آخر کار جیت مقصودہ ہی کی ہوئی۔

"میں بھائی رحمت سے بات کر لوں گی۔ پھر تمہارے بھائی سے بات کروں گی یا اگر تم ہی بھائی رحمت سے بات کر لو تو زیادہ اچھا ہے۔ اس طرح تمہارے ذہن میں اگر کچھ بات ہو گی تو وہ بھی صاف ہو جائے گی۔" مقصودہ تو جیسے ہر بات کے لیے تیار بیٹھی

تھی۔

"پر ان بچوں سے میرا مطلب اکبر، اصغر، جمیلہ، سلیمہ سے بھی تو بات۔"

"ہاں ہاں، وہ میں اور تمہارے بھائی کر لیں گے۔" مقصودہ نے اطمینان دلایا۔

"دیکھ سوچ لے مقصودہ، کہیں یہ سب غلط نہ ہو رہا ہو، میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"تم پریشان نہ ہو، تم دیکھنا میں کیسے یہ معاملات ٹھیک کرتی ہوں۔" مقصودہ نے تو اسے اطمینان دلایا لیکن خود اس کا دل کچھ بے چین ہو گیا تھا۔ اور پھر جب اس نے میاں اور اکبر، اصغر کے سامنے یہ بات رکھی تو مانو گھر میں زلزلہ آ گیا کہ ان لوگوں کی آوازوں سے در و دیوار لرز اٹھے۔

"تیرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے نا مقصودہ، تو پاگل تو نہیں ہو گئی۔" بیوی کی بات سنتے ہی شیر علی۔ شیر کی طرح ہی دھاڑا تھا۔

"کیوں اس میں کیا برائی ہے ایک جائز اور شرعی کام ہے۔" مقصودہ تھوک نگلتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"مامی، تمہیں کوئی برائی نظر نہیں آ رہی لیکن ہمیں تو ہزار برائیاں نظر آ رہی ہیں۔ کیا ہم مر گئے یا ہم نے اماں کو گھر سے نکال دیا۔" اصغر غصے میں لال پیلا ہو رہا تھا۔

"نہیں نہیں یہ بات نہیں دیکھو یہ تو۔۔۔"

"میرے خیال سے مامی تم چپ ہی رہو، اس معاملے میں تم کو بولنے کی ضرورت نہیں۔" اکبر نے درشتی سے کہہ کر اسے چپ کرایا۔

"ایسا لگتا ہے کہ تم نے ہی اسے شہ دی ہے" اصغر مزید بولا۔ جس پر اکبر اور شیر علی نے مقصودہ کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ اسے چپ ہی ہونا پڑا۔ مقصودہ اور شیر علی کے گھر سے نکلتے ہی ان دونوں بھائیوں نے ماں کو خوب لتاڑا کہ بلقیس شرمندہ ہو ہو گئی۔

"خوب مامی کو سفارشی بنا کر لائی تھی۔" نفیسہ نفرت سے بولی۔

"جب ہی میں کہوں یہ ہر وقت دوڑی دوڑی رحمت چاچا کی دکان پر کیوں جا رہی ہے۔ ہم بے وقوف بنے رہے۔" شبنم بھی جھنک کر بولی۔

"اب تم ماموں کے گھر نہیں جاؤ گی اور نہ ہی مامی یہاں آئے گی۔ اور کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں۔" اصغر یہ کہتا اندر کمرے میں گھس گیا۔ اور بلو، اس لمحے اسے ان سب باتوں سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"یا خدا مجھے یہ دن بھی دیکھنا تھا۔" وہ آپ ہی آپ کھٹتی رہی۔ بہوؤں کے ہاتھ تو ایک نیا موضوع آ گیا تھا۔ جس سے وہ بلو کو سنانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں، جس سے اب گھر میں ایک نیا فساد کھڑا ہو جاتا۔

ان کے اس طرح کہنے سے بلو کو بھی ایک ضد ہو گئی پہلے تو وہ خود ہی راضی نہیں تھی، لیکن اب اسے لگتا کہ اس جہنم سے نکلنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ رحمت سے نکاح کر کے یہاں سے چلی جائے۔ مقصودہ کے اگرچہ اب وہ گھر نہیں جاتی کہ وہاں بھائی بھی منہ پھیر لیتا لیکن وہ اپنے کام سے واپسی پر ادھر ادھر راستہ میں کھڑی ہو کر یا جہاں مقصودہ — جاتی وہاں جا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر ایک دن رحمت کی بہن نے اسے اپنے گھر بلایا وہیں رحمت بھی اس کا منتظر تھا۔ رحمت کی بہن بھی اس ساری صورت حال سے پریشان ہو گئی تھی۔ رحمت کو بھی اتنے شدید رد عمل کی توقع نہ تھی جو اس کے بھائی بیٹوں کی طرف سے آیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بلو کو اب زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اصغر تو اٹھتے بیٹھتے ایسی باتیں کہہ جاتا۔ رحمت نے آج اس کو بلایا ہی اسی غرض سے تھا۔

"دیکھ بلو میں نے تو بڑی نیک نیتی سے یہ سب سوچا تھا اور پھر تجھ سے بات کی تھی۔ لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حالات یہ رخ اختیار کریں گے۔"

"ہاں بہن، ہم بہن بھائی تو چاہتے تھے کہ تم بھی آرام سے رہو اور میرے بھائی کا بھی گھر کھل جائے۔" رحمت کی بہن بھی افسردہ لہجے میں بولی۔

"تم بیماری میں بھی کام پر جاتی ہو، میں تو کہتا ہوں کہ اب گھر پر رہو، کچھ کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے بیٹوں اور بھائی سے بات

کروں۔" رحمت پوچھ رہا تھا۔

"نہیں نہیں ان لوگوں سے بات کرنے کی ضرورت نہیں اور اب اس بات کو بھی یہیں ختم کردو۔ کیا فائدہ ایسے رشتے کا جب اپنے ہی اپنوں کے دشمن بن جائیں۔" بلو نے تھکے تھکے لہجے میں شاید فیصلہ کرلیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں۔"

"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔" رحمت بھی اس کی مجبوری اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ وہاں سے تھکی ماندی گھر آئی تو گھر میں ایک طوفان اس کا منتظر تھا۔

"کہاں سے آرہی ہے؟" اصغر نے تھانیداروں کی طرح تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"وہ میں۔۔۔!" وہ اس اچانک افتاد پر ایک دم ہی گھبرائی۔

"جب میں نے کہا تھا کہ اب کسی سے نہ ملنا تو تم رحمت چاچا سے کیوں ملیں۔" اصغر نے حلق پھاڑا۔

"نہ نہیں میں تو۔۔۔ میں تو اسے۔۔۔"

"ارے کہیں نکاح پڑھوا کر تو نہیں آگئی اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی۔" یہ نفیسہ تھی آگ لگانے والی اس کی یہ بات سن کر تو بلو کے تلووں کو لگ گئی۔

"اری تیرا خانہ خراب' منہ سنبھال کر بولا کر کیا بکواس کررہی ہے۔ تو ہوتی کون ہے مجھ سے ایسی بات کرنے والی۔"

"میں کون ہوتی ہوں' بتا اصغر اپنی ماں کو' میں مالکن ہوں یہاں کی۔ اصغر اب اس گھر میں' میں رہوں گی یا یہ' تیری ماں' ہمیں سارے محلے میں بدنام کرتی پھر رہی ہے اور ہم خاموش رہیں۔" نفیسہ بھی غصے سے لال بھبوکا ہوگئی تھی۔

"اماں دیکھ بہت ہوگئی تم مجھے بتاؤ آخر تم کیا چاہتی ہو۔" اصغر کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

"اصغر تو چھوٹا ہے' چھوٹا ہی رہ' میرا باپ نہ بن۔" آج وہ بھی تن کر کھڑی تھی' اس سے یہ جھوٹے الزامات برداشت سے باہر تھے۔

"یہ سب ہم کو اس رحمت چاچا کی شہ پر کہہ رہی ہے۔" اب شبنم بھی آگئی تھی میدان میں اور پھر ان لوگوں کی آپس میں خوب چیخ پکار ہوئی۔ ایسی ہی کسی بات پر جب بلو نے اصغر کو اس کی زبان درازی پر گالیاں دیں تو غصہ میں پاگل ہوئے اصغر نے ماں کو دھکا دے دیا کمزور سی بلو شاید اس دھکے کے لیے تیار نہ تھی وہ ایک دم ہی صحن میں بچھے تخت سے ٹکرائی اس کا سر تخت کے پائے سے ٹکرایا تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ کچھ دیر سب ساکت ہوکر غصے سے اس منظر کو دیکھتے رہے۔ اصغر تو منہ سے کف اڑاتا پھر باہر جاکر تھڑے پر بیٹھ گیا' لیکن پھر نفیسہ کے چیخنے پر اندر آیا۔

"اصغر' اصغر دیکھ اسے جلدی آ۔" اور پھر وہ اندر آیا تو ماں کی شکل دیکھ کر وہ بھی ٹھٹکا۔

"جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔" شبنم بھی ساس کو ہلا جلا کر دیکھ رہی تھی۔ تب اصغر باہر کی طرف دوڑا اس کے باہر نکلتے ہی ان دونوں نے جلدی سے مل کر اسے تخت پر لٹایا۔ جلد ہی اصغر محلے کے ڈاکٹر کے ساتھ واپس پلٹا اور پھر ڈاکٹر نے جو خبر سنائی وہ اندوہناک تھی۔

بلو کو دماغی چوٹ آئی تھی' جس کی وجہ سے فوری طور پر اس کی موت واقع ہوگئی تھی۔ کچھ دیر تک تو کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا یہ اچانک کیا ہوا تھا۔ لیکن پھر ایک کمینہ سا اطمینان سب کے چہروں پر چھانے لگا تھا۔ کس آسانی سے معاملہ نمٹ گیا تھا۔

"چلو تم لوگ محلے میں خبر کرو' میں کفن دفن کا انتظام کرتا ہوں۔ بھائی اکبر کو بھی اطلاع کردو' وہ گھر آئے' کھانا بھی پکوانا ہوگا۔" اصغر کا لہجہ مطمئن تھا اور پھر آنا"فانا" سارے محلے میں خبر پھیل گئی۔ مقصودہ کو خبر ملی تو پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا۔ اس نے فون پر شبنم کو لتاڑا' لیکن پھر جب اس نے دوبارہ کہا تو وہ اس سے مختصر ہی بولی۔

"اماں گر گئی تھی' دماغ پر چوٹ آئی تھی ہم نے تو جلدی سے ڈاکٹر کو بلایا تھا' لیکن وہ اس کے آنے سے پہلے ہی۔۔۔ اب باقی بات گھر آکر کرنا' مجھے اور بھی فون کرنے ہیں۔" یہ کہہ کر شبنم نے فون بند کردیا اور

مقصودہ کو تو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا دل ہی بند ہوجائے گا۔

اس نے میاں کو اطلاع کی اور دوڑتی ہوئی بلو کے گھر آئی۔ یہاں ابھی چند لوگ ہی آئے تھے اور پھر کیسے سارے انتظام ہوئے' کون آیا کون گیا اسے خبر نہ ہوئی وہ تو بس آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ سارے واقعات ایک فلم کی طرح اس کی نظروں میں گھوم رہے تھے اور ابھی جو کچھ ہوا تھا۔ شبنم نے جو کچھ سنایا تھا اسے اس کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ گھر والوں کے چہرے کے تاثرات اور پھر یہ اچانک حادثہ' کیا کہہ رہے تھے یہ ایک بند کہانی تھی اور چونکہ بلو اور اس کے نکاح کی بات بھی ابھی لوگوں سے پوشیدہ ہی تھی لہٰذا اس بند کہانی کو بند ہی رہنا چاہیے تھا۔

☆ ☆ ☆

جنازے کے گھر سے جانے کے بعد لوگ آپس میں باتیں شروع کرچکے تھے۔ اب مردوں کے واپس آنے کا انتظار تھا اور اس کے بعد کھانے کا' جس کی خوشبو عورتوں اور بچوں کی بھوک بڑھا رہی تھی۔ پھر مردوں کے آتے ہی دیگیں کھلنے کی آوازیں شروع ہوگئیں برتنوں کے کھڑکنے کا شور' دستر خوان بچھ رہے تھے عورتیں کال کرکے گھر میں رہ جانے والے بچوں کو بھی بلا رہی تھیں کہ ایک ساتھ ہی نمٹ جائیں کھانے سے' پھر بوٹیوں پر کھینچا تانی' پکانے والے پر اعتراض نہ جانے کیا کچھ' مقصودہ نے ایک نظر یہاں سے وہاں تک کھانے میں مصروف مرد و عورتوں کو دیکھا اور باہر آگئی۔

"ارے مامی کہاں؟ کھانا تو کھالو۔" یہ نفیسہ کی آواز تھی جو ایک طرف بیٹھی ہاتھ میں پلیٹ لیے کھانا کھا رہی تھی۔

مقصودہ نے سوچتی ہوئی آنکھوں سے ایک نظر اس کو دیکھا اور گھر سے باہر آگئی۔

☆ ☆

ناولٹ

صائمہ نصیر

جن تارے کی دعا

"واوا! کتنا پیارا ہے یہ میرے لیے ہے؟" اس نے بے تابی سے اس کے ہاتھ سے نیکلس لیتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرایا اور اثبات میں سرہلا دیا۔

"بالکل اصلی ڈائمنڈ لگ رہا ہے۔" وہ نیکلس کو ہی دیکھے جارہی تھی۔

"کیوں کہ یہ اصلی ڈائمنڈ ہی ہے۔"

"کیا... کیا مطلب۔" وہ حیرت سے تقریباً" چلا اٹھی۔

"یہ واقعی اصلی ہے وہ بھی میرے لیے؟"

"بالکل۔" اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکان پھیل گئی اس کی شخصیت کی طرح اس کی مسکراہٹ بھی بڑی دلکش تھی۔

اس وقت دونوں جھیل کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑا ہی رومینٹک ماحول ہو رہا تھا۔ آسمان پر مکمل چاند تاروں کی جھرمٹ میں بے حد غرور کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ جس کی چاندنی چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ جھیل پر چاند کا عکس تھا' ایک چاند آسمان پر دوسرا جھیل کے شفاف پانی میں۔ آس پاس کھلے ہوئے خوب صورت پھول چاندنی رات میں جتنا دلنشین منظر پیش کررہے تھے اس سے بڑھ کران کی خوشبوؤں نے فضا کو معطر کیا ہوا تھا۔ ساتھ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے۔ یہ حسین نظارہ کسی بھی ذی ہوش کے ہوش گم کردینے کے لیے کافی تھا' مگروہ اپنے اردگرد کے سحر سے آزاد' سامنے والے کی فسوں خیز شخصیت اور دلکش لب ولہجہ سے بے نیاز صرف نیکلس کی خوب صورتی اور چمک دمک میں کھوئی ہوئی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔ کہیں یہ سب خواب تو نہیں۔"

"اونشی! اٹھ بھی جاؤ۔ ایک بار سوجاؤ تو جاگنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ عصر کا وقت نکلا جارہا ہے۔" اماں نے اسے بری طرح جھنجھوڑا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور حیران حیران نظروں سے اماں کو دیکھنے لگی جو اسے حقیقت کی دنیا میں لاکر بڑے اطمینان کے ساتھ باہر جارہی تھیں۔

"کیا یہ محض ایک خواب تھا۔" اس نے اداسی سے سوچا۔

"کاش... کاش یہ خواب سچ ہوجائے۔" بے حد حسرت کے ساتھ اس نے دل سے دعا کی۔

نماز پڑھ کر اونشی صحن میں آگئی۔ ابو گھر آچکے تھے اس وقت وہ ایک سائیڈ پر بنی ہوئی کیاریوں میں لگے پودوں کے ساتھ مصروف تھے۔ یہ ان کا اور اونشی کا مشترکہ شوق تھا۔ دونوں باپ بیٹی بہت ہی محنت اور پیار سے پودوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ابو کو سلام کرکے اونشی ماں کے پاس آگئی جو اس وقت تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"اماں! رات کے کھانے میں کیا بنانا ہے؟" اس نے ست لہجے میں کہا۔ وہ دوپہر میں نہیں سوتی تھی' لیکن آج سر درد کی وجہ سے سوگئی تھی۔ سر درد تو ٹھیک ہوگیا تھا' مگر طبیعت میں عجیب سا بوجھل پن آگیا تھا۔

"پلاؤ بنالینا' ساتھ میں رائتہ۔" اماں نے جواب دیا۔

اونشی ست روی سے پیروں کو تقریباً" گھسیٹتے ہوئے کچن کی جانب چل دی۔ اونشی نے اپنی پوری زندگی کبھی اصلی ہیرے نہیں دیکھے تھے۔ اب جو خواب میں دیکھے تو ان کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔ چاول چنتے ہوئے مسلسل اس کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ اسے اماں پر غصہ آرہا تھا۔ جنہوں نے خواب کو مکمل نہیں ہونے دیا۔ پہلی بار وہ اتنا پیارا خواب دیکھ رہی تھی وہ بھی اتنی جلدی ٹوٹ گیا۔ کیا ہوتا اگر کچھ دیر اور اس حسین دنیا میں رہتی۔ اسے ویسے بھی اس بات کا گلہ رہتا تھا کہ کبھی کوئی اچھا خواب نظر ہی نہیں آتا تھا۔

اب اسے بڑی شدت سے ماریہ کا انتظار تھا کہ کب وہ آئے اور اونشی اسے اپنا خواب سنائے۔ ماریہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی بچپن کی دوست۔ دن میں ان کی ایک ملاقات لازمی تھی۔ کبھی ماریہ آتی تو کبھی اونشی چلی جاتی' لیکن زیادہ تر ماریہ ہی آتی تھی۔ کیوں کہ اونشی کو گھر کے کاموں سے کم ہی فرصت ملتی تھی۔ جلد ہی

اس کا انتظار ختم ہوا۔ وہ پیاز کاٹ رہی تھی جب ماریہ آگئی۔

"کس کی یاد میں آنسو بہا رہی ہو؟" پیاز کاٹنے کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ساتھ میں ناک بھی سرخ ہو رہی تھی۔

"تمہاری یاد میں صبح سے یہ منحوس صورت جو نہیں دیکھی تھی۔" ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"واقعی۔۔۔ پھر تو میں بہت لکی ہوں۔ میری ایک دن کی جدائی نے کسی کا یہ حال کردیا۔" ماریہ شوخی سے کہتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"ایک تو تم ہر بات کو سیریس لے لیتی ہو۔ میں مذاق کر رہی تھی ورنہ جس دن تمہاری اوٹ پٹانگ بکواس نہ سنوں تو رات کو نیند بہت پر سکون آتی ہے۔"

"اچھا، واقعی؟" ماریہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔" وہ مسکرائی۔

"ہوں۔۔۔ تو پھر جس روز میں نہیں آتی تب تم نہ رات دیکھتی ہو نہ ٹائم' نہ طوفان اور فوراً" ملنے پہنچ جاتی ہو' وہ کیوں؟" ماریہ نے دیدے گھما گھما کر جواب طلب کیا۔

"تم روز آتی ہو اس لیے پڑوسی ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کہ جب تم نہ آؤ تو میں تمہاری خبر گیری کروں۔ آخر کو انسانیت بھی کسی شے کا نام ہے۔" اونشی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"انسانیت اور تم دو متضاد باتیں ہیں اور جہاں تک میرے آنے کا تعلق ہے تو اب میں روز روز نہیں آؤں گی تاکہ کبھی کبھی تم پر سکون نیند بھی سو سکو۔" ماریہ نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی اب تم ایسا کرو گی؟" اونشی نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل۔" ماریہ نے خفگی سے اٹل لہجے میں جواب دیا۔

اونشی بے اختیار مسکرا دی۔

"میں نے ابھی ہی تم سے کہا تھا ہر بات کو سیریس مت لیا کرو' ہو سکتا ہے یہ میرا مذاق ہو' تم ہو کہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی ہو خیر۔۔۔ تمہاری مرضی۔ میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں ویسے بھی تعلق زبردستی سے نہیں جوڑے جاتے۔" اس نے ماریہ کو تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

"زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی اور اس سے پہلے کہ میرے بھی آنسو نکل آئیں تم پیاز ایک سائیڈ پر رکھ کر میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔" ماریہ کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے بدل گئے۔ وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"مجھے تھوڑی دیر کے لیے بھی خوش نہ ہونے دینا ظالم لڑکی۔" اونشی نے اسے گھورا۔

"تم ہو ہی اسی لائق۔"

"اچھا۔۔۔ چھوڑو یہ فضول کی بکواس' تمہیں ایک ضروری بات بتانی ہے۔" اونشی کو کچھ یاد آیا تو اچانک ہی پر جوش ہو گئی۔

"بھلا تمہاری ضروری بات کیا ہو گی۔"

"یار! میں نے آج ایک بہت زبردست خواب دیکھا ہے۔" ماریہ کے طنز کو نظر انداز کر کے وہ اپنی کہنے لگی۔

"اوف! ہزار بار کہا ہے خوابوں کی دنیا میں مت رہا کرو۔" ماریہ باقاعدہ سر پکڑ کر بولی۔

"میں نے بھی ہزار بار کہا ہے زیادہ بی اماں بننے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھ کر میرا خواب سنو' کتنا پیارا تھا کہ بس۔" اونشی نے اسے گھرکا اور اپنا خواب سنانے لگی۔

"خواب تو یقیناً" اچھا ہے' مگر تم نے تو یہ بتایا ہی نہیں کہ نیکلس دینے والا کیسا تھا۔" اونشی کے خیال سے ہار نہیں نکل رہا تھا اور ماریہ کو ہار دینے والے کی جستجو لگ گئی۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔" ایک لمحے کو اونشی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر جھٹ سے کہا۔

"پتا نہیں یار! میں نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔"

"تم تو ہو ہی بے وقوف اور ندیدی۔" ماریہ کو اونشی کا جواب بالکل پسند نہیں آیا۔

"تم سے کم۔" اونشی کب چپ رہنے والی تھی۔

"ایک منٹ۔۔۔ کہیں وہ سلمان تو نہیں تھا۔" ماریہ کو خیال آیا۔

"اس کی شکل ہے ڈائمنڈ والی؟ بھلا میں اسے خواب میں کیوں دیکھوں گی اور وہ مجھے گفٹ کیوں دینے لگا اور تم۔۔۔ منہ اچھا نہ ہو تو کم از کم بندہ بات ہی اچھی کرلے' لیکن نہیں تم نے تو قسم کھا رکھی ہے میرا موڈ خراب کرنے کی۔" اونشی کو جیسے پتنگے لگ گئے۔

اسے یوں غصہ ہوتا دیکھ کر ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔ اونشی غصے سے اسے گھورنے لگی۔

"دانت اندر کرو نہیں تو ایک بھی نہیں بچے گا۔" اس نے باقاعدہ مکا لہرا کر ماریہ کو دھمکی دی۔

"تمہیں یہ نام سن کر اتنا کرنٹ کیوں لگ جاتا ہے آخر کو وہ تمہارا منگیتر ہے۔" ماریہ نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔

"نہیں ہے وہ میرا منگیتر۔"

"تم مانو یا نہ مانو اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتیں۔" ماریہ اسے تنگ کرنے لگی۔

"یہ بڑوں کی پرانی باتیں ہیں جسے سب بھلا چکے ہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ کل ہی تمہاری امی رضوانہ خالہ سے اس رشتے کا ذکر کر رہی تھیں۔"

"ایک یہ اماں بھی نا۔" اسے سخت غصہ آیا۔

"یہ ابو اور تایا جی کی خواہش تھی ان کے درمیان صرف زبانی کلامی بات ہوئی تھی اور اب تائی جی کے تیور دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ اس بات کو کب کا بھلا چکے ہیں۔ پتا نہیں اماں' ابو کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"خود ہی تو کہہ رہی ہو یہ تایا جی کی خواہش تھی۔ ہو سکتا ہے یہ خواہش اب بھی ہو اور وہ اپنی بات کا مان رکھ لیں۔"

"مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہے۔ تایا جی مکمل طور پر تائی جی کے ہولڈ میں ہیں۔ معلوم نہیں اس وقت کس دھن میں تھے جو یہ بات کہہ دی۔ خیر چھوڑو۔۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو' میں خود بھی اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہوں۔ نہ تو میری تائی جی سے بنتی ہے اور نہ ہی مجھے سلمان میں کوئی دلچسپی ہے۔" اونشی نے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیوں؟ کیا خرابی ہے سلمان میں؟ گڈ لکنگ ہے' تعلیم یافتہ اور سمجھ دار ہے۔ اچھا خاصا کاروبار کر رہا ہے اور میرے خیال سے وہ تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔" ماریہ نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"پسند کرتا ہے۔" اونشی نے ماریہ کی بات کو قدرے طنز سے دہرایا۔

"پسندیدگی بہت چھوٹا لفظ ہے وہ اگر مجھ سے عشق بھی کرتا اور اس کی ماں راضی نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی میری جانب نہیں بڑھتا۔ جس انسان کی اپنی سوچ نہ ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہ محض تمہارا خیال ہو۔"

"میرا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" وہ پر یقین لہجے میں بولی۔

"اچھا اگر تمہاری سوچ غلط ثابت ہوئی اور ان لوگوں نے اس رشتے کو بنانا چاہا تو پھر؟" ماریہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے کہا نا ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہو گیا تو؟"

"تب کی تب دیکھی جائے گی کرلوں گی کچھ نہ کچھ۔" بہت ہی حتمی انداز میں اس نے کہا۔

☼ ☼ ☼

"پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونا بھی کسی عذاب سے کم نہیں۔" اس نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بڑے تاسف سے سوچا۔ یہ کمرہ ٹی وی لاؤنج کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اور اس وقت اس کا یہ حال تھا کہ سارے کشن زمین پر پھیلے ہوئے تھے گویا جنگ میں میزائل کے طور پر استعمال ہوئے ہوں۔ مونگ

پھلیوں کا کچرا صوفوں کے اوپر نیچے' پورے کمرے میں بکھرا ہوا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے رات بھر مونگ پھلیوں کی بارش ہوئی ہو۔ اونشی نے ایک گہری سانس لی اور آستین فولڈ کر کے صفائی کرنے میں جت گئی۔ اونشی کو سویرے ہی جاگ کر سب گھر والوں کے لیے ناشتا بنانا پڑتا تھا۔

پہلے امی اسے بالکل بھی کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ خاص طور پر صبح کے وقت اسے سب کچھ تیار ملتا تھا' لیکن جب سے اماں بیمار ہوئی تھیں اس نے سب کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اور تو اور اس نے اپنی پڑھائی بھی چھوڑ دی تھی۔ حالانکہ اسے پڑھ لکھ کر کچھ بننے کا بے حد شوق تھا' مگر اپنے شوق کی تکمیل کے بجائے اس نے گھر کو اہمیت دی حالات کو سمجھا۔ اس صورت میں جب اماں' ابو نے بھی اسے پڑھائی نہ چھوڑنے کے لیے بہت سمجھایا مگر وہ ایک نہ مانی اور بہت سہولت سے کہہ دیا۔

"پڑھائی گھر میں رہ کر بھی کی جاسکتی ہے۔" اب وہ گھر کے کاموں کو بڑے اچھے طریقے سے سنبھالے ہوئے تھی ساتھ میں بی اے کے ایگزام کی تیاری بھی جاری تھی۔

"اماں! آئیں آپ کے سر میں تیل ڈال کر مالش کروں۔" جیسے ہی اماں عشاء کی نماز سے فارغ ہوئیں اونشی تیل کی بوتل لے آئی۔

"رہنے دو بیٹا! میں نے آج صبح ہی تیل لگایا تھا۔" اماں نے جائے نماز تہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جھٹ سے بولی۔

"اچھا تو پھر میں آپ کے پیر دبا دیتی ہوں۔"

اماں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا کہ آج اسے خدمت کرنے کا بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا۔ عام طور پر یہ وقت اس کی فراغت کا ہوتا تھا جب وہ یا تو ایف ایم سنتی یا پھر کتاب پڑھتی اور اب اماں کے منع کرنے کے باوجود بیٹھی ان کے پیر دبا رہی تھی۔

"بس بیٹا! سارا دن کام کر کے تھک گئی ہو اب جا کے آرام کرو۔" اماں نے اسے روکنا چاہا۔

"نہیں اماں! تھوڑی دیر اور کرنے دیں مجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

"جیتی رہو اللہ تعالیٰ ہر خواہش پوری کرے۔" اماں کو بیٹی پر بے ساختہ پیار آگیا۔ وہ دل سے دعائیں دینے لگیں۔ پل بھر کو اونشی کھسیا گئی۔ اس سے پہلے کہ اماں دعاؤں کے ٹوکرے برسا کر اسے مزید شرمندہ کرتیں وہ فوراً" ہی لائن پر آگئی۔

"اماں! آپ نے کل بازار میں وہ سوٹ دیکھا تھا پنک کلر کا جس پر کام بھی ہوا تھا۔" اونشی کل اماں کے ساتھ بازار گئی تھی۔ وہ سوٹ اسے اتنا اچھا لگا تھا کہ اب تک ذہن سے نہیں نکل رہا تھا۔ کل تو وہ اس کی قیمت دیکھتے ہوئے دل مار کر آگئی تھی' مگر ابھی اسی کی فرمائش اماں سے کرنے جارہی تھی۔ اماں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں؟"

"اماں وہ سوٹ مجھے عمیر بھائی کی شادی کے لیے دلا دیں نا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہہ ڈالا۔

"اس کی قیمت دیکھی تھی؟" اماں نے اسے گھورا۔

"جی اماں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"کچھ میرے پاس ہیں باقی آپ ملا لیں۔" اس نے حل پیش کیا جبکہ اس کے پاس اس کی قیمت کے چالیس فیصد بھی نہیں تھے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے فضول خرچی کرنے کی۔ میں نے تمہارے لیے عمیر کی شادی کے لیے کافی مہنگا جوڑا لیا تو ہے۔" عمیر اماں کا بھانجا تھا جس کی اگلے ماہ شادی تھی۔

"صرف ایک سوٹ۔" وہ حیرت سے چلائی۔

"تمہارا کیا خیال ہے سارا بازار اٹھا لاؤں تمہارے لیے۔۔۔ یاد رکھو ایک عام آدمی کی بیٹی ہو کسی مل اونر کی نہیں۔"

"امیر آدمی کی بیٹی ہوتی تو وارڈروب بھرے ہوتے۔ ایک سوٹ کے لیے یوں ۔۔۔ منتیں نہ کرتی۔"

"تو پھر کرتیں خدا سے دعا' تجھے کسی امیر کے گھر پیدا کرتا۔ کیوں غریب کے گھر میں پیدا ہوئی۔" اماں کو

غصہ آگیا۔

"میرے بس میں ہوتا تو یقیناً" ایسا ہی کرتی' مگر اب اس دعا کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ میں مسلمان ہوں دوسرے جنم پر یقین نہیں رکھتی۔"

"شکر کرو اپنی قسمت پر ہزاروں سے اب بھی بہتر ہو۔"

"کرتی تو ہوں اور کیسے کروں۔ اماں آپ جانتی ہیں شادی کوئی ایک دن میں ختم نہیں ہو جاتی۔ مایوں' مہندی' بارات اور ولیمہ ان سب میں' میں ایک ہی جوڑا پہنے گھومتی رہوں گی۔" وہ جھنجلا گئی۔

"ایک کیوں۔۔۔ ابھی عید پر تو تم نے تین جوڑے بنائے تھے۔ وہ بالکل نئے پڑے ہیں۔" اماں نے فوراً" حل پیش کیا۔

"اسے عید پر سب دیکھ چکے ہیں اور عید کے بعد بھی میں انہیں کئی بار پہن چکی ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"تو کیا ہوا کسی کے دیکھ لینے سے اس میں کوئی کمی نہیں آگئی۔"

"اماں! لے دیں نا۔" اس نے چہرے پر مظلومیت طاری کرلی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" اماں نے کافی بے زاری سے جواب دیا۔

"اماں! پلیز۔۔۔" اس نے بے چارگی سے التجا کی۔ اماں اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے تسبیح پڑھنے لگیں۔ اسے بھی غصہ آگیا۔

"ٹھیک ہے اگر یہی بات ہے تو میں کہیں نہیں جارہی۔ آپ اکیلی ہی جانا بہن کے گھر۔" اس نے دھمکی دی۔

"اچھا ہے عمر کے امتحانات ہیں تم گھر پر رہ کر اس کا خیال رکھنا۔" اماں نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔ اس نے بے بسی سے اماں کی جانب دیکھا' مگر وہ تسبیح کے دانے گھمانے میں مشغول رہیں چند لمحوں تک وہ یونہی منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی کہ شاید اماں کو اس پر رحم آجائے مگر۔۔۔ کوئی مثبت جواب نہ پا کر کافی مایوسی سے اٹھی اور بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔

اسے اماں سے ایسے رویے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ آخر کو وہ اپنے ماں باپ کی لاڈلی اور اکلوتی بیٹی تھی۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن اس کے والدین کی مالی حالت بالکل ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے بچوں کی ہر جائز و ناجائز خواہشوں کو پورا کرتے' لیکن پھر بھی وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے تھے کہ اولاد کو کوئی کمی نہ ہو خاص طور پر اونشی' اسے تو کچھ زیادہ ہی اہمیت حاصل تھی۔ اونشی کے ابو گورنمنٹ آفیسر تھے۔ کافی اچھی پوسٹ پر تھے' مگر کبھی اپنی کرسی کا ناجائز استعمال نہیں کیا۔ وہ رزق حلال پر یقین رکھتے ہوئے حرام سے دور بھاگتے تھے۔ آج کل کے مہنگائی کے زمانے میں صرف تنخواہ سے پورا گھر چلانا' بچوں کے تعلیمی اخراجات اور باقی کی ضروریات پوری کرنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے ابو پارٹ ٹائم ملازمت بھی کرتے تھے اور کچھ اماں کا کمال تھا جو گھر کو بہ خوبی سنبھالے ہوئے تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی کہ ماریہ آگئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ اس کے بالکل پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ اپنی سوچوں میں مگن اونشی ایک دم سے چونک اٹھی۔۔۔ بے اختیار ہی ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ گر گیا۔

"تم انسانوں کی طرح نہیں آسکتیں؟" وہ زمین پر کپ کے بکھرے ٹکڑوں کو دیکھ کر غصے سے بولی۔

"کل بھی پیالی ٹوٹی تھی اور آج تم نے کپ گرا دیا۔"

"تم سے کس نے کہا تھا تصوراتی دنیا میں رہنے کو۔ ہر وقت خیالوں میں کھوئے رہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے کبھی گلاس ٹوٹتا ہے تو کبھی کپ' کبھی پلیٹ تو کبھی جگ اور آخر میں دل ٹوٹتا ہے کیوں کہ جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔" ماریہ اس کے خیالی [illegible] میں رہنے کی عادت

سے سخت نالاں تھی۔ وہ اسے ہروقت سمجھاتی رہتی تھی مگر اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

"تمہیں بھی کوئی ضرورت نہیں ہے فلسفہ بگھارنے کی۔ یہ جاگتی آنکھوں کے خواب ہی ہوتے ہیں جو انسان کو کچھ دیر کے لیے اپنے مسائل سے دور کردیتے ہیں ورنہ سوتے میں دیکھے گئے خوابوں کے بارے میں یوں لگتا ہے کہ دوبارہ سے دن بھر کی روٹین شروع ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی تو اس بات کی پہچان بھی نہیں رہتی کہ کون سا خواب ہے اور کون سی حقیقت۔" اونشی کی اپنی ہی سوچ تھی۔

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان دن میں بھی خواب دیکھتا رہے۔" ماریہ اس وقت بحث کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

"ہر کسی کی اپنی مرضی ہوتی ہے چاہے وہ کبھی بھی' کچھ بھی کرے۔ تمہیں اندازا ہی نہیں تصوراتی دنیا کتنی حسین ہوتی ہے۔ تم ایک بار جاکر تو دیکھو کتنا مزا آتا ہے۔ یہ خیالات ایک فلم کی مانند ہوتے ہیں۔ ایسی فلم جس کی ہیروئن' رائٹر' ڈائریکٹر سب ہی آپ ہوتے ہیں جس کا ہر کردار آپ کی مرضی کے مطابق بولتا ہے جو آپ چاہتے ہیں وہی کرتا ہے جب موسم بھی آپ کے کنٹرول میں ہوتا ہے جب بھی چاہا کالی گھٹائیں لاکر بارش برسادی تو کبھی چمکتی دھوپ کو انجوائے کیا۔ کبھی پہاڑوں پر جاؤ تو کبھی اگلے ہی پل سمندر کے کنارے گیلی ریت پر چہل قدمی کرو۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولے جارہی تھی۔

"بس۔ بس۔۔۔ خدا کے لیے اب اور نہیں۔" ماریہ نے ہاتھ جوڑ کر اس کی بات کاٹی۔

"مجھے کوئی شوق نہیں فرضی دنیا میں رہنے کا۔ میرے لیے حقیقی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ میری قسمت میں یہ سب ہوگا تو مجھے مل کر رہے گا نہیں تو میں ایسے بھی اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ شکر ادا کرتی ہوں اپنے رب کا جس نے مجھے مکمل بنایا اتنی پیاری صورت دی' پیار کرنے والے پرخلوص رشتے دیے اور سب سے بڑھ کر ایمان کی دولت سے نوازا۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے۔ جہاں تک خواہشات کا تعلق ہے تو یہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتیں بقول شاعر کے۔ ہزاروں خواہش ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔" ماریہ بہت پراعتماد انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تمہاری ان سب باتوں سے میں متفق ہوں اور خود اپنے لیے ایسی ہی سوچ رکھتی ہوں لیکن۔۔۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے میں کسی نئی دنیا میں چلی جاتی ہوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" اونشی' ماریہ کی باتوں سے اتفاق کرکے بھی اپنی بات چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔

"یہ تصورات تمہیں حقیقی دنیا سے دور کردیں گے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے کیوں کہ حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جاسکتیں بہرحال تمہاری اپنی سوچ ہے اور میری اپنی' میرے خیال سے اس بحث کو یہیں ختم کردو' کیوں کہ نہ تو تم مجھے قائل کرسکتی ہو اور نہ ہی میری بات سمجھ سکتی ہو۔" اونشی نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر بحث ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

"کیوں۔۔۔ ہار مان لی؟" ماریہ طنزیہ انداز سے مسکرائی۔

"میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"تب یوں کہو تمہیں صرف اپنی سنانا اچھا لگتا ہے دوسروں کی سننا نہیں۔" ماریہ کہاں آسانی سے پیچھا چھوڑنے والی تھی۔

"کچھ بھی سمجھو۔ اتنی دیر سے فضول کی ہانک رہی ہو۔ اس دوران میں یہ برتن اپنی جگہ پر رکھ سکتی تھی۔ خیر اب جلدی سے دو کپ چائے بناؤ۔" اونشی نے ایکدم سے بات بدل دی۔

"بات بدلنے میں کچھ زیادہ ہی ماہر نہیں ہو۔" ماریہ نے اس پر چوٹ کی۔

"تمہارا کیا خیال ہے شام تک اسی ایک موضوع پر بات کرتے رہیں گے۔ کرنے کو اور بھی بہت کچھ ہے لیکن۔۔۔ اگر اسی ٹاپک پر تمام دن گزارنا ہے تو ٹھیک ہے جب تک میں یہ برتن رکھ دوں۔ تم چائے بنالو پھر کمرے میں جاکر آرام سے بیٹھتے ہیں۔" اونشی نے

اطمینان سے جواب دیا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں تم سے بحث کرنے کا کیوں کہ تم میں ذرا سی بھی عقل یا شرم ہوتی تو مہمانوں سے کام کو نہ کہتیں۔" ماریہ نے چائے کے لیے پانی رکھتے ہوئے کہا۔

"مہمان ایسے ہوتے ہیں۔" اونشی نے تنقیدی نظروں سے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

"کیوں مہمانوں کے سینگ ہوتے ہیں یا دم؟" ماریہ کو تاؤ آگیا۔

"جیسے بھی ہوں کم از کم تمہاری طرح بالکل نہیں ہوتے۔"

"بے وقوف لڑکی' مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اور رحمت کی اس طرح ناقدری نہیں کیا کرتے۔" ماریہ نے اس میں خوف خدا جگانا چاہا۔

"تم نے شاید یہ نہیں سنا مہمان تین دن کا ہوتا ہے اس کے بعد یہ رحمت زحمت بن جاتی ہے۔"

"پھر طنز کررہی ہو۔۔۔ یاد رکھو اگر مجھے ایک بار غصہ آگیا تو تم منتیں کروگی تب بھی نہیں آؤں گی۔"

"اوئے' ملکہ جذبات! زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ چائے کی طرف دیکھو ابل رہی ہے۔"

"نظر آرہا ہے اندھی نہیں ہوں۔" ماریہ نے تنک کر جواب دیا۔

"اسے کپ میں ڈال کر دونوں کپ اندر لے جاؤ تب تک میں یہ پتیلی بھی دھولوں۔"

"کیا کہنے تمہارے۔ چائے بنادو' کپ میں ڈال کر اندر لے جاؤ اب ساتھ میں یہ بھی کہہ دو کہ دونوں کپ میں پی بھی لوں۔" ماریہ نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "صرف اپنا کپ لے کر جارہی ہوں تم اپنا بوجھ خود اٹھانا سیکھو۔"

"تم تو ہو ہی خود غرض۔" اونشی نے غصے سے اسے گھورا۔

"جو بھی کہو۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہاں سے نکل کر اماں کے کمرے میں آگئی۔

"السلام علیکم خالہ!"

"وعلیکم السلام بیٹا! تم کب آئیں؟"

"کافی دیر ہوگئی کچن میں اونشی کے ساتھ تھی۔" ماریہ نے جواب دیا ساتھ میں اماں کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اماں ماریہ سے اس کے گھر والوں کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ اتنی دیر میں اونشی اپنا کام ختم کرکے آگئی۔ کچھ دیر اماں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ دونوں اونشی کے کمرے میں جانے کے لیے اٹھیں تو اماں نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"اونشی! تم ماریہ کے ساتھ جاکر اپنے لیے وہ سوٹ لے آنا۔" اماں نے تکیے کے نیچے سے اپنا پرس نکال کر اونشی کو پیسے دیے۔

اونشی' پہلے تو حیران ہوئی پھر مارے خوشی کے اماں سے لپٹ گئی۔

"اماں! آپ کتنی اچھی ہیں۔"

"واقعی ماں ہو تو آپ جیسی۔" ماریہ مسکرادی۔ اونشی کی پریشانی اس سے چھپی نہیں تھی۔

"نظر نہ لگادینا میری اماں کو۔" اونشی اترائی۔

"اچھا اب زیادہ مسکے نہ لگاؤ۔ ایسا نہ ہو سوٹ ہاتھ سے نکل جائے۔" اماں نے کہا۔

"تھینک یو اماں!" اس نے ایک بار پھر بے ساختہ ماں کو پیار کیا اور اپنے کمرے میں جاکر تیار ہونے لگی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کا ایک سوٹ پورے مہینے کے بجٹ پر کتنا اثر انداز ہوگا۔

☼ ☼ ☼

سوٹ تو آگیا' لیکن اب ایک نیا مسئلہ ناگ کی طرح پھن اٹھائے کھڑا تھا۔ مسئلہ تھا میچنگ جیولری کا' اس وقت بھی دونوں اسی موضوع پر بات کررہی تھیں۔

"آج کل تو آرٹیفشل جیولری کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔" ماریہ نے اداس بیٹھی اونشی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تو اماں اور پیسے بھی نہیں دیں گی۔" اس نے حد درجہ مایوسی سے کہا۔

ابھی وہ یہ باتیں کر رہی تھیں جب رقیہ بھابھی آگئیں۔ ان کے پڑوس میں رقیہ بھابھی کو آئے ہوئے تقریباً" پانچ مہینے ہوگئے تھے اس تھوڑے سے عرصے میں ہی ان کی ماریہ اور اونشی سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" رقیہ بھابھی نے آتے ہی پوچھا۔

"ایسا کون سا مسئلہ ہے جسے حل کرنے کے لیے سر جوڑے بیٹھی ہو۔"

"کچھ خاص نہیں بس ایسے ہی۔" اونشی نے چھپانا چاہا۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" بھابھی نے معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر ماریہ سے پوچھا۔

"ماریہ! تم بتاؤ۔"

"دراصل میں آج ہم بازار گئے تھے۔ اونشی نے اپنے لیے سوٹ لیا، مگر اس سے میچنگ جیولری فی الحال نہیں مل سکی۔ اسی بات کو لے کر ڈسکس کر رہے تھے۔" ماریہ نے طریقے سے بات بتائی۔

ماریہ نے جب بات شروع کی تو اونشی کو بے حد غصہ آیا، لیکن بات مکمل ہونے پر تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی عادت تھی وہ اپنی ہر بات، ہر کسی سے نہیں کرتی تھی اور خاص طور پر اس قسم کی باتیں۔ صرف ماریہ ہی تھی جس سے وہ ہر بات کرلیا کرتی تھی۔

"تم لوگ یقیناً" قریبی مارکیٹ گئے ہو گے۔ یہاں تو کچھ بھی ڈھنگ کا نہیں ملتا۔ تم لوگ ایسا کرو جہاں سے میں شاپنگ کرتی ہوں۔ وہاں چلے جاؤ۔" انہوں نے مارکیٹ کا نام لیتے ہوئے انہیں مشورہ دیا۔

"وہاں اتنی زبردست آرٹیفیشل جیولری ہوتی ہے کہ بس۔ بندہ سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کیا لوں، دکان سے نکلنے کو جی ہی نہیں کرتا۔" بھابھی کی بات سن کر پل بھر کو اونشی کی جان ہی جل گئی۔ پھر یہ سوچ کر نارمل ہوئی کہ بھابھی کو جو بتایا گیا اسی کے مطابق حل پیش کیا۔ اس نے کون سا انہیں سچ بتایا تھا۔

"کرتے ہیں کچھ۔" اونشی نے کافی بے بسی سے کہا۔ وہ انہیں نہیں بتا سکتی تھی کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔

"اچھا اپنا سوٹ تو دکھاؤ کیسا ہے۔" بھابھی نے فرمائش کی۔ اونشی اٹھی اور الماری سے سوٹ نکال کر بھابھی کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

"بہت خوب صورت ہے۔" بھابھی نے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر یکایک جیسے کچھ یاد آیا۔

"اونشی!" اونشی بجھی بجھی سی تھی۔

"جی۔"

"میرے پاس بالکل اسی کلر کا نگوں والا سیٹ پڑا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں لیا تھا۔ تمہیں پسند آجائے تو وہ لے لو۔" یہ سن کر اونشی کھل اٹھی مگر اپنی انا پرست طبیعت سے مجبور ہو کر محض اتنا کہا۔

"رہنے دیں بھابھی! آپ نے اپنے لیے لیا ہوگا۔ میں دیکھ لوں گی مل جائے گا کہیں سے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی میں نے جس سوٹ کے ساتھ لیا تھا وہ استری کرتے ہوئے جل گیا۔ اب وہ اور کلر کے کپڑوں کے ساتھ تو پہنے سے رہی ایسے ہی پڑا ہے۔ تم لوگ بیٹھو میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" بھابھی کے جاتے ہی اونشی بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔

"دعا کرو میچ کر جائے۔" اس نے بے تابی سے کہا۔ اس کی بات سن کر ماریہ بے اختیار مسکرا دی۔

کچھ ہی دیر میں بھابھی آگئیں۔ خوش قسمتی سے سیٹ میچ کر رہا تھا۔ سیٹ بہت ہی پیارا تھا اور کافی مہنگا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں اسے پہن کر واپس کردوں گی۔" اونشی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے واپس کرنے کی، یہ اب تمہارا ہوگیا۔"

"لیکن بھابھی..." وہ ہچکچائی۔

"لیکن ویکن کیا... تمہیں پسند آیا یہ بڑی بات ہے۔ تم پہنوگی مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔" بھابھی نے

بہت خلوص سے کہا۔

"تھینک یو بھابھی!" اس نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔

"باتیں ہی کرتی جاؤ گی یا چائے کا بھی پوچھو گی۔" ماریہ نے اسے یاد دلایا۔

ماریہ خود چائے کی دیوانی تھی ہر گھنٹے بعد اسے چائے کی طلب محسوس ہونے لگتی تھی۔

"اوہ... واقعی میں باتوں میں بھول ہی گئی۔ ابھی لاتی ہوں چائے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو یہاں پر، میں ابھی ناشتا کرکے آئی ہوں۔" بھابھی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"اس وقت ناشتا؟" ماریہ نے حیرت سے گھڑی پر نظر ڈالی جو اس وقت ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

"یوسف بھائی دفتر نہیں گئے؟" اونشی نے پوچھا۔

"ارے نہیں، وہ تو کب کے جاچکے ہیں۔ ناشتا وہ اپنے لیے خود بنا لیتے ہیں۔ جاتے ہوئے مجھے دروازہ بند کرنے کے لیے جگا دیتے ہیں۔" بھابھی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ کے تو مزے ہیں۔ بے حد لکی ہیں آپ جو یوسف بھائی کو آپ کا اتنا خیال ہے۔" اونشی نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

"مزے تو ہیں پر یہ مزے اتنی آسانی سے نہیں آتے بہت سختیاں اور تکلیف برداشت کی ہے۔"

"مطلب؟" دونوں نے تقریباً" ایک ساتھ ہی کہا۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ابتدائی ڈیڑھ سال میں نے کس عذاب میں گزارے ہیں۔ صبح سویرے ہی سسر جی دروازے پر موجود ہوتے جگانے کے لیے۔ کہتے تھے دیر تک سونے سے نحوست پھیلتی ہے حالانکہ خود اپنی بیٹیاں گیارہ بارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھتی تھیں۔ میں جاگتے ہی پورے گھر والوں کے لیے ناشتا بنانے میں جت جاتی۔ صبح سے شام ہو جاتی، مگر کام ختم ہی نہیں ہوتے۔ اس گھر میں کوئی خود سے پانی نہیں پیتا تھا۔ چائے کا کپ دھونا کسی کو گوارا نہیں تھا وہ بھی سنک میں جمع ہوتے رہتے تھے بلکہ جہاں بھی کچھ کھایا پیا تو اگر بیڈ پر ہوتے تو بیڈ کے نیچے، صوفے پر ہوتے تو اس کے نیچے خالی برتن رکھ دیتے پھر مجھے ہی سارا گھر دیکھنا پڑتا کیوں کہ دوسری صورت میں میں ہی پھوہڑ ٹھہرائی جاتی۔ کیوں کہ ہر کام میرے ذمے تھا۔ بقول میری ساس کے یہ گھر تمہارا ہے تم ہی سنبھالو، بیٹیوں کا کیا ہے وہ تو پرائے گھر کی ہیں کل کو چلی جائیں گی۔ بے شک دوسرے گھر جاتے ہوئے انہیں دس سال لگیں تب تک بہویں ان کی خدمتیں کریں۔ میں پھر بھی برداشت کرتی تھی، لیکن ان لوگوں کو میری اتنی خدمتوں کے باوجود بھی کوئی نہ کوئی شکایت ضرور رہتی تھی۔ روز ہی کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کر دیتیں۔ یوسف کو بہکاتی رہتیں۔ میرے خلاف ان کے پاس زیادہ کچھ تھا نہیں کیوں کہ میں ایسا موقع دیتی ہی نہیں تھی تب یہ لوگ کہتے تھے یہ ہمارے ساتھ اٹھتی بیٹھتی نہیں۔ پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے۔ مغرور ہے اور جانے کیا کیا... حالانکہ میں پوری کوشش کرتی تھی ان کے ساتھ بیٹھنے کی بات کرنے کی، مگر ظاہر سی بات ہے تمام دن مجھے گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی جو تھوڑا بہت وقت فراغت کا ہوتا تھا وہ مجھے ان کے ساتھ گزارنا ہوتا تھا، میں اپنے کمرے میں جاکر دو گھڑی آرام نہیں کرسکتی تھی نہیں تو یہ لوگ باتیں بنانا شروع کردیتے... تم لوگوں کو نہیں پتا میں نے کتنی اذیت سہی۔ ان لوگوں نے مجھے ذہنی طور پر ٹارچر کیا تھا۔" بھابھی نے ایک جھرجھری لیتے ہوئے بتایا۔ وہ دونوں بڑے غور سے انہیں سن رہی تھیں۔

"یوسف بھائی کچھ نہیں کہتے تھے؟" اونشی نے پوچھا۔

"ماں کو کچھ کہنے کی ان میں ہمت نہیں تھی بس مجھے ہی صبر کی تلقین کرتے رہتے۔ کہتے تھے "میرے لیے برداشت کرو" لیکن آخر کب تک۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں کہاں تک گزارا کرتی۔ بالآخر یوسف کو مجھ پر رحم آگیا اور اب سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں بہت سکون سے ہوں، کوئی پریشانی نہیں۔ شاید میرے صبر کا پھل ہے۔" یہ

کہتے ہوئے بھابھی کے چہرے پر یکلخت بے پناہ طمانیت چھا گئی۔

"یہ تو آپ کی ہمت تھی جو اتنا برداشت کیا۔ آپ کی جگہ میں ہوتی تو چند ہی دنوں میں گھر چھوڑ کر چلی جاتی۔ آپ وہاں بہو بن کر گئی تھیں نوکرانی بن کر نہیں جو اتنی خاموشی سے ان کی خدمتیں بھی کرتی رہیں اور باتیں بھی سنتی رہیں۔" اونشی کو بھابھی کے سسرال والوں پر سخت غصہ آیا۔

"برداشت کرنا پڑتا ہے، کسی کی خاطر۔" بھابھی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"تم نے ابھی کچھ دیکھا نہیں اس لیے جذباتی ہو رہی ہو۔ یاد رکھو شادی کے بعد لڑکی میں خود بخود صبر و تحمل اور برداشت کی عادت آجاتی ہے۔"

"میں آپ کی بات سے ایگری نہیں کرتی۔ اگر میرے سامنے یا میرے ساتھ کچھ غلط ہو گا تو میں اس کے خلاف ضرور آواز اٹھاؤں گی۔ ناجائز بات برداشت کرنا میری سرشت نہیں۔ ویسے بھی ظالم کے ظلم پر خاموش رہنا ظالم کی مدد کے مترادف ہے۔"

"تمہاری بات بھی ٹھیک ہے، لیکن صحیح غلط کی پہچان ہر کوئی رکھتا ہے۔ اگر میرے سسرال والے میرے ساتھ برا کرتے تھے تو یہ بات سب کے علم میں تھی۔ کوئی میری برائی نہیں کرتا تھا، سب انہیں ہی غلط سمجھتے تھے۔ خود یوسف کو بھی احساس تھا۔ اگر وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے، مجھے صبر کا کہتے تھے تو اس وجہ سے کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔ میں نے گزارا کیا صرف یوسف کی خاطر۔ صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ اس کی مثال میں خود بھی ہوں۔ میں نے تھوڑی سی تکلیف سہی، مگر صلے میں آج مجھے اتنی خوشیاں ملی ہیں اور سب سے بڑھ یوسف بھی یہ بات مانتے ہیں کہ میں نے ان کے لیے کیا کچھ برداشت نہیں کیا۔" بھابھی نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

اس بات سے اونشی بھی انکار نہیں کر سکتی تھی کہ بھابھی کی موجودہ طرز زندگی قابل رشک تھی۔ گھر میں کوئی خاص کام ہوتا نہیں تھا۔ دو بندوں کا کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ رات کا کھانا وہ لوگ تقریباً" روز ہی باہر کھاتے۔ شام کو گھومنے کے لیے نکل جاتے۔ پھر رات گئے واپس آتے۔ آئے دن میکے کے چکر لگتے رہتے۔ شاپنگ کی تو بھابھی کو بیماری تھی۔ جب دیکھو شاپنگ پر جاتی رہتیں۔ اپنے گھر میں وہ شہزادیوں کی طرح رہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج تایا جی اور تائی آئے تھے۔ سلمان کی منگنی تھی اس کی دعوت دینے۔ اماں، ابو کو شدید دھچکا لگا تھا۔ خاص طور پر ابو کو، انہیں اپنے بھائی پر کچھ زیادہ ہی مان تھا۔ بھائی سے انہیں اس رویے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ تایا جی کی صورت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ شرمندہ ہیں، لیکن انہوں نے یہ ظاہر کرنے، معافی مانگنے یا صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ شاید انہیں تائی کی اجازت نہیں تھی یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی بھول گئے ہوں۔ بھائی کو دی ہوئی زبان کے بارے میں یاد نہ رہا ہو۔

اماں اور ابو کو بے حد دکھ تھا۔ ان کے خیال میں سلمان جیسا لڑکا انہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ رشتہ ختم ہونے پر دونوں کچھ زیادہ ہی پریشان تھے۔ اماں تو باقاعدہ کوسنے دے رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان لوگوں کی وجہ سے ہی اب تک اونشی کے لیے خاندان سے کوئی رشتہ نہیں آیا تھا۔ ان کی یہ سوچ ٹھیک بھی تھی۔ اونشی تھی ہی اتنی پیاری اور سلجھی ہوئی کہ کوئی بھی اسے بہو بنانے کی خواہش کر سکتا تھا۔ لیکن تایا جی کی وجہ سے کوئی سامنے نہیں آیا اور اب تو بقول اماں کے سارے اچھے اچھے رشتے نکل ہو گئے تھے۔ آج کل تو ویسے بھی اچھے رشتوں کی کمی تھی۔ اماں، ابو کی پریشانی بلاوجہ نہیں تھی۔

جہاں ان کے کاندھوں پر چٹان جیسا بوجھ آگیا تھا۔ وہیں پر اونشی کے دل و دماغ سے بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ اس رشتے کے لیے قطعی راضی نہیں تھی۔ سلمان میں ایسی کوئی برائی نہیں تھی کہ وہ اس سے نفرت کرتی یا

ناپسند کرتی اور تایا جی وہ تو تھے ہی مہربان اور پر شفقت، اونشی کو وہ سگی بیٹی جیسا پیار کرتے تھے۔ اس کے انکار کی وجہ تائی تھیں۔ تائی جی کا متکبرانہ انداز، غرور بھری باتیں اونشی سے لمحے بھر کو بھی برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ چہ جائیکہ زندگی بھر۔ وہ جانتی تھی تائی جی کے ساتھ اس کا ایک دن گزارا کرنا بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ غلط بات برداشت کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ نہ ہی اسے منافقت آتی تھی۔ حق بات کے لیے ہر وقت لڑنے کو تیار رہتی۔ کسی کو آسانی سے بالکل بھی معاف نہیں کرتی۔

کچھ تربیت کا اثر تھا تو کچھ نیچر ہی ایسی تھی اور ایک پہلی اولاد اوپر سے اکلوتی بیٹی، ماں، باپ کے لیے کچھ زیادہ ہی خاص ہوتی ہے۔ اس کی ہر بات ماننا، اسے اہمیت دینا گویا وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ والدین کا حد درجہ اعتماد اور بے پناہ محبت شخصیت میں خود بخود ہی آمرانہ پن لے آتا ہے۔ ایسے میں مدمقابل بھی ایسا ہی کوئی ہو تو اس کے ساتھ نباہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اونشی اور تائی جی کے ساتھ ہی یہی معاملہ تھا۔

اونشی کو ڈر تھا کہیں تایا جی یا سلمان، تائی جی کو راضی نہ کرلیں۔ کیونکہ اماں، ابو تو اپنی بات سے پھرنے والے نہیں تھے۔ پھر اس کے لیے مشکل ہو جاتی۔ ابو اس کی ہر بات مانتے تھے مگر اسے یقین تھا اس معاملے میں وہ ان کی ایک نہیں سنیں گے۔ انہیں سمجھانا ناممکن ہی تھا۔

وہ کپڑے دھو کر فارغ ہوئی تو دھوپ ڈھل رہی تھی۔ سورج ان کے گھر سے رخصت ہونے کو بے قرار دکھائی دے رہا تھا۔ صحن کے کچھ ہی حصے پر دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وقت اسے ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ چھت پر کپڑے پھیلا کر نیچے آئی۔ پورے صحن میں امرود کے درخت کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جانب کیاری بنی ہوئی تھی۔ جس میں رنگ برنگے پھولوں والے پودے تھے۔

اسے پودوں کے ساتھ وقت گزارنا، ان کا خیال رکھنا بے حد اچھا لگتا تھا۔ مگر گھر کے کاموں سے کم ہی فرصت ملتی تھی۔ البتہ ابو روز کام سے آنے کے بعد کچھ ٹائم پودوں کو ضرور دیتے تھے اور اتوار کا پورا دن ہی ان کی تراش خراش میں گزار دیتے تھے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اماں دن رات اونشی کے اچھے رشتے کے لیے دعائیں مانگتی رہتیں۔ اونشی کا دکھ انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ البتہ ابو اس معاملے میں بے فکر تھے۔ انہیں اپنے اللہ پر پورا بھروسا تھا کہ وہ بہتر اسباب مہیا کرے گا۔ انہیں یقین تھا رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ جو قسمت میں ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے۔ بس اس کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ پھر پریشان ہونے کی کیا تک ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے جو کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ اس سوچ کے ساتھ ابو نے سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رکھا تھا۔

پھر بہت ہی جلد ابو کا یقین اور اماں کی دعائیں رنگ لے آئیں۔ اونشی کے لیے بہت ہی اچھا رشتہ آیا۔ ابو کے دوست کا بھانجا تھا۔ ویل ایجوکیٹڈ، گڈ لکنگ اور بہت ہی اچھی جاب پر تھا۔ والدین فوت ہو چکے تھے۔ ایک بہن تھی وہ بھی شادی شدہ۔ سننے والے سنتے تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ قسمتیں ایسے بھی کھلتی ہیں۔ جو لوگ سلمان سے اونشی کا رشتہ ختم ہونے پر رحم بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ آج اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔

ان لوگوں نے پہلی ملاقات میں اونشی کو پسند کر لیا۔ دوسری بار وہ اسے معاذ کے نام کی رنگ پہنانے آئے۔ معاذ سے ملنے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اماں، ابو کے دل میں ذرا سا بھی کوئی ڈر تھا وہ ختم ہو گیا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے نہیں تھک رہے تھے کہ اس نے انہیں اتنا نیک، سمجھدار اور سلجھا ہوا داماد دیا۔ دوسری جانب اونشی بھی معاذ کے بارے میں سب کے تبصرے اور تعریفیں سن کر ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

"یار! ایک بات تو بتاؤ، تم نے کسی مزار پر کوئی منت مانی تھی؟" ماریہ نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔ اونشی

حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"ظاہری بات ہے لوگ عام سے رشتوں کے لیے دعائیں مانگتے' وظیفے کرتے ہیں اور تمہیں اتنا پرفیکٹ بندہ ملا جس کے بارے میں' میں اتنی کوشش کے باوجود کوئی خامی نہیں نکال سکی۔ اس کے لیے یقیناً" تم نے کچھ خاص کیا ہوگا۔ کہیں کوئی چلہ وِلہ تو نہیں کاٹا وہ بھی قبرستان جاکے۔" ماریہ نے شرارت سے کہا۔

"اچھا زیادہ بکواس نہ کرو۔" اونشی جھینپ گئی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں نے تو کبھی اپنے لیے ڈھنگ سے دعا بھی نہیں کی اور فرض کرو ایسا ہے بھی تو تمہیں بتانے کا فائدہ تمہارا تو ویزا لگ چکا ہے جلد ہی ٹکٹ بھی کٹ جائے گا۔"

ماریہ کا رشتہ اس کے ماموں زاد سے طے ہو چکا تھا۔ اونشی اس کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

"یار! اگر مجھے ایسا کوئی بندہ ملے تو میں اپنا ویزا آج ہی کینسل کرا دوں۔" ماریہ نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"توبہ۔۔۔ توبہ۔۔۔ تمہارے یہ خیالات ہیں۔" اونشی نے مصنوعی تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اسے غیرت دلانی چاہی۔

"کیوں۔۔۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ تم شاید میرے سسرال کے بارے میں بھول رہی ہو پورے کا پورا پلٹن ہے۔ چھ دیور' تین نندیں اور ساس' سسر الگ۔ خود کو ون پیس ملا ہے اس لیے اترا رہی ہو۔ نہ ساس' سسر کی جھنجھٹ' نہ نند' دیور کی چخ چخ۔۔۔ اس گھر میں جا کر مجھے کن مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ سوچ سوچ کر مجھے ابھی سے ہول اٹھ رہے ہیں۔ پتا نہیں امی' ابو نے کس جرم کی سزا کے طور پر میرا رشتہ وہاں کر دیا۔" وہ نہایت بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

"اوئے۔۔۔ اوئے زیادہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ رشتہ صرف تمہارے امی' ابو کی پسند سے نہیں ہوا تھا۔ تم خود بھی جنید سے منگنی پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔" اونشی نے اسے ٹوک کر یاد دلایا۔

"جانے کیوں؟ اس وقت میری مت ماری گئی تھی جو میں اس کے ڈائیلاگ بازی میں آگئی یا پھر شاید اس نے مجھے کچھ گھول کر پلا دیا تھا۔" ماریہ نے کچھ اس انداز سے کہا کہ اونشی کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

"بکواس ہی کرتی رہنا۔۔۔ اور یہ الو کسی اور کو بنانا۔ تمہاری یادداشت کام نہیں کر رہی تو ایک بار پھر میں یاد دلا دیتی ہوں کہ ____________

___ بلند و بالا دعوے اس نے منگنی کے بعد شروع کیے تھے۔ منگنی سے قبل تم دونوں کی ٹھیک طرح سے بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میری باتیں تو اب تمہیں بکواس ہی لگیں گی۔" ماریہ کے پاس اب اونشی کی بات کا جواب نہیں تھا۔

"پہلے کون سا میں تمہاری باتوں کو اقوال زریں سمجھ کر لکھ کر اپنے پاس رکھتی تھی۔"

"اچھا چھوڑو یہ سب۔۔۔ یہ بتاؤ معاذ سے فون پر بات ہوئی۔" ماریہ نے پوچھا۔

"کہاں یار!" اونشی نے بڑی حیرت سے کہا۔

"ابو اجازت نہیں دیں گے۔ وہ اس بات کے خلاف ہیں۔ ویسے اس نے بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"کیا عجیب انسان ہے؟ اسے اپنی منگیتر کے بارے میں کچھ جاننے کی خواہش ہی نہیں۔" ماریہ نے تعجب سے کہا۔

"اچھا ہے نا آج کل کے چھچھورے لڑکوں کی طرح نہیں ہے۔ مجھے تو ایسے ہی سوبر اور باوقار لوگ اچھے لگتے ہیں۔" اونشی نے فوراً" ہی اس کی سائیڈ لی۔

"اوہو۔۔۔ بڑی طرف داریاں ہو رہی ہیں۔" ماریہ نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ایک عام سی بات کر رہی تھی۔" اونشی کھسیا گئی۔

"ویسے اونشی! تم ہو بہت لکی تمہاری زندگی بالکل رقیہ بھابھی کی طرح ہوگی۔ انہیں تو پھر بھی اتنی مشکلات کے بعد خود مختارانہ اور پرسکون زندگی ملی اور

جب ابھی ابھی شازیہ کہہ کر گئی تھی کہ معاذ کو یہ سب پسند نہیں۔ اسی نے کمرہ سجانے سے منع کر دیا تھا۔ یہ سن کر اس کے دل کو ٹھیس سی پہنچی۔ اسے بے حد خواہش تھی کہ اس کی سیج گلاب اور موتیا کی لڑیوں سے سجی ہو۔ اسے یہ ڈر ضرور تھا کہ جانے ان کی پسند کیسی ہوگی ان لوگوں نے کمرے کو کیسے سجایا ہوگا مگر یہ تصور ہی نہیں کیا تھا کہ اس قدر سادگی سے کام لیا ہوگا۔ وہ اس سوچ میں تھی جب اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے جلدی سے گھونگھٹ گرا دیا۔ دھڑکن ایک دم سے بے ترتیب ہو گئی۔ دروازہ کھلا' وہ اندر داخل ہوا۔ آنکھوں میں ہزاروں خواب لیے' ان گنت امیدوں کے ساتھ اونشی خود میں سمٹ گئی۔

یہ رات جس کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہا جاتا۔ جو عمر بھر کے لیے یادگار ہوتی ہے۔ اونشی کے لیے بھی یہ یادگار ہی بنی۔ مگر صورت حال مختلف تھی۔ اس پر بار بار حیرت کے در کھلتے جا رہے تھے۔ اس کے کان جو یہ سننے کے منتظر تھے کہ وہ اسے اپنا حال دل سنائے۔ اسے بتائے کہ اسے دیکھنے اس سے ملنے کے لیے وہ کتنا بے چین و بے قرار تھا۔ اس کی خوب صورتی کی تعریف کرے۔ اس سے پیار و محبت کی باتیں کرے۔ مگر۔۔۔ وہ تو کسی اور ہی دنیا کا باسی تھا۔ اس کے پاس اونشی کے لیے اس کے بیتے ہوئے کل کی کہانی تھی۔ جو وہ اسے سنا رہا تھا۔ وہ بے حد کم عمر تھا۔ جب اس کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ تب بہن نے ہی اس کی مدد کی' اسے سہارا دیا۔ اس لیے وہ اب اپنی بہن کا احسان مند تھا۔ رات دیر تک وہ اسے بہن کے قصیدے سناتا رہا۔ اس نے صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"میری بہن میرے لیے بہت اہم ہے۔ ان کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے۔ خیال رکھنا آپا کو تم سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں تم سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ بس آپا کا احترام کرنا' عزت کرنا' انہیں کوئی دکھ پہنچائے' یہ میں کبھی برداشت نہیں کروں گا۔"

معاذ نے ایک بار بھی نہیں سوچا۔ وہ لڑکی جسے اپنا گھر اپنے پیارے چھوڑے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ جس کی آنکھوں میں ابھی تک جدائی کا منظر گھوم رہا ہے۔ جو اپنوں کو چھوڑ کر ایک دم انجان لوگوں کے درمیان آئی' تو جہاں اس کے دل میں ان گنت امیدیں ہیں۔ وہیں لاتعداد وسوسے بھی ہیں۔ بجائے اس کے کہ معاذ اپنے رویے' اپنی باتوں سے اس کا ڈر ختم کرتا' اعتماد بحال کرتا۔ وہ کوئی اور ہی راگ الاپتا رہا۔ کافی دیر تک اس کا چہرہ دیکھنے کا خیال بھی نہیں آیا۔ بتیاں بجھانے سے پہلے اس کا گھونگھٹ اٹھایا اور اس کے ہاتھ میں دو نوٹ تھما کر بولا۔

"مجھے تمہاری پسند ناپسند کا اندازا نہیں تھا۔ اس لیے منہ دکھائی میں کچھ نہیں لیا' تم اپنی پسند سے لے لینا۔" اونشی کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا' دل ایک دم سے بھر آیا۔ اس کی نازک طبیعت کے لیے یہ سب کچھ انتہائی غیر متوقع تھا۔ تمام رات وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ جب نئی زندگی کی شروعات ہی اتنی عجیب ہوں تو آگے کیا ہوگا؟ صبح ہوئی تو رات کی باتوں پر افسردہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نئی فکر بھی لاحق ہوئی۔ کچھ دیر میں اس کے گھر سے ناشتا آنے والا تھا۔ ناشتا لانے والی کزن اور دوست جب اس سے منہ دکھائی کے بارے میں پوچھیں گی تو وہ کیا جواب دے گی۔ کیسے بتائے گی کہ اسے منہ دکھائی میں کچھ نہیں ملا۔ ایسے معاملات میں اسے خود سے زیادہ دنیا والوں کی پروا ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اسے یہی فکر کھائے جا رہی تھی۔ اسے ابھی سے شرمندگی ہونے لگی تھی۔

اس وقت اسے ایک آئیڈیا آیا۔ اس کے پاس ایک نیکلس پڑا تھا جو دیکھنے میں بالکل سونے کا لگتا تھا۔ اس نے جلدی سے وہ نکال کر پہن لیا اور خود کو ذہنی طور پر اس بات کے لیے تیار کر لیا کہ میکے والوں کو کیا بتانا ہے۔ اس کی انا پرست طبیعت بالکل بھی گوارا نہیں کرتی کہ کوئی اس سے حیرت بھرے سوالات کرے۔ اس کے گھر والے آئے۔ دوستوں نے آتے ہی سوالات کی بھرمار کر دی۔ پہلا سوال منہ دکھائی کے بارے میں تھا۔ اونشی کا ہاتھ نیکلس کی جانب گیا۔

"واؤ! یہ گفٹ دیا ہے معاذ بھائی نے۔" اس کی کزن

تمہیں بغیر کسی تکلیف یا تنگ و دو کے۔" ماریہ نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

آنے والے وقت کے خوش کن تصور میں کھو کر اونشی کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی قندیلیں جل اٹھیں' چہرہ جیسے جگمگا اٹھا' گالوں پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔ شرمیلی دھیمی سی مسکان اس کے ہونٹوں پر آکر ٹھہر گئی۔

"دعا کرنا وہ بھی مجھے ایسے چاہیں' جیسے یوسف بھائی رقیہ بھابھی کو۔" دونوں ہی ان سے متاثر تھیں۔

"تم جیسی خوب صورت اور پیاری سی لڑکی کو دیکھ کر تو کوئی بھی لٹو ہو سکتا ہے۔ دیکھنا تمہیں دیکھ کر وہ بھی تمہارا دیوانہ ہو جائے گا۔" ماریہ نے نہایت پر یقین لہجے میں کہا۔

معاذ کی بہن ملتان میں رہتی تھیں۔ وہ جانے سے پہلے بھائی کا گھر بسانا چاہ رہی تھیں۔ اس لیے وہ لوگ جھٹ منگنی کیے بغیر ہی پٹ بیاہ کے چکر میں تھے۔ اماں' ابو اس قدر جلدی کرنے میں تامل سے کام لے رہے تھے۔ مگر انہوں نے اپنی مجبوریاں بیان کرکے انہیں منا ہی لیا۔ سب کچھ آناً "فاناً" ہو گیا۔

اماں' ابو نے دل کھول کر اکلوتی بیٹی کے لیے جہیز تیار کیا۔ ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ ہر کوئی اماں' ابو کی پسند کو داد دے رہا تھا۔ تمام تیاری بے حد شاندار تھی۔ شادی کی خریداری کے لیے اونشی بہت کم ہی بازار گئی۔ چونکہ امی اس کی پسند سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس لیے اونشی ان کی خریداری سے مطمئن تھی۔ البتہ جب بری آئی تو تقریباً "سب کو ہی دھچکا لگا۔ جوڑے بھی کم تھے اور جو تھے وہ اتنے خاص نہیں تھے۔ لیکن امی نے یہ کہہ کر سب کے منہ بند کیے کہ معاذ کی بہن شازیہ گاؤں کی رہنے والی ہیں۔ اس لیے انہیں شہر کے فیشن کا کچھ اندازہ نہیں۔ دوسری جانب شازیہ کا بھی یہ کہنا تھا کہ سوٹ اس لیے کم رکھے ہیں کہ بعد میں اونشی' معاذ کے ساتھ اپنی پسند کی شاپنگ کر لے گی۔ یہ سن کر اونشی نے قدرے اطمینان کی سانس لی تھی۔

شادی کا دن بھی آپہنچا۔ دلہن بن کر اونشی پر اسی قدر روپ چڑھا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ سبھی بے اختیار تعریف پر مجبور ہو جاتے۔ تائی ۔ تایا اور سلمان بھی آئے تھے۔ تائی جی اپنے مخصوص متکبرانہ انداز کے ساتھ شادی میں شریک ہوئیں۔ ان سے مل کر یک لخت ایک اطمینان بھری لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔

"کتنا اچھا ہوا جو تائی جی نے خود ہی اس رشتے کو ختم کر دیا تھا۔" اس نے دل میں سوچا۔

اسے دیکھ کر اس سے مل کر سلمان کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا۔ آنکھوں سے وہ جذبہ چھلک رہا تھا جسے اس نے بارہا محسوس کیا تھا مگر جان کر بھی انجان بنتی رہی۔ اس سے دور' دور بھاگتی رہی۔ اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے سلمان بھی کبھی اپنے احساسات کو الفاظ کی شکل نہیں دے سکا اور ماں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا۔ قرآن کی چھاؤں میں' آنچل میں بابل کی دعائیں سمیٹ کر' ماں اور بھائیوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کو چھوڑ کر اونشی رخصت ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

اونشی اس وقت کمرے میں اکیلی تھی۔ اس کی حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔ دل زور' زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے اس شخص کا انتظار تھا جسے اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا جسے وہ ٹھیک طرح سے جانتی نہیں تھی۔ مگر وہ اب اس کی زندگی کا مالک تھا۔ کتنا عجیب سا رشتہ ہے یہ۔ صرف تین لفظ دو انجان لوگوں کو زندگی بھر کے لیے ایک کر دیتے ہیں۔ ایسا مضبوط تعلق بن جاتا ہے کہ سگے خون کے رشتے بھی پرائے بن جاتے ہیں۔ اس کے کان دروازے پر لگے ہوئے تھے۔ فی الحال باہر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اونشی نے ڈرتے ڈرتے گھونگھٹ اٹھایا۔ کمرے پر چاروں طرف ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اس کے جہیز کا فرنیچر سلیقہ کے ساتھ سیٹ تھا۔ البتہ سجاوٹ نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے گھر کا کوئی عام سا کمرہ' کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ حجلہ عروسی

لائبہ نے ستائشی انداز میں کہا۔

"کتنا پیارا ہے۔"

"سونے کا ہے؟" ایک اور سوال اٹھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے لیے جھوٹ بولنا بہت مشکل تھا۔ مذاق میں کچھ کہنا الگ بات ہے۔ مگر سنجیدہ باتوں میں وہ جھوٹ سے بچتی تھی۔ اس لیے جب معاذ کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ کوئی قصہ گھڑنے کے بجائے اس بارے میں کچھ کہے بغیر دھیمی سی مسکان ہونٹوں پر سجائے خاموش رہی۔ اس کی خاموشی کو انہوں نے شرم سے تعبیر کیا۔

البتہ ماریہ گہری سوچ میں ڈوبی بڑے غور کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سوچ میں تھی کہ آخر اونشی نے جھوٹ کیوں بولا۔ وہ نیکلس اچھی طرح پہچان گئی تھی۔ وہ اونشی کے ساتھ تھی۔ جب اونشی نے یہ نیکلس خریدا تھا۔ اس کے دل میں بڑی کھلبلی ہو رہی تھی۔ وہ اونشی سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔ دوسری جانب اونشی بھی اس سے بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔ مگر اس کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

سب چلے گئے۔ وہ ایک نئے گھر' نئے ماحول اور انجان لوگوں کے درمیان بالکل اجنبی بن کر رہ گئی۔ دل کو پھر بھی یہ تسلی تھی کہ رات کو ولیمہ تھا۔ جس میں گھر والوں سے ملاقات ہو جاتی۔ اسے ابھی سے گھر کی یاد ستانے لگی تھی۔ کچھ تو معاذ کا رویہ حوصلہ افزا نہیں تھا تو کچھ اس کے خاندان اور گھر والے بھی عجیب تھے۔ جب سے وہ آئی تھی کوئی دو گھڑی اس کے پاس بیٹھا نہیں تھا' کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ سخت حیران تھی آخر یہ کیسے لوگ ہیں۔ ان کی نظر میں دلہن کی کوئی ویلیو ہی نہیں تھی۔ وہ ابھی اسی حیرت میں تھی کہ ایک اور جھٹکا لگا۔ رات کو معاذ باتوں باتوں میں کہنے لگا۔

"آج تمہارا پہلا دن تھا اور پہلے ہی روز تم نے سب کو ناراض کر دیا۔"

"کیا... کس بات پر؟" مارے حیرت کے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"سب نے مجھ سے گلہ کیا کہ تم کسی سے بات نہیں کر رہی تھیں۔ مگر جب میکے والے آئے تو ان سے ہنس ہنس کر بول رہی تھیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آج میرا پہلا دن تھا آپ کے خاندان والے میرے لیے نئے ہیں جن سے میں پہلی بار مل رہی ہوں۔"

"اگر نئے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم کسی سے بات نہیں کرو گی۔" معاذ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسا کب کہا ہے۔ پہلی ملاقات میں بھی بات چیت ہوتی ہے۔ اگر وہ لوگ میرے پاس آتے مجھ سے گفتگو کرتے تو یقیناً" میں بھی ان کا ساتھ دیتی۔ لیکن اب اپنے ہی ولیمہ والے روز میں خود پورے ہال میں دندناتی پھرتی۔ سب کے پاس جا جا کر احوال پوچھتی تو ایک دن کی دلہن کو یہ بات بالکل بھی زیب نہیں دیتی۔ چلو فرض کرو اگر میں ایسا کر بھی لیتی تو تمہارے ہی خاندان والے سب سے پہلے باتیں سناتے کہ کیسی بے شرم لڑکی ہے شرم و حیا تو نام کو نہیں۔" اونشی بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ ایسی ویسی بات اس سے کہاں برداشت ہونی تھی۔

"وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ یہ تمہارے اپنے ذہن کی اختراع ہے ابھی سے ہی تم ان کے خلاف ہو رہی ہو۔" معاذ کو اس کی بات کچھ اچھی نہیں لگی۔

"تمہارے خاندان والے کیسے ہیں یہ تو ان کے گلے سے ہی ظاہر ہو گیا۔" اونشی کو بھی غصہ آگیا۔

"یہ تو چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی جانتا ہے کہ دلہن میں شرم اور جھجک لازمی ہوتی ہے اور جس میں نہ ہو تو لوگ فوراً" اسے بے حیا کا لقب دے دیتے ہیں۔"

"خیر... تم ناراض مت ہو۔ میں نے انہیں خود تمہاری صفائی پیش کر دی تھی۔ میں نے بھی ان سے یہی کہا کہ تم نئی ہو اس لیے شرما رہی ہو اور وہ لوگ بھی کوئی تمہاری شکایت نہیں لگا رہے تھے۔ بس بات برائے بات ایسا کہہ دیا تم دل پر مت لو۔" معاذ نے مسکراتے ہوئے اس ٹاپک کو ختم کرنا چاہا۔

اونشی کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ ناجائز بات اس کے تن بدن میں آگ لگا دیتی تھی۔ ابھی محض شادی کی دوسری رات تھی۔ اس لیے اس نے بات کو بڑھانا مناسب نہیں سمجھا اور بڑی مشکل سے اپنے غصے کو قابو کیا۔

——— معاذ اس رات کافی موڈ میں تھا۔ اونشی کا بھی کچھ ہی دیر میں موڈ اچھا ہو گیا اور وہ اس بات کو بھول گئی۔ دوسری صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے معاذ کو خود پر جھکے ہوئے پایا۔ وہ اسے آواز دے کر جگا رہا تھا۔

"اٹھو اونشی! دیر ہو رہی ہے۔" وہ آنکھیں مسلتے ہوئے بیٹھ گئی۔ اٹھنے کو بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ جی یہ چاہ رہا تھا کہ پھر سو جائے اور اپنی نیند پوری کرے۔ تب ہی اس کی نگاہ وال کلاک پر پڑی۔

"ساڑھے سات؟" بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا۔

"معاذ یہ گھڑی ٹھیک ہے؟"

"ہاں کیوں؟" معاذ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہاری تو چھٹیاں ہیں نا۔ پھر اتنی جلدی جاگنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"دراصل میں بھائی جان اور آپا جلدی جاگ جاتے ہیں۔ اس لیے اچھا نہیں لگتا کہ وہ بیٹھ کر ہمارا انتظار کریں اور ہم سوتے رہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آج سے ناشتا تم بناؤ۔ آپا تو مہمان ہیں، چلی جائیں گی گھر تو اب تمہارا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور اونشی بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ دل میں بے ساختہ یہ خیال آیا۔ وہ مہمان ہے تو میں کیا ہوں۔ اس گھر میں آج میرا صرف تیسرا دن ہے اور کیا کسی دلہن سے کام ایسے شروع کرایا جاتا ہے۔ وہ گم سم سی اٹھی اور باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے سے معاذ کی آواز سنائی دی۔

"اونشی! میں نیچے جا رہا ہوں تم تیار ہو کر آ جانا۔"

اونشی کافی بجھے دل سے تیار ہوئی۔ میک اپ بھی نہیں کیا۔ یہ سوچ کر کہ جاتے ہی چولہے کا سامنا کرنا ہے تو میک اپ کا فائدہ۔ مگر پھر بھی دل کے کسی کونے میں یہ خوش فہمی ضرور تھی کہ ہو سکتا ہے آپا اس سے کوئی کام نہ کرائیں۔ لیکن اس وقت اس کی حیرت مزید دوچند ہو گئی جب آپا نے خود اسے فرمائشی لسٹ گنوائی کہ ناشتے میں کون کیا لیتا ہے اور صرف ناشتے پر ہی تکیہ نہیں ہوا۔ آپا نے اس روز کپڑے دھونے کی مشین بھی لگائی چھوٹے بچے کا ساتھ تھا اس لیے نہ تو ان سے کچن سنبھل رہا تھا، نہ ہی کپڑے دھل رہے تھے۔ تب ہی وہ بار بار اونشی کو کبھی کپڑے کھنگالنے کا کہتیں تو کبھی کچن کے کام میں لگا دیتیں۔

اونشی سخت تعجب میں تھی کہ اس کا واسطہ کن لوگوں سے پڑا ہے۔ جنہیں دنیا کے رسم و رواج کی کوئی سمجھ بوجھ ہی نہیں تھی۔ ورنہ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ دلہن سے جب تک باقاعدہ طور پر کوئی میٹھا نہیں بنایا جاتا۔ تب تک اس سے کوئی کام نہیں کراتے۔ اسے شادی میں مختلف قسم کی رسومات اچھی لگتی تھیں۔ میکے میں جو بھی رسمیں ہوتی ہیں وہ تو اماں ساری کرائی تھیں۔ لیکن رخصتی کے بعد اس کے ساتھ کوئی رسم نہیں ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی کوئی رسم ہی نہیں تھی یا پھر۔ ان کے دل میں ارمان نہیں تھے۔

اسے دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ اس سے کام کرایا گیا۔ گھر کے کام کرنا اس کے لیے مشکل نہیں تھے۔ بلکہ اگر وہ اس سے کام کا نہ بھی کہتے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اونشی آرام سے بیٹھی رہتی۔ کام کرنے کو وہ ہمیشہ تیار رہتی۔

خاص طور پر اس صورت میں جب کوئی مشکل میں ہوتا۔ جب آپا سے اکیلے سب کام نہیں سنبھل رہے تھے تو یقیناً" وہ خود سے بڑھ کر ان کی مدد کرتی، کیونکہ یہ اس کی عادت تھی مگر جس انداز میں انہوں نے اس سے کام کا کہا اور جس طریقے سے کام کرایا۔ اس سے اونشی کو بے عزتی محسوس ہوئی، سخت ناقدری کا احساس ہوا یوں لگا جیسے وہ گھر میں ملازمہ بن کر آئی ہے۔

☆ ☆ ☆

آج اونشی بہت خوش تھی۔ کیونکہ میکے میں ان کی دعوت تھی۔ اپنے پیاروں سے ملنے کی خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ یہ چند دن کی دوری اسے سالوں پر محیط لگی تھی۔ اس نے اپنا فیورٹ سوٹ جو میکے کی طرف سے تھا۔ نکالا ساتھ میں میچنگ جیولری لی اور خوب دل سے تیار ہوئی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔ اس وقت آپا کمرے میں آئیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی بولیں۔

"اونشی! یہ تم نے کیا پہن رکھا ہے۔ اتنا سمپل سوٹ؟ کچھ ڈھنگ کا نکالو۔ نئی نویلی دلہنوں کے ساتھ بھاری جوڑے اچھے لگتے ہیں اور یہ تم نے کانوں میں کیا ڈال رکھا ہے۔ اپنے سونے کا سیٹ پہنو۔ بھلا وہ ہم نے کس لیے بنایا ہے۔ ایسا کرو تم۔ بلکہ رکو، میں خود تمہیں سوٹ دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ الماری کی جانب بڑھیں اور بری کا ایک بھڑکیلا اور بھاری بھر کم سوٹ نکالا۔ جسے دیکھتے ہی اونشی جو اس تنقید پر گم سم سی کھڑی تھی ایک دم چونک اٹھی۔

"آپا! یہ؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ یہ کلر اونشی کو سخت ناپسند تھا اور پھر اس پر جس طرح سے کڑھائی ہوئی تھی اس سے بھی اونشی کو الجھن ہو رہی تھی۔

"ہاں یہ تم پر زیادہ اچھا لگے گا۔" آپا نے اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن آپا" یہ سوٹ بھی پیارا ہے اور اس پر کافی کام بھی ہوا ہے۔" اونشی نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے ان کی توجہ اپنے کپڑوں کی جانب دلائی۔ جس پر واقعی میں بے حد نازک اور نفیس کام ہوا تھا۔

"یہ بھی اچھا ہے لیکن تم دلہن ہو اور دلہن کو دلہن ہی لگنا چاہیے۔ اس میں تو تم عام سی لڑکی لگ رہی ہو۔" عجیب ہی منطق تھی ان کی۔

"آپا! فی الحال رہنے دیں یہ میں پھر کبھی پہن لوں گی۔"

"اونشی! اگر آپا کہہ رہی ہیں تو مان لو نا۔" معاذ جو ابھی ابھی باتھ روم سے نکلا تھا۔ ان کی باتیں سن کر کہا۔

"کیا آج کے دن یہ سوٹ پہننا ضروری ہے۔" اونشی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"رہنے دیں آپا! اسے صرف اپنی مرضی کرنی ہے۔ اسے ہماری پسند، ہماری خوشی سے کوئی مطلب نہیں۔" معاذ نے عجیب ہی لہجے میں کہا۔

"معاذ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اونشی بے بسی سے بولی۔

"میں تو صرف اسی وجہ سے کہہ رہی تھی کہ اب میں تیار ہو چکی ہوں۔ پھر سے کپڑے بدلنے میں دیر ہو جائے گی۔"

"کپڑے بدلنے میں کون سا دس گھنٹے لگتے ہیں۔ دس، پندرہ منٹ لیٹ ہونے سے قیامت نہیں آ جائے گی۔" معاذ نے سخت انداز اپنایا۔ معاذ کو بات بے بات غصہ آ جاتا تھا۔ ان چند دنوں میں ان دونوں کے درمیان کئی بار تو تو، میں میں ہو چکی تھی۔ غلط بات برداشت کرنا اونشی کی فطرت نہیں تھی۔ مگر وہ پھر بھی اپنی طبیعت کے برخلاف بہت سی باتیں سہہ جاتی۔ البتہ معاذ کوئی لحاظ نہیں برت رہا تھا۔

بے بسی کی تصویر بنی اونشی نے لاچاری سے سوٹ کی جانب ہاتھ بڑھا کر معاذ کی طرف دیکھا۔ جو اس سے بالکل لاتعلق بن کر آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ اونشی نے نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبائے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو روکتے ہوئے باتھ روم کی جانب بڑھ گئی اور محض سوچ کر رہ گئی۔

"کیا شادی کے بعد ایک لڑکی کی پسند، مرضی، خوشی سب بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔"

اونشی بہت دنوں بعد ماریہ سے ملی تھی۔ فون پر اکثر باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ مگر اس وقت معاذ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے کھل کر کچھ نہیں کہہ پاتی تھی۔ اونشی نے پہلی رات سے لے کر آج صبح تک کی ساری کہانی سنائی۔ جسے سنتے ہوئے ماریہ انگشت بدنداں تھی۔

"یار! یہ کیسے لوگ ہیں؟ ایسے لوگوں کے بارے میں نہ تو کبھی سنا' نہ دیکھا اور نہ ہی کہیں پڑھا۔" اونشی ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"تم نے نہیں سنا سسرال کے رنگ انوکھے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن شروع شروع میں تو ظالم سے ظالم سسرال بھی دلہن کے تھوڑے بہت چونچلے اٹھا لیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی اصلیت پر آتے ہیں۔" ماریہ کی حیرت کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا پتا یہ محض شروعات ہوں اور اصلیت ظاہر ہونا باقی ہو۔" ایک طنزیہ ہنسی ہنس دی۔

"اچھا معاذ کیسے ہیں؟" ماریہ نے سوال کیا۔

"تمہیں سب کچھ بتا تو دیا۔ تم کہو تمہاری کیا رائے ہے ان کے بارے میں؟" اونشی نے الٹا اس سے پوچھا۔ ماریہ محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔ پھر تبصرہ کیا۔

"آئی ڈونٹ نو۔ میں ان کی شخصیت کو سمجھ نہیں پائی۔"

"اتنے دنوں میں' میں سمجھ نہیں پائی تو تم کیا سمجھوگی۔ بے حد عجیب ہیں پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ کبھی کبھی ان کا رویہ یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آخر یہ عمر بھر کا سفر کٹے گا کیسے۔ کیونکہ مجھ میں تو اتنا حوصلہ اور صبر نہیں۔ لیکن کبھی اتنے خیال رکھنے والے' پیار کرنے والے بن جاتے ہیں کہ اپنی قسمت پر ہی رشک آنے لگتا ہے۔"

"اونشی! ایک بات کہوں۔ میرے خیال سے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کا کسی سے زیادہ میل جول نہ ہو۔ انہیں واقعی میں رسم و رواج کا علم نہ ہو۔ جہاں تک معاذ کا تعلق ہے تو تم قطعی طور پر انہیں غلط نہیں کہہ سکتیں۔ اگر ان کے مزاج میں تھوڑی بہت تلخی یا بے گانگی ہے تو وہ وقت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ خاص طور پر جب تمہاری نند اپنی فیملی سمیت چلی جائے گی۔ تم دونوں گھر میں اکیلے رہو گے تو ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے جان پاؤ گے۔" اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے ماریہ نے بڑے سلیقے سے اسے سمجھایا۔

"ان شاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اونشی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ماریہ سے حال دل کہہ کر اس کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا اور پھر ماریہ اپنی باتوں سے بھی اس کا حوصلہ بڑھاتی رہی۔ ماریہ کی باتیں ٹھیک تھیں۔

اونشی اور معاذ کو ایک دوسرے کو جاننے کا' آپس میں باتیں کرنے کا صحیح موقع ہی نہیں ملا تھا۔ صبح ناشتا وہ سب کے ساتھ کرتے تھے اس کے بعد معاذ دفتر چلا جاتا۔ گھر واپسی پر وہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ بیٹھا رہتا۔ رات دیر تک ان کی باتیں ختم ہی نہیں ہوتیں جب معاذ کمرے میں آتا تو اونشی دن بھر کے کاموں سے تھک کر چور ہوتی اس پر نیند کا غلبہ طاری ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو معاذ کے آنے سے پہلے ہی وہ سو جاتی تھی۔

اونشی نے اس وقت اطمینان بھری سانس لی جب آپا نے واپسی کا ارادہ کیا۔ اونشی کو لگا اب یہ گھر اس کے خوابوں کا گھر بن جائے گا۔ وہ جس کی اس نے تمنا کی تھی' مگر اونشی کی خوشی اس پل پھیکی پڑ گئی جب اسے یہ پتا چلا کہ آپا تو جا رہی ہیں' لیکن دونوں بڑے بیٹے یہیں رہیں گے۔ معاذ یہاں اسکول میں ان کے ایڈمیشن کروا رہا تھا۔ ان سب کا کہنا تھا وہاں کا نظام تعلیم کچھ خاص نہیں تھا۔ اونشی کے خوشی سے بھرپور جذبات پر گویا کسی نے یخ پانی کی بھری ہوئی بالٹی ڈال دی تھی۔

آپا دونوں بیٹوں کو بھائی کے گھر چھوڑ کر ہنسی خوشی چلی گئیں۔ جاتے جاتے اونشی کو خاص تاکید کی کہ عدنان اور لقمان کا اپنے بچوں کی طرح خیال رکھے۔ اپنے بیٹوں کی ذمہ داری اونشی کے سر ڈال کر خود بری الذمہ ہو گئیں۔ اونشی بغیر ماں بنے ہی ماں کے فرائض سرانجام دینے لگی۔

معاذ کا آفس ٹائم نو بجے کا تھا۔ اگر بچوں کا مسئلہ نہ ہوتا اونشی اطمینان کے ساتھ اپنی نیند پوری کر سکتی تھی مگر۔ اب ایسا نہیں تھا اسے سویرے جاگ کر بچوں کا ناشتا بنانا ہوتا' انہیں تیار کرانا ہوتا تھا' دیر تک سونے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ میکے میں بھی اماں کی بیماری کی وجہ سے اسے جلدی اٹھنا پڑتا تھا۔ گھر کی

ذمہ داری زیادہ تر اس کے سر تھی۔ اسے ذمہ داریوں سے سخت چڑ تھی' مگر بڑی اور اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے اسے یہ ناخوشگوار فریضہ سرانجام دینا ہی پڑ رہا تھا جب اس کی منگنی معاذ سے ہوئی تو اسے اس بات کی از حد خوشی تھی کہ نہ کوئی سسرال کی ذمہ داریاں تھیں نہ ہی کوئی اور مسئلہ پھر اسے یہ بھی بتایا گیا کہ معاذ بہت ذمہ دار انسان ہے تب یہ سوچ سوچ کر ہی اس کا ڈھیروں خون بڑھتا گیا کہ گھر کی تھوڑی بہت ذمہ داری بھی معاذ اٹھائے گا اور وہ جی بھر کر عیش کرے گی مگر۔ واہ رے قسمت۔

✿ ✿ ✿

آپا چلی گئیں' مگر معاذ کی روٹین میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پہلے وہ آپا اور بھائی جان کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا اور اب ان کے بیٹوں کے ساتھ۔ اونشی سے صبر نہ ہوا۔ وہ شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"تمہارے پاس میرے لیے ذرا سا بھی ٹائم نہیں۔"

"میں پورے کا پورا تمہارا ہوں۔ تو پھر۔" معاذ شرارت سے مسکرایا۔

"میرا بھی دل کرتا ہے تم میرے ساتھ بیٹھو' باتیں کرو۔" اونشی نے اداسی سے کہا۔

"کیا مطلب۔ میں تم سے کبھی بات ہی نہیں کرتا۔"

"ایسے نہیں نا۔" وہ جھنجلا سی گئی۔

"پھر کیسے؟" وہ بدستور شوخی سے بولا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"تم کیوں نہیں سمجھتے؟"

"تو تم سمجھاؤ نا۔"

"میں جانتی ہوں' جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"واقعی۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" وہ خفا خفا نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا ہے۔ آنکھوں سے کھا جانے کا ارادہ ہے۔"

معاذ نے اسے چھیڑا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ چپ رہی۔

"بتاؤ نا یار!" معاذ نے بڑے پیار سے کہا۔ چند لمحوں تک وہ اسے یونہی دیکھتی رہی۔ پھر کہا۔

"معاذ! ہم میاں بیوی ہیں ہماری کچھ پرسنل باتیں ہوں گی جو ہم سب کے سامنے نہیں کر سکتے۔ ہمیں کچھ وقت اکیلے بھی گزارنا چاہیے۔ تم اپنے دل کی کہو' میں اپنی کہوں۔ کچھ اپنے فیوچر کی بات کریں ایک دوسرے کی پسند ناپسند کے بارے میں جانیں۔"

"پریکٹیکل بنو اونشی! تم کچھ زیادہ ہی افسانوں اور ڈراموں کی دنیا سے متاثر ہو۔ حقیقت کی دنیا میں رہنا سیکھو اصل زندگی میں سب افسانوں کی طرح نہیں ہوتا۔"

"افسانوں کی بات بیچ میں کہاں سے آ گئی۔ میں صرف تمہاری تھوڑی سی توجہ چاہتی ہوں۔ کیا یہ میرا حق نہیں؟"

"میں نے تمہارا کون سا حق پورا نہیں کیا۔ میری ممکن حد تک کوشش ہوتی ہے کہ تمہاری ہر ضرورت ہر خواہش جو میرے بس میں ہے پوری کروں تمہارا خیال رکھوں۔ تم ہی بتاؤ میں نے آج تک تمہیں کوئی تکلیف دی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں جس طرح تم سب کو ٹائم دیتے ہو' ویسے مجھے بھی دو۔"

"اس وقت میں تمہارے ساتھ ہی بیٹھا ہوں۔"

"ہاں لیکن۔ ایسے موقع بہت مشکل سے آتے ہیں ورنہ سارا دن تو تمہیں اپنے بھانجوں کی فکر لگی رہتی ہے اور باقی کا ٹائم ٹی وی دیکھنے میں گزار دیتے ہو۔"

"اونشی! ان کی ذمہ داری میں نے خود اپنے سر لی ہے۔ اس لیے ان کا خیال رکھنا میرا فرض بنتا ہے اور تم۔ تم کیا چاہتی ہو۔ میں تمام دن تمہارے پلو سے لگا رہوں اور ڈائیلاگ بولتا رہوں۔" معاذ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ اونشی ہکا بکا رہ گئی۔

معاذ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" وہ محض اتنا ہی بول پائی۔

وہ اب تک معاذ کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی تھی۔ معاذ کی نیچر بہت عجیب سی تھی۔ بے حد خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے کرتے کب پینترا بدل جائے اسے غصہ آجائے کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ وہ جو ہر بات برداشت کرنے کی عادی نہیں تھی، مگر لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لیے بہت کچھ سہہ جاتی تھی۔

"معاذ! آج —— دفتر سے واپسی پر شاپنگ پر نہ چلیں۔" اونشی کئی دن سے یہ فرمائش کرنا چاہ رہی تھی، مگر ایک جھجک آڑے آجاتی اور وہ یہ سوچ کر رہ جاتی کہ ہوسکتا ہے معاذ اسے خود شاپنگ پہ لے جائے لیکن —— ایسا کچھ نہیں ہوا اسے اپنے منہ سے ہی کہنا پڑا۔

"خیریت کوئی تقریب ہے تمہارے خاندان میں؟" معاذ نے رسٹ واچ پہنتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر کو اونشی ہڑبڑائی پھر جھٹ سے کہا۔

"کیوں تقریب ہوگی تو ہم شاپنگ کریں گے نہیں تو نہیں کریں گے۔"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا بس تم نے اچانک ہی فرمائش کردی۔ اس لیے۔" وہ مسکرایا۔

"ظاہر سی بات ہے۔ ہماری شادی کو اتنے ماہ ہوگئے اور اب تک تم نے نہ تو مجھے کوئی گفٹ لا کر دیا نہ ہی شاپنگ پر یا کہیں گھمانے لے کر گئے۔" اونشی نے روٹھا روٹھا انداز اپنایا۔

"شادی کو اتنے نہیں صرف تین ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تمہارے پاس ہر چیز نئی پڑی ہے۔ کئی سوٹ ایسے بھی ہوں گے جو تم نے پہنے بھی نہیں پھر فضول خرچی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بری اور جہیز کے سارے سوٹ میں پہن چکی ہوں۔ ہر چیز استعمال کر چکی ہوں۔ دیکھنے میں تو یہ سال بھر تک نئے لگیں گے تو کیا تم مجھے شاپنگ نہیں کراؤ گے۔" معاذ کی بات پر اونشی کو بے اختیار غصہ آگیا۔

"کیوں نہیں کراؤں گا۔ تمہیں نہیں تو کسے کراؤں گا مگر —— جب وقت ہوگا ضرورت ہوگی میرا خود بھی بہت دل کرتا ہے، لیکن میری مالی حالت ایسے نہیں کہ میں یہ سب افورڈ کرسکوں۔ اپنا گھر خریدنے اور شادی کے لیے میں نے بہت قرضہ لیا ہے اور پھر اپنے بھانجوں کی ذمہ داری بھی اٹھائی ہے ایسے میں ہم دونوں کو گزارا کرنا ہوگا جب تک قرضہ ادا نہیں ہوجاتا اور آج کل تو مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا تمہیں شاپنگ پر نہ سہی گھمانے ضرور لے جاؤں۔" معاذ نے کچھ اس طریقے سے بات کی کہ اونشی کو خاموش ہونا ہی پڑا۔

اس کے سارے ارمان کسی نازک شیشے کی مانند ٹوٹتے جارہے تھے۔ اس پر آج یہ بھید کھلا تھا کہ معاذ معاشی طور پر کتنا کمزور ہے یہ الگ بات تھی کہ اس نے کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، لیکن اونشی ہی اس بات کو اس کی کنجوسی سمجھتی رہی تھی۔ بے شک اس نے بنگلے گاڑیوں کی خواہش نہیں کی تھی، مگر ایسی تنگ دستی بھی اس نے نہیں چاہی تھی اب تک جیب خرچ کے نام پر نہ تو اس نے کچھ مانگا تھا نہ ہی معاذ نے دیا تھا۔ وہ ان پیسوں سے گزارا کررہی تھی جو اماں یا ابو اسے دیتے تھے۔

اس شام معاذ اسے گھمانے لے کر گیا۔ اس کا دل پہلے سے ہی اداس تھا وہاں جاکر وہ اور بھی مایوسی کا شکار ہوگئی ان کے ساتھ لقمان اور عدنان بھی تھے۔ وہاں پر بھی وہ ہی معاذ کے توجہ کا مرکز بنے رہے۔ وہ زیادہ تر ان کا خیال رکھتا رہا۔ ان کی فرمائش پوری کرتا رہا۔ اونشی بے دلی سے ان کا ساتھ دیتی رہی۔

شادی شدہ زندگی کے لیے اونشی نے جو بھی خواب دیکھے تھے ان کی تعبیر الٹی نکلتی جارہی تھی اس کی چھوٹی چھوٹی معصوم سی خواہشوں میں اب تک ایک بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ معاذ کے پاس دولت نہیں تھی بلکہ دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اس کے احساسات کو نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اگر ایک بار بھی اس کے لیے پیار سے کچھ لے کر آتا چاہے وہ موتیا کے گجرے ہوں یا سادہ سی چوڑیاں اس کے لیے بے انتہا خوشی کا باعث ہوتی وہ اگر اسے باہر کھانے، شاپنگ یا گھمانے نہیں لے جاسکتا تھا تو کیا ہوا بس چاندرات کو

میں چھت پر تھوڑی دیر کے لیے اس کے ساتھ ٹہلتا' پیار بھری دو باتیں کرتا اس کے لیے یہ بھی کم نہیں ہوتا' مگر افسوس۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اونشی کو صبر کرنا تھا جو وہ کر رہی تھی۔

انہی دنوں اس کی زندگی میں ایک خوبصورت موڑ آیا جب اسے خوشخبری ملی کہ وہ دو سے تین ہونے جا رہے ہیں۔ وہ ماں کے رتبے پر فائز ہونے والی تھی۔

عام طور پر معاذ اونشی کا بہت خیال رکھتا تھا اس نے جب بھی میکے جانے کی خواہش کی معاذ نے انکار نہیں کیا جس وقت بھی گھر والوں سے بات کرنا چاہی اس نے جھٹ سے نمبر ملا دیا۔ بظاہر وہ اونشی کو کوئی شکایت کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ مگر اونشی کو جو گلہ تھا وہ اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا ان دونوں کی سوچوں میں تضاد تھا۔ اونشی ٹھہری کتابوں کی دیوانی' شاعری کی دلدادہ' چاند' پھول' بادل اور بارش یہ سب اسے بے حد متاثر کرتے تھے جبکہ معاذ کچھ زیادہ ہی پریکٹیکل تھا۔ وہ ان سب باتوں کو افسانوی قرار دے کر کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اونشی عجیب ہی سچویشن کا شکار تھی نہ تو بظاہر ایسی کوئی بات تھی کہ وہ کھل کر حرف شکایت زبان پر لاتی اور نہ ہی وہ اپنی ازدواجی زندگی پر خوش اور مطمئن تھی۔

بے شک شادی سے پہلے وہ زیادہ تر خوابوں کی دنیا میں رہتی تھی مگر وہ صرف تصورات تھے۔ بقول اس کے اگر فرض ہی کرنا ہے تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہی کیوں سوچوں۔ سونے کے بجائے ڈائمنڈ کیوں نہ پہنوں۔ تفریح کے لیے سوئٹزرلینڈ کیوں نہ جاؤں۔ سی ویو کے بجائے دریائے ٹیمز پر انجوائے کیوں نہ کروں۔ ویسے تو اسے بائیک بھی بے حد پسند تھی' لیکن تصور میں وہ بی ایم ڈبلیو میں ہی گھومتی تھی۔ ان سب باتوں کے برعکس اس کی اپنی زندگی کے بارے میں صحیح معنوں میں جو سوچ تھی وہ اس کے برخلاف تھی۔ "ایک عام سی لڑکی ہوں بہت عام سی سوچیں ہیں۔" اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا۔

اس بارے میں اس نے کوئی بڑی بڑی توقعات نہیں رکھی تھیں۔ اس کا آئیڈیل کوئی ہیرو ٹائپ نوجوان نہیں تھا۔ وہ آئیڈیلزم پر یقین نہیں رکھتی تھی پھر بھی چند ایک خوبیاں تھیں جو وہ اپنے شریک حیات میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے خیال میں ایک پڑھا لکھا سلجھا ہوا ذمہ دار انسان ہی بہترین لائف پارٹنر ثابت ہو سکتا ہے۔

وہ خود کو حقیقت پسند کہتی تھی۔ اسے آج کل کے نوجوان لڑکے' لڑکیوں سے سخت چڑ تھی جو ہر وقت صرف پیار و محبت کی باتیں کرتے تھے۔ چند ایک ڈائیلاگ بول کر وقتی پسندیدگی کو محبت کا نام دے کر خود کو عشق کی انتہا پر سمجھنے لگتے ہیں جنہیں حال کی پروا ہوتی ہے نہ مستقبل کی۔ اس لیے اونشی خود ان چکروں میں نہیں پڑی حالانکہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر کسی نے ڈورے ڈالنے یا لائن مارنے کی کوشش ہی نہیں کی' مگر وہ ہمیشہ ان فضولیات سے بچ کر رہی۔ اس نے اپنی محبت' اپنی وفائیں اپنے شریک حیات کے لیے سنبھال کر رکھی تھیں بقول شاعر کے

کوئی جب دل کی گہرائی سے ہم پر منکشف ہو گا
تو ہم اپنی وفاؤں کا اسے مرکز بنا لیں گے

اونشی نے جو چاہا تھا وہ اسے مل گیا۔ معاذ ہر طرح سے مکمل تھا۔ اس نے جو خوبیاں اپنے شریک حیات میں دیکھنا چاہی تھیں وہ تمام معاذ میں موجود تھیں پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھی کیوں؟

اس کی جو کیفیت تھی اسے صرف وہ ہی سمجھ سکتی تھی یا پھر ماریہ۔۔۔ کیوں کہ وہ ایک لڑکی بھی تھی اور بیسٹ فرینڈ بھی۔ جو باتیں وہ ماریہ سے کرتی تھی وہ کسی اور سے نہیں کہہ سکتی تھی۔

"تم نہیں جانتی ماریہ! وہ کتنا بے حس ہے۔ اسے میری کوئی پروا ہی نہیں۔ وہ صرف اپنی بہن اور اس کے بچوں کو اہمیت دیتا ہے ان سے پیار کرتا ہے۔ میں مروں یا جیوں اس کی بلا سے۔" اس وقت وہ کچھ زیادہ ہی مایوس دکھائی دے رہی تھی۔

"تم خود ہی کہتی ہو وہ تمہارا بہت خیال رکھتا ہے۔ تمہاری کوئی بات رد نہیں کرتا۔" ماریہ نے اسے دیکھا۔

"خیال لوگ گھر میں کام کرنے والیوں کا بھی رکھتے ہیں۔ پڑوسیوں کا بھی رکھتے ہیں۔۔۔ زندگی صرف ان باتوں کے سہارے نہیں گزاری جا سکتی۔ محبت زندگی کا لازمی جز ہے اس کے بغیر انسان نامکمل ہے بلکہ۔۔۔ جب تک رشتے میں محبت نہ ہو تو زندگی' زندگی نہیں سمجھوتا بن کر رہ جاتی ہے۔"

"کس نے کہہ دیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ ہر کسی کے پیار کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔" ماریہ نے اسے سمجھایا۔

"ہماری شادی کو اتنے مہینے ہو گئے۔ اس نے کبھی بھول کر میری تعریف نہیں کی۔ کبھی میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار کے دو بول نہیں کہے۔ کبھی پیار و محبت کی بات نہیں کی۔ کبھی پیار بھری نگاہ مجھ پر نہیں ڈالی۔۔۔ اسے اپنے گھر والوں کے لیے ایک خادمہ کی ضرورت تھی جو دن میں نوکرانی کے فرائض سرانجام دے اور رات کو بیوی کے۔۔۔ اسے میری ذات سے صرف اتنی ہی دلچسپی ہے۔" اونشی پر گویا یاسیت کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"اونشی! محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ ضروری نہیں کہ کوئی کھل کر اقرار کرے گا تو ہی اسے محبت ہو گی ورنہ نہیں۔ محبت تو آنکھوں سے چھلکتی ہے۔ انسان کے رویے سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب ہمیں کسی سے محبت ہوتی ہے تو ہم یہی کوشش کرتے ہیں اسے کوئی تکلیف نہ ہو' اس کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کی خواہش کا احترام کرتے ہیں صرف اسی لیے کہ وہ خوش رہے کیوں کہ اس کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہوتی ہے۔۔۔ تم اسے دیکھو' سمجھو اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے اس کے اقرار کیے بغیر ہی تمہیں اس کی محبت پر یقین آ جائے۔" ماریہ اسے سمجھانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اونشی نے ایک گہری سانس لی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں نے خود کو بہت بہلایا' تسلیاں دیں۔ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دل کا حال معلوم کرنا چاہا' مگر وہاں مجھے ایسا کچھ نہیں ملا جو میرے بے چین دل کو چین و سکون دے سکے۔ ماریہ! میں نے کہیں پڑھا تھا کہ بدقسمتی یہ نہیں جو آپ نے چاہا اور وہ آپ کو نہیں ملا بلکہ بدقسمتی یہ ہے کہ آپ نے جسے ناپسند کیا اور وہ آپ کو مل گیا۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا کہیں مجھے کوئی ایسا نہ مل جائے جسے برداشت کرنا میرے لیے ناممکن ہو' لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں خود ناپسندیدہ بن کر کسی اور پر مسلط ہو جاؤں گی۔" اونشی نے بے حد عجیب لہجے میں کہا۔ وہ کچھ زیادہ ہی ناامیدی کا شکار تھی۔

"اونشی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ تم میں ایسی کیا خرابی ہے جو وہ تمہیں ناپسند کرے گا۔ اس کے رویے سے ہرگز ایسا نہیں لگتا کہ ایسی کوئی بات ہے بلکہ وہ تو بہت خوش اور مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ یہ صرف تمہارے ذہن کا فتور ہے۔۔۔ مجھے حیرت ہے یہ تم کہہ رہی ہو۔ تم تو خود اس طرح کی باتوں کو فضولیات قرار دے کر ڈائیلاگ اور ڈرامہ بازی کہا کرتی تھیں۔" ماریہ نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"میں آج بھی اپنی سوچ پر قائم ہوں۔۔۔ میں یہ نہیں کہتی۔ وہ صبح شام میری محبت کا دم بھرتا رہے۔ جانتی ہوں اس کے اپنے بہت سے مسائل ہیں' مگر ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار وہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔ بے شک میرا دل رکھنے کے لیے جھوٹ ہی کہہ دے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ ایک جملہ سننے کے لیے میرے کان ترس گئے۔ وہ جب بھی کوئی بات شروع کرتا ہے تو میں بڑی حسرت کے ساتھ اسے دیکھتی ہوں۔ دل میں بے ساختہ ہی یہ امید جاگ اٹھتی ہے کہ وہ ابھی ایسا کچھ کہہ دے گا جو میرے تڑپتے دل کو آرام دے مگر۔۔۔" ایک گہری سانس لے کر اونشی نے بات ادھوری چھوڑ دی اور آنکھوں میں آئی نمی کو انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔

اس نے اپنی ساری خواہشات کو دبا دیا تھا۔ اپنی ضروریات کو محدود کر دیا تھا۔ معاذ کی خوشی کے لیے اس نے وہ کام بھی کیے جو اس کی طبیعت کے خلاف تھے۔

اس کی مرضی، اس کی پسند میں خود کو ڈھال لیا اور بدلے میں صرف اس کی توجہ اور سچی محبت چاہی، لیکن اس کی جانب سے مکمل خاموشی تھی جو اونشی سے ہرگز برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

ماریہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اونشی کی مایوسی اور افسردگی کو کیسے دور کرے اب کے بار اس نے محض اتنا ہی کہا۔

"ان فضول سوچوں میں گھر کر خود کو پریشان نہ کرو۔ اس حالت میں یہ تمہارے لیے بالکل بھی ٹھیک نہیں۔ خوش رہا کرو ہر ایسی ویسی بات ذہن سے نکال کر آنے والی خوشی کا انتظار کرو۔"

☆ ☆ ☆

تمہیں ضد ہے کہ اقرار وفا تم نے نہیں کرنا
میری تقدیر میں رنگ حنا تم نے نہیں بھرنا
تمہیں منظور ہے شاید مرا گھٹ گھٹ کے ہی مرنا
تمہارے فیصلے پر اب سر تسلیم خم ہو گا
میں اپنے ہونٹ سی لوں گا
یونہی بے کیف جی لوں گا
تمہارے ہجر کی تصویر کو دل میں سجا لوں گا
تمہارے جبر کو اپنے صبر کو میں آزما لوں گا
مگر اک بات میں پوچھوں
تمہیں اپنی قسم ہم سر پر رکھ کے ہاتھ یہ کہنا
تمہارے دل میں میرے نام سے ہلچل نہیں ہوتی
جواں راتوں میں میری یاد کی شمعیں نہیں جلتیں
تمہاری دھڑکنوں میں کیا میری سوچیں نہیں پلتیں
تو پھر تم نے اذیت کی ردا کیوں تان رکھی ہے
یہ دل میں ٹھان رکھی ہے
بہت بے چین خود رہنا، مجھے برباد سا رکھنا
بھلانا بھی تو اس کے ساتھ کچھ کچھ یاد سا رکھنا
ہر اک انداز کو اپنے ستم ایجاد سا رکھنا
اگر اسی شوق سے تم کو کوئی تسکین ملتی ہے
مرے زخم طلب کا تذکرہ اب کم سے کم ہو گا
تمہارے فیصلے پر اب سر تسلیم خم ہو گا

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ پہلے اونشی پھر بھی اشاروں کنایوں میں شکوہ شکایت کر جاتی تھی، مگر اب اس نے مکمل طور پر چپ سادھ لی تھی۔ اس نے خود کو سمجھا لیا تھا کہ محبت کسی سے زبردستی نہیں کرائی جا سکتی۔ یہ تو ایک ایسا جذبہ ہے جو خود بخود دل میں گھر کر جاتا ہے۔ جو مانگی جائے وہ محبت نہیں خیرات ہوتی ہے۔ کیا ہوا جو وہ اسے چاہتا نہیں تھا، مگر وہ اسے عزت اور مان تو دے رہا تھا۔ اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس میں ایسی کوئی خرابی یا برائی نہیں تھی جس پر اسے کوئی شرمندگی یا ندامت ہوتی۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا انسان تھا ایسے میں گلے شکوے کرنا ناشکری ہی کہلاتی۔

اس کا آٹھواں مہینہ چل رہا تھا۔ آنے والے ننھے سے وجود کے بارے میں سوچ کر ہی اس کے رگ و پے میں طمانیت کی لہر دوڑ جاتی۔ ایک عجب سی سرشاری اور خوشی دل کو محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اپنی سوچوں کے دھارے اسی جانب موڑ دیے تھے۔

گھر کے کام اسی طرح چل رہے تھے۔ اپنے اور معاذ کے ساتھ ساتھ اسے لقمان اور عدنان کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اپنی حالت کی وجہ سے پورا گھر سنبھالنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا، مگر چونکہ معاذ کسی کام والی کو افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اونشی گزارا کر رہی تھی۔

کئی دنوں سے بادل آتے اور برسے بغیر ہی چلے جاتے۔ آج بھی صبح سے آسمان پر کالی گھٹا چھائی ہوئی تھیں، لیکن بارش کی امید کم ہی تھی کیوں کہ ایسا روز ہی ہوتا تھا۔ اونشی نے کپڑے دھونے کی مشین لگائی۔ کئی دنوں سے اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی جس کی وجہ سے کافی گندے کپڑے جمع ہو گئے تھے۔ کپڑے دھونے کے بعد اونشی آرام کر رہی تھی جب عدنان کی پرجوش آواز سنائی دی۔ وہ بے حد زور شور کے ساتھ بارش شروع ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ بارش اس کی کمزوری تھی۔ دو بوندیں برستیں یا تمام دن بارش ہوتی وہ ایک پل کو بھی اسے مس نہیں کرتی تھی۔ خوب انجوائے کرتی اور اماں سے طرح طرح کے پکوان بنواتی تھی۔ اس وقت بھی اسے اماں اور گھر کی شدت سے یاد آئی۔

وہ اٹھی اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ بارش ابھی تیز نہیں ہوئی تھی، مگر بچوں نے گلی میں اودھم مچا رکھا تھا۔ وہ اس نظارے کو دیکھنے میں محو تھی کہ اچانک ہی اسے چھت پر پھیلے کپڑوں کا خیال آیا۔ وہ جلدی سے چھت کی جانب بھاگی۔ اچھا تھا ابھی کپڑے مکمل طور پر بھیگنے سے محفوظ تھے۔ اس نے کپڑے سمیٹے اور واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ اس نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ بارش کی وجہ سے گیلی سیڑھی پر پیر پھسلا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گرتی چلی گئی۔ ایک زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ کب عدنان نے معاذ کو فون کیا، کب وہ آیا، کب وہ اسپتال پہنچے اسے کچھ یاد نہیں سوائے پر اذیت درد کے۔

☆ ☆ ☆

اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے اسے اس بات کا صحیح معنوں میں ادراک آج ہوا تھا۔ دل و دماغ پر چھائے ہوئے مایوسی کے بادل چھٹ گئے تھے۔ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے اسے بڑی بڑی خوشیاں دے گیا تھا۔ وہ موت کے منہ سے نکل آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے کے روپ میں ایک حسین نعمت سے نوازا اور سب سے بڑھ کر اس پر یہ بھید کھلا کہ معاذ بھی اسے بے حد چاہتا ہے اسے اہمیت دیتا ہے۔ کچھ کچھ اندازا تو اسے ہوش میں آنے کے بعد معاذ کی صورت دیکھ کر ہوا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ وقت کس کرب و تکلیف میں گزارا ہے پھر اماں اور ماریہ نے بتایا۔

"جب ڈاکٹرز نے بتایا کہ تمہاری حالت بے حد سیریس ہے تو جہاں ہم سب پریشان تھے وہیں پر معاذ کی حالت بھی کچھ کم خراب نہیں تھی۔ وہ تمہارے لیے بے انتہا پریشان اور فکر مند تھا اور باقاعدہ رو کر، گڑگڑاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے تمہاری زندگی اور صحت کے لیے دعائیں مانگیں۔ اس سارے وقت میں اس نے ایک بار بھی بچے کا نہیں پوچھا۔ اسے پروا تھی تو صرف تمہاری۔" یہ سن کر اس کے اندر یکلخت بے پناہ سکون اتر گیا اور جب وہ اس کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محض اتنا ہی کہا۔

"بہت پریشان کیا ہے تم نے مجھے۔" اس ایک جملے میں ایسا کیا جادو تھا یا پھر لہجے کی سچائی تھی کہ پل بھر میں ہی اونشی کو معاذ کی محبت پر یقین پختہ ہو گیا۔

دل نے بہت شدت سے چاہا۔ وہ اپنے رب کے آگے سجدہ شکر ادا کرے جس نے اس کے دل سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ جس نے یقین کی دولت دے کر مایوسی کی دلدل سے نکالا، ایک ساتھ اتنی خوشیوں سے نوازا۔ ماں کے رتبے پر فائز کر کے شوہر کی سچی محبت کا احساس دلایا۔ وہ بے اختیار سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ اگر وہ سیڑھیوں سے نہ گرتی، اس کی حالت خراب نہ ہوتی، سب کچھ نارمل ہوتا تو وہ کبھی معاذ کے جذبات جان نہ پاتی اور یونہی آس و یاس کی کیفیت میں عمر گزار دیتی۔ ایک چھوٹا سا حادثہ اس کی زندگی میں خوب صورت تبدیلی لے کر آیا تھا۔ اونشی بار بار تہہ دل سے اپنے پروردگار کا شکر ادا کر رہی تھی۔

☆ ☆

— 43 —

تینتالیسویں اور آخری قسط

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصے سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آکر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے' جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

اور دل آور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے کھڑے اس کے سوال پہ ٹھٹک گیا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ علیزے کو اپنے دھیان میں اس کا دھیان نہیں رہے گا' لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی' علیزے کو اب سارے دھیان ہی اس کے ہوتے تھے اسے بے دھیانی میں بھی اسی کے دھیان رہتے تھے۔

"ڈرائیور۔۔۔!" اس نے دل آور کو پھر سے متوجہ کیا۔

"اوکے۔۔۔ تم چلو۔۔۔ میں بھی آتا ہوں۔" اس نے علیزے کا یہ مان بھی رکھ لیا تھا۔

"نہیں۔۔۔! ہم دونوں ایک ساتھ جائیں گے۔" علیزے کا فیصلہ اکٹھے جانے کا تھا۔

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔! ایک ساتھ ہی چلتے ہیں۔ تم فریش ہو کر آجاؤ' تب تک ویٹ کرتا ہوں۔" اس نے اسے تسلی دی تھی اور علیزے اس تسلی پہ ریلیکس ہو کر واش روم میں گھس گئی۔

☼ ☼ ☼

عائشہ آفندی' دل آور اور علیزے کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی یک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"السلام علیکم۔۔۔!" دل آور نے خاصی بلند آواز میں سلام کیا تھا اور اس کے سلام پہ باقی سب بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے البتہ سب سے پہلے آگے بڑھنے والی عائشہ آفندی تھیں جنہوں نے بے ساختہ اور والہانہ انداز میں دل آور شاہ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! میرے بچے۔ جیتے رہو۔۔۔ سدا خوش رہو۔۔۔ اللہ میری عمر بھی تمہیں لگا دے تم میری زہرہ کے چاند ہو۔۔۔ میری زہرہ کے جگر ہو۔۔۔ اس لیے اب میری آنکھوں کا نور ہو تم۔۔۔ میرے کلیجے کی ٹھنڈک ہو۔۔۔ تمہارے حوصلے بہت بلند ہیں۔۔۔ تمہارا ظرف بہت اعلا ہے۔ اس لیے ہم سب کو معاف کر دو۔۔۔ ہم معافی کے طلب گار بن کر آئے ہیں۔" عائشہ آفندی نے اس سے الگ ہوتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور دل آور ان کے اس طرح معافی مانگنے پر گھبرا گیا تھا۔ اس نے سٹپٹا کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"پلیز آنٹی۔۔۔! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ میں ایسی معافی کے حق میں ہرگز بھی نہیں ہوں۔ آپ کی عزت آپ کا احترام سر آنکھوں پہ' لیکن ایسا کچھ میں کبھی بھی نہیں چاہوں گا۔"

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں منع کیا تھا اور عائشہ آفندی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے وہ بے ساختہ رو پڑی تھیں' جس پہ دل آور نے ان کے ہاتھ تھپک کر تسلی دیتے ہوئے انہیں دونوں کندھوں سے تھامے قریبی صوفے پہ بٹھا دیا تھا۔

اور پھر باقی سب کی طرف متوجہ ہوا تھا جو اس کے عائشہ آفندی کی طرف سے فارغ ہونے کے منتظر تھے۔

"السلام علیکم۔۔۔!" سب سے پہلے آگے بڑھنے والا آذر تھا' دل آور نے اس کے مصافحے کے لیے بڑھے ہوئے ہاتھ اور جھکے ہوئے سر کو اک نظر دیکھا اور پھر یہاں بھی اک اعلا ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اس سے ہاتھ ملانے کی بجائے اپنے دونوں بازو کھول دیے تھے' جس پہ علیزے کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی حیران رہ گئے تھے اور آذر نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"تھینکس یو یار۔۔۔! تھینک یو سو مچ۔" آذر نے بڑے بے ساختہ انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ پھر باری باری دانیال' جودت' زین' احمد' حماد' عون' عدید' کومل' فرحت' انوشہ' جویریہ' ثروت بیگم' ثمو بیگم' اسرار آفندی' اظہار آفندی اور سب سے آخر میں آسیہ آفندی اس سے ملی تھیں۔ جن سے مل کر دل آور کے دل کو کچھ ہوا تھا کیونکہ ان کی شخصیت ان کی ذات میں اک عجیب سی اداسی گھلی ہوئی نظر آ رہی تھی اور اس اداسی اور اس درد کو

دل آور سے بہتر شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا۔ آپ یہ الجھی ہوئی گتھی نہ سلجھائیں۔" وہ بے حد آہستگی سے بولا تھا۔

"لیکن بے خبری کی زندگی جینے سے آگہی کی اذیت اچھی ہوتی ہے' انسان بے وجہ خوش رہنے سے تو بچ جاتا ہے نا۔ خوش فہمی تو نہیں رہتی' کسی پہ مان تو نہیں رہتا نا۔ جس جو کچھ ہوتا ہے سامنے آجاتا ہے۔" آسیہ آفندی کا مضمحل سا جواب سن کر دل آور چند سیکنڈز کے لیے چپ سا ہو گیا تھا۔

"لیکن آپ بھی اگر زہرہ بتول شاہ اور دل آور شاہ جیسا ظرف بڑا کر لیں تو کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" الٹا وہ انہیں سمجھا رہا تھا اور آسیہ آفندی محض سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

"علیزے بیٹا۔۔۔! ادھر آؤ۔ ہم تم دونوں کے لیے ہی آئے ہیں۔ ادھر آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔"

اسرار آفندی نے سب سے ہٹ کے ذرا فاصلے پہ کھڑی علیزے کو اپنے قریب بلایا تھا۔ اور وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اور اسرار آفندی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا ماتھا چوم کر اسے اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

اتنے میں دل آور بھی آذر اور دانیال کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ اور سب کے بیٹھنے کے بعد ہی اسرار آفندی نے اپنی بات کہنے کے لیے تمہید باندھنی شروع کی تھی۔

"دیکھو دل آور بیٹا۔۔۔! ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس کا ہم سب کو ہی بے حد دکھ اور افسوس ہے اور اس دکھ اور افسوس کے باوجود ہم نہ تو کوئی مداوا کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی تلافی ہو سکتی ہے۔ ہم لاکھ معافیاں مانگیں تم سے مگر ہمیں پتا ہے کہ پھر بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ انسانیت کے ناتے اور اپنے رب تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہوئے' تم اپنے ظرف کو کشادہ کر کے ہمیں دل کی گہرائیوں سے معاف کرتے ہو تو یہ تمہارا ہم پہ تاحیات بہت بڑا احسان ہو گا۔ ہم وہ معافی نہیں چاہتے۔ جس کے بعد بھی ہم ایک دوسرے سے فاصلے پہ ہی رہیں بلکہ ہم وہ معافی چاہتے ہیں۔ جس کے بعد ہمارے دلوں کی کدورتیں اور آپس کے فاصلے مٹ جائیں اور ہم ایک دوسرے کے قریب آ سکیں۔ ایک دوسرے کی غم اور خوشی میں شریک ہو سکیں۔ ایک دوسرے کو اپنا سمجھ کر اور اپنا بن کر۔۔۔"

اسرار آفندی کی تمہید خاصی لمبی ہو گئی تھی کیونکہ وہ دل آور کو اپنے طور پہ سمجھانا چاہتے تھے۔

"ایسی معافی کے حق میں تو میں بھی نہیں ہوں آفندی صاحب۔۔۔! دوغلا پن مجھے بھی نہیں آتا' میں جب دشمن ہوتا ہوں تو دشمنی کے سوا کچھ یاد نہیں رکھتا اور جب دوست ہوتا ہوں تو دوستی کے سوا ہر چیز بھول جاتا ہوں۔ خیر آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ وہ بتائیں۔" اس نے کہتے ہوئے سر جھکا تھا۔

اور اسرار آفندی نے باقی سب پہ اک طائرانہ سی نظر ڈالی تھی اور دوبارہ سے سلسلہ کلام جوڑا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ تم اور علیزے آذر' جودت اور دانیال کی شادی میں شرکت کرو۔ ہم تم دونوں کو انوائٹ کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

انہوں نے صوفے کی سائیڈ پہ رکھا انویٹیشن کارڈ اٹھا کر درمیانی ٹیبل پہ دل آور کے سامنے رکھ دیا تھا اور دل آور کی نظریں اس چمکتے دمکتے ریڈ اور سلور کلر کے کارڈ پہ ٹھہر گئی تھیں۔

"اگر تم یہ کارڈ قبول کرتے ہو تو ہمیں بے انتہا خوشی ہو گی۔" اسرار آفندی نے ایک اور لقمہ دیا تھا۔

"میں علیزے کو قبول کر چکا ہوں تو سمجھیں کہ علیزے سے ریلیٹڈ ہر چیز کو قبول کر چکا ہوں۔ یہاں تک کہ یہ کارڈ بھی۔" دل آور نے ذرا سا آگے جھکتے ہوئے ٹیبل پہ رکھا وہ کارڈ اٹھا لیا تھا اور اس کی بات پہ وہاں موجود سب ہی افراد میں خوشی کی اک لہر سی دوڑ گئی تھی۔

اور علیزے نے بے ساختہ دل آور کی طرف دیکھا تھا اور دل آور اس کے دیکھنے ــــ سے ہی جان گیا تھا کہ وہ اندر سے کن فیلنگز کا شکار ہو رہی ہے اور کیا سوچ رہی ہے۔
وہ اس کی آنکھوں کی مشکور سی جنبش سمجھ گیا تھا اور ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔
"علیزے ـــ! کیا اپنے میکے والوں کی کوئی خاطر تواضع نہیں کرو گی؟ یا پھر یونہی بیٹھی رہو گی۔"
دل آور نے ہی اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ اس کی بات پہ خجل ہوتی ہوئی اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی جہاں گل پہلے سے ہی تیاریوں میں مصروف تھی۔

☼ ☼ ☼

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے
روز ایک چیز ٹوٹ جاتی ہے
"زری ـــ! آؤ نا ـــ مدحیہ تمہیں بلا رہی ہے۔"
عبداللہ نے اپنے دھیان میں گم بیٹھی زری کو متوجہ کیا تھا اور زری چونک کر رہ گئی تھی۔ اور اس کی نظر بلا ارادہ ہی سامنے کی طرف اٹھی تھی جہاں مدحیہ اور عدیل اسٹیج پہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے دائیں بائیں علیزے، نگارش اور مومنہ بیٹھی ہوئی تھیں۔
جن کو دیکھ کر زری نے بے حد آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"نہیں بھائی ـــ! وہاں ابھی میری جگہ نہیں۔" اس کے ہلکے سے انکار پہ عبداللہ نے فوراً گردن موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا تھا جہاں ان تینوں کی بیویاں موجود تھیں اور تینوں ہی بہت خوش نظر آ رہی تھیں اور جہاں واقعی زری کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی، جس پہ واقعی عبداللہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
اور وہ بے ساختہ زری کے قریب پڑی کرسی کھینچ کر اس کے مقابل ہی بیٹھ گیا تھا۔ اور بے حد نرمی اور بے حد محبت سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔
"میں جانتا ہوں کہ تمہیں شاعری بہت پسند ہے اور تمہارا ذوق اور تمہارا حافظہ بھی بہت عمدہ ہے لیکن اس کے باوجود میرے ذوق اور میرے حافظے کی سلیٹ پہ ایک شعر ابھر رہا ہے شاید کہ یہ شعر ایک دو لفظ کے ہیر پھیر سے کچھ غلط ہو جائے، لیکن پھر بھی کوشش کرتا ہوں تمہیں سنانے کی شعر کچھ یوں تھا کہ ـــ

اس دنیا میں کسی کو بھی مکمل جہاں نہیں ملتا
کسی کو زمین نہیں ملتی تو کسی کو آسماں نہیں ملتا

عبداللہ کے اک عجیب سے لہجے میں کہے ہوئے شعر پہ زری کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے۔
"تو میری جان اس شعر کا مفہوم تو تم سمجھ ہی گئی ہو گی کیونکہ شاعری کی زبان تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو، لیکن پھر بھی یہ واضح کرتا چلوں کہ جن لوگوں کو تم دیکھ رہی ہو تا اپنی اپنی جگہ پہ مکمل یہ بھی نہیں ہیں، انہیں بھی زندگی میں کسی کو زمین نہیں ملی تو کسی کو آسمان نہیں ملا۔"
علیزے بھابھی اور دل آور کے ماضی سے کیا کیا اذیتیں جڑی ہیں یہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی ـــ بے شک وہ لوگ ایک دوسرے کو معاف کر بھی دیں، لیکن وقار آفندی کے نام کا کانٹا ان کے دلوں میں ہمیشہ چبھا ہی رہے گا جس کو نہ علیزے نکال سکتی ہے، نہ دل آور اور نہ ہی ان کے گھر والے اور ایسا ہی ایک کانٹا نبیل اور مومنہ بھابھی کی زندگی میں بھی پیوست ہے وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں تو کمپرومائز کی بیس پہ ـــ ورنہ ان کی زندگیوں میں کیا کچھ ہو چکا ہے یہ بھی ہم سب سے ڈھکا چھپا تو نہیں ہے نا؟

اور رہی بات نگارش کی اور میری تو ہماری زندگی کی محرومی بھی تمہارے سامنے آئینے کی طرح موجود ہے، ہم دونوں نے محبت بھی کر لی اور ایک دوسرے کو حاصل بھی کر لیا، لیکن پھر بھی ادھورے کے ادھورے رہے نہ اپنے ماں باپ کی شفقت ملی اور نہ ہی خود ماں باپ بن سکے۔ تمہیں شاید پتا ہو یا نہ ہو، لیکن میں نے اکثر نگارش کو اس محرومی پہ اداس افسردہ اور آنسو بہاتے ہوئے دیکھا ہے تنہائی میں وہ بہت اداس ہوتی ہے لیکن جب دنیا کا سامنا کرتی ہے تو بڑے صبر، شکر اور تحمل کے ساتھ پیش آتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ اسے اس صبر و تحمل کا اجر ضرور دے گا۔ اس لیے میری جان میں تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح خوش رہنا سیکھو کیونکہ زندگی میں سب کچھ ہمارے لیے ہی نہیں ہوتا اس میں کچھ دوسروں کا بھی نصیب ہوتا ہے، جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا اور ہم اپنی لاعلمی میں کسی دوسرے کے نصیب کو اپنا حق اور اپنا نصیب سمجھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں، مگر جب ہماری یہ خوش فہمی ختم ہوتی ہے تو ہم اداس ہوتے ہیں ـــ مایوس ہوتے ہیں اور اپنے میں حسرتیں اور رشک پیدا کر لیتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا نہیں چاہیے کیونکہ ہر انسان کو اپنے اپنے نصیب کا ملتا ہے چاہے دولت ہو، شہرت ہو، عزت ہو ـــ یا پھر جیون ساتھی ہو۔
جن کو جو ملا، سمجھو اسے اللہ نے دیا، کیونکہ ہمارے نصیب لکھنے والا تو وہی ہے نا۔ ضروری نہیں ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں وہی ہو بلکہ ضروری وہ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور اللہ جن کو دولت دیتا ہے کبھی کبھی ان کی قسمت میں یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ دولت انہیں برتنا بھی نصیب نہیں ہو گی جن کو شہرت دیتا ہے ساتھ ہی اس شہرت کا زوال بھی لکھ دیتا ہے۔ جن کو عزت دیتا ہے ان کی رسوائی بھی لکھتا ہے، جن کو اولاد دیتا ہے، ان کی آزمائش بھی لکھتا ہے اور جن کو جیون ساتھی اچھا ملتا ہے ان کی قسمت میں بے سکونی اور بے چینی بھی ساتھ ہی لکھی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اپنی قسمت اور اپنے نصیب پر غرور کوئی بھی نہیں کر سکتا ـــ کوئی بھی نہیں ـــ اچھا برا وقت ہر انسان کی زندگی میں ہی آتا ہے اور ہر انسان کو جھیلنا پڑتا ہے، بس اس جھیلنے کے لیے برداشت کا مادہ ہونا لازمی ہے ورنہ سب کچھ رائیگاں چلا جاتا ہے۔
اب یہی دیکھ لو جب ہم شادی کرتے ہیں تب ہمیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے ہاں اولاد ہو گی بھی یا نہیں ـــ؟ اگر ہمیں ان چیزوں کا پہلے سے ہی پتا چل جائے تو شاید ہم یہ کام ہی نہ کریں، لیکن ہم پھر بھی یہ کام کرتے ہیں کیونکہ ہم اللہ کی رضا سے انجان ہیں اور جب سب کچھ ہونا ہی اللہ کی رضا سے ہے تو ہمیں افسردگی، مایوسی، اداسی اور حسرت کا ماسک چہرے پہ سجانے کی ضرورت ہی کیا ہے بھلا۔
"اب یہ نگارش کو ہی دیکھ لو اس نے مجھ سے محبت کی، بے انتہا اور سچی محبت ـــ اس نے مجھے چاہا اور میں اسے مل بھی گیا، لیکن پھر بھی وہ محروم ہے ـــ روتی ہے ـــ مجھ سے چھپ چھپ کر روتی ہے ـــ آخر کیوں؟ کیونکہ اسے بھی مکمل جہاں نہیں ملا۔ مجھے بھی نہیں ملا، نبیل کو بھی نہیں ملا، مومنہ بی بی کو بھی نہیں ملا، علیزے کو بھی نہیں ملا اور علیزے کے ڈرائیور کو بھی نہیں ملا کیونکہ یہ زندگی ہے۔"
عبداللہ نے اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے تھپکے تھے اور زری کی آنکھوں سے دو اشک بہہ آئے تھے جن کو عبداللہ نے اپنی انگلیوں سے بہت نرمی سے پونچھ ڈالا تھا۔
"عشق کرنا اور نامراد رہنا، اصل عاشق اور اصل عشق کی اصل نشانی ہوتی ہے۔ تمہارے عشق پہ آزمائش اتری، مگر تم ڈگمگائی نہیں ـــ مجھے خوشی ہے اس چیز کی ـــ کیونکہ تمہاری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا، تمہاری محبت تمہارا عشق پاک صاف تھا، اسی لیے آج میں ایک بھائی ہونے کے باوجود تم سے اتنے حساس اور گہرے موضوع پر بھی بات کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کر رہا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری بہن کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہے پانی کی طرح صاف شفاف ـــ ورنہ کوئی اور مسئلہ ہوتا تو شاید میں ایسی باتیں تم سے کبھی نہ کرتا مگر

نہیں۔۔۔ مجھے تم پہ بھروسہ ہے اور فخر بھی ہے۔؟"
عبداللہ کہہ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور نبیل کی نظریں آنسو پونچھتی زری پہ ٹھہری گئی تھیں اور دل میں اک ایسی ہوک سی اٹھی تھی کہ سیدھی روح تک گئی تھی اور روح تڑپ اٹھی تھی مگر نہیں۔۔۔ اب یہ سب فضول تھا۔۔۔ اب بہت کچھ پیچھے رہ گیا تھا اب مومنہ کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جا سکتی تھی۔۔۔

کیونکہ اس نے جب زری کی طرف سے اپنے دل کو پھیرا تھا تو خود سے بڑے عہد کیے تھے۔۔۔ اور اب یہ عہد ہی سب سے زیادہ اہم تھے۔۔۔ دل بے شک تڑپتا یا گھائل ہوتا رہتا۔۔۔! "زری۔۔۔! آیئے نا"۔۔۔ مدحیہ بلا رہی ہے۔۔۔" بہت ہی خوبصورت ڈریس میں ملبوس مومنہ بی بی اسٹیج سے اتر کر زری کے قریب آگئی تھی اور زری کو سہارا دینے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا جس پہ نبیل نظریں چرا کر رخ موڑ گیا تھا۔۔۔ وہ ایسا منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔۔

اور زری مومنہ بی بی کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
نبیل سے اسٹیج تک کا فاصلہ محض چند قدموں کا تھا' لیکن زری کے لیے یہ چند قدم بھی میلوں کا سفر تھے۔۔۔ اس نے طے کیے تھے مگر بڑی مشکلوں کے ساتھ۔۔۔ اور ابھی وہ اسٹیج پہ چڑھنے کے لیے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ دوسرا ہاتھ علیزے نے آگے بڑھا دیا تھا اور زری نے چونک کر اپنے سے دو زینے اونچی کھڑی علیزے کی سمت دیکھا تھا' جس کے چہرے پہ زری کے لیے محبت ہی محبت تھی اور زری اس کے چہرے کا یہ تاثر دیکھ کر بس دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔
جبکہ علیزے اس کا ہاتھ پکڑنے کے لیے دو قدم نیچے آگئی تھی۔
"میں نے ایک دفعہ ڈرائیور سے پوچھا تھا کہ زری کون ہے۔۔۔؟ تو اس نے جواب دیا۔۔۔" علیزے خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھی کہ زری تڑپ کر پوچھ بیٹھی۔
کیا جواب دیا اس نے۔۔۔؟ سوال بڑا بے قرار تھا۔
"محبت؟!" علیزے بھی ویسا ہی بولی تھی۔۔۔ انتہائی مختصر اور یک لفظی۔
"محبت۔؟" زری نے زیرِ لب دہرایا تھا۔
"میں نے بھی جواباً" یہی کہا تھا۔۔۔ محبت۔۔۔؟" علیزے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اسٹیج کی سیڑھی چڑھنے میں مدد دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس سے بات بھی کر رہی تھی۔
"پھر۔۔۔؟ پھر کچھ کہا۔۔۔؟" زری بمشکل سیڑھی چڑھی تھی۔
"پھر کیا۔۔۔ وہ مجھے کہنے لگا۔ تم نہیں سمجھو گی۔ کیونکہ محبت بڑی حویلی والوں کی سمجھ کی چیز نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں "سمجھ گئی۔۔۔" علیزے مسکرائی اور اسے دوسری سیڑھی چڑھنے میں مدد دی تھی۔
"کیا سمجھ گئیں۔۔۔؟" زری کے سوال بہت بے ساختہ سے تھے۔
"یہی کہ زری محبت کیوں ہے۔۔۔؟" علیزے کا لہجہ بدلا تھا لیکن زری محسوس نہیں کر سکی تھی۔
"علیزے۔۔۔!" دل آور کسی سے ملنے کے بعد اپنے دھیان میں اس کے قریب آیا تھا لیکن زری کو اس کے ساتھ دیکھ کر اس کے قدم اپنی جگہ پہ ہی جم گئے تھے۔
"زری کو چھوڑ کر آتی ہوں۔؟" علیزے نے گردن موڑ کر اسے جواب دیا اور زری کو لے کر آگے بڑھ گئی تھی جہاں بیٹھے مدحیہ اور عدیل اپنی ہی چھیڑ چھاڑ اور شرارتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
"مدحیہ!" علیزے نے اسے متوجہ کیا۔
"ارے زری۔۔۔!" مدحیہ اپنا بھاری بھر کم دوپٹا سنبھالتی ہوئی بمشکل کھڑی ہوئی تھی اور بڑے والہانہ انداز میں

زری کے گلے ملی تھی۔
"مبارک ہو۔۔! آخر پاکستان نے تمہیں باندھ ہی لیا۔" زری نے کچھ دیر کے لیے اپنے ذہن سے ہر احساس جھٹکتے ہوئے مدحیہ کو بڑی خوشدلی سے مبارکباد دی تھی۔
"خیر مبارک۔۔! مجھے پاکستان نے نہیں پاکستان کی محبت نے باندھ لیا ہے' بہت اپنائیت ہے یہاں اب کہیں اور جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" مدحیہ عدیل کو دیکھتے ہوئے بڑی دلچسپی سے مسکرائی تھی اور جواباً عدیل بھی مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔
"اور اب ہم کہیں اور جانے بھی نہیں دیں گے۔۔" اس نے بڑے استحقاق سے کہا تھا جس پہ مدحیہ زری کے سامنے ذرا سا جھینپ گئی تھی کیونکہ وہ اسے بڑی گہری اور ذو معنی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مدحیہ اس کے یوں بار بار نظر بھر کر دیکھنے پہ بلاوجہ ہی نروس ہوئی جا رہی تھی۔
"خیر اس بات کو فی الحال جانے دیں' یہ بتائیں آپ کیسی ہیں۔۔ طبیعت بہتر ہوئی آپ کی؟" عدیل زری کو سلام کرتا ہوا اس کا حال احوال پوچھنے لگا۔
"الحمد للہ۔۔! بالکل ٹھیک ہوں۔۔ اور اگر نہیں بھی ہوں تو ہو جاؤں گی' کیونکہ جلد یا دیر کرنا تو اللہ کی ذات نے ہے۔۔؟" زری نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔
"جی۔۔! یہ تو بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔۔ آئیے بیٹھیے۔۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔
اور مدحیہ زری کا ہاتھ پکڑے صوفے پہ آگئی تھی۔۔
"بھائی۔۔! ٹائم کافی زیادہ ہو چکا ہے۔۔ امی کہہ رہی ہیں کہ رسم کر دینی چاہیے۔" ایمن بھی اسٹیج پہ آگئی تھی۔
"عدیل۔۔! کیا خیال ہے تمہارا۔۔ رسم ہو جائے۔؟" نبیل نے قریب آکر پوچھا۔
"جیسے آپ کی مرضی۔۔؟" عدیل بھلا کیا کہہ سکتا تھا۔۔؟
"ہمیں رنگ زری پہنائے گی۔۔" مدحیہ نے یکدم ہی اعلان کیا تھا اور زری گڑبڑا گئی تھی۔
"م۔۔ مگر۔۔ مدحیہ۔۔؟" زری کو مدحیہ کے ایسے ارادے کا اندازہ بھی نہیں تھا ورنہ وہ یقیناً اسٹیج پر ہی نہ آتی۔
"زری۔۔! میں یہ بندھن تمہارے ہاتھوں سے باندھنا چاہتی ہوں' یہ میری خواہش ہے۔۔ اور تمہیں میری زندگی کی پہلی خوشی اور پہلی خواہش سے انکار نہیں کرنا چاہیے ورنہ میرے لیے بدشگونی ہوگی۔۔" مدحیہ نے اس کے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا اور زری اس کی بات سن کر کانپ گئی تھی۔
"لیکن مدحیہ۔۔! میں تو خود۔۔" زری نے کچھ کہنا چاہا۔
"بس تم اپنے محبت بھرے ہاتھوں سے میری زندگی کی ڈوری باندھو۔۔ یہ لو۔"
اس نے عدیل کی طرف سے لائی گئی انگوٹھی مریم کے ہاتھ سے لے کر ڈبیا سمیت زری کے سامنے کر دی تھی اور واقعی زری سے اس موقعے پہ انکار نہیں ہو سکا تھا اور زری نے روتے ہوئے دل سے دعا مانگ کر لرزتی انگلیوں سے انگوٹھی تھامی اور نگارش' عبداللہ' مومنہ' نبیل' علیزے' دل آور' جودت اور اس کی فیملی' شہریار اور اس کی فیملی' سلو اور جیدی اور محمد جہانزیب اور فاطمہ کی موجودگی میں سب کے سامنے مدحیہ اور پھر عدیل کو انگوٹھی پہنا دی تھی۔
جس پہ جی بھر کے تالیاں بجی تھیں اور وہیل چیئر پر بیٹھے عمر فاروق نیازی بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی پہلی پہلی خوشی پر مسکرائے تھے۔
"آئی لو یو بھابھی۔۔!" مریم' ایمن اور ایمان سے چھوٹی زونیہ اور زوبیہ نے مدحیہ کو پھول دیتے ہوئے اس کے دونوں رخسار چوم لیے تھے اور مدحیہ بے ساختہ کھلکھلا اٹھی تھی اور دونوں کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا

اور یہ ایک دلکش سین کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہو کر رہ گیا تھا بلکہ آج کے دن میں تو ایسے کئی سین تھے جو کیمرے کی آنکھ نے قید کیے تھے۔۔ اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

اس سے اگلے ہی روز آذر' دانیال اور جودت کی مایوں اور مہندی کی رسم تھی۔
اور علیزے صبح ہی صبح سب لڑکیوں کے بلانے پہ بڑی حویلی چلی گئی تھی حالانکہ دل آور نے بہت شور مچایا' احتجاج کیا اور غصہ بھی دکھایا تھا مگر وہ الٹا اسے ہری جھنڈی دکھا گئی تھی اور دل آور تلملا کے رہ گیا تھا۔
کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ علیزے پورا دن گھر پہ رہے اور رات کو ایک ساتھ شادی میں جائیں مگر وہ ہاتھ ہی نہیں آئی تھی اس لیے اس کا موڈ اب آف ہی تھا۔
اور اسی آف موڈ کے ساتھ وہ شام کو بڑی حویلی پہنچا تو تقریباً سارے ہی نوٹ کیے بغیر نہیں رہ سکے تھے کہ وہ پہلے جیسے موڈ میں نہیں ہے۔
"کیا بات ہے علیزے۔۔! دل آور بھائی کا موڈ بہت آف لگ رہا ہے۔" علیزے اپنے بیڈ روم میں بیٹھی تیار ہو رہی تھی جب انوشہ دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی۔
"ڈرائیور آیا ہے۔۔؟ کہاں ہے وہ۔۔؟ تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس کا موڈ آف ہے۔۔؟" علیزے کو اس کا نام سنتے ہی بے چینی سی لگ گئی تھی۔
"نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں' بس مجھے تو ان کے موڈ سے یہی لگا ہے کہ ان کا موڈ آف ہے' اب کیوں آف ہے یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" انوشہ نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔
"اس کے پاس کوئی ہے یا نہیں۔۔۔؟" علیزے کو اس کے اکیلے پن کی فکر ہوئی تھی۔
"امی اور آنٹی بیٹھی ہوئی ہیں۔۔ اسرار انکل تو مہمانوں کو ریسیو کر رہے ہیں' اور باقی سب تو اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہیں۔۔" انوشہ اس کا میک اپ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔
"اف۔۔! تو تم اسے اوپر بلا لو نا اگر اتنی فکر ہو رہی ہے تو۔۔۔؟"
انوشہ کو بیٹھے بیٹھے ہی شرارت سوجھ گئی تھی۔۔
"ارے نہیں انوشہ آپی۔۔! وہ یہاں آگیا تو میں میک اپ کے بغیر ہی رہ جاؤں گی۔" علیزے جھنجلائی۔۔
"کیا مطلب۔۔؟" انوشہ جان بوجھ کر انجان بنی تھی۔
"خیر چھوڑیں آپ نہیں سمجھیں گی۔" علیزے سر جھٹک کر پھر سے آئینے کی طرف اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور انوشہ بڑی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

"السلام علیکم دل آور بھائی۔۔!" انوشہ دوپٹا سر پہ اوڑھے بڑے سعادت مند بچی بنی دل آور کے سامنے آکر جھکی اور مجبوراً" دل آور کو اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنا پڑا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔! کیسی ہو۔۔؟" وہ بہت نارمل سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔
"الحمد للہ۔۔! بالکل ٹھیک ہوں۔۔ وہ دراصل آپ کے لیے علیزے کا پیغام ہے' وہ آپ کو اپنے روم میں بلا رہی ہے۔" انوشہ نے بڑی سنجیدگی سے پیغام رساں کا روپ دھارا تھا۔
"روم۔۔؟"
دل آور سب کے سامنے ایسا پیغام سن کر ٹھٹکا تھا۔

"جی۔۔۔! وہ آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ جائیے اس کی بات سن لیجیے' پھر تو اور زیادہ رش بڑھ جائے گا اور فنکشن بھی اسٹارٹ ہو جائے گا۔۔۔"

انوشہ کی سنجیدگی انتہائی تھی اور دل آور جز بز ہوتا آسیہ آفندی اور عائشہ آفندی وغیرہ کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"ارے۔۔۔! کوئی بات نہیں بیٹا۔۔۔ جاؤ تم۔۔۔ ہم بھی ذرا مہمانوں کو دیکھ لیں۔" عائشہ آفندی لاپروائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔۔۔ اور دل آور نے دوبارہ انوشہ کی طرف دیکھا تھا جو بمشکل اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش میں تھی۔

"جائیے نا۔۔۔! دیر کیوں کر رہے ہیں۔۔۔؟" اس نے اسے ڈرائنگ روم سے باہر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔! جا رہا ہوں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے سے باہر نکل آیا تھا اور طویل ترین کشادہ سیڑھیاں طے کرتا علیزے کے روم کے سامنے آ رکا تھا' اور آہستگی سے دروازے پہ دستک دی تھی۔

"یس۔۔۔ کم ان۔۔۔" اندر سے علیزے کی نرم سی آواز سنائی دی تھی۔

اور دل آور اس کی طرف سے اجازت ملتے ہی دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا تھا جبکہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنی دلنشیں پلکوں پہ مسکارا لگاتی علیزے آئینے میں اس کا عکس ابھرتا دیکھ کر چونک گئی تھی۔

"ڈ۔۔۔ ڈرائیور۔۔۔ تم یہاں۔۔۔"

علیزے تو بالکل یوں گھبرا گئی تھی جیسے دل آور کو پہلی بار اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر گھبرائی تھی۔۔۔

"آپ نے خود ہی تو بلایا ہے بی بی جی۔۔۔!" اسے بھی ڈرائیور کے کریکٹر میں جانے میں ذرا دیر نہیں لگی تھی۔

"میں نے بلایا تھا۔۔۔؟ مگر کب۔۔۔؟" علیزے کو اچنبھا ہوا۔

"ابھی۔۔۔ چند منٹ پہلے۔۔۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا بی بی جی۔۔۔" وہ دروازے کے قریب بالکل ایسے ہی کھڑا تھا جیسے منصور حسن کے انداز میں کھڑا ہوتا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔۔۔؟" علیزے خفگی سے بولی۔

"آپ کی کزن انوشہ بی بی نے۔۔۔" ڈرائیور کی معصومیت کی بھی انتہا ہو چکی تھی۔

"اوہ۔۔۔ انوشہ۔۔۔؟" علیزے چپ چاپ جانے والی انوشہ کی شرارت سمجھ گئی تھی۔

"اب آپ بتائیے۔۔۔ میرے لیے کیا حکم ہے آخر۔۔۔؟ چلا جاؤں یا کھڑا رہوں۔۔۔؟"

دل آور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ بھی رہا تھا' وہ زنک اور سلور کلر کی کامدار فراک اور چوڑی دار پاجامے میں نامکمل سی تیاری میں کھڑی سیدھی دل پہ لگ رہی تھی اور دل کی دھڑکنیں بے ربط سی ہونے لگی تھیں۔

"ہوں۔۔۔! کھڑے رہو۔۔۔ جب تک میں نہ کہوں' یہاں سے ہلنے کی بھی کوشش مت کرنا۔۔۔"

علیزے دو سیکنڈ سوچنے کے بعد اسے حکم دیتی ہوئی دوبارہ سے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کی طرف پلٹی تھی۔

"آنکھیں بند کر لوں یا دیکھتا رہوں۔۔۔؟" اس نے اگلا سوال کیا۔

"دیکھتے رہو۔" وہ اطمینان سے اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئی۔

مگر دل آور رہ نہیں سکا تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنے قدم علیزے کی طرف بڑھا دیے تھے۔

"یہ تو سراسر ناانصافی ہوئی نا بی بی جی۔۔۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں کھڑا رہوں' یہ تو سیدھا سیدھا ظلم ہوا ایک ڈرائیور پہ۔۔۔ آپ کو کم از کم اپنے ڈرائیور کی حالت پہ ہی رحم آ جانا چاہیے۔۔۔ لیکن افسوس کہ یہاں کوئی بھی کسی پہ ترس نہیں کھاتا۔۔۔ اس لیے کسی کے حکم کی تعمیل کرنے سے اور اپنی سعادت مندی ظاہر کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ حکم عدولی سے کام لے اور بدتمیز اور بد اخلاقی ظاہر کرتا ہوا سب کچھ حاصل کر لے۔۔۔ ہے نا۔۔۔"

دل آور آہستہ روی سے قدم بہ قدم چلتا علیزے کے قریب پہنچ گیا تھا اور وہ اسے اپنے عقب میں دیکھ کر بے ساختہ چیخ اٹھی تھی۔ دل آور نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اف علیزے بی بی۔۔۔ پاگل مت بنو۔۔۔ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور آپ یوں چیخیں مار رہی ہیں۔۔۔ لوگ سمجھیں گے کہ ڈرائیور نے اپنی علیزے بی بی پر تشدد شروع کر دیا ہے۔"

دل آور نے اسے سمجھانا چاہا تھا مگر اپنے منہ پہ رکھے ہاتھ کی وجہ سے علیزے کی آنکھیں ابلنے کو ہو گئی تھیں جس کا اندازہ دل آور کو اس کا عکس آئینے میں دیکھ کر ہوا تھا وہ دونوں آئینے کے سامنے ہی کھڑے تھے۔

"ارے کیا ہو گیا۔۔۔؟ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔؟" دل آور نے گھبرا کے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

"مم۔۔۔ میری لپ اسٹک۔۔۔ میرا میک اپ۔۔۔ اف۔۔۔ ڈرائیور۔۔۔" وہ اس کے ہاتھ رکھنے اور اپنا میک اپ اور لپ اسٹک وغیرہ خراب ہونے کے غم میں روہانسی سی ہو گئی تھی۔

اور سچ مچ رو دینے کو تھی اور دل آور اسے بچوں کی طرح منہ بسورتے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

لیکن علیزے بری طرح بدک گئی تھی۔۔۔

"سوری یار۔۔۔ بیوٹیشن کو بلوا تا ہوں۔"

"میں ٹھیک کر لوں گی تم جاؤ یہاں سے۔۔۔ اور نیچے جا کر میرا انتظار کرو۔۔۔" وہ غصے سے بولی تھی۔

"تم تو ایسے حکم دے رہی ہو جیسے سچ مچ تمہارے سامنے تمہارا شوہر نہیں ڈرائیور کھڑا ہو۔۔۔" دل آور نے اسے گھورا تھا۔

"پلیز ڈرائیور۔۔۔! میں لیٹ ہو جاؤں گی۔۔۔" وہ پھر سے روہانسی ہوئی۔

"او کے جاتا ہوں۔۔۔! مگر ایک شرط پہ۔۔۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"شرط۔۔۔؟ کیا۔۔۔؟" وہ ٹھٹک گئی۔

"آج اپنے ہاتھوں پہ مہندی لگاؤ گی نا۔۔۔؟" دل آور کو نجانے کہاں سے اس نے ہاتھوں پہ مہندی دیکھنے کا شوق آ گیا تھا کہ علیزے ذرا دیر کے لیے ٹھہر گئی تھی۔

"کیوں۔۔۔؟"

"بس ایسے ہی مجھے شوق ہو رہا ہے۔۔۔" اس کا لہجہ اور انداز ایسا تھا کہ علیزے انکار نہ کر سکی۔

"ہوں۔۔۔ لگاؤں گی۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اور میرے ساتھ گھر بھی چلو گی۔۔۔"

"لیکن ڈرائیور۔۔۔!" وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی۔

"پلیز علیزے۔۔۔! اکیلے رہنے کی عادت بھول گیا ہوں' صبح سے تم گھر پہ نہیں ہو تو صبح سے اپنا ہی گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے' یہ چند گھنٹے میں نے کس طرح گزارے ہیں' یہ میں ہی جانتا ہوں۔۔۔" دل آور کی بات ہی کچھ ایسی تھی کہ سیدھی علیزے کے دل پہ لگی تھی اور اس کا دل تڑپ گیا تھا۔۔۔

"او کے ڈرائیور۔۔۔ ڈونٹ وری۔۔۔ میں چلوں گی گھر۔۔۔ یہ فنکشن تو ختم ہو جائے۔"

وہ بھلا اس کی اداسی یا افسردگی کب برداشت کر سکتی تھی۔۔۔ فوراً" ہامی بھر لی تھی۔

"مریم کے گھر بھی جانا ہے' عدیل ہمارا انتظار کر رہا ہو گا' نبیل کی فیملی بھی یہاں سے واپسی پہ عدیل کے گھر ہی جائے گی۔۔۔" اس نے علیزے کو آگاہ کیا۔

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں بھی تب تک تیار ہو جاتی ہوں۔۔۔" وہ سر ہلاتی پھر سے مصروف ہو گئی۔ "اور کوئی حکم" دل آور پھر شرارت سے بولا تھا جس پر علیزے نے اسے گھورتے دیکھا وہ ہنستا ہوا باہر نکل آیا تھا۔

پتھر پانی ہو جاتے ہیں
لوگ کہانی ہو جاتے ہیں
ایسا وقت بھی آجاتا ہے
کہ دشمن جانی ہو جاتے ہیں

☼ ☼ ☼

ان سب کی شادیاں بخیر و خوبی انجام پا گئی تھیں۔

اور شادیوں کے ہنگامے سرد پڑتے ہی سب کی زندگی روٹین پہ آگئی تھی ہر کوئی اپنی اپنی پریکٹیکل لائف میں مصروف ہو چکا تھا۔

البتہ نئی نئی شادیوں والے ہنوز نئے نئے چونچلوں میں مصروف تھے۔

"کیا خیال ہے ایک چکر مری کا ہو جائے۔۔۔؟" صبح ناشتے کی ٹیبل پہ یہ شوشا جودت نے چھوڑا تھا۔

"واؤ۔۔۔ مری۔۔۔ کیا خوب آئیڈیا ہے جودت بھائی۔" لڑکیوں نے بہت زیادہ خوشی سے کام لیتے ہوئے اس کے آئیڈیے کو سراہا تھا۔ جبکہ آذر اور دانیال اس کے آئیڈیے پہ ذرا بھی ایکسائیٹڈ نہیں ہوئے تھے۔ چپ چاپ خاموشی سے بیٹھے ناشتا کرتے رہے تھے۔

"کیا بات ہے آپ لوگوں کا مری جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیا۔۔۔" جودت نے ان کی خاموشی اور ان کی بے نیازی فوراً "نوٹ کی تھی۔

"نہیں۔۔۔ ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔۔ تمہارا ارادہ ہے تو تم جاؤ۔۔۔" آذر نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن میں اکیلے جانے کی بات نہیں کر رہا۔۔۔ میں نے تو یہ آئیڈیا سب کے لیے دیا ہے۔۔۔"

"تو تم اکیلے ہو بھلا؟ مریم ہے نا تمہارے ساتھ۔۔۔ شادی تمہاری ہوئی ہے سب کو کیوں انولو کر رہے ہو۔۔۔" آذر نے حیرت ظاہر کی تھی۔

"تو آپ کیوں نہیں جا رہے۔۔۔؟" جودت کا جوش بجھ گیا تھا۔

"کیونکہ ہم سوئٹزرلینڈ جا رہے ہیں اس لیے۔۔۔" آذر کے جواب پہ جودت کے پہلو میں بیٹھی مریم جودت کو بے وقوف بنائے جانے پہ اپنی مسکراہٹ دبا گئی تھی کیونکہ اسے کومل اور حرمت نے شام کو ہی بتا دیا تھا کہ وہ لوگ پرسوں کی فلائٹ پہ ہنی مون کے لیے آؤٹ آف کنٹری جا رہے ہیں" سوئٹزرلینڈ۔۔۔ مگر آپ نے پہلے تو نہیں بتایا۔۔۔" جودت ابھی تک حیرت کے دھچکے سے باہر نہیں آیا تھا۔

"ہم نے سوچا جب جائیں گے تو پتا چل جائے گا۔۔۔" آذر نے کندھے اچکائے۔

"اور دانیال بھائی۔۔۔؟" اس نے اب دوسرے کپل کا پوچھا حرمت الگ چہرہ جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔

"وہ لوگ جرمنی جا رہے ہیں۔۔۔ ہم نے بھی جرمنی ہی جانا تھا مگر کومل کو سوئٹزرلینڈ جانے کا شوق تھا تو میں نے سوچا ہم سوئٹزرلینڈ ہی چلے جاتے ہیں۔۔۔" آذر کی انفارمیشن کے بعد جودت کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"اور ہم۔۔۔؟" اس کا اشارہ اپنے اور مریم کی طرف تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ تم لوگ تو مری جا رہے ہو نا۔۔۔ تم نے خود ہی تو کہا ہے۔۔۔" آذر نے حیرانی سے کہا تھا اور جودت ضبط کا گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔

"مگر میں نے تو یہ آئیڈیا آپ سب کے ساتھ مل کر جانے اور انجوائے کرنے کے لیے سوچا تھا۔ اب اگر آپ نہیں جا رہے تو میں کیسے۔۔۔؟" جودت بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تو گویا اب تم مری نہیں جا رہے؟ تمہارا ارادہ بدل گیا ہے؟" آذر چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بولا۔ "ویسے تمہارے لیے میرا خیال ہے کہ سری لنکا یا بنگلہ دیش بیسٹ رہے گا۔ وہاں جاؤ ہنی مون کے لیے' بے نا۔۔۔" آذر نے کہتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھا تھا اور ان سب کے ساتھ ساتھ مریم کی بھی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ وہ لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اپنی ہنسی نہیں روک پائی تھی۔ "آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرا؟" جودت خفا ہوا۔

"مریم بیٹا! اس سے تو ہمیں کسی بھی قسم کی عقل مندی کی امید نہیں ہے۔ اس لیے اب تم ہی اسے جا کر سمجھاؤ کہ ہم اس کا مذاق اڑا رہے ہیں یا اس کا بھلا سوچ رہے ہیں۔"

آذر ناشتا ختم کرنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کی تقلید میں کومل بھی اٹھ گئی تھی۔ کیونکہ آذر آج شادی کے بعد پہلی بار آفس جا رہا تھا۔ اس لیے وہ اسے چھوڑنے گاڑی تک آئی تھی۔

"میری مانو تو اب آفس بھی میرے ساتھ ہی چلو۔" آذر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"میرا بس چلے تو یہ بھی کر لوں۔" کومل کے چہرے پہ اک شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"فی الحال تو تم سوئٹزرلینڈ چلنے کی تیاری ہی کر لو تو بڑی بات ہے۔ باقی باتیں وہیں جا کر ہوں گی۔" آذر کا لہجہ اور نظریں معنی خیز سے ہو گئے تھے۔ اسی لیے کومل جھینپ کر اسے ہاتھ ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی اور آذر اس کے بلش چہرے سے لطف اندوز ہوتا گاڑی نکال لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جیسے ہی مریم اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی تھی۔

وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آن وارد ہوا تھا اور مریم کو پتا تھا کہ اسے کیا بے چینی لاحق ہے۔

"مریم۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ آذر بھائی کیا کہہ رہے تھے۔ کیا بھلا سوچ رہے ہیں میرا۔" اسے تجسس ہو رہا تھا۔

"یہی کہ ہم لوگ مری چلے جائیں۔" وہ بھی لاپروائی سے بولی۔

"لیکن میں اب مری نہیں جاؤں گا۔ وہ اپنی بیویوں کو لے کر جرمنی اور سوئٹزرلینڈ جا رہے ہیں تو میں اپنی بیوی کو لے کر مری کیوں جاؤں؟ ہم بھی یورپ ہی جائیں گے۔" وہ بچوں کی طرح ضد اور مقابلے پہ اتر آیا تھا۔

"کیا یورپ جانا ضروری ہے۔" وہ بڑے سکون اور بڑے تحمل سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ضروری ہے۔۔۔ اب ضروری ہی ہے۔۔۔ اب ہر حال میں جاؤں گا۔۔۔ اور وہاں جاؤں گا' جہاں تمہیں پسند ہو۔" وہ تو جیسے تپ ہی گیا تھا۔

"ہاں تو ہم وہیں جا رہے ہیں نا جہاں مجھے پسند ہے۔" مریم نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔۔۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ چونکا۔

"پیرس۔۔۔ خوشبوؤں کے شہر۔" مریم بہت دھیما سا بولی تھی۔

"واٹ۔۔۔ پیرس۔۔۔؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں پیرس۔۔۔ آذر بھائی نے ہماری ٹکٹس پیرس کے لیے کنفرم کروائی ہیں۔ انہوں نے خود مجھ سے پوچھا تھا کہ تم لوگ کہاں جانا چاہتے ہو۔ تو پھر میں نے ان کے بہت اصرار کے بعد پیرس کا کہا تھا۔" مریم نے اسے اصل بات سے آگاہ کیا۔

"تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ سب کے ساتھ مل کر مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں؟" جودت نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔

"بے وقوف نہیں بنا رہی تھی' بلکہ یہ دیکھ رہی تھی کہ آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟ اور آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ کیا احساسات رکھتے ہیں آپ؟" مریم کے دل سے بے رخی کے بادل چھٹ چکے تھے۔ اسے جودت جیسے سر پھرے کی محبتوں اور شدتوں پہ یقین آچکا تھا۔ اسی لیے وہ اس کی خفگیوں پہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"پھر کیا پتا چلا تمہیں؟" وہ عین اس کے سامنے آرکا تھا۔

"یہی کہ آپ بے شک تھوڑے سے ضدی ہیں' ہٹ دھرم ہیں' سر پھرے ہیں' کم عقل ہیں' غیر ذمہ دار ہیں' لیکن پھر بھی۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ میرے معاملے میں بہت سمجھ دار ہیں آپ اور یہ بھی کہ محبت کرنا بھی جانتے ہیں۔" مریم اس کی شرٹ کے بٹنوں کو چھیڑتے ہوئے بولی تھی۔

"سچ میں محبت کرنا جانتا ہوں؟" وہ یک دم اس کی آخری بات پہ ایکسائیٹڈ ہوا تھا۔

"ہاں۔۔۔ مگ۔۔۔ وہ۔۔۔ نن نہیں۔۔۔ میرا مطلب تھا کہ۔۔۔"

مریم روانی میں ہاں تو کہہ گئی تھی۔ لیکن اس کی اتنی ایکسائٹمنٹ پہ نظر پڑتے ہی ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی' کیونکہ اس کے تیور ہی کچھ ایسے تھے۔ مگر مریم کے سنبھلنے تک دیر ہو چکی تھی اور جودت نے اس کے بچاؤ اور فرار کے تمام ارادے اور راستے مسدود کر دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ کب سے عدیل کے نمبر پہ کال کر رہی تھی' لیکن وہ کال ہی ریسیو نہیں کر رہا تھا اور مدحیہ کو بیٹھے بیٹھے پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ اسی لیے وہ گاڑی کی چابی لے کر اپنے بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو مدحیہ۔۔۔؟" ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے مومنہ کی آواز نے ہی روکا تھا۔

"بھابھی۔۔۔ پتا نہیں کیا مسئلہ ہے؟ میں عدیل کو کال کر رہی ہوں' وہ ریسیو نہیں کر رہا۔۔۔ ورنہ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔" مدحیہ کی پریشانی دیدنی تھی۔

"ان کی تو طبیعت خراب ہے۔ نبیل بتا رہے تھے کہ آج آفس بھی نہیں آئے۔" مومنہ نے اسے اک اور پریشان کن خبر سنادی تھی۔

"اچھا۔۔۔ مگر مجھے تو آنٹی اور ایمن نے بھی نہیں بتایا۔ ابھی دن میں ہی بات ہوئی ہے ان سے۔۔۔ انہوں نے شاید مریم سے ملنے کے لیے بڑی حویلی جانا تھا۔ وہ آج شام اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہنی مون کے لیے پیرس جا رہی ہے۔" مدحیہ کی فکر مندی میں اور سے اور اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"تو تم خود جا کر پتا کر لونا؟" مومنہ نے اک نیک مشورہ عنایت کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ وہ تو میں جا ہی رہی ہوں' مگر عجیب بات ہے کہ نہ اس نے خود بتایا اور نہ ہی اس کے گھر والوں نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔" وہ تذبذب کا شکار متفکر سے لہجے میں کہتی وہاں سے نکل آئی تھی اور اس کے پیچھے مومنہ صوفے پہ کشن درست کر کے رکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟" آفس سے واپسی پہ کپڑے وغیرہ چینج کر کے نبیل واپس ڈرائنگ روم میں آیا ہی تھا کہ مومنہ کو اکیلے مسکراتے دیکھ کر دلچسپ تعجب ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟" مومنہ اپنی مسکراہٹ دبا نہیں سکی تھی بلکہ اور گہری ہو گئی تھی "یہ اکیلے اکیلے مسکرانا کوئی اچھی علامت تو نہیں ہے غالباً"۔" نبیل دلچسپی سے کہتا صوفے پہ براجمان ہو گیا تھا۔

"میں اکیلے اکیلے کب مسکرا رہی ہوں؟ میں تو آپ کے سامنے مسکرا رہی ہوں۔" مومنہ کے انداز میں بھی بیویوں والی اک مخصوص سی ادا تھی۔ جس پہ نبیل کو بڑا اچھوتا سا احساس چھو کے گزرا تھا اور دل کی دھڑکنوں کے

ساز بدلے تھے۔

"سامنے مسکرا رہی ہو نا۔ مگر میں تو ابھی آیا ہوں۔" نبیل نے اپنے قریب صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"نبیل۔۔۔" مومنہ اس کی بات پہ جھینپ گئی تھی۔

"اف یار۔۔۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے ہماری شادی کو۔۔۔ تم ابھی تک گھبرا جاتی ہو' حالانکہ تم جانتی ہو۔ اب تو ہمیں فرینڈز کی طرح بے تکلف ہو کر رہنا چاہیے۔" نبیل جواباً" خفگی سے بولا تھا۔

"مم۔۔۔ مگ۔۔۔ نبیل۔۔۔" وہ بے چاری ہکلا گئی تھی۔

"اسی لیے تو تمہیں کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارا دوست بھی ہوں۔ اتنا نہیں گھبرایا کرو۔"

"مم۔۔۔ مگ۔۔۔ نبیل۔۔۔ وہ۔۔۔ آنٹی۔۔۔ کیا سوچیں۔۔۔ گی۔۔۔ کہ ہم۔۔۔" مومنہ نے اسے ٹالنا چاہا۔

"مومنہ۔۔۔ کیا کہا ہے میں نے۔۔۔ ادھر آؤ۔۔۔ میرے پاس بیٹھو۔" اب کی بار وہ ذرا جھڑک کر بولا تھا اور مومنہ مرے مرے قدم اٹھاتی اس کے برابر صوفے پہ آبیٹھی تھی۔

"سیدھی ہو کر بیٹھو۔" اس نے حکم جاری کیا اور مومنہ آہستگی سے سیدھی ہو بیٹھی تھی اور مومنہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق رخ اس کی طرف موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

"مومنہ۔۔۔" اس نے تنبیہہ کرنے والے لہجے میں پکارا تھا۔

"جج۔۔۔ جی۔۔۔" مومنہ کے حلق سے آواز نکلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

"نبیل بیٹا۔۔۔ اگر تم فارغ تھے تو عدیل کے گھر سے ہی ہو آتے۔۔۔ اتنے دن ہو گئے کوئی خیر خبر نہیں لی ان لوگوں کی؟" فائزہ بیگم اچانک ہی اپنے دھیان میں باتیں کرتی ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں اور مومنہ ان کی آواز سنتے ہی یک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

اور کوئی بھی بات سنے بغیر سیدھی اپنے روم کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ یوں جیسے اسے رہائی مل گئی ہو اور نبیل سیڑھیاں پھلانگتی مومنہ کی عجلت اور سرپٹ بھاگنے کا انداز دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے نبیل؟ میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں اور تم مسکرائے جا رہے ہو؟" فائزہ بیگم نے ذرا سی خفگی سے کہا۔

"ام۔۔۔ ابھی سچ پوچھیں تو مجھے کوئی بھی بات سمجھ نہیں آرہی۔ ابھی میرا دھیان آپ کی بہو کی طرف ہے۔ اسے مجھ سے کوئی کام ہے' میں ابھی آیا۔"

نبیل فائزہ بیگم کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے بڑے لاڈ اور پیار سے کہتا خود بھی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا اور فائزہ بیگم پہلی بار اس کے موڈ کی ایسی شرارت اور شوخی پر مسکرا کے رہ گئی تھیں اور دل کی گہرائیوں سے اپنے بیٹے اور بہو کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

مدحیہ نے گھر کے دروازے پہ دستک دی ہی تھی کہ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا اور وہ حیران پریشان سی کھلے دروازے سے اندر آگئی تھی۔ پورا گھر خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ صحن۔۔۔ برآمدہ۔۔۔ کمرہ۔۔۔ سب خالی تھا۔

"ایمن۔۔۔ ایمان۔۔۔ کہاں ہو تم لوگ۔۔۔؟" وہ اونچی آواز میں پکارتی ہوئی۔ آگے بڑھی تب ہی پورا گھر اس طرح خالی پڑا دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"زونیہ۔۔۔ زونیہ۔۔۔" وہ باری باری سب کو آوازیں دے رہی تھی۔

مگر جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ بڑے کمرے اور چھوٹے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ البتہ فاروق نیازی کے

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے وہ جھجکتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھی تھی۔
"آنٹی۔۔ انکل۔۔۔ ہیلو۔۔" اس نے پکارتے ہوئے کمرے میں جھانکا تھا۔
کمرے میں عابدہ خاتون تو نہیں تھیں۔ البتہ فاروق نیازی اپنے مخصوص پلنگ پہ سو رہے تھے۔ اس لیے مدحیہ نے دوبارہ آواز دینا اور پکارنا مناسب نہ سمجھا اور کمرے کی چوکھٹ سے ہی واپس لوٹ آئی تھی۔
"جن کو پکارنا تھا۔ بس اسی کو نہیں پکارا۔۔ باقی سب کو پکار کے دیکھ لیا۔"
وہ صحن میں آئی ہی تھی کہ اسے عدیل کی آواز سنائی دی تھی اور اس نے چونک کر چھت کی طرف دیکھا تھا۔ سیمنٹ سے بنے جنگلے پہ دونوں ہاتھ جمائے کھڑا نیچے صحن کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔
"باقی سب کہاں ہیں؟" مدحیہ اس کی بات نظر انداز کر گئی تھی۔
"سب چلے گئے۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر۔۔۔ مجھے کہا۔۔ لو گھر سنبھالو اپنا۔" عدیل کی غیر سنجیدگی اس کی باتوں سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔
"مگر گئے کہاں؟ پلیز مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔" مدحیہ کو اس کے موڈ سے ہی نظر آگیا تھا کہ وہ اسے صاف جواب نہیں دے گا' بلکہ ستائے گا۔
"جو چلے گئے ہیں ان کا مت پوچھو' جو ہیں ان کا سوچو۔" وہ ہنوز اسی موڈ میں تھا۔
"پلیز۔۔" جھنجلا گئی۔
"تم میرے لیے آئی ہو یا ان کے لیے آئی ہو؟"
"عدیل پلیز۔۔" وہ اس کا نام تو لے بیٹھی تھی' مگر پھر یک دم ہونٹ بھینچ لیے تھے اور اس کی یہ حرکت چھت پہ کھڑے عدیل نے بھی باآسانی نوٹ کی تھی۔
"کیا ہوا' چپ کیوں ہو گئی ہو؟" وہ دلچسپی سے بولا۔
"میں جا رہی ہوں۔" وہ جھنجلا کر واپسی کے لیے پلٹی۔
"جاؤ۔۔ شوق سے جاؤ۔۔۔ میں بھی جا رہا ہوں ڈاکٹر کے پاس۔" وہ کہہ کر جنگلے سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔
اور مدحیہ کے واپس پلٹتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر جنگلے کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے سے ہٹ چکا تھا اور مجبوراً" اسے سیڑھیوں کی طرف بڑھنا ہی پڑا تھا۔
وہ کشادہ چھت کے بیچوں بیچ بچھی چارپائی پہ سر جھکائے بیٹھا اپنی ناراضی کا کھلا اظہار کرتا نظر آ رہا تھا۔ مدحیہ آہستہ قدموں سے چلتی عین اس کے سامنے بچھی دوسری چارپائی پہ آ بیٹھی تھی اور سر جھکائے بیٹھے عدیل کی نظریں مدحیہ کے دودھیا پاؤں پہ ٹھہر گئی تھیں۔ بلیک سینڈلز میں مقید اس کے پاؤں ایسی چھب دکھلا رہے تھے کہ عدیل کو نظریں چرا لینا ہی مناسب لگا تھا۔
"کیا ہوا تمہاری طبیعت کو۔۔؟" مدحیہ نے طبیعت پوچھنے میں پہل کی تھی۔
"جو تمہاری طبیعت کو نہیں ہو رہا۔" عدیل نے نظریں اٹھا کر براہ راست اس کے چہرے پہ نظریں جما دی تھیں۔
"کیا مطلب۔۔" وہ ناسمجھی سے بولی۔
"یہی بے چینی' بے قراری اور بے بسی۔"
"میں تمہاری طبیعت کا پوچھ رہی ہوں۔" وہ اس کی بات پر الجھی تھی۔
"میں بھی اپنی طبیعت کا ہی بتا رہا ہوں۔۔ ضروری نہیں کہ طبیعت صرف بخار' کھانسی' زکام سے ہی خراب ہو' طبیعت کبھی کبھی اس طرح بھی خراب ہو جاتی ہے' کیونکہ طبیعت کا سارا دارومدار دل پہ ہوتا ہے۔ انسان کا دل

خوش تو سمجھو طبیعت بھی خوش۔۔" عدیل نے اسے دلیل دی تھی۔
"یعنی تمہیں بخار' کھانسی' زکام کچھ بھی نہیں ہے؟" مدحیہ نے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔
"نہیں۔۔ میں نے اپنی بیماری بتائی تو ہے۔"
"اوہ یعنی تم نے مومنہ بھابھی کے ساتھ مل کر بے وقوف بنایا ہے؟" وہ اب کی بار ان کا سارا گیم سمجھ گئی تھی۔
"بے وقوف نہیں بنایا۔۔ ایک اچھا کام کیا ہے۔۔" اس کے موڈ میں ہنوز شرارت کا عنصر تھا۔ مدحیہ اپنی خفگی دبا گئی تھی۔
"لیکن کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اچھا ہونے کی بجائے کام اور بھی بگڑ جاتا ہے۔" مدحیہ بڑی دلچسپی سے مسکرائی تھی۔
"آثار تو مجھے بھی کچھ ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔ طبیب چاہتا ہی نہیں کہ مریض اچھا ہو۔" عدیل نے اپنی گدی کے بال کھجاتے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا تھا۔ آخر وہ عین اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔
"طبیب کے ساتھ دھوکے دہی سے کام نہیں لینا چاہیے نا۔ مرض صاف صاف بتانا چاہیے۔۔۔ اس سے شفا جلدی مل جاتی ہے۔" وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ "طبیب اپنا ہوتے ہوئے بھی پرایا ہو جائے تو پھر ایسے دھوکے دینا مجبوری بن جاتا ہے۔"
"پرایا۔۔ مطلب؟" اس نے ناسمجھی سے دہرا کے پوچھا۔
"مطلب کہ انگیجمنٹ سے پہلے لگتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں' بے تکلف ہیں اور تو اور دو چار ملاقاتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ لیکن اب تو دعا سلام سے بھی گئے۔ ملنا چاہو بہانے سے بیمار ہونے کی اطلاع پہنچانی پڑتی ہے' ورنہ پہلے یہ حالات تو نہیں تھے نا؟ اس سے تو بہتر تھا کہ ہم انگیجمنٹ ہی نہ کرواتے۔"
عدیل تو مدحیہ سے دوری کی کوفت سے جیسے بھرا بیٹھا تھا یک دم شکایتوں کا انبار ساتھ لیے پھٹ پڑا تھا اور مدحیہ اس کی صورت دیکھ کر یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔
"پہلے کی بات اور تھی۔۔ اب کی بات اور ہے۔۔ پہلے ہم آزاد تھے۔۔ اب ہم بندھ چکے ہیں۔ اب ہم میں ایک تعلق ہے' ایک رشتہ ہے۔ اب سب کا دھیان ہماری طرف ہو گا۔ اب سب ہمیں نوٹس کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم فاصلے پہ ہی رہیں۔" اب اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مدحیہ ہی اسے سمجھاتی ہوئی نظر آتی تھی۔
"یہ کیوں نہیں کہتیں کہ اس سے تو بہتر ہے کہ ہم شادی کر لیں۔" وہ خفگی اور غصے سے تپ اٹھا تھا۔
"تم نے ہی کہا تھا کہ ایمن کی شادی کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گا۔۔ تقریباً" ایک یا دو سال بعد۔۔" مدحیہ نے اسے اس کا بیان یاد دلایا۔
"اف توبہ کرو۔۔ چھ ماہ بھی گزر جائیں تو بڑی بات ہے۔ اکیلے بیٹھ کر آہیں بھرنے سے تو بہتر ہے کہ بندہ کسی کو سامنے بٹھا کر آہیں بھر لے۔"
"اوہ یعنی کہ تم آہیں بھرنے کے لیے شادی کرنا چاہتے ہو؟" مدحیہ نے پوائنٹ اٹھایا۔
"ظاہر ہے طبیب کو توفی الحال یہی دھوکا دینا ہے نا۔" وہ کہتے کہتے معنی خیزی سے مسکرایا۔
"شہریار کی فیملی تین ماہ بعد شادی کے لیے زور دے رہی ہے ۔ لیکن میں نے ان سے چھ ماہ کا وقت مانگا ہے۔ چھ ماہ میں ایمن کی شادی اور آپ جناب کی رخصتی بھی ہو جائے گی۔ آخر میرے امی' ابو بھی بہو جیسی نعمت سے فیض یاب ہونا چاہتے ہیں۔"
"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" مدحیہ گھبرائی تھی۔
"جو تم سن رہی ہو۔" وہ البتہ بڑا پرسکون تھا۔

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ عد۔۔۔ یل۔۔۔" وہ اس کا نام لیتے لیتے رک گئی تھی۔ اب وہ اکثر اس کا نام لینے سے گریز کرتی تھی۔
"اب تو تم میرا نام لینے سے بھی گئیں۔ بس یہی کوفت ہوتی ہے مجھے۔۔۔ اسی لیے تو شادی کرلینا چاہتا ہوں۔" وہ دلچسپی سے کہتا ہوا مسکرایا تھا اور مدحیہ یک دم اس کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"میں چلتی ہوں۔" جب سے اس کی انگیج منٹ ہوئی تھی۔ اسے واقعی عدیل سے بہت زیادہ شرم آنے لگی تھی۔ اب وہ اس سے بہت کم ہی ملتی تھی۔ اسی لیے تو عدیل کو آج مومنہ کی ہیلپ لینا پڑی تھی۔
"رکو تو۔۔۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
"پھر آؤں گی۔۔۔" وہ جنگلے کی طرف بڑھی۔ "کب۔۔۔" عدیل بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔
"جب رخصتی کرواؤ گے۔۔۔" مدحیہ نے آہستگی سے کہتے ہوئے آس پاس کی چھتوں کی طرف دیکھا۔ شام کا وقت تھا کافی سے بھی زیادہ لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پہ نظر آرہے تھے۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ آج ہی کروالوں۔۔۔" وہ بہت عجلت پسند ہو رہا تھا۔
"تو کروالو۔۔۔" اس نے اب کی بار کندھے اچکائے تھے۔۔۔ اور وہ بھی کافی لاپروائی سے۔
"سچ۔۔۔" عدیل کو اس کی رضامندی پہ کافی ایکسائٹمنٹ ہوئی تھی۔
"مچ۔۔۔" وہ بھی جواباً شرارت سے کہتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔
"مدحیہ۔۔۔ رکو بات سنو۔" وہ پیچھے سے پکارا تھا۔
"اب ایک بار ہی سنوں گی' جب تم دھوکے سے نہیں بلاؤ گے۔" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔
"یار۔۔۔ کچھ دیر تو رکو نا۔۔۔ وہ سب مریم سے ملنے کے لیے گئی ہوئی ہیں۔" عدیل نے دہائی دی۔
"جب وہ سب آجائیں تو پھر آؤں گی۔۔۔ ابھی تم ان کو لینے جانے کی تیاری کرو۔" وہ سیڑھیاں اتر کر دوبارہ صحن میں آگئی تھی۔
"میں ان کو لینے نہیں جاؤں گا۔ جودت خود انہیں ڈراپ کردے گا۔" عدیل کا منہ بن چکا تھا' مگر مدحیہ نوٹس لینے والی نہیں تھی۔
"اچھی بات ہے۔۔۔ اوکے اللہ حافظ۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔
"آئی رئیلی مس یو یار۔" اس نے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کیا۔ مدحیہ ٹھٹکی' پلٹی اور مسکرا اٹھی تھی۔
"آئی مس یو ٹو۔۔۔" اس کے لہجے میں بھی محبت کا اک بھرپور احساس رچا ہوا تھا۔
"کیا۔۔۔؟ پھر سے کہو۔" وہ جنگلے سے ہاتھ ہٹا کر سیڑھیاں اترنے کے لیے لپکا تھا۔ مگر تب تک مدحیہ یک دم کھلکھلاتی ہوئی دروازہ کھول کر دہلیز عبور کر گئی تھی۔
اور عدیل کے گھر کا آنگن مدحیہ کی ہنسی اور کھلکھلاہٹ سے گونج اٹھا تھا۔ جس کو محسوس کرکے خود عدیل بھی مسکرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نہ گلہ ہے کوئی حالات سے' نہ شکایتیں کسی کی ذات سے
خود ہی سارے ورق ہورہے ہیں جدا' میری زندگی کی کتاب سے

زری چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جب ان دونوں کی نظر بیک وقت اس کی طرف اٹھی تھی۔
"زری۔۔۔ ناشتا کرو نا بیٹا۔۔۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟"
وہ تینوں صبح کے وقت ناشتے کی ٹیبل پہ بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ لیکن زری کو یوں ہی گم صم سا بیٹھے دیکھ کر عبداللہ سے رہا نہیں گیا تھا۔
"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" زری کی آواز کافی رندھی ہوئی تھی۔
"کیوں۔۔۔ دل کیوں نہیں چاہ رہا؟ اور یہ تم رو رہی ہو کیا؟" عبداللہ اور نگارش دونوں ہی چونک گئے تھے۔
"بھائی۔۔۔ پتا نہیں کیا بات ہے' میرا دل بہت ہی گھبرا رہا ہے۔ بی بی جان سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے ان کے گلے لگ کے زور' زور سے دل کھول کر روؤں۔۔۔ اتنا روؤں کہ کبھی چپ نہ ہو سکوں۔" زری کہتے ہوئے خود پہ اختیار نہ رکھ سکی اور بے ساختہ تڑپ تڑپ کر رو پڑی تھی۔ جس پہ نگارش اور عبداللہ دونوں ہی پریشان ہو اٹھے تھے۔
"اللہ خیر کرے زری۔۔۔ ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ کیا ہوا ہے آخر؟" نگارش نے اپنا ناشتا چھوڑ کر فوراً" زری کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔
"ہم۔۔۔ میں نے آج خواب میں بی بی جان کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور تب سے مم میرا دل بھی رو رہا ہے۔ مجھ سے آج ٹھیک سے نماز بھی نہیں پڑھی گئی۔ میرے حلق سے نوالہ بھی نہیں اتر رہا۔ میرا دل بند ہو رہا ہے بھابھی۔۔۔ میرا بی بی جان سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔۔۔ مجھے بی بی جان کے پاس لے چلیں۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میرے خواب میں آئی تھیں۔۔۔ وہ اکیلی رو رہی تھیں۔"
زری تو رو' رو کر پاگل ہو گئی تھی اور نگارش اور عبداللہ اس نئی سچویشن پہ اندر سے حد درجہ پریشان اور وہم اور وسوسوں کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔
"پلیز زری۔۔۔ سنبھالو اپنے آپ کو۔۔۔ اللہ بہتر کرے گا۔۔۔ تم دعا کرو۔۔۔ ہم ابھی بی بی جان کو فون کرتے ہیں۔" نگارش نے اسے بہلایا مگر زری کو صبر کیسے آتا بھلا؟ وہ سچ ہی تو تڑپ رہی تھی۔ اس کا دل اور اس کی رگوں میں بہتا

خون اسے سکون نہیں لینے دے رہا تھا۔

"صاحب جی۔۔۔ باہر آپ سے کوئی ملنے کے لیے آیا ہے۔" ملازمہ بوکھلائی ہوئی سی اندر داخل ہوئی تھی۔

"مجھ سے۔۔۔ اتنی صبح صبح۔۔۔" عبداللہ کے دل میں خدشے نے سر ابھارا تھا۔

"السلام علیکم۔" انسپکٹر شہناز اور ایس پی کامران مہدی ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے اور ان کے پیچھے دل آور اور نبیل حیات کی صورتیں دکھائی دی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ خیریت۔۔۔ آپ سب یہاں۔" عبداللہ سے بولنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسے سب کے سب ہی بہت پریشان نظر آئے تھے۔

"ایم سوری ملک عبداللہ۔۔۔ ہمیں یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنانی پڑ رہی ہے کہ آپ کے بڑے بھائی ملک اسداللہ۔۔۔ ملک حق نواز کو جیل سے فرار کرواتے ہوئے پولیس فائرنگ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ ان دونوں کی ڈیڈ باڈیز پولیس اسٹیشن میں ہیں۔ آپ جا کر تصدیق کر سکتے ہیں۔"

ایس پی کامران مہدی نے بہت ہی تحمل سے یہ خبر سنانے کی کوشش کی تھی۔ مگر پھر بھی عبداللہ کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ وہ کھڑے قد سے لڑکھڑا گیا تھا۔ مگر ان دونوں نے اسے تھام لیا تھا۔ "بھائی۔۔۔" عبداللہ کے ہونٹ کپکپائے تھے۔ اس نے دل آور اور نبیل کو خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا۔

"بس یہی اللہ کو منظور تھا شاید۔۔۔ صبر سے کام لیں۔" ایس پی کامران مہدی نے بھی آگے بڑھ کے عبداللہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"بی بی جان۔۔۔" زری خاصی بلند آواز سے کرلائی تھی۔ اس کا خواب سچ ثابت ہوا تھا۔

"دیکھیے زرین۔۔۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں۔۔۔ یہ رونا دھونا سب فضول ہے۔ ہماری زندگیوں میں جو بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا سے ہی ہوتا ہے۔ پلیز سنبھالیے اپنے آپ کو۔۔۔ ابھی آپ لوگوں نے یہ ڈیڈ باڈیز لے کر اپنے گھر بھی جانا ہے۔" انسپکٹر شہناز نے زری کو بہت اپنائیت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی تھی۔ بلکہ وہ دونوں میاں بیوی ہی ان لوگوں کی ڈھارس بندھانے میں لگے ہوئے تھے۔ کیونکہ دل آور شاہ کے حوالے سے وہ نبیل حیات اور عبداللہ کی فیملی کی بھی بہت عزت و احترام کرتے تھے۔

اور اب تو وہ دونوں (انسپکٹر شہناز اور ایس پی کامران مہدی) شادی کر چکے تھے اور ان کا شمار بھی اب دل آور شاہ کے قریبی احباب میں ہوتا تھا۔۔۔! اسی لیے وہ ان لوگوں کے غم میں برابر کے شریک نظر آ رہے تھے۔

"عبداللہ۔۔۔! چلو پولیس اسٹیشن بھی جانا ہے اور۔۔۔" دل آور نے اس کا بازو سہلایا۔

"نہیں۔۔۔ دل آور۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ میں ایسے نہیں جا سکتا۔۔۔ میں بی بی جان کے سامنے اپنے بھائی کی ڈیڈ باڈی لے کر نہیں جا سکتا۔۔۔ اتنا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔" عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"تم اکیلے نہیں ہو عبداللہ۔۔۔ ہم ہیں نا تمہارے ساتھ۔" نبیل نے اس کا کندھا تھپکا تھا اور عبداللہ ان دونوں کے کندھے سے لگ کر بے اختیار رو پڑا تھا اور اتنی شدت سے رویا تھا کہ نبیل اور دل آور کی آنکھیں بھی نم ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

اور پھر یونہی روتے بلکتے ہوئے وہ اسے پولیس اسٹیشن لے کر پہنچے تھے' جبکہ زری نے گھر پہ ہی رو رو کر برا حال کر رکھا تھا اتنے میں فائزہ بیگم' مومنہ بی بی' مدحیہ اور علیزے بھی وہاں پہنچ گئی تھیں انہیں دل آور کا خاص آدمی "مبارک خان" چھوڑ کر گیا تھا۔

اور جب وہ سب عبداللہ کے ساتھ ڈیڈ باڈیز لے کر ان کی حویلی اور ان کے گاؤں پہنچے تھے تو ہر طرف اک کہرام

مچ گیا تھا' پولیس' میڈیا اور جان پہچان کے سب لوگ ایک دم سے جیسے سمندری ریلے کی طرح امڈ کر آئے تھے اور کانوں پڑی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

زندگی ہے یا کوئی طوفان!
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

آج ان کا سوئم تھا۔

بڑی حویلی سے دانیال اور عائشہ آفندی آئے تھے تو ان کی دیکھا دیکھی بڑی حویلی کے باقی سب افراد کو بھی آنا ہی پڑا تھا' لیکن جیسے ہی آسیہ آفندی آئی تھیں زری کے ضبط کا دامن پھر سے چھوٹ گیا تھا اور وہ ان کے گلے لگ کے دھاڑیں مار مار کے روئی تھی۔

کیونکہ آسیہ آفندی بھی اس گھر کی اکلوتی بیٹی تھیں لیکن رشتوں کی ڈوریوں میں الجھ کر اتنے سال اپنوں سے بچھڑ کر گزار دیے تھے' زندگی کا کوئی سکھ انہوں نے بھی نہیں دیکھا اور زندگی کا کوئی سکھ زرجی کے نصیب میں بھی نہیں تھا' وہ نصیب اور قسمتوں کے حوالے سے واقعی ایک دوسرے سے کم نہیں تھیں۔

"زری۔۔۔! پلیز بس کریں۔۔۔" علیزے نے رو رو کر نڈھال ہوئی زری کو کندھے سے تھام کر تسلی دینے کی اور سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"زری۔۔۔! پلیز کیوں رو رہی ہیں آپ۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ بس کریں بہت ہو گیا اور کتنا روئیں گی آخر۔۔۔؟"

علیزے اسے سمجھانے کے لیے اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

"کیا روؤں بھی نہ۔۔۔؟" زری بڑے اذیت بھرے لہجے میں بولی تھی اور علیزے کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔۔۔ وہ چند ثانیے کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔

پھر جتنی دیر بھی وہ لوگ وہاں رہے تھے علیزے نے دوبارہ کچھ نہیں کہا تھا' وہ شام ڈھلے تک وہاں بیٹھے تھے اور بالآخر نبیل اور دل آور کو ہی وہاں سے اٹھنے کا اور واپسی کا خیال آیا تھا۔

"علیزے۔۔۔ ! گھر چلیں۔۔۔؟" مردان خانے سے نکل کر دل آور زنان خانے کی طرف آیا تھا اور پردے کی اوٹ سے نظر آتی علیزے کو آواز دی تھی۔

"جی۔۔۔! آ رہی ہوں بس؟" علیزے اسے جواب دیتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اسے اٹھتے دیکھ کر زری بھی جیسے اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھی اور اس نے یکدم علیزے کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"علیزے۔۔۔ ایم سوری۔۔۔ میرے منہ سے کوئی غلط یا سخت الفاظ نکل گئے ہوں تو مجھے معاف کر دینا۔۔۔ میں تم سے ایسا بولنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو' بہت عزیز ہو مجھے۔۔۔ اللہ تمہیں سدا سہاگن رکھے۔۔۔ ہمیشہ خوش رکھے' آباد رکھے۔" زری نے اسے کھلے دل سے دعا دی تھی اور ناکردہ غلطی کی معافی چاہی تھی۔ جس پہ خود علیزے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

اور علیزے بے اختیار اس سے لپٹ گئی تھی پھر وہ دونوں ہی اک دوسرے کو بھینچ کر بہت زیادہ اور بے تحاشا روئی تھیں۔

"علیزے۔۔۔! دیر ہو رہی ہے۔" دل آور نے پھر سے آواز دی تھی اور علیزے روتی بلکتی ہوئی زری سے الگ ہوئی تھی لیکن اس سے الگ ہوتے ہوئے بھی علیزے نے اس سے اک ایسی بات کہہ دی تھی کہ زری اپنی

جگہ پہ جمی رہ گئی تھی۔ اس کے اعصاب گم سم سے ہو گئے تھے۔

"علیزے۔۔۔!" زری کے ہونٹ بری طرح کپکپائے تھے مگر علیزے نظریں پھیر کر پلٹ گئی تھی۔

"علیزے۔۔۔!" زری نے اسے پھر پکارنے کی اور روکنے کی کوشش کی تھی۔

مگر علیزے زنان خانے کا جالی دار پردہ ہٹا کر باہر نکل آئی تھی اس نے زری کی آواز پہ کان نہیں دھرے تھے بلکہ آگے بڑھ کر دل آور کے ساتھ ہو لی تھی۔

"علیزے۔۔۔!" زری رہ نہ سکی اور ان کے پیچھے لپکتی ہوئی ننگے پیر باہر تک بھاگی آئی تھی۔ وہ دونوں گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اور زری وہیں حویلی کے برآمدے کے بڑے بڑے ستونوں کے پاس ہی ٹھہر گئی تھی۔ اب کی بار اسے پکارنے کی اسے ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔ البتہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے دل آور کی اک بے ارادہ سی نظر اٹھی تھی اور ستون کے ساتھ کھڑی زری کی نظروں سے جا ٹکرائی تھی اس لمحے دل آور کو لگا حویلی کے ان بڑے بڑے ستونوں کے ساتھ زری نہیں بلکہ "عشق" کھڑا ہو۔۔۔! سر سے پاؤں تک عشق۔۔۔ ننگے سر اور ننگے پیر۔۔۔ ہجر اور غم کے بیچ ڈولتا ہوا۔۔۔!

وہ عشق کی آنکھوں سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا تھا اسی لیے نظریں چرا گیا تھا' اور نظریں چرانے میں بس ایک لمحہ لگا تھا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح۔۔۔ بس اک لمحہ۔۔۔!

اور پھر یکدم سر جھٹکتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھا اور زری کے سامنے ہی گاڑی نکال لے گیا تھا۔ پھر اس کے پیچھے ہی نبیل اور مدیحہ وغیرہ کی گاڑی رخصت ہوئی تھی اور پھر زری کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔!

✡ ✡ ✡

سات سال بعد۔۔۔!

تیرے عشق میں
ہائے تیرے عشق میں
راکھ سے روکھی کوئل سے کالی
رات کٹے نہ ہجراں والی
تیرے عشق میں
ہائے تیرے عشق میں

ہر سو ملگجا سا اندھیرا تھا' کیونکہ چاند کی پندرہویں رات تھی' اب چاند گھاٹے کے ترازو میں تل رہا تھا اور چاند کے ساتھ ساتھ وہ بھی دن بہ دن گھٹتی جا رہی تھی اور اسی گھاٹے کی کیفیت میں گاؤں کے کھیتوں میں دور کہیں کسی دل جلے کے دل کی جلن ان سروں میں مقید فضا میں گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

اور زری کا کسی تازہ زخم کی طرح رستا ہوا عشق پھر سے بلبلا اٹھا تھا اور وہ پھر سے درد اور اذیت سے نڈھال ہو گئی تھی۔۔۔

اور ان سات سالوں میں تو ایسا کئی بار ہو چکا تھا
جیسے ہی عشق کے زخم پہ صبر کا کھرنڈ آنے لگتا تھا' پھر کوئی یاد چوٹ کی طرح لگتی تھی اور کھرنڈ پھر سے چھیل کر رہ جاتا تھا۔۔۔ اور وہ پھر سے درد اور اذیت سے بلک اٹھتی تھی اور اس کی آنکھوں کے گوشے تنہائی کے لمحات میں پھر سے نم ہونے لگتے تھے۔۔۔ حالانکہ بظاہر تو سب کچھ ٹھیک ہی چل رہا تھا۔

دل آور شاہ اور علیزے شاہ کے دو بچے بھی ہو چکے تھے' وہ اپنی زندگی میں بہت پر سکون اور مگن تھے' ان کی زندگی ایک خوشحال زندگی کی مثال تھی اور یہی حال عبداللہ اور نبیل حیات کا بھی تھا وہ دونوں بھی صاحب اولاد ہو چکے تھے اور اللہ کی اس کرم نوازی پہ ہمیشہ شکر گزار بھی رہتے تھے۔

کیونکہ اللہ نے انہیں اپنی رحمتوں اور اپنے نعمتوں سے نوازا تھا' کسی بھی شے سے محروم نہیں رکھا تھا اسی لیے وہ بھی انصاف' ایمان داری اور رحم دلی کا چلن چلتے تھے۔

عبداللہ نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں آتے ہی دانیال اور زین کا جائیداد میں سے ان کا حصہ ان کے نام کر دیا تھا اور خود اسد اللہ کے بیوی اور بچوں کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا' حالانکہ وہ شہر میں نبیل اور دل آور کے ساتھ مل کر کاروبار بھی کرتا تھا مگر پھر بھی گاؤں آتا جاتا اور سب کا خیال رکھنا نہیں بھولتا تھا' خصوصاً "زری کا۔۔۔!

البتہ یہ الگ بات تھی کہ زری نے بھی خود کو بی بی جان' بابا جان' حویلی' گاؤں اور اسد اللہ کے بیوی بچوں میں گم کر لیا تھا' اب ان سب کے مسائل ہوتے تھے یا زری ہوتی تھی۔۔۔

ان سات سالوں میں ایک بار بھی نہ وہ شہر گئی تھی اور نہ ہی شہر سے کوئی آیا تھا' ہاں سات سال پہلے کا اک منظر آج بھی اس کے دل و دماغ پہ تازہ تھا اور حویلی کے برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑا اس کا عشق بھی ہنوز تازہ تھا۔۔۔ ایسا تازہ جیسے گلاب کا پھول۔۔۔ سرخ۔۔۔ مہکتا ہوا۔۔۔ لو دیتا ہوا۔۔۔!

اور ایسی ہی اک لو دیتی ہوئی علیزے شاہ کی سرگوشی بھی اس کے کانوں میں تازہ تھی اور اسی تازہ سرگوشی کا زہر پل پل اس کی رگوں میں اتر تا رہتا تھا!

اور وہ پل پل مرتی رہتی تھی۔۔۔!

کیونکہ علیزے کی سرگوشی ہی کچھ ایسی تھی
زری۔۔۔! عشق ننگا ہوتا ہے اور محبت پردہ
محبت کو عشق پہ ڈال دو تو عشق چھپ جاتا ہے
بالکل ایسے جیسے علیزے کے وجود سے زری چھپ جاتی ہے
اس لیے تم بھی سمجھ جاؤ کہ تم عشق ہو اور میں محبت
میں ظاہر ہوں اور تم چھپ گئی ہو
میں تمہارا پردہ ہوں
کیونکہ یہ سچ ہے کہ دل آور شاہ زری سے ہی عشق کرتا ہے
بس اس نے محبت کا پردہ ڈال دیا ہے
ورنہ عشق تو اسے آج بھی ہے
ورنہ عشق تو اسے آج بھی ہے
ورنہ عشق تو اسے۔۔۔!

یہ الفاظ اور یہ سرگوشی اس کے "دردل" پہ دستک دیتے رہتے تھے اور وہ پاگل ہوتی رہتی تھی۔۔۔!!

✡ ✡

رفاقت جاوید

دُوسرا حِصّہ

مکمل ناول
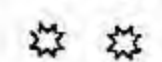
دونوں گھرانے ہم پلہ تھے۔ مگر نظر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ ملک گل فراز پنجابی فیملی کے پروردہ اور ان ہی اصولوں پر کاربند تھے اور شکیل رانا کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔

ملک صاحب کی بیگم شازیہ کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود طرز رہائش اور میل جول میں خوب تھیں۔ عموماً" کہا کرتی تھیں۔ میری ایک آنکھ شیریں ہے تو دوسری آنکھ خرم ہے۔

رانا صاحب کی بیگم ثروت آرا بھی تعلیمی میدان میں کافی پیچھے تو تھیں۔ مگر ہر وقت لکھنؤ کی تعلیم کا پرچار کرتے ہوئے خود کو بہت تعلیم یافتہ گردانا کرتی تھیں۔

ان کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے ہمایوں' جہانگیر اور ہارون اور ایک بیٹی تھی۔

دونوں گھرانوں کے بچے ایک ساتھ کھیل کود کر جوان ہوئے تھے۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک کا تعلق و ربط انہیں ہر وقت شاداں و فرحاں رکھا کرتا۔ ایک دوسرے کے دکھوں اور سکھ کے رازداں خانگی مسائل اور پریشانیوں میں محسن اور ہمدرد ہمیشہ خوشی سے ایک خون اور ایک خاندان کا دعوا کیا کرتے تھے۔ اس اٹوٹ دوستی اور یگانت میں۔ کسی نے رشتوں کے ردوبدل کی موہوم سی سوچ کو ابھرنے ہی نہ دیا۔ اس لیے تو دونوں گھروں میں گردش کرنے والی یہ خبر حیران کن تھی کہ ہارون نے شیریں سے شادی کرنے کا پرپوزل بھیجا تھا۔

ہارون کے والد رانا صاحب نے جب اپنے بیٹے کے منہ سے شیریں سے پسندیدگی کا اظہار سنا تو وہ خوش تو ہوئے' مگر دوستی اور یارانے کے رکھ رکھاؤ اور لحاظ میں کچھ کہہ نہ پا رہے تھے۔

ادھر ہارون اور شیریں کا عشق عروج پر تھا۔ ایک ساتھ جینے مرنے کے وعدے وعید ہو رہے تھے۔ ہارون اور شیریں کی دن رات کی ملاقاتوں نے جس چاہت کا بیج ان کے دلوں میں بو دیا تھا وہ غیر ارادی طور پر چپکے سے کونپلیں نکالنے لگا تھا۔ گھر میں سب کے درمیان مل کر بیٹھنا سخت ناگوار گزرنے لگا اور گھر سے باہر ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔

جب ہارون تعلیم کے حصول کی خاطر انگلینڈ چلا گیا تو شیریں کئی دن تک سنبھل نہ سکی۔ ملک صاحب نے شازیہ سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ ہارون کے جانے پر شیریں اس قدر اداس اور غمگین کیوں ہے؟ تو شازیہ تڑپ کر رہ گئیں انہیں اپنی بیٹی سے ایسی توقع ہرگز نہ تھی۔ اچھی تربیت میں کمی تھی' نہ ہی گھر کے ماحول میں مغربی تہذیب کے اصولوں کی جھلک تھی۔ یہ پیار محبت اور وہ بھی اس لڑکے سے جو اس گھر میں بیٹوں کی طرح آتا تھا۔ جس کا بھائیوں جیسا سلوک اور رکھ رکھاؤ تھا اور پھر سب سے بڑا اعتراض یہ کہ شیریں لکھنؤ والوں کی بہو کیونکر بنتی۔ اپنے خاندان میں بیسیوں رشتے اس کے لیے تیار کھڑے تھے۔

"دوسری طرف لکھنؤ خاندان والے اپنی بہو پنجابی فیملی سے لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ مگر بیٹے کے اصرار اور ضد پر رانا صاحب نے ہامی بھرلی کہ لڑکی شریف والدین کی اولاد ہونے کے ساتھ ڈاکٹر بھی ہے۔ شکل و صورت بھی قابل قبول ہے اور سب سے بڑی بات کہ ایک محلے میں دونوں گھرانے اور اسٹرانگ ہوجائیں گے۔ یارانہ اور بھی مضبوط ہوجائے گا۔

✡ ✡ ✡

ہارون ہائر ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے بعد واپس اپنے ملک آگیا۔ شیریں نے بھی MBBS کے بعد ہاؤس جاب شروع کردی تھی۔ دونوں گھرانے ہارون کی واپسی پر جھوم اٹھے تھے۔ ہر شام سب ایک گھر میں اکٹھے ہوجاتے۔

ان ہی رونقوں کے ہمراہ دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی۔

اب خرم کی شادی کا مسئلہ سر ابھارنے لگا۔ ماں دن میں کئی لڑکیاں دیکھنے جاتی مگر کوئی پسند نہیں آتی۔ مگر سرجن بیٹے کے لیے وہ لمبا ہاتھ مارنے کی جستجو میں تھی، مگر خرم نے اپنی پسند ان کے گوش گزار کرکے گھر کی فضا کو سوگوار بنا دیا تھا۔ شیریں اور ہارون بھی سمجھا کر خاموش ہوگئے۔ والدین نے بھی منتیں، دھمکیاں اور راتوں کی نیندیں حرام کرلیں۔ مگر خرم اپنی جگہ سے ایک انچ نہ سرکا تھا۔

مگر والد صاحب بیٹے کی ہٹ دھرمی اور ضد کا اندازہ لگا کر قدرے ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ بیگم کو رازداری سے سمجھاتے ہوئے بولے۔

"شازی ایک بات یاد رکھو، چھوٹے گھر سے لائی ہوئی بہو جہیز میں بے پناہ خدمتیں لاتی ہے۔ اس کی غلامانہ ذہنیت کے بل بوتے پر خوب عیش کرنا۔ تمہاری طبیعت بھی خاصی خراب رہنے لگی ہے۔ ویسے میں نے نوٹ کیا ہے کہ جب سے گھر میں دولت کی فراوانی ہوئی ہے تمہیں بیگمات کی پسندیدہ تمام بیماریاں لاحق ہوگئی ہیں۔" وہ چھیڑتے ہوئے ماحول کو خوش گوار بنانے کی کوشش کرنے لگے۔

"ایک بار اپنی ہونے والی بہو کے دیدار تو کرلو۔ ہوسکتا ہے تمہارے دل میں نرمی آہی جائے۔" والد خوش گوار لہجے میں بولے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی انہوں نے لڑکی دیکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

☼ ☼ ☼

"حدیقہ! مجھ سے کوئی راز چھپانے کی کوشش مت کرنا۔ صحیح اور سچ جواب دینا۔" صدیقہ نے حدیقہ کو طویل فون کے بعد اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے فون بند کیا اور کمرے میں آگئی۔

"بولو! یہ لمبی فون کالز، تمہارا بننا سنورنا، اکیلے میں مسکرا دینا۔ اس کے پیچھے کون ہے۔ میں جاننا چاہوں گی۔" وہ رازداری سے پوچھنے لگی۔

"ماما! میری فرینڈ ہے اور کون ہوسکتا ہے۔ آپ بھی وہمی ہوگئی ہیں۔" وہ ٹالتے ہوئے اس سے آنکھیں ملائے بغیر بولی۔

"میری طرف دیکھو۔ اگر کوئی پسند آگیا ہے تو مجھے کھل کر بتادو اگر ممکن ہوا اور مجھے مناسب لگا تو تمہاری شادی اسی سے کردوں گی۔ تم جوان بھی ہو اور برسر روزگار بھی ہو۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔" وہ پیار سے بولی تو وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہیں یقین نہیں آرہا میری بات پر۔" وہ حیرت سے بولی۔

"ماما پلیز۔ ایسی کوئی بات ہی نہیں۔" وہ الجھ کر بولی۔

"زندگی میں اور بھی بے شمار دکھ ہیں ماما محبت کا غم کیوں کر پال لوں۔"

"تمہاری آنکھوں میں فریب اور لبوں پر جھوٹ ہے حدیقہ۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے۔ میں شادی کرنے کو تیار ہوں۔ مجھ سے ڈر اور خوف میں کہیں غلط قدم نہ اٹھالینا۔"

"ماما آپ کو بتائے بغیر نہ تو اس سے نکاح کروں گی نہ ہی اس کے ساتھ فرار ہوکر دوسرے شہر جاکر چھپ کر بیٹھوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔" وہ طنز کے نشتر چلا رہی تھی۔ صدیقہ چونک گئی۔ عینک درست کرکے اسے غور سے دیکھنے لگی۔ اتنی بڑی بات اس نے کتنی آسانی سے کہہ دی تھی اور یہ بھید تو مدتوں سے دبا ہوا تھا۔ اسے ہوا کس نے دی۔ کون ہے ہم دونوں کا دشمن، جس نے ہمیں ایک دوسرے کے سامنے برہنہ کردیا ہے۔

"آپ کو میری بات سن کر سکتہ کیوں ہوگیا ہے۔ آپ یقین جانیے میں اتنی مضبوط اور مستحکم ہوں کہ

آپ کو دھوکہ دوں گی نہ ہی غلط بیانی سے کام لوں گی۔ بے شک بیٹی آپ کی ہی ہوں۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے بارے میں کس سے کیا کچھ سنا ہے؟ سب سراسر غلط بھی تو ہوسکتا ہے۔" وہ جلے دل سے بولی۔

"آپ کے بارے میں میں نے آپ کی زبانی بچپن میں ہی سن لیا تھا ماما۔ آپ مجھے اپنا سمجھتیں تو مجھ سے اپنے درد، غم اور پچھتاوے شیئر کرلیتیں۔ ہم ایک دوسرے کی دوست ہیں نہ ہی کسی اور پیارے رشتے میں منسلک ہیں۔ دو اجنبی ہیں جو بحالت مجبوری ایک ہی چھت کے نیچے رہ رہے ہیں۔" وہ دکھی سی ہوگئی تھی۔

"بس کرو یہ طعنے وتشنے۔ میں نے تم سے حقیقت چھپا کر کوئی غلطی یا زیادتی نہیں کی۔ مصلحت اسی میں تھی۔" وہ زور سے بولی۔

"ماما ایسی ناگہانی آفت چھپائے نہیں چھپتی۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ یہاں سب بے وقوف اور نادان لوگ بستے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"بیٹا جانتی ہوں سب۔ بس دنیا والوں سے منہ چھپائے بیٹھی ہوں۔ ایک غلطی نے میری زندگی کو داغ دار تو کردیا۔ دعا کرتی ہوں کہ کہیں اس کا خمیازہ تمہیں نہ بھگتنا پڑے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اسی لیے تو میں نے اپنے لیے جیون ساتھی ڈھونڈ لیا ہے۔ میں آپ جیسی پژمردہ اور حسرت ویاس سے بھرپور زندگی نہیں گزار سکتی۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"اللہ نہ کرے کہ تمہارے نصیب میرے جیسے ہوں۔ یہ میری غلطی کے اثرات ہی تو ہیں... کہ تم ڈاکٹر نہ بن سکیں۔" وہ نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"اس کے علاوہ بھی تو میں ان گنت پیچ وخم کی آماجگاہ کی باسی رہی ہوں۔" آواز رقت آمیز تھی۔

"یہ تو بتاؤ بیٹا وہ کون ہے اور کہاں سے ملا؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ماما! ڈاکٹر خرم نام ہے ان کا۔ میں ان کے ساتھ ہی کام کرتی ہوں۔ بہترین سرجن اور اپر مڈل کلاس سے تعلق ہے ان کا۔" وہ پورے دورانیے میں پہلی بار نرمی سے بول رہی تھی۔ صدیقہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔

"مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔ تم تو اپنی ماں کے نقش قدم پر چل نکلی ہو۔ ماں نے آسمان کی رفعتوں میں پینگیں ڈالنا چاہی تھیں۔ چاند سے دوستی کرکے گھر کو منور کرنا چاہتی تھی۔ تم نے بھی وہی قدم اٹھایا۔ واپس پلٹ آؤ بیٹا۔ تباہیوں کو آواز مت دو۔ اپنی ماں کے عبرت ناک انجام کو دیکھو اور اپنے جیسے لوگوں کے خاندان کا ہمیشہ کے لیے حصہ بن جاؤ۔"

حدیقہ کو ماں کے اس ردعمل کی توقع ہرگز نہ تھی۔ وہ ہنوز سر جھکائے کھڑی تھی۔

"ماما! آپ کے اور میرے پیار کی سچویشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میری سوچ اور فیصلہ درست ہے۔" وہ باغیانہ انداز میں بولی۔

"بیٹا نالی کی اینٹ چوبارے میں نہیں لگ سکتی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ بدنمائی کا عمر بھر سامنا کرو۔ شادی سے پہلے ایسی ہی امیدیں دلائی جاتی ہیں۔ کلاس کو پس پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ مگر پریکٹیکل لائف میں پردہ کشائی پر کمہائیگی کا احساس جینے نہیں دیتا۔" وہ رو پڑی تھی۔

"ماما! آپ نہیں جانتیں کہ میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے جو پاپڑ بیلے ہیں۔ ان کے نشانات تاحیات مٹنے نہیں پائیں گے۔" وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"دل پر لگے ہوئے زخم بھی کبھی نہیں بھرتے۔" وہ برجستہ بولی۔

"ماما! میں ڈاکٹر کی بیٹی ہوں۔ ڈاکٹر کی بیوی بننے میں مضائقہ نہیں اور آپ غور سے سن لیں۔ میں کسی ایرے غیرے سے شادی کرنے والی بھی نہیں۔" وہ سختی سے بولی۔

"اونچی اڑان کے لیے ہمت اور طاقت چاہیے بیٹا۔" وہ نرمی سے بولی۔

"جو بھی ہے بس مجھے خرم سے ہی شادی کرنی

ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" لہجے کی مضبوطی سے وہ لرز گئی۔

"جب غریب کی بیٹی بڑے گھر کی بہو بن کر جاتی ہے تو سسرال اسے لونڈی اور باندی کا اسٹیٹس سونپ کر اس سے خدمت گزاری کا حق عمر بھر کے لیے وصول کرتے رہتے ہیں۔ اگر تمہاری قسمت میں ہی لکھا ہے تو میں کون ہوتی ہوں اسے مٹانے والی۔" ماں کے چہرے پر بے بسی پھیل چکی تھی۔ وہ مضطرب ہوتی آنسو صاف کرتی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر دوائی کھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"ہسپتال کے سال خوردہ کوارٹر میں صرف ایک ہی قیمتی اور انمول شے ہے میرے پاس کیا وہ چھیننا چاہتے ہیں آپ امیر کبیر لوگ۔ ایسے نہیں ہوگا کیونکہ اس پر میرا پورا اختیار ہے اور بھرپور حق ہے۔ وہ میرے اس لاغر وجود کا مضبوط سہارا ان کمزور آنکھوں کا نور ہے اور یہ جو دل ہے اس کا نام جپتا ہے تو دھڑکن بنتی ہے۔" وہ اپنے ہاتھ جوڑے ان کے سامنے خاموش بیٹھ گئی۔

"آنٹی پلیز ہمیں غلط نہ سمجھیں۔" خرم بے چینی سے بولا۔ حدیقہ پشیمان سی ہو کر دروازے سے باہر نکل کر گفتگو سننے لگی۔

"ہم آپ سے آپ کی متاع حیات چھیننے نہیں بلکہ اپنا سرمایہ آپ کو سونپنے کی غرض ـــ لے کر حاضر ہوئے ہیں ہر طرح کا اختیار آپ کو حاصل ہے۔ زور آور اور خود مختار آپ ہیں۔" خرم کی ماں تپ چکی تھی۔ ایک ہم جنس کی کسمپرسی اور بے بسی کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ حدیقہ کی ماں حیرت اور بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں نے لوگوں کے معصوم چہروں اور زبان کی مٹھاس پر جب بھی یقین کیا دھوکہ کھایا۔ میری تربیت کا حدیقہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ جوانی بڑی ہی منہ زور اور اس کے فیصلے انتہائی شعلہ بار ہوتے ہیں۔ پل بھر میں بھسم کر چھوڑتے ہیں۔ پھر ان دو نینوں سے بہنے والا سمندر بھی بے بس ہو جاتا ہے اور تمام زندگی ان ہی شعلوں کی نذر ہو جاتی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ کی تسلی و تشفی کیسے کرائی جائے۔ ہمیں سمجھ نہیں آرہی کیونکہ زندگی میں آپ نے جو عینک پہن کر اس دنیا کو دیکھا ہے۔ اس کی تصویر کو بدل نہیں سکتے۔ ہاں اتنا کہنے کی اجازت ضرور چاہوں گی پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہیں۔" خرم کی ماں شازیہ نے ملائمت سے کہا۔

"خرم کے ارادوں نے مجھے کئی مہینوں سے خائف کیا ہوا تھا۔ لیکن مجھے آپ کی رضامندی کی امید نہیں تھی۔" وہ دکھی سی ہو کر بولی۔

"خرم بیٹے حدیقہ کا خیال دل سے نکال دو۔ میں نے اپنے ماضی کی ہلکی سی جھلک بھی اسے نہیں دکھائی تھی کہ تم سے چھپانا مناسب نہیں۔ تم حدیقہ کے والد کا نام تک تو جانتے نہیں ہو۔ اس وقت حدود رابع پوچھنا اور جاننا بے کار لگ رہا ہوگا۔ میں ایسی کیفیات سے بخوبی واقف ہوں۔ اس وقت تو تم آسمان سے تارے بھی توڑ لانے کو تیار ہو جاؤ گے۔ مگر میرے بچے میری ایک نصیحت پلے باندھ لو۔ یہ جو رشتے کا پل اتنا کمزور اور غیر پائیدار ہوتا ہے کہ اس کو پار کر کے جنت الفردوس کا حصول ناممکن اور خود کو بے وقوف بنانے کے مترادف ہے۔ اس کی جیتی جاگتی مثال میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اس تاریخ کو میں بھول چکی ہوں۔ دوبارہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ حدیقہ نے جو بھی سوچا میں جانتی ہوں۔ کیونکہ اس کی ماں نے بھی کھلی آنکھوں سے یہ ہی خواب دیکھا تھا۔" اس کے لہجے میں کرب اور غصے کی آمیزش تھی۔

"آنٹی میرا خیال ہے آپ حد درجہ جذباتی ہو گئی ہیں۔" خرم ہمت کر کے بولا۔

"ہاں ہو گئی ہوں جذباتی، تمہیں علم ہے جس سیٹ پر آج تم بیٹھے ہو چند سال پیشتر یہ سیٹ کس کی تھی۔ ڈاکٹر آصف زیدی۔ حدیقہ کا باپ اسی پر براجمان تھا اور جس ڈیوٹی پر حدیقہ ہے اس پر اس کی ماں سسٹر صدیقہ مقرر کی گئی تھی۔ عشق و جنون کا ایسا ہی ڈرامہ

ماضی میں بھی کھیلا گیا تھا۔ میں آج تمہیں بتانے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ میں تمہاری اور اپنی اس ناسمجھ بیٹی کی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچانا چاہتی ہوں۔ یہ عشق کا نشہ آکاس بیل کی مانند سر پیر کے بغیر ہی ہوتا ہے۔ خرم میرے اعتراض و انکار اور زبان کی صداقت کو معاف کر دینا۔ میں اپنی بیٹی کا انجام اپنے جیسا دیکھ رہی ہوں۔ میری بچی کی سوچ سے نکل جاؤ خرم۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میری زندگی کے اس خزانے پر ڈاکہ مت ڈالو میں حدیقہ کے بغیر بھلا زندہ کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"آنٹی۔۔۔ آپ خدشات سے باہر نکل کر تو دیکھیں۔ میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ مجھے ایک بار آزمالیں۔" خرم مودبانہ انداز میں بولا۔

"اگر اس آزمائش میں تم ناکام ہو گئے تو کیا میری حدیقہ اپنی عزت نفس اور اپنی پاکیزگی کی سلامتی کی چادر اوڑھ کر واپس آسکتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ تم اسے ننگے سر اور ننگے پاؤں تپتے ہوئے ریگستانوں میں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی نئی دنیا، اپنے اسٹیٹس کے مطابق آباد کر لو گے۔ حدیقہ کا کیا قصور کہ وہ اپنی تمام زندگی پشیمانی اور پچھتاووں کی بھینٹ چڑھا دے۔" اس کے لہجے میں بہت شکست تھی۔ اس سے پہلے کہ خرم التجا کرتا، اس کی ماں خاموشی سے اٹھی اور باہر نکل گئیں۔ خرم بھی پیچھے چل دیا۔

"ان لوگوں کو ذلیل کر کے گھر سے کیوں نکالا ہے آپ نے۔ غور سے سن لیں۔ میں ڈاکٹر خرم سے ہی شادی کروں گی۔ چاہے کورٹ میرج ہی کیوں نہ کرنی پڑے، یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"کیا تمہیں اس سے اس قدر عشق ہو گیا ہے کہ اپنی لاچار اور بیمار ماں کو چھوڑ جاؤ گی اور میری طرح کورٹ میرج کا دھبا ماتھے پر جھومر کی صورت میں سجالو گی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"مجھے خرم سے لگاؤ اور اس کے اسٹیٹس سے عشق ہے۔ میری خواہش پوری ہونے کو ہے۔ آپ رنگ میں بھنگ مت ڈالیں۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

"آپ جانتی ہیں مجھے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ میری حسرت کو پورا ہونے دیں ماما! میں اس چانس کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔ خود ڈاکٹر نہ سہی، ڈاکٹر کی مسز ہی سہی۔"

"اف میرے اللہ! اسے ہی تو کہتے ہیں مکافات عمل۔ ذرا ایک بار پھر غور سے میری سرگزشت سن لو۔ شاید تم مکمل طور پر نہیں جانتیں کہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ مستقبل میں تم بھی اپنے کیے کی سزا بھگتو۔ میں نے بھی ڈاکٹر سے شادی کرنے کا اک خوب صورت سپنا دیکھا تھا۔

حدیقہ نے اسے بتانا شروع کیا۔ شروع سے آخر تک سب بتا دیا۔

"ماں کے آنسو تو خشک ہو گئے تھے۔ مگر دل سے خون رس رہا تھا۔

"ماما! آپ کیوں نہیں سمجھتیں، میرا معاملہ بالکل الگ ہے آپ سے۔ خرم کی ماں آپ کے پاس خود چل کر آئی ہیں۔ آپ نے انہیں جس طریقے سے ویلکم کیا ہے یہ عزت دار لوگوں کا وطیرہ نہیں۔ وہ لوگ اب دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔ ماما میں آپ کے ہاتھوں آپ کی دعاؤں کے سائے میں رخصت ہونا چاہتی ہوں۔ انہیں راضی کرنے کی کوئی سبیل نکالیں۔ میں آپ کی آمادگی اور رضا کے ہمراہ اپنی نئی زندگی کا آغاز فقط خرم سے کرنا چاہتی ہوں۔ ماما پلیز کسی اور سے شادی کا تصور بھی میرے لیے گناہ عظیم ہے۔ آپ نے بھی تو پیار کیا تھا۔ اس وقت کو آپ کیسے بھول سکتی ہیں۔"

"اگر میرے کیریکٹر کا یہ بھیانک روپ خرم کی ماں دیکھ لے تو وہ ایک ایسی عورت کی بیٹی کو کیونکر قبول کرے گی جس کے رشتے کی بنیاد والدین کی دبی ہوئی آہوں، گھٹی ہوئی سسکیوں اور نہ چاہتے ہوئے زبان سے نکلنے والی بددعاؤں پر رکھی گئی تھی۔ ان بددعاؤں نے اس رشتے کی بنیاد کو ایسا کھوکھلا کیا کہ پل بھر میں شوہر کے ہوتے ہوئے بیوہ اور تم ایک مال دار باپ

کے ہوتے ہوئے مفلس، غریب اور یتیم ہوگئیں۔ میری آخری کوشش ہے۔ اگر پھر بھی تم اپنی ضد پر اڑی رہیں تو بیٹا پھر تمہارا اپنا نصیب۔"

"مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ ماما اور میں اس زمانے کو یہ ثابت کرکے دکھاؤں گی کہ حرف آخر نہیں کہ جیسی ماں، ویسی بیٹی۔ آج میں نے اپنے خون میں گردش کرنے والی آپ کی ان تمام خصلتوں کو چھان کر نکال دیا۔ جو اس معاشرے کے رسم و رواج کے خلاف جاتی ہیں۔" لہجے میں بے بسی کی جگہ مضبوطی نے لے لی۔ ماں اچنبھے سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ "تم کیا کہہ رہی ہو؟ تمہیں علم ہے۔ تم اپنی فطرت کے خلاف نہیں چل سکتیں۔ تم میں اتنی ہمت کہاں۔"

"ماما میں ہوش و حواس میں ہوں۔ آپ کی بات نے میرے ذہن پر چھائی سیاہی کو ختم کردیا۔ تھینک یو ویری مچ ماما۔ آئی لو یو، یو آر آ گریٹ لیڈی، آپ بے فکر رہیں تاریخ کو دہرایا نہیں جائے گا۔ ورنہ کل میری بیٹی سینہ تانے میرے سامنے کھڑی ہوگی۔ آپ یہی سمجھانا چاہتی ہیں نا۔" وہ ماں کے گلے لگ کر آنسو ضبط کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

خرم پریشان و حیران تھا۔ جو ہوا اس کی اسے توقع ہرگز نہ تھی۔ حدیقہ نے گھر آکر اس کی ماں سے ملاقات کی تھی۔ وہ اس شادی پر راضی تھی۔

ان کی شادی کو والدین کی رضامندی نے گل گلزار بنادیا تھا۔ یہ سب اتنا جلدی ہوجائے گا۔ دونوں کو یقین نہیں آرہا تھا۔

ماں کی تنہائی حدیقہ کو مضطرب رکھتی۔ جس کا سسرال میں اظہار بھی کرنا اس کے مفاد میں نہیں جاتا تھا۔ خرم کی بہن شیریں بھی بیاہ کر اپنے سسرال جاچکی تھی۔ سسرال پڑوس میں ہونے کی وجہ سے وہ دن میں کئی بار میکے کا چکر لگاتی۔ جسے حدیقہ حسرت و یاس سے دیکھ کر رہ جاتی۔ وہ ماں سے فون پر گھنٹوں بات کرتی۔ ہر بار ماں کو بے حد مضبوط اور مستحکم پاکر پر مطمئن ہوجاتی۔ جبکہ ماں کے ڈپریشن میں مزید اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

ایک دن وہ صبح تیار ہوکر خرم کے ساتھ نکلنے ہی والی تھی کہ ساس نے راستہ روک کر سوال کیا۔ "اتنی صبح صبح تم کہاں جارہی ہو؟"

"ماما سے ملے مہینے بیت گئے ہیں۔ آج خرم مجھے ان کے ساتھ دن گزارنے کے لیے چھوڑ رہے ہیں۔ شام کو واپسی خرم کے ساتھ ہی ہوگی۔"

"تم نے ایسا پروگرام بنانے کی اجازت کس سے لی ہے۔" وہ تلخی سے بولیں۔

"خرم سے۔" وہ حیران کن لہجے میں بولی۔

"چڑھائی میں ہر سیڑھی پر قدم رکھا جاتا ہے۔ اگر درمیان سے سیڑھی اگنور کرکے دوسری پر پاؤں رکھوگی تو انجام جانتی ہو۔ منہ کے بل گر بھی سکتی ہو۔ میرا اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ ذرا اس پر غور و فکر کرنا۔" انہوں نے بیٹے کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور کمرے میں چلی گئیں۔

"میرا خیال ہے ممی گھر میں اکیلی گھبرا جاتی ہیں۔" خرم نے آہستگی سے حدیقہ کو کہا اور اس کا بیگ مین ڈور کے پاس رکھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ اس کے قریب جاکر ملامت سے بولی۔

"خرم آپ اپنی ماں کی تنہائی تو نظر آگئی۔ جبکہ دن میں بیسیوں بار شیریں اپنا دیدار کرا جاتی ہے۔ میری ماں تو بالکل بے سہارا اور بیمار ہیں۔ میرے بغیر ان کا کوئی نہیں۔ مہینے گزر گئے، کسی کو ان کے اکیلے پن کا خیال نہیں آیا۔ آج ہمت کرکے جانے کا فیصلہ کیا تو وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ رہتا تھا۔"

"آج کے بعد شیریں کا نام زبان پر مت لانا۔ اس گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے کھلے ہیں۔ بیوی کی خاطر میں تمام رشتوں سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ بھلا تمہیں کیا خبر کہ ان خونی رشتوں کی حدت زندگی کو ش گوار اور پرسکون بنانے کے لیے کتنی اہم ہے۔"

لہجے میں غصہ تھا۔ جو پہلی بار ابھر کر اسے حیران و پشیمان کر گیا۔

"آج تو آپ شوہر کی زبان بول رہے ہیں جان۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"یوں ہی سمجھو۔ جاؤ ممی کو سوری بول دو۔ میں گھر آؤں تو ماحول خوش گوار ہونا چاہیے مجھے لڑائی جھگڑوں کی عادت نہیں۔ میں اپنے والدین، رشتہ دار، دوست احباب اور اڑوس پڑوس کے پیار اور توجہ میں پروان چڑھا ہوں۔ تم اپنے گھر کے اصول اور طریقے ہم پر لاگو کرنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم نے ممی سے اجازت لے کر پروگرام بنایا ہے۔ خاصی کم عقلی کا ثبوت دیا ہے تم نے۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے میں چلی گئی۔ بیڈ پر گر کر وہ زار و قطار روتی ہوئی سوچنے لگی۔ شادی کو چھ مہینے بیت گئے۔ صرف تین دفعہ خرم کے ساتھ ماں کے گھر آدھے گھنٹے کے لیے گئی تھی۔ تشنگی ابھی بجھنے نہیں پاتی تھی کہ چلنے کا حکم سنا دیا جاتا تھا اور ماں مسکرا کر الوداع کرتے ہوئے کہتی۔ شوہر کی حکم عدولی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کے مترادف ہے۔ خرم بھی دل کھول کر ہنستا اور اسے لے کر واپس آجاتا۔

آج خرم کی باتیں اس کے سینے کو چھلنی کر گئیں۔ وہ کوشش کے باوجود ساس کو سوری نہ بول سکی نہ ہی دن بھر کمرے سے باہر نکل سکی۔

خرم بدستور اپنے رویے سے ناراضی کا اظہار کیے جارہا تھا۔ ساس کی کڑوی کسیلی باتیں عروج پر تھیں۔ جنہیں برداشت کرنے میں ہی مصلحت تھی۔ وقت کے ساتھ کشیدگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر حدیقہ کی ماں کو خبر تک نہ تھی۔ وہ بیٹی کو آباد و خوش حال دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھی۔ اس کی جدائی میں تڑپتی ہوئی بھی مسکراتی رہتی۔ کیونکہ بیٹیاں میکے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتیں۔ جب انہیں سسرال میں باعزت مقام مل جاتا ہے۔

شیریں اور حدیقہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن بیٹوں جیسی نعمت سے نواز دیا۔ مگر بدقسمتی سے حدیقہ کا بیٹا چند دنوں بعد ہی وفات پاگیا۔ اس ستم ظریفی پر وہ ہر وقت روتی رہتی۔

شیریں سسرال اور شوہر پر حکمرانی کرتی دوسرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہن، بھائی، شیریں اور خرم ایک ہی اسپتال میں جاب کررہے تھے۔ صبح ساتھ جانا اور شام کو مل کر ہی واپس آنا روز کی روٹین تھی۔ ہارون باہر سے ڈگری لے کر آیا تھا۔ یہاں اسے پسند کی جاب ملنا محال لگ رہا تھا۔ دوسرا بچہ بھی آج کل میں ان کی زندگی اور ذمہ داریوں میں شامل ہونے والا تھا۔ اسے خاصی پریشانی اور ندامت لاحق تھی۔ معاشرہ اتنا لبرل تو ہے نہیں کہ شیریں کی کمائی اور ہارون کی گھر میں ہر وقت موجودگی اک طعنہ نہ بنتی۔ آنے جانے والے عزیز رشتہ دار طنز کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ جس پر سرفہرست اس کی اپنی بیوی اور ساس تھیں۔

حدیقہ نے شادی کے بعد ہی جاب چھوڑ دی تھی۔ اس کی سوچ میں مہارانی بن کر نوکروں پر حکم اور کرنا تھا۔ بیگم خرم بن کر اس سرکل کا ممبر بننا تھا۔ جنہیں سوائے ڈیزائنر ملبوسات برانڈڈ جوتی پرس اور ڈائمنڈ کے۔ کسی اور دنیا کی خبر نہ تھی۔ لیکن اس کے خواب تو دھرے کے دھرے رہ گئے۔ سسر صاحب کو اسٹروک ہوگیا۔ ایک سال گزر جانے کے بعد ان کی موت ہوگئی۔

حدیقہ، سسر کی وفات کے بعد بھی روایتی ساس اور نند کے ستھے چڑھی رہی۔ اسے ماں کی وہ باتیں یاد آکر رلاتی رہتیں کہ غریب گھر سے لائی ہوئی بہو کا اسٹیٹس ایک ملازمہ اور لونڈی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

وہ آہ بھر کر بڑبڑاتی۔ چلی تھی بیگم صاحب بننے۔ چاند پانے کی پرواز پر نکلی تھی۔ یہ نہ سوچا تھا کہ اس تک پہنچنے کے لیے اسے کہاں کہاں سے گزرنا پڑے گا۔

ابھی وہ اسی تذبذب میں تھی کہ شیریں ایک بچی کو جنم دے کر بھابھی سے خدمت کرانے میکے پہنچ گئی۔ حدیقہ پھر سے مصروف ہوگئی۔ شیریں کی اسپیشل ڈائٹ اور بچے کو سنبھالنے کی تمام ذمہ داری حدیقہ پر آگئی۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں میں خرم کے ماموں کینیڈا سے ایک مہینے کی چھٹی پر پاکستان آگئے۔

سب لان میں بیٹھے کھانے' پینے کے لوازمات کے ساتھ شام کی ٹھنڈک کو انجوائے کر رہے تھے۔ ماموں ان کی خاطرداری اور مہمان نوازی پر اتنے خوش نظر آرہے تھے کہ انہوں نے ہارون کو اسپانسر کرنے کا وعدہ کرلیا۔ بات ہوتے ہوئے حدیقہ اور خرم تک پہنچی تو ماموں نے مشورہ دیا کہ وہ وہاں چند سالوں کے لیے جاب کرکے پیسہ جمع کرکے پاکستان میں اپنا اسپتال تعمیر کرنے کے بارے میں سوچیں۔ یہاں رہ کروہ جابز کے علاوہ اپنے ذاتی سیٹ اپ کے بارے میں تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ پیسہ بنیادی مسئلہ تھا۔ دونوں کے دل کو بات بھاگئی۔ حدیقہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی کہ کم از کم یہاں کے کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب سے تو چھٹکارا مل جائے گا۔ وہاں اپنا گھر اپنی زندگی اپنی آزادی ہوگی۔ وہ یہ سوچ کر کھل اٹھی تھی اور خلوص دل سے دعا کرنے لگی۔ اس کی اس دعا کو اتنی تیزی سے قبولیت نصیب ہوئی کہ چند مہینوں میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

نوشتہ تقدیر کا فیصلہ کبھی ٹلتا نہیں' ہو کر رہتا ہے۔

خرم نے جب ماں کی تنہائیوں اور بیماریوں کی مجبوری پر حدیقہ کو ساتھ لے جانے کا پروگرام ملتوی کردیا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔ بلک بلک کر فریاد کی کہ وہ خرم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ ساس نے الگ کلاس لے لی۔ نند نے بھی خوب لتاڑا۔ رشتے داروں نے خوب درگت بنائی کہ بھلا ماں اکیلی کیسے رہ سکتی ہے؟ وہ خاموش بیٹھی سب کا منہ تکتی رہ گئی۔ ہارون نے خرم کو سمجھانے کی لاکھ کوشش کی۔ مگر وہ ماں کو دی گئی تسلی و تشفی کو پریشانی میں کیسے بدل سکتا تھا؟

حدیقہ نے سنا تو وہ بھی تڑپ کر رہ گئی۔ لیکن بیٹی کے سسرال میں دخل اندازی مناسب نہیں تھی۔ الٹا بیٹی کو ہی سمجھانے لگی۔ اس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ بے بسی اور لاچارگی نے ماں' بیٹی کے لبوں پر خاموشی کے تالے لگا دیے۔ لیکن حدیقہ اندر ہی اندر ہر وقت کھولتی رہتی۔ اسے آج یقین ہو چلا تھا کہ اگر فطرتا" بیٹی' ماں جیسی نہیں بھی ہوتی تو مقدر اسی جیسا لکھوا کر جنم لیتی ہے۔ اب اس کی پژمردگی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اسے اپنا نصیب اپنی ماں جیسا ہی معلوم ہوا۔ اس کا باپ بھی شتر بے مہار تھا۔ طبعا" غیر متوازن تھا۔ خرم بہن اور ماں کا عاشق اور بیوی کی ذمہ داریوں سے آزاد اور اس کی خوشیوں سے بے بہرہ تھا۔ ماں اپنے بہن' بھائیوں کو چھوڑ کر ساتھ جانے کو تیار نہ تھی۔ اس کی بیماری بھی ایسی جان لیوا نہ تھی۔ فقط بڑھاپا تھا۔ اس کے اپنے ہی مسائل تھے۔ جو حدیقہ کی موجودگی میں ختم ہونے سے رہے۔ تنہائی اور بیماری کا جو نقشہ ساس نے کھینچا تھا۔ کوئی بھی بچہ اس کے اثرات سے محفوظ نہ ہوپاتا۔ وہ تو خرم تھا' حد درجہ فرماں بردار اور ہمدرد' ہارون نے حدیقہ کو تسلی دی اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ خرم کو مجبور کردے گا ہر طریقے اور حربے سے کہ وہ اسے اپنے پاس جلد از جلد بلالے۔

تینوں کو رخصت کرکے وہ ایرپورٹ سے گھر پہنچی تو سامنے ماں کو دیکھ کر چونک گئی۔ ساس' ماں کے سلام کا جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"ماما آپ کیوں آئی ہیں؟" وہ ماں کے قریب سہم کر بولی۔

"مجھ سے کب تک چھپاؤگی' اپنے ازدواجی حالات۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ ان کے قدموں میں گر کر تم عزت کیسے حاصل کرسکتی ہو' بہت ہوگئی' اپنے گھر چلو' میں یہی سمجھتی رہی غلط فہمیوں کا شکار رہی کہ تم اپنی زندگی میں اتنی خوش و مطمئن ہو کہ مجھے بھلا بیٹھی ہو۔ یہ تصور مجھے ہر وقت زندہ رہنے پر مجبور

کرتا رہا۔ مگر کل ہارون نے مجھے تمام حالات سے روشناس کرا کر مجھ پر احسان عظیم کیا ہے۔ میں تمہیں یہاں ایک دن کے لیے نہیں رہنے دوں گی۔" اس کے تیور اس کی مضبوطی کی داستان بنے ہوئے تھے۔

"ماما! میں اپنا گھر چھوڑ کر آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ چند ماہ کی بات ہے مجھے خرم بلالیں گے۔ آپ خوامخواہ فکرمند ہوگئی ہیں۔" وہ ماں کے سامنے اپنے دکھ کو چھپاتے ہوئے حوصلے سے بولی۔

"اگر تم اسی میں خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔ میرے جسم کا حصہ ہو۔ مجھ سے دکھڑا رو کر خود کو ہلکا کرنا گناہ کے زمرے میں نہیں آتا۔ تمہاری ماں ہوں۔ تمہارے لیے اک ٹھنڈا سایہ ہوں۔ اس سائے میں تھوڑی دیر ستا کر تازہ دم ہوجانا تمہارے لیے ٹانک ہے۔ وقت پر لگا کر اڑ جائے گا میری بچی۔ تم اپنے شوہر کے پاس بخیر و عافیت پہنچ جاؤگی' ان شاء اللہ۔" ماں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ "نیلی چھت والے کا سہارا ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ اس کو ہر سانس کے ساتھ یاد رکھنا مت بھولنا۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

موسم بے حد خوب صورت تھا۔ چار سو موسمی پھولوں کا راج تھا۔ لان معطر خوشبو کی آماجگاہ' حدیقہ کی محنت اور توجہ کی منہ بولتی تصویر بنا ہوا تھا۔ وہ گھنٹوں مالی کے ساتھ مل کر کام کراتے ہوئے دل بہلایا کرتی تھی۔ باغبانی کے اس شوق میں اپنے ذہن و قلب کو سکون سے ہمکنار کرتی۔ مگر خرم کی جانب سے مسلسل بے توجہی اور لاپروائی تھی۔ وہ اسے اپنے پاس بلانے میں قطعا" انٹرسٹڈ نہ تھا۔ بیچلر لائف کا مزا اس کی رگ رگ میں اتر چکا تھا۔ ماں کی خدمت کے لیے اسے بیوی کی صورت میں ٹرینڈ نرس باعث رحمت محسوس ہوتی تھی۔ وہ ایسے مطمئن اور خوش تھا۔ جبکہ ہارون بارہا خرم کو سمجھانے کی ناکام کوشش کرچکا تھا۔ اضطرابی کیفیت میں اضافے نے اسے خاصا چڑچڑا بنادیا تھا۔ وہ کئی بار ساس سے اس کی حرکات پر الجھ چکی تھی۔ اپنی مرضی سے ماں کے گھر آنے جانے لگی تھی۔ اس کے باغیانہ رویے خاصے بھیانک ہونے کے اندیشے میں ماں کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ ساس اسے ہر وقت طعنوں و تشنوں سے نوازتی رہتی۔ جس کی اب اسے رتی بھر پروا نہ ہوتی۔ من مانی کرتی۔ ساس کی خدمت گزاری کو تو اس نے پس پشت ہی ڈال دیا۔ ساس کو اپنے رویے سے اس گھر کی مالکن ہونے کا احساس دلانے لگی تھی۔ وہ مزید آیا بن کر زندگی نہیں گزارے گی۔ یہ اٹل فیصلہ بدلنا ناممکن ہوگیا تھا۔

ان حالات سے اور ماں کی روز' روز بڑھتی ہوئی شکایات سے تنگ آکر خرم نے حدیقہ کو تین ماہ کے ویزے پر کینیڈا بلالیا۔ وہ خوشی خوشی تیاری کرنے لگی۔

ایرپورٹ اسے ریسیو کرنے ہارون پہنچ چکا تھا۔ شیریں اور خرم اسپتال میں اپنی ڈیوٹی پر مامور ہونے کی وجہ سے آنہ سکے۔

وہ دو بیڈ روم کے صاف ستھرے فلیٹ میں آگئے۔ حدیقہ نے پل بھر میں اس فلیٹ کا معائنہ کرلیا۔ خرم کے وجود کی خوشبو اسے فورا" ہی اپنے بیڈ روم تک لے گئی۔ ہارون کی مدد سے اس نے اپنے دونوں اٹیچی کیس کھولے اور خرم کے کپڑوں کے ساتھ اپنے چند ضروری جوڑے لٹکا دیے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا سامان سجا کر وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ سفر کی تمام تھکان رفوچکر ہوچکی تھی۔ سولہ سنگھار کیے وہ اپنے پیا کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ جبکہ ہارون کچن میں کھانا پکانے میں مشغول ہوگیا۔ حدیقہ حیران و پریشان اس سیٹ اپ کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"حدیقہ یوں حیرت و تجسس میں غوطے کھانے کی قطعا" ضرورت نہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے اس معاشرے کے تمام اصولوں کا حصہ بن چکا ہوں۔ بغیر جاب کے بیوی اور سالے کے لیے کوکنگ کرتا ہوں اور دو تنخواہوں میں خوب عیاشی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ جورو کا غلام کیسا نمک حلال ثابت ہوا ہے؟ ذرا غور کرو۔ ہارون خان گولڈ میڈلسٹ

اس منحوس ملک میں دو کوڑی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر بیگم اپنے ہی نشے میں مگن ہے۔ کتنی بار عرض کی کہ واپس چلتے ہیں۔ مگر بہن بھائی مجھے بے وقوف سمجھ کر مسکرا دینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ خود غرضی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہے اس خاندان میں، تمہارے ساتھ جو سلوک خرم اور اس کی ماں نے روا رکھا ہے، کیا وہ سراسر ظلم و زیادتی نہیں۔ میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تم اپنے حقوق کی خاطر کھڑی ہو گئیں۔ ورنہ خرم نے تمہیں نہ بلانے کے تمام بہانے اور ہتھکنڈے سوچ رکھے تھے۔"

وہ پیپسی کا ٹن کھول کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"آج تم میری مہمان ہو۔ کل سے ہم دونوں نکمّے، کام چور اور بے روزگار لوگ مل کر کام کریں گے۔"

"ہارون بھائی! آج سے آپ کوئی کام نہیں کریں گے۔ آپ کا مقام اور رتبہ بہت اعلا ہے۔ آپ کہیں بھی جاب کر لیں کم از کم مصروفیت ہی رہے گی۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"مگر کتنے دن؟"

"خرم نے تین مہینے کا ویزہ بھیجا ہے۔ چلیں تین مہینے تو آپ کو آرام دے ہی سکتی ہوں۔"

"ہیں۔۔۔ سچ خرم نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔" وہ اچنبھے سے بولا۔

"کیسے کرتا؟ اسے دوسرے کا مشورہ یا نصیحت بہت ناگوار گزرتا ہے، مگر ہارون میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ میں اب اس ظالم ساس کے ہتھے چڑھنے والی نہیں، میں نے بہت کچھ سہہ لیا ہے اب ہمت نہیں رہی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہمت رکھو۔ ہم دونوں کل سے ہی جاب ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔ کسی اسٹور پر کیشیئر کی جاب آسانی سے مل جائے گی۔"

"اور مجھے اسپتال میں چاہے آیا ہی کیوں نہ بن جاؤں؟ پاکستان میں بھی تو اس بے فیض بڑھیا کی آیا گیری ہی تو کر رہی تھی۔" وہ بے حد سنجیدہ ہو گئی۔

"ویری گڈ۔ اب تمہاری زبان نے اس زمانے اور ماحول کے مطابق بولنا سیکھ لیا ہے۔ وہ چھوٹی موٹی حدیقہ کہاں چھوڑ آئی ہو۔" وہ حیرت سے بولا۔

"اسے حالات نے زندہ در گور کر دیا ہے ہارون بھائی اس دنیا کے باسی انسان کو تمام بے معنی جذبات سے عاری کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خرم کے بغیر دو سال کا عرصہ کن اذیتوں میں بیتا۔ یہ صرف میں ہی جانتی ہوں جب سب ہی بے حس ہو گئے تو میرے احساسات بے دار ہو گئے۔ میں بھی تو اک بہت بڑے باپ کی جائز اولاد ہوں۔ لو میرج کی غلطی شیریں سے بھی سرزد ہوئی تھی وہ تو ٹھہری خوش بخت اور ہم ماں بیٹی کے نصیب گناہوں کی فہرست میں لکھ دیے گئے۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"خرم کب آئیں گے؟"

"ابھی تم آرام کرو۔ میں بچوں کو اسکول سے لے کر آتا ہوں۔ پھر تمہیں خرم کے پاس اسپتال لے چلوں گا۔ تم تو اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو۔ نجانے خرم کے جذبات کا کیا حال ہے؟ کچھ علم نہیں۔" وہ طنز سے بولا اور مسکرانے لگا۔

"مجھے تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ ہارون بھائی میں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" وہ ایک دم خوشگوار لہجے میں بولی۔ "خرم کو سرپرائز دیتے ہیں۔"

"گڈ آئیڈیا۔ خرم کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔ شیریں پانچ بجے تک گھر پہنچے گی۔ ویسے آپس کی بات ہے اسے آج چھٹی لے لینی چاہیے تھی۔" وہ اس کے دکھ کو کریدتے ہوئے بولا۔

"کاش خرم کے سوچنے کا انداز آپ جیسا ہوتا، میں جانتی ہوں کہ میں ان کے لیے کتنی اہم ہوں؟ ان کی نظر میں میرا کیا مقام ہے؟" آواز بھرائی تھی۔ "نجانے یہ کیسا پیار تھا کہ مجھے حاصل کرنے کے ساتھ ہی غائب ہو گیا۔"

دونوں گاڑی کی جانب ہو لیے۔ ہارون نے دونوں بچوں کو اسکول سے پک کیا اور اسپتال کی طرف چل پڑے، مگر افسوس کہ خرم آپریشن تھیٹر میں مصروف تھا۔ حدیقہ سے ملاقات ناممکن تھی آخر وہ گھر کی طرف مڑ گئے۔ حدیقہ کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"حدیقہ دل برا نہ کرو ڈاکٹر کی زندگی بے حد تلف اور مصروف ہوتی ہے۔ مجھے تو اس کی عادت ہو چکی ہے۔ تم بھی عادی ہو جاؤ گی۔ اس سچائی اور حقیقت کو جتنی جلدی قبول کرو گی۔ تمہاری ذہنی صحت کے لیے بہتر ہو گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ بجھی ہوئی آواز میں بولی۔ "خرم کا گھر پر ہی انتظار کروں گی۔ بہتر ہی ہے انتظار جو میرے نصیب میں ان گنت دفعہ لکھ دیا گیا ہے جس کی اذیت ہر حال میں مجھے برداشت کرنا ہو گی۔"

☼ ☼ ☼

"ہارون، حدیقہ کے آنے کی خوشی میں تو کچھ مزے کا کھانا پکا لیتے۔" شیریں نے دوسرا نوالہ پلیٹ میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"کب سے آپ کھانا بنا رہے ہیں۔ اناڑی کے اناڑی ہی رہے بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"شیریں صبر سے کام لو۔ ہارون دو دن سے خاصا مصروف رہا ہے۔ حدیقہ کی مہمان نوازی کر رہا تھا۔" خرم نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"حدیقہ کی تھکن بھی اتر گئی ہو گی۔ کیوں حدیقہ؟" خرم نے طنزیہ کہا۔

"جج۔۔۔ جی۔۔۔ ضرور۔" حدیقہ نے کہا۔

"ویسے بھی حدیقہ تین مہینے تو ہمیں خوب مزے دار کھانے پکا کر کھلا سکتی ہے۔ تین دن کے بعد مہمان کا درجہ بھی بدل جاتا ہے۔" خرم حدیقہ کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ حدیقہ خاموش رہی۔ ہارون ٹیبل سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

"یہ ہارون کو کیا ہو گیا ہے۔ ایسا غصہ اور ناراضی پہلے تو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔" شیریں حیرت سے بوکھلا سی گئی۔

"شیریں۔ اس کی مردانگی کو کیوں جھنجھوڑتی ہو دوسروں کے سامنے اسپیشلی حدیقہ کے سامنے تمہارا یہ ہتک آمیز رویہ وہ ہنس کر قبول کرنے سے تو رہا۔ میری بات دوسری ہے۔ ہماری بچپن سے ایک دوسرے سے اٹوٹ دوستی رہی ہے ہم چار میں حدیقہ آؤٹ سائیڈر ہے۔ پلیز ذرا کیئر فل ہو جاؤ۔ سچ مچ کہیں واپس جانے پر بضد ہی نہ ہو جائے۔" خرم نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ حدیقہ کے سامنے انسلٹ ہو گئی۔"

حدیقہ افسردگی سے خرم کی طرف دیکھنے لگی جو اسے مسلسل اگنور کیے جا رہا تھا اس کے آنے کی خوشی کی ہلکی سی رمق بھی اس کے چہرے پر نظر نہ آئی تھی، مگر حدیقہ صبر کا دامن ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

دونوں بہن بھائی جاب پر چلے جاتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے گھر میں اطمینان اور سکون کی لہر دوڑ گئی ہو۔ کیوں کہ خرم کا رویہ ایسا روح فرسا ہوتا کہ وہ ڈری سہمی سب کے آگے پیچھے بھاگتی اس کے احکام بجا لانے میں کوشاں رہتی۔ جو نہی دونوں باہر نکلتے۔ ہارون اور وہ سکھ کا سانس لیتے۔

آج دونوں کا انٹرویو تھا۔ مگر خرم اور شیریں کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ دونوں تیار ہو کر نکل رہے تھے کہ خرم کی گاڑی کا ہارن بجا۔ گاڑی سے اتر کر وہ حیرت سے دونوں کا جائزہ لینے لگا۔

"دونوں بہن بھائی کہاں جا رہے ہیں۔"

"خرم جب سے حدیقہ آئی ہے ایک بار بھی باہر لنچ یا ڈنر کے لیے ہمارا جانا نہیں ہوا۔ آج میں نے سوچا بچوں کو اسکول سے لے کر لنچ باہر ہی کیوں نہ کر لیا جائے۔" ہارون نہایت خود اعتمادی سے بولا۔

"او کے جاؤ۔"

حدیقہ نے فوراً "ہاں میں ہاں ملائی تو خرم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ اور دانت پیس کر رہ

گیا۔ وہ نظریں جھکائے ایک مجرم کی مانند کٹہرے میں کھڑی وجود کی تہوں تک لرز گئی۔

خرم غصے سے کہہ کر تیزی سے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ نظریں جھکائے اس مجرم کی مانند کھڑی رہ گئی۔ پھر ہارون نے بھی اشارے سے اسے بھرپور تسلی دینے کی کوشش کی۔

اپنے اندرونی خدشات پر قابو پا کر وہ کمرے میں چلی گئی۔ خرم الماری سے کچھ ڈاکومنٹس نکالنے میں محو تھا۔ حدیقہ نے پیچھے سے اسے تھام لیا۔ خرم نے ایک جھٹکے کے ساتھ اسے چند فٹ دور فرش پر گرا دیا سر دیوار سے ٹکرانے کی وجہ سے وہ درد سے چیخ اٹھی۔

"یہ بچکانہ حرکتیں مجھے ہرگز پسند نہیں ہیں۔ میں ضروری پیپر ڈھونڈ رہا تھا۔ آنا" فانا" ایسی بھی کیا محبت در آئی تھی کہ۔۔۔" خرم نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

حدیقہ سر کی چوٹ کی تکلیف کو یکسر ہی بھول گئی۔ شوہر کا سلوک اور لب ولہجہ اسے مزید زخمی کر گیا۔ آنکھیں ساون بھادوں کی مانند برسنے لگیں۔ خرم آنسوؤں کی پروا کیے بغیر پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کی آواز آئی اور فضا میں ایک غصے کی لہر دوڑی اور گاڑی یہ جا وہ جا ہو گئی۔

ہارون ہارڈویر کمپنی میں انٹرویو دینے گیا ہوا تھا۔ مگر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا قسمت نے آج بھی یاوری نہ کی تھی۔ اسے کاؤنٹر جاب بھی ڈھونڈنے میں دقت ہو رہی تھی۔ اپنے اسٹیٹس کے مطابق برسر روزگار ہو جانا تو جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

دل پرملال بھی تھا اس پر طرہ یہ کہ ایک معمولی ملازمت نے بھی اسے قبول نہ کیا تھا۔ بچوں کو اسکول سے لے کر اس نے کے ایف سی سے برگرز پیک کروائے اور گھر آ گیا۔ حدیقہ تکلیف کی شدت میں تڑپ رہی تھی۔ بمشکل وہ چکراتے ہوئے سر کے ساتھ اٹھ کر فریج کے پاس آئی تھی۔ پانی کی بوتل لے کر اپنے کمرے میں واپس آئی اور پین کلر لے کر لیٹی ہی تھی کہ ٹیلیفون کی بیل درد میں مزید اضافہ کر گئی۔ وہ سر پکڑ کر کراہنے لگی۔ فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے خرم کا فون ہو۔ ہو سکتا ہے اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا ہو۔ ہو سکتا ہے آج کے بعد خرم کا رویہ مجھ سے بہتر ہو جائے۔ پل بھر میں ہو سکتا کی گردان کرتے ہوئے نہایت خوش فہمی سے اس نے تیزی سے فون اٹھا لیا۔ درد کے باوجود بدن میں پھریری سی آ گئی تھی۔ دوسری جانب سے آواز سن کر بچوں کی مانند چہرہ کھل اٹھا۔ وہ آواز کو ہشاش بشاش کرتے ہوئے بولی۔

"ماما خیریت تو ہے آپ ابھی تک سوئی نہیں؟"

"تم ٹھیک ہو؟ میں بہت بے سکون ہوں میری بچی' خرم کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ خوش ہے نا؟"

"جی ماما۔ آپ ہر بار یہ سوال کیوں کرتی ہیں؟ میں بہت خوش ہوں۔ شیریں اور ہارون بھی میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ دو ننھے معصوم فرشتوں کا تو جواب ہی نہیں۔ ماما کاش میری جھولی بھی اس نعمت سے بھر جائے۔ دعا کیا کریں۔ باقی میری زندگی میں اور کوئی غم اور کمی نہیں ہے۔" وہ خود اعتمادی سے بول رہی تھی۔

"اسکائپ پر آ سکتی ہو۔ بہت دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔ آنکھیں ترس گئی ہیں تمہیں دیکھنے کو۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" ماں نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"ماما اس وقت آپ کے پاس رات کے دو بج رہے ہیں۔ آپ سو جائیں۔ میں بھی اس وقت کھانا پکا رہی ہوں۔ خرم اور شیریں کے آنے کا وقت بھی ہو چلا ہے۔ پھر کسی دن اسکائپ پر آ جاؤں گی بلکہ آپ خرم اور شیریں سے بھی بات کر لیجیے گا۔"

وہ ماں کو ٹال رہی تھی۔ اور ماں اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ لگا چکی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو نا۔" وہ فکرمندی سے بولیں۔

"جی ماما۔ اس وقت میں گھر میں مصروف ہوتی ہوں۔ میں نے اپنا شیڈول آپ کو بتایا ہوا تو ہے۔ ہر وقت فکر نہ کیا کریں۔ تھوڑا سا وقت آپ کے لیے اور میرے لیے مشکل ہے بہت جلد آپ کے پاس بلا لوں گی۔" وہ نہایت تسلی بخش لہجے میں بولی۔

"بیٹا تم اپنے گھر میں خوش و خرم رہو۔ بھلا میں داماد کے گھر کیسے رہ سکتی ہوں۔؟ جس نے آج تک مجھے کبھی فون تک نہیں کیا۔ سدا آباد رہے۔ کوئی بات نہیں ایسے بھی ہوتا ہے دنیا میں۔ اس سے کہیں گلہ و شکوہ نہ کر بیٹھنا۔ کیونکہ اس کا انجام عموما" جھگڑے و فساد پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی اپنی غلطی مان کر خود کو راہ راست پر لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پھر ایسی بیوی اور ساس کے لیے۔ جو اس بھری دنیا میں بالکل تنہا اور لاوارث ہوں۔ بس اس کی عزت و تکریم میں تمہاری طرف سے شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ میری فکر مت کرو۔ میں تمہارا نام لے لے کر جیتی ہوں اور مطمئن اور خوش رہتی ہوں۔" ماں نے پیار سے سمجھایا۔

"آپ درست فرما رہی ہیں ماما۔ میں چلتی ہوں۔ پتا چلے کھانا جلا بیٹھی ہوں۔ خرم کو کھانے میں جلنے کی مہک بالکل پسند نہیں۔ موڈ خراب کر لیتے ہیں۔"

"میری بیٹی آج کیا پکا رہی ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔" ماں نے ایک اور پتا پھینکا۔

"ماما میں۔۔۔ میں کیا پکا رہی ہوں؟ ماما بس ایسے ہی معمولی سا۔ یعنی چکن پلاؤ اور قورمہ۔ خرم کو دیسی کھانے بے حد پسند ہیں۔ شیریں کی بھی فرمائش یہی ہوتی ہے۔" ماں نے اس کا جھوٹ تو پکڑ لیا مگر جتانا بہتر نہ سمجھا۔ اور مسکرا کر بولیں۔

"اچھا بیٹا جاؤ۔ لذیذ کھانا پکا کر سب کو خوش کر دو۔ عورت کا سکون اسی میں ہے۔"

"او کے ماما اللہ حافظ۔" اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور چکراتے ہوئے تکیے پر گر گئی۔ ہارون نے تمام گفتگو سن لی تھی۔ رحم اور ترس اس کی نس نس میں سرائیت کر رہا تھا۔ ازراہ ہمدردی وہ قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ہارون بھائی آپ۔۔۔ انٹرویو کیسا رہا؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"جس کی شروعات ہی پریشانی اور ناامیدی سے ہو۔ تو کامیابی کیسے ممکن ہے؟ نجانے باری تعالیٰ کی طرف سے کیا منظور ہے؟ اپنے ملک نے مجھے جاب کے قابل نہ سمجھا تو یہاں عزت افزائی کیونکر ہو گی۔ جگہیں بدلنے سے ماحول چینج کرنے سے قسمتیں بدلتی ہوں تو کوئی انسان ناخوش نظر نہ آئے۔ ہمارا ایمان کس قدر کمزور ہے۔"

وہ پژمردگی سے بولا۔ "میں تو پھر بھی مرد ہوں۔ بیوی کو دو چار کڑوی کسیلی سنا کر مطمئن ہو جاتا ہوں۔ اسے اپنی کم مائیگی کا احساس دلا کر ہمدردی اور پیار بھی وصول کر لیتا ہوں۔ تم تو قابل رحم ہو۔ تمہاری شنوائی کہیں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تم عورت ہو۔ جس کا فرض بنتا ہے کہ سب کی خدمت کرے منہ پر تالے لگا کر۔ چلو تین مہینوں میں سے کچھ دن تو کم ہوئے۔"

وہ خاموشی سے اس کا منہ تکتی رہی۔ اس نے تو اسے یہاں قیام کرنے کے تمام قوانین سمجھائے تھے۔ اب وہ جانے کی بات کر رہا تھا۔

"اگر خرم کا تمہارے ساتھ یہی رویہ رہا تو بہتر ہے ویزے کی مدت پوری ہونے کے بعد واپس چلی جاؤ۔ اور پھر کبھی نہ آنا۔ خرم خود ہی بندہ بن جائے گا۔"

"یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ اسے میری قطعا" ضرورت نہیں۔ فقط ماں کی نگہداشت کے لیے نرس چاہیے۔ بیوی یا بہو نہیں۔ لیکن میں نے بھی انہیں سبق سکھانے کا سوچ لیا ہے۔"

"خرم بہت ضدی اور بے وقوف انسان ہے۔ فطرت سے تم واقف نہیں ہو۔ بے شمار مثالیں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ کہ جس کام کا وہ فیصلہ کر لیتا ہے۔ ہر قیمت پر پایہ تکمیل تک پہنچا کر چین سے بیٹھتا ہے۔ چاہے اس میں اس کو خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی ہی فطرت شیریں نے بھی پائی ہے۔ میں نے تو اس کماؤ بیوی کے سامنے ہار مان لی ہے۔ زن مرید ہونے کی ڈگری حاصل کر چکا ہوں۔" وہ ماحول کو بہتر بنانے کے لیے ہنسنے لگا۔

"یہ ڈگری خرم کو بھی دلا دیں پلیز ہارون بھائی ورنہ اتنی پہاڑ سی زندگی کیسے بیت پائے گی۔" وہ حسرت

دیا اس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرے آنے کی خوشی کی ہلکی سی رمق بھی آپ کے چہرے پر نظر نہیں آئی۔ میں نے تو دو سال کا عرصہ ہر لمحہ آپ کی یاد میں گزارا تھا۔ لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں غلطی پر تھی۔ مجھے ضد کر کے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ خرم کے جذبات سے عاری چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے شکایت کے انداز میں بولی۔

"بہت جلد اپنی غلطی اور ضد کا احساس ہوا ہے۔ تمہاری عقل کا جواب نہیں۔ ماں بے چاری اتنے بڑے گھر میں بالکل اکیلی ہیں۔ اولاد کیا اس لیے ہوتی ہے کہ یوں بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں انہیں بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے۔ تمہارے ہر وقت کے رونے دھونے نے مجھے تمہیں بلانے پر مجبور کر دیا۔ تمہارا باغیانہ رویہ اوہ مائی گاڈ۔ اور ماں کے ساتھ زبان درازی۔ بتاؤ کیسے بھول جاؤں۔ تم جانتی ہو۔ مجبوری اور زبردستی کے رشتے میں سکون و طمانیت اور مسرت کا دخل نہیں ہوتا۔ فقط انتظار ہوتا ہے وقت کے بیت جانے کا۔" وہ سخت ناگواری سے بولا۔

"آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ آپ کو ماں جی کو یوں تنہا چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ کو اس لاپرواہی اور بے توجہی کی سزا ضرور ملے گی۔ ماں کی دیکھ بھال کرنا آپ کا فرض بنتا ہے۔ اسی طرح میں اپنی ماما کے بڑھاپے کا سہارا ہوں۔ اسلام نے اولاد کے لیے یہی حکم دیا ہے۔" وہ سوچ بچار کے بعد بولی تھی۔

"بڑی پتے کی بات سمجھا رہی ہو۔" وہ غصے سے بولا۔

جب تک ماں جی ہمارے درمیان ہیں۔ تمہیں ان کے پاس رہنا پڑے گا۔ بہو کا رول یہی ہے۔ ہم اپنی روایتوں میں جکڑے ہوئے دیسی لوگ ہیں حدیقہ۔ یہاں لڑکی کی شادی واحد لڑکے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے خاندان سے ہوتی ہے۔ تم کیا جانو' تمہارا اپنا خاندان ہوتا تو تم جان پاتیں۔"

"شیریں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ تلخی سے بولی۔

"ہارون اور شیریں کے معاملے میں تم بولنے والی کون ہوتی ہو۔" وہ چیخ اٹھا۔

"کول ڈاؤن خرم یہ پاکستان نہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔ تو خرم نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔

کروٹ بدلتے ہوئے وہ درد سے بلک اٹھی اور ذہن سے تمام تلخیوں اور ترشیوں کو بھلانے کی کوشش کرنے لگی۔ خرم بے پروا نہایت لاتعلقی سے خراٹے لے رہا تھا۔ وہ اس کی بے حسی پر آنسو بہاتی لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگی۔ اور نہ جانے کب نیند آگئی۔ صبح ———— اس کی آنکھ کھلی۔ خرم اور شیریں تیار ہو کر لاؤنج میں آگئے۔ حدیقہ پر سرسری نظر دوڑا کر کچن کی طرف مڑ گئے۔ خرم نے کافی بنائی اور شیریں نے ٹوسٹر سے ٹوسٹ نکال کر ان پر جیم اور مکھن لگایا اور ایک دوسرے سے گپ شپ لگاتے کھانے لگے۔ کافی کے مگز ہاتھ میں لیے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گئے۔

حدیقہ جو صوفے پر نیم دراز تھی۔ حیرت و تاسف سے کھڑی ہو کر کھڑکی سے باہر بہن بھائی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ جن کے چہروں پر پچھتاوے یا افسوس کی ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی۔ ہنستے مسکراتے باتیں کرتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

"خرم تم اتنی جلد بدل جاؤ گے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کاش میں بھی اولاد والی ہوتی۔ تو شاید آج اس کی وساطت سے ہی خرم کی منظور نظر بن جاتی۔ میرے اندر ماں کا دل دھڑکتا ہے۔ روح تشنہ ہے اولاد کے بغیر۔ خرم کیوں نہیں سمجھتا۔ ہر بار میری اس خواہش کو کیوں رد کر دیتا ہے؟ ایسے گمان ہوتا ہے جیسے وہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہو۔" وہ اسی ادھیڑبن میں اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کا ایک بج رہا تھا۔ ہارون

بچوں کو پک کرنے جا چکا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اٹھ نہ سکی۔ کیا کرے وہ یہ سوچ ہی رہی تھی۔ باہر گاڑی رکنے کی مخصوص آواز آئی۔ بچوں کے ہنسنے اور لاڈ پیار میں ڈوبی ہوئی ہارون کی آواز کی کھنک دل کو بے قرار کر گئی۔ عورت ماں کے روپ میں کس قدر مکمل اور حسین لگتی ہے کہ مرد اس کی ان گنت خامیوں کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس نے حسرت سے سوچا۔

"کیا مجھ پر بھی کبھی یہ خوبصورت وقت آئے گا۔"

اسی اثنا میں باہر کا دروازہ کھلا۔ اور دونوں بچے اچھلتے کودتے ممانی کے کمرے میں آگئے۔ ہارون نے کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔

"اٹھ جاؤ۔ بھوکی پیاسی کب تک لیٹی رہو گی۔" حدیقہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے تاسف سے گردن ہلائی۔ سر پر چوٹ کی وجہ سے پیشانی اور آنکھوں کے اردگرد ———— نیل پڑ چکا تھا۔

"حدیقہ۔ ہمت کر کے اٹھو میں گرم گرم دودھ کا گلاس لاتا ہوں۔ پھر دوا کھا کر آرام کرنا۔" اس نے بے حد ہمدردی سے کہا۔ تو وہ اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دی۔

"دراصل رات بھر نیند نہیں آئی۔"

"چلو اچھا ہوا تم نے اپنی نیند پوری کر لی۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اور دوسرے کمرے میں جا کر خرم کو فون کرنے لگا۔

"ہارون! تم نے جو کہنا تھا کہہ لیا۔ اب میری سنو میں تمہیں اپنے ذاتی معاملات اور مسائل میں آنے کی قطعاً اجازت نہیں دوں گا۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" وہ نہایت روکھائی سے بولا۔

"ٹھیک ہے آئندہ ہرگز دخل اندازی نہیں کروں گا۔ مگر میری ایک بات یاد رکھنا۔ یہی حال رہا تو تم کسی بھی وقت پولیس کے چنگل میں پھنس سکتے ہو۔" ہارون نے غصے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

"سالا دھمکیاں دیتا ہے۔ آیا بڑا ہمدرد حدیقہ کا۔" اس نے نفرت سے کہا اور اگلے مریض کی فائل کھول کر پڑھنے لگا۔

"شیریں کی تو نائٹ ڈیوٹی ہے۔ نجانے خرم کہاں رہ گیا۔" ہارون نے فکرمندی سے حدیقہ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ بے چارے کہیں کھانے کے لیے رک گئے ہوں۔ آپ نے اپنی مردانہ غیرت کو بے دار کرنے کا غلط وقت چنا ہے کیا میرے آنے پر ہی آپ کی انا اور خودداری کو جاگنا تھا۔" وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔ "میں کھانا پکائے دیتی ہوں۔"

"ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھو۔ اور اپنا ٹمپریچر چیک کر لو۔ پھر فیصلہ کرنا کچن میں جانے کا۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"آرام سے لیٹی رہو ورنہ میں بھی بول چال بند کر دوں گا۔ پھر روتی پھرو گی۔"

"میں نے نوٹ کیا ہے۔ اس گھر میں دھمکیوں کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی ہر بندہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ نفسانفسی کا عالم ہے۔ ساری توجہ پیسہ کمانے پر ہے۔ کس قدر منحوس جگہ ہے یہ۔ اپنے ملک میں ہم شہنشاہوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر بھی ناخوش اور ہر وقت کی تنقید۔ یہاں ہماری زندگی کمی کمینوں جیسی ہے۔ پھر بھی فخر و غرور میں پھولے نہیں سماتے۔" وہ اضطراب سے بولی۔

"یہ دونوں بہن بھائی ہم دونوں کے لیے درد سر بن چکے ہیں۔ میری طرح کڑھنا چھوڑ دو۔ اور جلد از جلد صحت یاب ہو جاؤ۔ کیونکہ ہم دونوں نے جاب کرنی ہے۔ چاہے کتنی ہی گھٹیا اور گئی گزری کیوں نہ ہو؟ تمہیں اپنا مشورہ یاد ہے نا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے یاد ہے۔ لیکن دن تو پر لگا کر اڑتے جا رہے ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"دوا ٹائم پر اور آرام بے حساب اور وقت بے وقت۔ اس فارمولے پر عمل کرو گی تو تب ہمارے خواب خوش آئند تعبیر کے حامل ہوں گے۔" وہ اسے چائے کا مگ پکڑاتے ہوئے بولا۔

"ویسے تمہارے آنے سے میری ذمہ داریوں اور

خاطرداریوں میں کافی حد تک اضافہ ہی ہوا ہے۔ اب تو مجھے گھر داماد ہونے کا جان لیوا احساس پشیمان کرنے لگا ہے۔"

"کیا سچ مچ آپ اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ یا ویسے ہی از راہ مذاق "ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ہارون نے مسکرا کر ٹال دیا اور گفتگو کا موضوع بدل ڈالا۔" میں پاکستانی ریسٹورنٹ سے کھانا لے کر آتا ہوں۔ بچے بھی بھوکے ہیں تم اور میں تو ہیں ہی اس قابل نکمے' ہڈ حرام بے روزگار۔" وہ تلخی سے بولا۔

"ایسی بھی بات نہیں جناب۔ تھوڑا سا انتظار کریں۔ ریڑھی یا چھابڑی لگا کر اپنی بے روزگاری کو بھگادیں گے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"وہ بہن بھائی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دن بدن مستحکم اور مضبوط ہوتے جارہے ہیں تو ہم دونوں بہن بھائی مل کر کیا کوئی کام نہیں کرسکتے۔"

ویسے "تمہاری باتوں میں سنجیدگی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔" وہ مسکرادیا۔

"بھئی جاب نہ ملی تو کوئی چھوٹا موٹا بزنس کا ہی سوچ لیتے ہیں۔ ایک دن ارب پتی بن جائیں گے۔ بہن بھائی کو چنے نہ چبوادیے تو آپ کا نام ہارون اور میرا نام حدیقہ زیدی نہیں ہوگا۔" وہ بمشکل بولتے ہوئے چھیڑے جارہی تھی۔

"ویسے حدیقہ ایک بات کہوں۔ تم ہنستے ہوئے کتنی حسین لگتی ہو۔ لبوں کی مسکراہٹ آنکھوں میں بھی عود کر آتی ہے۔ جھرنے اور پہاڑ کی چوٹی سے بہتے ہوئے آبشار جیسی کھنک ہے تمہاری ہنسی میں۔" وہ بے حد پیار سے بولا۔

"یہ شاعری شیریں کے سامنے جھاڑیے جناب۔ مجھے یہ سن کر کوئی خاص خوشی نہیں ہورہی۔" وہ پھر کلیوں کی مانند دبی دبی ہنسی میں بولی۔

"یہ جو ڈاکٹروں کی قوم ہے نا۔ صرف چیرنا پھاڑنا جانتی ہے۔ شعروشاعری' طنزومزاح ان کے سر پر گزر جاتا ہے۔ کس قدر بدذوق لوگوں کے سنگ ہماری زندگی گزر رہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشے ہوئے اس تحفے کا استعمال کرنے میں انصاف نہیں کررہے۔ ہماری پکڑ ضرور ہوگی۔ خاص کر تمہاری۔" وہ شوخ انداز میں بولا۔

"بھئی میری کیوں؟ میری زندگی میں سب کچھ تو ہے۔" وہ پھر طنزیہ مسکرائی۔

"بالکل درست فرمایا جناب نے۔ اتنا کچھ ہے کہ سنبھالے سنبھل نہ پائے۔" وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

"ان ساری باتوں کو چھوڑیں۔ خرم کا پتا کریں وہ کہاں رہ گئے۔ مجھے فکر ہورہی ہے۔ میرا دل بے چین سا ہورہا ہے۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

"عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہا ہوگا۔ تم خوامخواہ پریشان ہورہی ہو۔" اس نے اسے چھیڑا۔ وہ اسے ہر ممکن اذیت سے نکالنے کی کوشش کررہا تھا اور وہ بھی اس کی طنزیہ باتوں میں اپنا دکھ اور تکلیف بھول چکی تھی۔

"خرم ایسے ہرگز نہیں ہیں۔"

"اللہ کرے۔ تمہاری خوش فہمی ہمیشہ قائم ودائم رہے۔ میں شیریں سے معلوم کرتا ہوں۔ کیونکہ خرم کا موبائل بند ہے۔" وہ خود بھی فکرمند دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ شیریں سے تمام تفصیلات جان کر اور پریشان ہوگیا۔ کیونکہ خرم آج طبیعت خرابی کی وجہ سے گھر جلدی چلا گیا تھا۔ وہ سوچ بچار میں تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف کی آواز بالکل انجان تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے چکرا گیا۔

کیا ہوا؟ ہارون! کس کا فون تھا؟ خرم کہاں ہیں؟" وہ اپنی تکلیف بھول کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ایکسیڈنٹ۔" اس نے ایک ہی لفظ بولا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ جھولی پھیلا کر خرم کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی باتھ روم کی طرف چل پڑی۔ آئینے میں خود کو پہچان نہ سکی۔ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"خرم میرے ساتھ جو بھی ہوا۔ میں نے آپ کو صدق دل سے معاف کیا۔ باری تعالیٰ میرا سہاگ سلامت رکھنا۔" وہ دعا مانگے جارہی تھی۔ وہ بچوں کے کمرے میں چلی گئی بچے کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ وہ بے بسی کے عالم میں ان کے قریب قالین پر ہی لیٹ کر دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی۔

"مانی جان۔ ہمیں برگرز اور چپس کھانے ہیں۔" وہ کھیل چھوڑ کر اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔ حدیقہ نے فون کرکے برگرز اور چپس کی ڈیلیوری گھر پر ہی کروالی۔

خرم ایمرجنسی وارڈ میں ایڈمٹ تھا۔ شیریں پریشانی کے عالم میں اس کے پاس ہی موجود پائی گئی۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ایک بازو پر پلاسٹر اور سر پٹیوں میں مقید دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ انسان کس قدر کمزور اور بے بس بنایا گیا ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ کس قدر ڈھیٹ اور عاقبت نااندیش ٹھہرا ہے کہ اس کی فطرت سے ظلم وتشدد' حریص پن' احساس ملکیت جیسی قبیح حماقتیں کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ آج خرم کس لاچارگی و بے بسی سے دنیا ومافیہا سے بے خبر تھا۔ اس نے حدیقہ کو فون کرکے اس کی حالت بتادی۔ وہ اپنی تکلیف یکسر ہی بھول گئی۔ فوراً" ہی باہر نکل کر اس نے ٹیکسی پکڑلی اور ایمرجنسی وارڈ پہنچ گئی۔ شیریں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو حیرت و اشتیاق سے ہارون کی طرف متوجہ ہوئی۔ "یہ سب کیا ہے؟ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

ہارون اسے ایک طرف لے گیا اور اس کی سماعتوں میں زہر انڈیل کر حدیقہ کے قریب بیٹھ کر اس سے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"تمہیں تو تیز بخار ہے۔ تم کیوں چلی آئیں؟" شیریں بھی قریب ہی آگئی۔ اور اگلے ہی لمحے اسے اسپتال ایڈمٹ کرانے کا فیصلہ کرکے وہ باہر نکل گئی۔ شرمندگی' ندامت اور پچھتاوا اس کی نس نس میں سرائیت کرچکا تھا۔ اسے اپنے بھائی کی حرکت پر شرمندگی تھی۔

خرم دو دن بے ہوش رہنے کے بعد ڈاکٹروں کی کوشش سے ہوش میں تو آگیا مگر وہ آنکھیں کھول کر نہ تو اس دنیا کے رنگوں کو دیکھنا چاہتا تھا نہ ہی اپنی قوت گویائی سے اپنے احساسات کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے مکافات عمل کا یہ طریقہ اسے حیران و پریشان کیے ہوئے تھا۔ ضیائے شعور میں ہلچل تو مچ گئی تھی۔

دو دن بعد حدیقہ اسپتال سے گھر چلی گئی۔ اس کی لاکھ کوشش کے باوجود خرم نے نہ تو اس سے بات کی نہ ہی آنکھ کھول کر اسے دیکھنے کی ہمت رکھی۔ وہ اس رویے سے دل برداشتہ تو ہوئی مگر اپنے پیار اور اپنے جیون ساتھی کی جان کی سلامتی پر بے انت شکرانے میں سجدہ ریز ہوگئی۔ ہارون نے اسے یقین دلایا کہ خرم اس جان لیوا جھٹکے کے بعد خود کو سرتاپا بدلنے کے بارے میں ضرور سوچ رہا ہوگا۔ کیونکہ خدائی پکڑ میں زیادہ دیر جو نہ لگی تھی۔ وہ موہوم سی ہاں کہہ کر دعائیہ انداز میں کھو جاتی۔ اور خوش فہمیوں کی دنیا آباد ہوجاتی۔

آج خرم اسپتال سے ڈسچارج ہورہا تھا۔ ابھی ایک مہینہ مزید اسے ریسٹ کی تاکید کی گئی تھی۔ حدیقہ نے کمرے کو پھولوں' کارڈز اور موم بتیوں سے سجادیا تھا۔ اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہنے کے تمام انتظامات مکمل کرکے اس نے خرم کی پسند کا کھانا بنایا۔ نہایت سلیقے سے ٹیبل پر لگایا۔ وہ ہارون کی مسلسل شرارتوں سے محظوظ بھی ہورہی تھی مگر اک خوف اور اندیشہ دل کے نہاں خانوں میں ہلکی سی کروٹ لے کر اسے مضطرب کردیتا۔

باہر گاڑی کے رکنے کی آواز پر وہ تیزی سے مین ڈور کھول کر کھڑی ہوگئی خرم بغیر کسی سہارے کے ہارون اور شیریں کے ساتھ نہایت سنبھل کر چل رہا تھا۔ جسم کمزور اور لاغر لگ رہا تھا۔ چہرے پر بلا کی خاموشی کی چھاپ تھی۔ پچھتاوا تھا یا احساس ندامت۔ کسی کو خبر نہ تھی۔

"میں تمہیں زندگی میں واپس لے آؤں گی۔" وہ دکھ سے بڑبڑائی۔

"میری زندگی بھی تمہیں لگ جائے خرم۔" وہ مسکراتی خرم کی طرف بڑھ گئی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا اس نے بوسہ دیا خرم نے جھٹکے سے چھڑا لیا۔ وہ جزبز ہو کر شیریں کو دیکھنے لگی۔ ہارون نے سخت برہمی سے خرم کو گھورا اور اندر چلا گیا۔ جسے شیریں نے بھی محسوس کیا تھا۔ مگر نظر انداز کرنے میں عافیت جانی۔

وہ لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ حدیقہ نیچے بیٹھ کر اس کے جوتے کے تسمے کھولنے لگی۔ ماں کی اکلوتی پرنسز بیٹی اپنی اس حیثیت پر بھی خوش و مطمئن تھی۔ شیریں واپس اسپتال جا چکی تھی۔ ہارون بچوں کو اسکول سے لینے کے لیے نکل گیا تھا۔ دونوں اکیلے تھے۔ مگر کمرے میں ہو کا عالم تھا۔ آخر پہل حدیقہ نے کی۔ وہ اس کا ہاتھ پیار سے پکڑتے ہوئے بولی۔

"خرم! کمرے میں آجائیے۔ تھوڑا آرام کرلیں۔ پھر آپ کو مزے دار کھانا کھلاؤں گی آپ کی پسند کا۔"

دوسری طرف خاموشی تھی۔

"کچھ تو کہیے۔ اتنی اداسی اور مایوسی اچھی نہیں آپ کے لیے۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں ـــــ بولے جا رہی تھی۔ اور وہ ایک نقطے پر نگاہیں منجمد کیے چپ سادھے ہوئے تھا۔

"اچھا میں آپ کو گرما گرم سوپ یہاں ہی دے دیتی ہوں۔" وہ لہجے میں شگفتگی بھرتے ہوئے بولی۔ سرعت سے کچن کی جانب چل دی۔ تھوڑی دیر بعد سوپ کا پیالہ ٹرے میں رکھے قریب آکر بیٹھ گئی۔ دایاں بازو ابھی تک پلاسٹر میں مقید تھا۔ بائیں ہاتھ سے سوپ کو بیلنس کرنے کی مشکل کو جانتے ہوئے اس نے چمچ بھر کر سوپ اس کے ہونٹوں کی جانب بڑھایا ہی تھا کہ اس نے ٹرے کو نفرت سے پرے کیا اور سوپ کا پیالہ اچھل کر حدیقہ پر گرتے ہوئے قالین پر جا گرا۔ اس اچانک رد عمل پر وہ جلن سے چیخ اٹھی۔ تیزی سے فریج کی طرف بھاگی۔ برف سے خود کو سہلانے لگی۔ شدت تکلیف اور احساس کم مائیگی میں گھری وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔ خرم صوفے سے اٹھا اور سیدھا کمرے میں چلا گیا۔ کمرے کے خوابیدہ ماحول نے اس کی خاموشی کو توڑا۔ وہ قہر و غضب میں چیختا ہوا پھولوں کو پاؤں تلے روندے جا رہا تھا۔ کارڈز کو بے دردی سے پھاڑ رہا تھا۔ موم بتیوں پر ہاتھ مار کر بجھانے کی کوشش میں ـــ اپنا ہاتھ جلا لیا۔ منہ سے جھاگ اور آنکھوں سے شعلے ابل رہے تھے۔ وہ اپنی تکلیف میں تڑپتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اور اس کی حرکات کو دیکھ کر چیخ اٹھی۔

"خرم آپ پاگل ہو چکے ہیں۔ آپ کو گھر کے بجائے پاگل خانے جانا چاہیے تھا۔ میں ابھی اسپتال فون کرتی ہوں۔ مجھے آپ سے خطرہ لاحق ہونے لگا ہے۔ آپ تو مجھے جان سے ماردیں گے۔ میری بدقسمتی کہ آپ جیسے مخبوط الحواس مرد کی بیوی بننے سے بہتر تھا کہ زندہ درگور کر دی جاتی۔ آج مجھے اس سوال کا جواب چاہیے کہ مجھ سے ایسی کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جس کی اتنی بڑی سزا" وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"تمہاری تمام خرابیوں کی جڑ تمہاری ضد ہے۔" وہ پوری قوت سے چیخا اس کا سر چکرانے لگا۔ اور وہیں بیڈ پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے خرم۔ کچھ دنوں کے لیے میری تمام غلطیوں کو نظر انداز کر دیجیے۔ صحت یاب ہونے کے بعد مجھ سے حساب چکا لیجیے گا۔"

وہ ایک دم سے نرم پڑ گئی۔ اسے سہارا دے کر بیڈ پر لٹایا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے جسم کو دبانے لگی۔ اور وہ بے سدھ خاموش لیٹا کسی قسم کا اعتراض یا انکار نہ کر سکا۔ حدیقہ کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اس کے اندر ہی گرنے لگے۔ جن میں ترس ـــــ بھی تھا غصہ اور غم بھی تھا اور اپنے مقدر سے کبھی نہ ختم ہونے والا گلہ و شکوہ۔

یہ گھٹ گھٹ کر جینے کو زندگی کا نام دینا سراسر ناانصافی ہے۔ عفریت سے چھٹکارا ہر ذی روح کا حق ہے۔ آج اسے تمام حکمت عملی بے کار ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن وہ خرم کو اس ناگفتہ بہ حالت میں تنہا چھوڑنے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ اس نے ہار

مان کر اس کی صحت یابی کے بعد واپس جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اگر اس کی قسمت میں اس کی ماں کی آیا گیری کرنے میں ہی جیت لکھی ہے تو یہ بھی اسے منظور ہے مگر طلاق لے کر اس رشتے سے کنارہ کشی اسے کسی صورت قبول نہ تھی۔ یہ سوچ کر حلق میں پھانس چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کتنا مشکل تھا محبتوں اور چاہتوں کے اس ختم شدہ رشتے میں اعتماد اور بھروسا بحال کرنا۔ اس کی قیمت بہت بڑی تھی۔ اپنے خیالوں میں اسے پتا ہی نہیں چلا کہ ہارون آگیا۔

حدیقہ نے فوراً" کپڑے بدلے اور چاہتوں سے سجایا ہوا تمام سامان جو کوڑے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ پلاسٹک کے تھیلوں میں ڈال کر باہر ڈسٹ بن میں پھینکنے چلی گئی۔ لاؤنج میں ہارون خاموشی سے صوفے پر بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔

"حدیقہ! مجھے بتاؤ گی نہیں کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوا۔ کیا خرم کو اپنی زیادتیوں کا احساس نہیں ہوا۔ شرمندگی اور پچھتاوا نہیں ہوا۔" وہ اس کے قریب آکر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"ہارون بھائی میں نے واپس جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔"

"کیوں؟ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

"خرم کے صحت یاب ہونے تک یہاں ٹھہروں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ابھی تو ہم دونوں جاب تلاش کریں گے۔ اور ان بہن اور بھائی کو سبق سکھانا ہے۔ تم ابھی سے ہار گئی ہو۔ ویری سیڈ۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہی سوچا تھا۔ لیکن ہارون بھائی اس طریقے سے میں خرم کو کھو دوں گی خرم اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ خرم اس غصے میں آکر کوئی غلط قدم اٹھائیں۔ خرم نرم دل ہیں سوچیں گے تو بگڑا ہوا معاملہ اور الجھا ہوا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ یہی اس کا قابل حل رستہ ہے۔" وہ کمتی سمٹائی اسے بہت معصوم اور پاکیزہ لگ رہی تھی۔

"نرسنگ میرا پیشہ تھا خرم نے مجھے اپنی قربت میں بھی میرے پیشے اور ساکھ کو مرنے نہیں دیا۔ یہی میرا نصیب ہے۔ میں اس سے کہاں تک بھاگ سکتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"بس اتنی جلدی ہار مان لی۔ میں تمہیں اتنی بزدل اور کم ہمت نہیں سمجھتا تھا۔" وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"بس یوں ہی سمجھ لیجیے۔ اب مجھ میں نفرت کی چنگاریوں میں جلنے کی سکت نہیں رہی۔ سوچتی ہوں میں کن ناکردہ گناہوں کی پاداش میں دھر لی گئی ہوں۔ کیا اپنی پسند کی شادی جرم تھا۔ میں تو اپنا گھر بسانے اور آباد کرنے چلی تھی۔ اس نشے میں میں نے اپنا وقار اور خودداری کو تہہ تیغ کر دیا میرے احمقانہ پن کی بھی انتہا ہے کہ اپنی ماں کو تن تنہا چھوڑ کر اپنی دنیا بسانے کا خواب دیکھتی یہاں پہنچ گئی۔ مجھ جیسی لاوارث لڑکی کو شادی رچانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ میری سسرال میں اور شوہر کی نظر میں کیا حیثیت ہے؟ اس کے چشم دید گواہ آپ بھی ہیں مجھے کس گناہ کی پاداش میں سزا دی جا رہی ہے۔"

"تم بہت ہمت اور حوصلے والی لڑکی ہو۔ یکدم یہ کیا ہوا۔ کیوں؟ مجھے سچ سچ بتاؤ۔" وہ بہت آہستگی سے بول رہا تھا۔

"آپ کی ہمدردیوں کا بہت بہت شکریہ ہارون بھائی آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ سر پکڑ کر کوفت آمیز لہجے میں بولی۔

"چھوڑ دیا؟" وہ غصے سے بول کر باہر نکل گیا۔

حدیقہ سر گھٹنوں میں دبائے زار و قطار رونے لگی۔ سسکیاں آس پاس کے ماحول کو غمناک بنا رہی تھیں۔ نجانے کتنا وقت اسی عالم میں گزر گیا۔ وہ خرم کی دبی دبی آواز پر چونکی۔ وہ تکلیف کی شدت میں کراہ رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ حدیقہ نے ایک بار پھر اسے معاف کر کے اسے سیدھا لیٹنے میں مدد کی۔

"آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں۔" وہ غصے سے بولا۔

"ہارون بھائی کو بھی ناراض کردیا۔ شیریں نند کے ناطے کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ شوہر اپنی ضد پر اڑا ہوئے نفرت و حقارت کا اظہار کسی پل ضائع نہ ہونے دیتا۔ وہ جائے تو کس کے پاس جائے اور اپنے سینے کے بگولوں کو کیسے ٹھنڈا کرے۔ وہ بے بسی سے سوچے جارہی تھی۔ کہ خرم کی آواز پر اس کے قریب ہوگئی۔

"حدیقہ! تم یہ ایکٹنگ کرنے سے باز نہیں آؤ گی۔ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میری بوڑھی اور بیمار ماں کے لیے تمہارے دل میں ہمدردی ہے نہ رحم و ترس۔ میں تم پر کیسے فدا و نثار ہوسکتا ہوں۔ تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ خدا کے لیے مجھے مزید پریشان مت کرو۔" وہ چڑے ہوئے انداز میں بولا۔

"میں آپ کے بغیر نامکمل اور ناکارہ ہوں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اس بھری دنیا میں اپنی ماں کی طرح بالکل تنہا اور لاوارث ہوں۔ خرم میں اس کرب میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں اپنی ماں جیسی ہرگز نہیں ہوں کہ آپ سے دور رہ کر سانس بھی لے سکوں۔ میں مرجاؤں گی خرم۔ مجھے خود سے الگ مت کریں۔ ہم اپنا الگ گھر لے کر ماں جی کو اپنے پاس بلالیتے ہیں۔ ہماری اپنی ایک دنیا ہونی چاہیے خرم۔ ہمارے آنگن میں بھی خوشیوں کی بارات اتر سکتی ہے۔ معصوم قہقہوں کے دیئے روشن ہوسکتے ہیں۔ آپ ذرا سوچ کر تو دیکھیں۔ آپ کو تمام کتنا ہی بھلا لگے گا۔"

"تم نے ماں کے بعد شیریں سے دور کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اس وطن غیر میں میں اسے اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ تمہاری طرح نکمی اور ہڈحرام نہیں۔ جاب کرتی ہے۔ اس نے اپنے بچوں اور خاوند کی ذمہ داریاں کندھوں پر اٹھا رکھی ہیں۔ قسمت کی بات ہے کہ ہارون کو جاب ملنا مشکل ترین ہوتا جارہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہارون کی ماں بھی اکیلی ان کے انتظار میں ایک ایک منٹ گن رہی ہے۔ دوسری طرف میری ماں بھی بیمار اور تنہا۔ خرم ہم سب واپس کیوں نہیں چلے جاتے؟ یہاں کیا رکھا ہے؟ جو کماتے ہیں بمشکل ہی گزارا کرپاتے ہیں۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔

"یہاں فیوچر کے روشن پہلو نمایاں ہیں۔ جبکہ پاکستان میں ڈاکٹر کی تنخواہ ایک کلرک سے بھی کم ہے۔ اگر اپنا کلینک کھولتے ہیں تو اس میں پیسہ صرف اس صورت میں ہے کہ بددیانتی سے کام لیا جائے۔ ایسی میری فطرت نہیں۔"

وہ پہلی بار اس سے تفصیلاً بات کررہا تھا۔ اسے حالات سدھارنے کی امید ہونے لگی تھی۔ احمق کہیں کی۔ اس کے موڈ کے مدوجزر میں ہی مرتی اور جیتی رہی۔

"تو پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم تین عدد ماؤں کو اپنے پاس بلالیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ابھی ہم فائننشلی اس قابل نہیں ہوئے۔" وہ نرمی سے بولا۔

"تو پھر اس کا حل کیا ہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تم میری بات پر غور تو کرو۔ تمہاری ماں کو اکیلا رہنے کی عادت ہے۔ شیریں کی اپنی ساس سے ایک پل کے لیے نہیں بنتی۔ میری ماں خود محتاج اور مجبور ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔ مگر تم اس قدر ضدی اور کم عقل عورت ہو کہ میری ایک نہیں سنتیں۔ الٹا مجھے بددعائیں دیتی ہو۔ مجھے اس حال تک پہنچانے والی تم ہی تو ہو۔" وہ پھر زہر اگلنے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی گفتگو کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے لگی۔

"اب تمہارے واپس جانے کے دن نزدیک آگئے ہیں۔ خدا کے لیے اب واپس جاکر میری ماں کو تنگ مت کرنا۔ میں نے تمہاری ضد پوری کردی ہے۔ تم میری خواہش پوری کرو۔ بہتری اسی میں ہے۔" وہ پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے بولا۔

"تم نے دیکھ تو لیا ہے کہ ہم یہاں عیاشی نہیں کررہے۔ اسٹرگل ہے دن رات کی۔"

"میں نے بھی واپس جانے کا پروگرام بنالیا ہے۔ مگر آپ کی صحت یابی کے بعد۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ "گو کہ آپ کے بغیر میں بہت اداس رہتی ہوں۔ کاش میرا بیٹا ہی سلامت رہتا جینے کا اک بہانہ تو میرے پاس ہوتا۔"

"بچے بھی ہوجائیں گے۔ کیوں فکر کرتی ہو؟ ہر کام کا اک وقت مقرر ہوتا ہے۔" وہ پھر نرمی سے بولا۔

"تم تو بہت بہادر ماں کی اولاد ہو۔ ڈپریشن کی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ میں جلد ہی ٹھیک ہوجاؤں گا۔ تم جانے کی تیاری کرو۔ ماں بہت پریشان ہے۔ تمہارا بار بار پوچھتی ہیں انگلیوں پر دن گن رہی ہیں۔"

"میں واپس چلی جاؤں گی۔ مگر ایک شرط ہے میری۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"تمہاری شرائط سے میں بہت تنگ آگیا ہوں۔ اب فرماؤ کون سی نئی شرط سوچ لی ہے تم نے۔" وہ تلخی سے بولا۔

"مجھے ماں بننے کی خوشی دے دیں۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"تم تو بالکل پاگل ہوگئی ہو۔ تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ ابھی یہ ناممکن ہے۔ ابھی حالات ہی ناسازگار ہیں۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میری مامتا دہائی دیتی ہے۔ آپ سے بھیک مانگتی ہے خرم۔ بچے میاں بیوی کو ایک دوسرے کو انڈراسٹینڈ کرنے اور ایڈجسٹ ہونے میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ آپ شیریں اور ہارون کو ہی دیکھ لیں۔ دونوں کے بیچ بچے نہ ہوتے تو آج وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہ ہوتے۔" وہ نہایت عاجزی سے بولی۔

"میں اس پرانی تھیوری پر یقین نہیں رکھتا۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"خرم کاش میں آپ کی شخصیت کے اس بھیانک روپ کو پہچان گئی ہوتی۔ آپ تو بہت بے ہمت مرد نکلے۔ نجانے میرے لیے کیسے اڑ گئے تھے لگتا ہے مجھے بھی حاصل کرنے کا مقصد فقط اپنی خودداری کو تسکین پہنچانا تھا۔ مجھ سے محبت یا عشق ہرگز نہ تھا۔ آپ نے محض اپنی ذات میں گم رہ کر خود سے عشق کیا ہے۔ اور پیار صرف اپنی ماں سے کیا ہے۔ اور ہمراز اور غمگسار کا شرف بہن کو سونپ دیا ہے۔ میں آپ کی زندگی میں کہاں ہوں۔ کس مقام پر ہوں مجھے اس کا جواب دیجیے۔" وہ بے بسی میں تلملا رہی تھی۔

"بیوی اپنا مقام خود سے تجویز کرتی ہے۔ کیا تم نے اس کے حصول کے لیے محنت کی ہے۔" لہجے میں قہر تھا۔ وہ حیرت سے اس بے حس مجسمے کو دیکھتی رہ گئی۔

"میں نے زندگی میں ایک سبق بہت ہی کڑوے اور کسیلے طریقے سے سیکھا ہے کہ کبھی کسی کی کسمپرسی پر رحم کھا کر اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگانی چاہیے۔ نالی کی اینٹ کو جب جگہ محل میں ملے تو وہاں وہ ٹکتی نہیں۔ زمین بوس ہو کر ہی رہتی ہے۔ اور ستم در ستم یہ کہ اپنے آس پاس کی کتنی ہی اینٹوں کو ساتھ لے کر گرتی ہے۔ اس لیے میں اپنی نئی نسل کے لیے ایسا رسک نہیں لینا چاہتا۔ نجانے تم کب اپنے رستے بدل ڈالو۔ آخر تمہاری رگوں میں خون ڈاکٹر زیدی کا ہی دوڑ رہا ہے۔ مجھے تم پر رتی بھر بھروسہ نہیں رہا۔" وہ اسے مسلسل لعن طعن کررہا تھا۔

"راہیں تو آپ نے بدلی ہیں خرم میرے ساتھ کیے ہوئے وعدے کہاں رہ گئے۔ دوسرا میں نالی کی اینٹ کیسے ہوں۔ میں ایک اچھے خاندان سے ہوں۔" وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

"ٹسوے بہانے بند کرو۔ جب سے میری زندگی میں آئی ہو۔ تب سے میرے نصیب ہی جل گئے۔ سکون نام کی کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ تمام خاندانی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔" وہ حقارت بھرے لہجے میں بولا۔

"دفع ہو میری آنکھوں سے دور ہوجاؤ۔ وعدے ایفا تب ہوتے ہیں۔ جب پارٹنر آپ کے پرابلمز کو سمجھ سکے۔" وہ باہر نکل آئی دروازے پر ہارون کھڑا تمام گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے قریب آکر بولا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔ فکر نہ کرو۔"

"آپ یہاں کب سے کھڑے ہیں۔ اور ہماری

باتیں سننے کی آپ کو کس نے اجازت دی ہے۔" وہ
جھٹکے سے پرے ہوگئی۔

"خرم پر غصہ ہے۔ شامت میری کیوں؟" وہ
استہزائیہ انداز میں بولا۔

"آپ کی ہمدردیوں کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔
اور ویسے میں جارہی ہوں پاکستان۔"

"تم واپس نہیں جاؤ گی حدیقہ۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"
ہارون نے سختی سے کہا۔

"آپ کون ہوتے ہیں فیصلہ سنانے والے۔" وہ
روکھائی سے بولی۔

"میرے فرائض میں اپنی ماں کی خدمت کرنا شامل
کیا گیا ہے نہ کہ ساس کی۔ میں نے اپنی بیمار ماں کو چھوڑ
کر اس ماں کی خدمت کی۔ جس نے مجھے اپنی بیٹی کے
بجائے آیا سمجھ کر جی بھر کر کوسا۔ جب سے یہاں آئی
ہوں بیٹے کے کان بھر بھر کر مجھے تگنی کا ناچ نچوادیا۔
آپ کی ماں کیوں خاموش ہے؟ آپ کیسے عجیب بیٹے
ہیں۔ کہ شیریں کو بھی جتایا نہ ہی ماں کو ایشو بنا کر اسے
تنگ کیا۔ اب مجھے کوئی نہیں روک سکتا میں ماما کے
پاس جارہی ہوں۔ کانوں کے کچے مرد کی میرے دل میں
عزت نہیں رہی ہے میں ایسے شوہر کی خدمت کرسکتی
ہوں نہ ہی اس کا سامنا کرسکتی ہوں۔" وہ غصے اور نفرت
سے بولے جارہی تھی۔

"خاموش کیوں ہوگئی ہو؟ خوب بولو اور دل کی
بھڑاس نکال لو۔ تمہاری صحت کے لیے بہتر ہے۔" وہ
اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

"ہارون بھائی آپ کو نجانے وقت بے وقت
شرارتوں کی ہی کیوں پڑی رہتی ہے۔ میں بہت
مضطرب ہوں۔ دل چاہتا ہے ابھی اور اسی وقت کچھ کھا
کر مرجاؤں۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"اس بے انصاف اور بے رحم شوہر کی خاطر اپنی
جان قربان کرنے کا تمہیں تمغہ ملنے والا نہیں۔ آج
مرے کل دوسرا دن۔ کوئی لمحہ بھر کو بھی یاد نہیں کرے
گا۔ اور ویسے بھی یہ بزدلی کی باتیں تمہاری زبان سے
اچھی نہیں لگتیں۔" وہ ابھی بھی شوخی سے بول رہا
تھا۔

"آپ مجھے پریشان دیکھ کر خوش کیوں ہورہے ہو؟
ذرا اس سوال کا جواب تو دیں۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"ایک بہت بڑی نوید لایا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"ویزہ لگ گیا ہوگا۔ جس کی مجھے اب کوئی ضرورت
نہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "میں نے اپنی سیٹ
کنفرم کرالی ہے۔ پرسوں میری روانگی ہے۔ آپ
مزے اڑائیں یہاں۔ میں تو چلی۔"

"مجھے اکیلا چھوڑ کر۔ کیسی ظالم بہن واقع ہوئی ہو۔
بے مروت کہیں کی۔ تم کان کھول کر سن لو۔ میں
تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔" وہ پھر سختی سے بولا۔ "تم
چلی گئیں تو میں بھی رخصت ہو جاؤں گا۔"

"ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ آپ یہاں
خاطرداریاں کریں۔ اپنی بیوی کی اور بچوں کی۔ اور
خدمت گزاری اور تحمل سے کام لیں سالا صاحب کے
ساتھ۔

گھر داماد بن کر رہنے کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔ خوب
انجوائے کریں۔" وہ طنز سے بولی۔ وہ خاموش رہا۔

"آپ پاکستان نہیں جائیں گے۔ میں جانتی ہوں
ہارون بھائی۔ آپ قطعاً میرا ساتھ نہیں دیں گے۔
میری خاطر آپ گھر کیونکر برباد کریں گے۔ اگر آپ
بھائی ہوتے تو آج معاملہ ہی فرق ہوتا۔ میں بھی رانیوں
والی زندگی گزار رہی ہوتی آپ کی بیگم بچے یہاں ہیں
ہارون بھائی۔ میرا یہاں کوئی نہیں۔" آنکھیں ایک دم
سے چھلک پڑیں۔

"کیا میں بھی نہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر بولا۔

"مجھے بھروسہ نہیں۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے
بولی۔

"مجھ پر کہ اپنے اور میرے درمیان حائل ہونے
والے رشتے پر۔" وہ نہایت اپنائیت سے بولا۔

"دونوں پر کیوں کہ بنیاد پانی پر رکھی گئی ہے۔" وہ
افسردگی سے بولی۔

"بنیاد کی تصحیح کرلیتے ہیں۔" وہ بے تکلفی سے

بولا۔

"وہ کیسے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"دوستی کا رشتہ بہت مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے
حدیقہ۔ نکل آؤ ان فضولیات سے کہ میں تمہاری نند
کا شوہر ہوں یا پھر تمہارا بھائی ہوں۔ دونوں رشتے غیر
معقول اور تکلیف دہ ہیں ہم ایک دوسرے کے دوست
اور ہر اونچ نیچ میں شانہ بشانہ چلنے والے ساتھی ہیں۔
مجھ پر اعتماد کرکے دیکھو۔ تمہارا دامن خوشیوں سے بھر
دوں گا۔" اس دورانیے میں وہ پہلی دفعہ بہت جذباتی
ہوگیا تھا۔ حدیقہ ایک دم سے کھسک کر دور ہوگئی۔
خوف انگ انگ میں سرایت کرگیا جسے ہارون نے
محسوس تو کیا مگر اظہار نہ کیا۔

کافی دیر خاموشی طاری رہی۔ ہارون نظریں جھکائے
سوچ رہا تھا۔ حدیقہ کی آواز میں یاسیت رچ بس گئی
تھی۔ وہ مردنی آواز میں بولی۔

"ہارون بھائی! مجھے آج سچ بتایئے کہ کیا کمی ہے مجھ
میں؟ کہ ناقابل قبول ہوں۔ کسی کا حق نہیں مارا۔
باسوائے اپنے حقوق مانگنے کے مگر مل کیا رہا ہے خرم
کے تازیانے، ہروقت کی دھتکار اور پھٹکار کچھ سمجھ
نہیں آرہی ہارون بھائی۔ خرم کے ساتھ کون سا
فارمولا کام کرسکتا ہے۔ وہ تو آپ کے بچپن کا دوست
ہے آپ ہی بتادیجیے۔"

"ہمت کرو۔ حوصلہ ہار بیٹھیں تو خسارے میں
رہوگی۔ دراصل خرم کیا جانے ہیرے کی قیمت؟
جوہری سے پوچھو۔ تمہارے مقابل بیٹھا ہے تم خرم
پر اکتفا کرگئیں اور میں بھی قناعت کرگیا۔ یہی تو
ہمارے بچھڑنے نے ہمیں درس دیا ہے۔ ہم ہروقت زندگی
کو قربانیوں کے سپرد کرکے خود کو عظیم کہلانے کے
چکروں میں کیوں پڑے رہتے ہیں۔"

"آپ کی ان باتوں کا مطلب میں نہیں سمجھی۔" وہ
الجھ کر بولی۔

"مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں بہترین دوست تو بن
سکتے ہیں کیوں کہ ہماری فطرت ایک جیسی ہے سوچنے کا
انداز بھی ایک جیسا ہے ہمیں ایک دوسرے کی
ضرورت بھی ہے۔" وہ یہ کہہ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

"شوہر کو تو پروا نہیں۔ اور جس کے ساتھ میرا
کوئی رشتہ نہیں وہ خوامخواہ ہلکان ہوئے جارہا ہے۔" وہ
روکھائی سے بولی۔

"اگر تم نے خرم کو سزا دینی ہی ہے تو یہاں رہ کر اس
کے سینے پر مونگ دلو۔ یہاں سے بھاگ جاؤ گی تو وہ اپنے
مقصد میں کامیاب ہوجائے گا۔ اپنی ماں کی جی بھر کر
خوشامدیں اور خدمتیں بھی کرائے گا اور ساتھ دس
نقص نکال کر گالیاں بھی دے گا۔ کیا ایسی ہی زندگی
چاہتی ہو کہ خود کو اس دلدل سے نکالنا چاہتی ہو۔" وہ
اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"اگر مجھے کہیں جاب مل جائے تو میں آج ہی یہ گھر
چھوڑ دوں اب مزید ذلیل ہونے کی ہمت نہیں رہی۔
کتنا اچھا ہو اپنی ماں کو اپنے پاس بلالوں۔ اب تو یہی
میرے خواب ہیں۔ یہی میری تمنا ہے۔ خرم کا ظرف
تو میں نے پرکھ ہی لیا ہے۔ بہت گھٹیا اور بے فیض
انسان ہے۔" وہ حقارت سے بولی۔

"یہ پڑھو ذرا۔" وہ کمپیوٹر کی اسکرین اس کے
سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ تمہاری تو قسمت کھل
گئی۔ اب میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔" اس نے پل بھر
میں جاب ویکینسی پڑھ کر ایک لمبی آہ بھری۔

"میں ایسی خوش نصیب کہاں کہ اپنے پاؤں پر کھڑی
ہوسکوں جبکہ اس کے لیے کب سے کوشش جاری
ہے۔"

"تمہاری خود اعتمادی کہاں چلی گئی ہے۔ ویری بیڈ۔
اٹھو یہاں سے ابھی اور اسی وقت ورک آؤٹ کرتے
ہیں بھلے کی امید رکھو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے
گی۔" وہ نہایت اپنائیت سے بولا تو تمام بکھرے ہوئے
کپڑے جو پیک ہونے تھے وہیں پر پھینکے اور اٹھ کر
لاؤنج میں آگئی۔

"ہارون بھائی! آپ کو مجھ سے حد درجے کی ہمدردی
کیوں ہے۔ بیتے ہوئے دنوں میں خرم کو بھی مجھ سے
بے پناہ پیار کے ساتھ بے حد ہمدردی بھی تھی۔" وہ

مضمحل سی ہوگئی۔

"اس نے تم پر ترس کھا کر شادی کی تھی۔ یہ رحم اور احسان کرنے والے جذبے وقت کے ساتھ مدھم ہوتے ہوتے بجھ جاتے ہیں اور پچھتاوے ہردم پیچھا کرتے چین نہیں لینے دیتے۔ حدیقہ تم نے اپنی حیثیت کو منوانا ہے۔ اپنی ذات کے ہونے کا اسے یقین دلانا ہے یہی میرا مقصد ہے۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"ماں کی نگہداشت کے لیے تمہاری صورت میں خادمہ مل گئی۔ وہ اپنے پچھتاوے کا قلق اور اذیت اس عمل سے کم کرنا چاہتا ہے کیوں کہ اس شادی میں ماں کی رضامندی کم مجبوری زیادہ تھی۔"

"مجھے اس حقیقت اور سچائی کا احساس ہے۔"

"تو کیا اس مسئلے کا حل خرم سے علیحدگی میں پوشیدہ ہے۔

ہمیں خرم کو راہ راست پر لانا ہے نہ کہ اسے اس پراگندہ ماحول میں آزاد اور بے مہار چھوڑ کر مسائل کو مزید بڑھانا ہے۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"شیریں کس قدر خوش قسمت ہے جسے آپ جیسے شوہر کی قربت نصیب ہے۔ میں آپ کو سیلوٹ کرتی ہوں۔" وہ حسرت و یاس سے بولی۔

"خرم کی ہر زیادتی صرف مجھ تک محدود ہے وہ نہیں بدلے گا۔ ہارون بھائی میں اس کے دل سے اتر چکی ہوں۔ وہ فطرتاً ہی کافی پیچیدہ انسان ہے۔"

"ہاں۔ مگر اچھا بھی بہت ہے۔ ضد میں ناقابل برداشت اور غیر معقول لیکن پیار میں لاجواب اور بے مثال۔" وہ تسلی دینے کے انداز میں بولا۔

"انتہا پسند ہے نا۔ بلیک اینڈ وائٹ کے درمیان گرے کے بھی تو ان گنت شیڈز ہوتے ہیں جن پر وہ بلیو ہی نہیں کرتا۔" وہ ناامیدی سے بولی۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اس وقت اپنی سی وی لو خوشی اور امید کے ساتھ۔" وہ پیار سے بولا۔

"تمہیں جلد جاب مل جائے گی میرا دل گواہی دیتا ہے۔"

"آپ کے منہ میں گھی شکر۔ مگر ڈر لگ رہا ہے خرم کے ری ایکشن سے۔" وہ لرز گئی۔

"بریو بنو یار۔ ورنہ عمر بھر جوتے ہی کھاؤ گی۔ یہی ہے تم عورتوں کا نقص کہ اپنی زندگی کو ہر طرح کے اندیشوں کے سپرد کر کے صبر حاصل کرنے کے چکر میں تمام حق تلفیوں اور زیادتیوں کو سینے سے لگا کر اپنی زندگی بتا دیتی ہیں۔ کاش تم نے اپنی ماں کی بیتی ہوئی زندگی کے تلخ تجربات سے ہی کچھ سیکھ لیا ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

"میں بھی اسی معاشرے میں پل کر جوان ہوا ہوں جس کا پروردہ خرم ہے۔ ہم دونوں کی سوچ میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ کریڈٹ شیریں کو جاتا ہے کہ یوں کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر میری محتاج ہوئی ہے نہ ہی مجھے کسی قسم کی زیادتی کرنے کی اجازت دی ہے۔ عورت اپنا آباد گھر بنا کر خوش رہنا چاہتی ہے تو مرد بھی اسی کا خواہش مند ہوتا ہے جو عورت اپنے حقوق پہچاننے کے باوجود آواز بلند نہیں کرتی۔ اسے یہ معاشرہ اور اس کا شوہر حقوق دے کر مستحکم کیونکر بنائے گا۔ بچہ بھی روتا ہے تو ماں اسے دودھ پلاتی ہے۔ یہ بات پلے باندھ لو اچھی طرح سے۔" وہ نصیحت کے انداز میں بولا۔ وہ احسان مندی اور تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"سب کے لیے ایک شاکنگ نیوز ہے میرے پاس۔" حدیقہ نے خرم کی پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے کہا۔ لہجہ بہت خوش گوار تھا۔

"اب سمجھ آئی کہ میری بھابھی جان نے اتنا خوش ذائقہ کھانا کیوں پکایا ہے۔ مزے دار سویٹ ڈش اور سیلڈز کا تو جواب ہی نہیں۔"

"واپسی کی اطلاع دینا چاہتی ہوگی۔" خرم نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"یہی تو خبر ہے کہ میں نے واپس جانے کا پروگرام کینسل کردیا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ کیوں؟" خرم نے چونک کر دیکھا۔

"یار تمہارے پاس رہنا چاہتی ہے۔ حیران کن خبر ہرگز نہیں۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

"اچھا تو تمہاری لگائی ہوئی آگ ہے۔ تب ہی خوش ہو رہے ہو۔ تم ہمارے معاملے سے دور نہیں رہ سکتے کیا؟" خرم نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "اسے واپس جانا ہوگا۔"

"مجھے بہت اچھی جاب مل گئی ہے ایک پرائیویٹ اسپتال میں۔ آئی ایم سوہیپی۔ یو کانٹ امیجن خرم۔ ہاؤ لکی آئی ایم۔" وہ چہک کر خوشی کا اظہار کررہی تھی۔

"مجھے منظور نہیں۔" وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر بولا۔ "تمہیں ہر حال میں واپس جانا ہوگا۔ وہاں ماں بے چاری دن گن رہی ہیں۔"

"خرم صحیح کہہ رہے ہیں۔ تم نے تو ہمارے ساتھ اونٹ والا سلوک کیا ہے۔ کل تو تم ہمیں گھر سے باہر کھڑا کردوگی۔" شیریں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اگر نوبت نکلنے تک پہنچ گئی تو میں اس گھر سے نکل جاؤں گی۔ آپ لوگوں کو ڈسٹرب ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ برجستہ بولی۔

"اپنی آواز نیچی رکھو۔" خرم غصے سے بولا۔

"میرے ساتھ جس انداز میں بات کی جائے گی۔ جواب اسی انداز میں ملے گا۔ اس لیے آج سے بی کیئر فل۔" وہ بھی قدرے غصے میں بولی۔ خرم اور شیریں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ حدیقہ کا یہ روپ آج پہلی بار سامنے آیا تھا۔

"ماں جی کا کیا ہوگا؟" خرم چیخا۔ "وہ اکیلی بھی ہیں اور بیمار بھی۔"

"اس سوال کا جواب ہارون بھائی کے پاس بھی ہونا چاہیے۔ ان کی ماں بھی وہاں اکیلی ہے۔ انہیں بھی تو ہروقت فکر رہتی ہے۔ کیوں شیریں؟" وہ طنز سے بولی۔

"حدیقہ تم ہوش میں ہو۔ میرے خلاف اکسانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہارون تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ تم جتنی بھی کوشش کرنا چاہتی ہو کر دیکھو۔ منہ کی کھاؤ گی۔" شیریں غصے میں لال ہوگئی۔

"تم یہاں جاب نہیں کروگی۔ کان کھول کر سن لو۔ اگر تم واپس نہ گئیں تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" خرم نے دھمکی دی۔

"میں پاکستان میں نہیں ہوں جہاں پل بھر میں تین الفاظ کی ادائیگی سے بیوی کو برطرف کردیا جاتا ہے۔ یہاں میں آپ کی جمع شدہ پونجی کی حق دار ہوں۔ یہاں کی پالیسی کی جانچ پڑتال کے بعد یہ قدم اٹھایئے گا۔" وہ دھمکی کے انداز میں بولی۔

"میں آپ کو چوبیس گھنٹوں کے اندر ڈی پورٹ کرواسکتی ہوں۔ اب ذرا مجھے چھو کر تو دیکھیں۔ آپ شوہر کے روپ میں جلاد ہیں۔ یہ ہے آپ کے اعلا خاندان کی مختصر سرگزشت اور ایک بیوی ہی ایک مرد کی اصلیت اور اس کی شخصیت کی گہرائی کو جان پاتی ہے۔ مجھ سے دنیا پوچھے کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" خرم اسے مارنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ حدیقہ نے اسے روک دیا۔

"آئی ایم سوری خرم۔ ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھایئے گا آئندہ۔" وہ کھڑا ہو کر خونخوار آنکھوں سے اسے گھورتا رہا۔

"حدیقہ تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" شیریں چیخ اٹھی۔

"تمہاری یہ جرات۔ اپنی حیثیت بھول گئی ہو۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، میں ہارون نہیں جو تمہاری اول فول کو برداشت کروں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"تم میرے گھر میں رہ رہی ہو نہ کہ میں تمہاری محتاج ہوں۔ ذرا سوچ کر فیصلہ کرنا کہ یہاں سے کس کو دفع ہوجانا چاہیے۔"

"خرم تم چپ کھڑے ہو۔" شیریں حیرت سے بھائی کو دیکھ کر بولی۔

"اس کی زبان گدی سے نکال لو۔ خود کیا کو سمجھتی ہے؟ نالی کا کیڑا۔"

"شیریں تم اندر جاؤ۔" ہارون نے نرمی سے کہا۔

"مجھے تو یہ ملی بھگت لگتی ہے۔ خرم ہم نوکریاں کرتے رہے اور یہ دونوں رنگ رلیاں مناتے رہے۔ مجھے دال میں کالا نظر آرہا ہے۔" شیریں نے کہا۔

"شیریں ہوش میں رہو۔" ہارون نے چونک کر کہا۔ "تم اس حد تک گر سکتی ہو۔ آئی کانٹ بلیو اٹ۔ تم تو پرلے درجے کی جاہل بیوی نکلیں۔ افسوس ہے۔"

"میں شیریں کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ حدیقہ تمہارے خون میں بے وفائی' دھوکے بازی کی آمیزش پر آج مجھے یقین آگیا ہے۔ تمہیں جاب مبارک ہو' میں کل ہی یہاں سے چلا جاؤں گا اور شیریں تم بھی میرے ساتھ واپس چلوگی۔" خرم نے آخری اور حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"ہم اس دو ٹکے کی چھوکری کی خاطر اپنا اور ان دو معصوم بچوں کا فیوچر تباہ نہیں کرسکتے۔" شیریں ایک دم سے گویا ہوئی۔

"بیٹھو اور پانی پیو۔ غصہ ٹھنڈا کرو اور اس مسئلے کا حل نکالو۔"

ہارون اور حدیقہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ شیریں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"اس لڑکی نے تو میرے شوہر کو بھی بگاڑ دیا ہے۔" وہ خرم کی طرف دیکھ کر فکرمندی سے بولی۔

"ہارون نے تو تمہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ جو تمہارے مزاج پر ناگوار گزری ہو۔ خوامخواہ اس بھلے مانس کی زندگی اجیرن مت کردینا۔ تم بھی تو حد کرتی ہو اسے کنٹرول کرنے میں۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو کب کی ختم ہوگئی ہوتی یہ شادی۔ بے وقوف! مرد کو تھوڑی ڈھیل دینی بے حد ضروری ہے اپنے سہاگ کی سلامتی کے لیے۔ وہ تمہاری کسی بات کو ٹالتا ہے نہ ہی اپنی منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے صبر کو اتنا نہ آزماؤ کہ وہ باگیں توڑ کر بھاگ ہی جائے۔ تم نے جو اوٹ پٹانگ بولا ہے جاکر اسے سوری کہو۔ مجھے اس کے تیور کچھ بھلے نہیں لگے۔" خرم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سوری میں بولوں گی۔ کیوں بھئی؟ مجھ سے ایسی کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ حقیقت دکھلائی ہے۔ لگتا ہے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے حدیقہ کے رویے نے خائف کردیا ہے۔ ہم دونوں گھر سے باہر ہوتے ہیں ان کی حرکات کا قطعاً" علم ہی نہیں۔ ایک سچائی تو سامنے آہی گئی ہے۔ کل یہ لڑکی آئی ہے آج جاب مل گئی' اسپتال میں۔ یہ سب کیا دھرا اس ہارون کے بچے کا ہے اس نے تو اس کے منہ میں زبان ڈال دی ہے۔ کیسے بدتمیزی اور بے لحاظی سے اس نے گفتگو کی ہے ہم دونوں سے' ورنہ یہ تو آنکھ اٹھا کر بات کرنے کی مجال ہی نہ رکھتی تھی۔" شیریں کا لہجہ خوف اور خدشات سے بھرا ہوا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ کافی گمبھیر ہوچکا ہے' لیکن فی الحال میں حدیقہ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے مصلحتاً" خاموش ہی رہنا چاہیے۔ پاکستان میں ہوتا تو اب تک اسے نانی یاد دلادیتا' مگر یہاں مجبور ہوں۔" وہ ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے بولا۔

"میرے ساتھ حدیقہ ایسا کرے گی۔ میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ اب وہ میری محتاج نہیں رہی۔ ورکنگ ویزہ اسے کورج دے گا۔ تم تو جانتی ہو یہاں نرس کا اسٹیٹس ڈاکٹرز سے کم ہرگز نہیں۔ اس لیے تو اسے فوراً" جاب مل گئی۔"

"مجھے اسی بات کا خدشہ ہے کہ ہارون کی طرف سے ضرور کچھ نہ کچھ انہونی ہونے والی ہے۔ خرم میرا دل سخت بے چین ہوگیا ہے۔" اس پر کپکپی طاری ہوچکی تھی۔

"حوصلہ رکھو۔ کچھ نہیں ہونے والا۔ دو بچوں کا باپ ہے۔ بھاگ کر کہاں تک جائے گا۔ زنجیر کھینچ لیں گے۔ فکر نہ کرو۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"جب شوہر دوسری عورت میں انٹرسٹ لینے لگے تو پھر بچے اس کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتے۔ بیوی سے پیار اور عشق جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"ایک تو تم شکی مزاج ہونے کی وجہ سے ہمیشہ

الجھن میں ہی مبتلا رہیں۔ ریلیکس پلیز۔ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا۔" وہ مضطرب سا ہوگیا۔

"میں نے آج تک ہارون پر اندھا بھروسہ کیا ہے۔ آج میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجا کر مجھے چوکنا کررہی ہے۔ خرم کچھ حل سوچو ورنہ میرا سانس گھٹ جائے گا۔" وہ بے قراری سے رونے لگی۔

"یار! خوامخواہ ہی بات کا بتنگڑ بنالیا ہے تم نے۔ حدیقہ کی جگہ میں قسم اٹھاتا ہوں۔ اس میں ہزاروں خامیاں سہی' مگر امانت میں خیانت کرنا اس کی فطرت میں ہی نہیں۔ تم تسلی رکھو۔" خرم نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"ہارون میرا بچپن کا دوست ہے کردار کا مضبوط' اخلاقیات میں لاجواب اور کیا چاہیے تمہیں۔ ویسے آپس کی بات ہے۔ ایسی سخت مزاج بیوی کے ساتھ وہ ہی نباہ کیے جارہا ہے۔ وہ حدیقہ اور تم میں کمپیرزن تو ضرور کرتا ہوگا یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے اس کی طرف داری کرتا آیا ہے۔"

"یعنی قصوروار میں ہوں۔ بیوی نے ذرا سی آنکھیں دکھائی ہیں تو تم ہتھے سے ہی اکھڑ گئے ہو۔ ہوش کرو مجھے تو لگتا ہے۔ اب تم اپنی ماں کے بجائے اس کی ماں کو اہمیت دوگے اور اسے اپنے پاس بلانے سے پہلے ہمیں بتا دینا تاکہ ہم یہاں سے کوچ کر جائیں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"کیسی بے تکی اور غیر مہذب باتیں کرتی ہو۔ ہم دونوں بہن بھائی کا جینا اور مرنا ساتھ ساتھ ہے۔ آئندہ ایسی بھیری پیش گوئیاں مت کرنا۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولا۔

"چھوٹی سی تو ہماری فیملی ہے۔ اس میں بھی اتحاد و اتفاق نہ ہو۔ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔" اور وہ اسے دیکھتے ہوئے ہر پہلو کا بغور جائزہ لینے لگا کہ اس کے خدشات میں کتنی پرسنٹ سچائی ہوسکتی ہے یا عورت ہونے کے ناتے لفظ "شک" میں مبتلا ہے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ خرم جس اسپتال میں جاب کرتا تھا۔ وہاں کچھ ڈاکٹرز کو چند وجوہات کی بنا پر جاب لیس ہونا پڑا۔ سرفہرست ڈاکٹرز گرین پاسپورٹ ہولڈرز تھے۔ یہ خرم کے لیے اتنا بڑا شاک تھا کہ وہ دو ہفتوں کے لیے اکیلے کیمپنگ کے لیے رخصت ہوگیا جبکہ ہارون نے اس کے ساتھ جانے کی لاکھ کوشش کی۔ حدیقہ کو یہ دیکھ کر پریشانی کے ساتھ قدرے تسکین بھی ہوئی کیوں کہ اب گھر کے اخراجات کی تمام تر ذمہ داری حدیقہ بخوشی و بخوبی اپنے کندھوں پر اٹھانے کی ہمت رکھتی تھی اور اسے اپنے ازدواجی حالات مزید بہتر ہونے کے سنہری مواقع نظر آرہے تھے۔ ہارون بھی حدیقہ کے ہر فکر سے عاری اور پرتسکین چہرے کو پڑھنے کی کوشش میں کامیاب ہوچکا تھا۔ جبکہ شیریں ایسی مضطرب ہوئی کہ ندامت اور فکرمندی کے احساس میں وہ حدیقہ کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔ کیوں کہ زمانے کا رنگ بدل چکا تھا ہوائیں اپنے رخ کا صحیح تعین کرچکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"حدیقہ! تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں۔" خرم نے نہایت اپنائیت سے کہا۔

"بولیے۔" وہ لپ اسٹک لگاتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

"بات یہ ہے کہ تین مہینے ہونے کو آئے ہیں بے کار گھر میں بیٹھے ہوئے اب تو ناامید ہونے کے ساتھ کم مائیگی کا احساس مارنے لگا ہے۔ سوچ رہا ہوں واپس کیوں نہ چلے جائیں۔" وہ نہایت نرمی سے بولا۔ وہ اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"بس اتنی سی بات تھی تمام پھوں پھاں چند مہینوں کی بے روزگاری نے ملیامیٹ کردی۔"

"اچھا تو تم مجھے طعنے دے رہی ہو۔ مجھے کیا جتانا چاہتی ہو؟" وہ تلخی سے بولا۔

"بہت خوب۔ کہ آپ میری بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں' فکرمندی کی ضرورت نہیں' میں آپ کی ہر طرح کی ذمہ داری بخوشی اٹھانے کی ہمت رکھتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی تو بیتے ہوئے سالوں کا حساب چکانے

"کا موقع بخشا ہے۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"شوہر ہونے کے ناتے تمہاری ہر خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا میں ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ رول ری ورس نہیں ہو سکتا جان۔" وہ نرمی سے بولا۔

"میری غیرت و خودداری بہت ہرٹ ہو گئی۔ اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ واپس اپنے ملک چلتے ہیں ورنہ تمام جمع پونجی یہاں ہی صرف ہو جائے گی۔"

"اس رقم سے اسپتال تو بننے سے رہا۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اسپتال کے لیے ہم دونوں بہن بھائی کی رقم ہرگز کافی نہیں۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"شیریں پر گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ بچوں کے اخراجات کا کافی بار ہے۔ آپ نے تو بہت کچھ سیو کر لیا ہو گا۔" اس کا انداز کریدنے والا تھا۔

"یار! کیا میں بہن سے دال روٹی کا معاوضہ وصول کروں گا۔ فار گاڈ سیک۔ اس کی پوری تنخواہ بینک میں محفوظ ہے۔ ہر طرح کے اخراجات اٹھانا میری ذمہ داری ہے۔"

"ناراض ہونے کی بات نہیں۔ آپ نے مجھ سے کبھی کوئی بات شیئر ہی نہیں کی کہ اصل حقیقت کو جان پاتی کہ گھر کون چلا رہا ہے۔ بچوں پر خرچ کون کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ پھر گویا ہوا۔

"سوچ رہی ہوں۔ میری بلی مجھے ہی میاؤں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ مطلب سمجھ کر انجان بن گیا۔

"اتنے بھی معصوم مت بنیے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"اپنی بہن سے مشورہ کیجیے۔ جس پر آپ کی مہربانیاں وافر مقدار میں ہیں۔ زندگی بھر کی ساتھی ہے وہ آپ کی۔"

"ہاں اس میں شک نہیں، لیکن تم بھی تو جیون ساتھی ہو نا میری۔" وہ قدرے پیار سے بولا۔

"میں ہوں ساتھی نمبر دو۔ جس کا نہ تو کوئی مقام ہے نہ ہی حیثیت ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔ وہ اس کی بات پر خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"فضولیات کے چکروں میں مت پڑو حدیقہ اپنے ملک چلتے ہیں دیکھو تمہاری مائیں نگاہیں دروازے پر لگائے بیٹھی ہیں۔ ہم دونوں مرد کس قدر بے کار ہیں۔ وہاں کم از کم روزگار تو مہیا ہو گا۔" وہ سوچتے ہوئے کچھ نرم پڑ گیا۔

"وہاں نرس کے پیشے کو نہ تو باعزت نگاہ سے دیکھا جاتا ہے نہ ہی ضروریات زندگی احسن طریقے سے پوری ہو سکتی ہیں۔ میں یہاں بہت خوش ہوں کیوں کہ مجھے یہاں دونوں نعمتیں میسر ہیں۔ میری ماں بھی خوب عیش و عشرت میں ہے۔ میری انکم سے چھوٹا سا گھر خرید کر رینوویشن اسٹارٹ کر دی ہے انہوں نے بہت خوش ہیں ان کی دعاؤں کے اثرات ہیں مجھ پر کہ میں ذرے سے پہاڑ بن گئی بھلا مجھے کسی باولے کتے نے کاٹا ہے کہ واپس چلی جاؤں وہ بھی آپ کے ساتھ جنہوں نے وہاں لے جا کر مجھے پیاسا مارنے کے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ میں آپ کے دل و دماغ میں اٹھنے والی سوچوں کے بارے میں بہت علم رکھتی ہوں۔" وہ دکھ و مسرت کے ملے جلے لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

"ماں کی دعاؤں نے تمہاری زندگی سنوار دی جبکہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ کیوں کہ میں نافرمان اولاد جو ٹھہرا۔ ایک جاہل، خود غرض اور ضدی بیوی کا شوہر جو ہوں۔ چند سالوں کی بات تھی۔ کاش تم میرا ساتھ ہی دے پاتیں۔" وہ الجھ گیا تھا۔

"آپ نے میرے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا ہوتا تو چند سال کیا اپنی تمام تر زیست آپ پر قربان کر دیتی، مگر آپ کے رویے اور سلوک نے مجھے وہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا جس سے میری عزت اور نسوانی وقار بحال ہو سکتا تھا۔ میں آپ کی شریک حیات ہوں۔ سچی اور کھری بات کہوں۔ جاب کے بعد آپ کے ساتھ میرا یہ رد عمل فقط اک نصیحت آموز سبق کے علاوہ کچھ نہ تھا، میں آپ کو ظلم و تشدد کا احساس دلا

کر اپنی رفاقت میں لانا چاہتی تھی گو کہ جس میں کامیابی نصیب ہی ہوئی ہے، میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامید ہرگز نہیں جس دن آپ کو بیوی کے انسان ہونے کا مکمل طور پر احساس ہو گیا۔ اس دن ہم دونوں کی زندگی ہی بدل جائے گی۔ ہمارے گرد و پیش سوائے خوشیوں اور کامرانیوں کے اور کچھ نہ ہو گا۔" وہ نہایت نرمی سے بولی۔

"تمہاری سب سے پہلی شرط ہی ماں بہن سے کنارہ کشی اور لاتعلقی کی ہو گی۔ دوسری شرط اس دنیا میں بچے لانے کی ہو گی۔ تیسری شرط زندگی بھر یہیں رہنے کی ہو گی۔ تینوں شرائط نامنظور ہیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"مجھے بیوی کا جاب کرنا قطعاً پسند نہیں ہے۔ عورت کی اجارہ داری یہاں سے ہی تو شروع ہوتی ہے جو سراسر ذلالت اور فساد کی جڑ ہے۔"

"شیریں کے لیے آپ کے تمام قانون فرق کیوں ہیں؟ کس قدر بے انصاف اور غیر مناسب مرد ہیں۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"شیریں کے لیے تمام قانون بنانے والا اس کا شوہر ہے، میں نہیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"آج کے بعد آپ سے اس موضوع پر بات نہیں ہو گی، میں ہار گئی خرم۔ آپ جیت گئے ہر طریقے اور ہر طرز سے۔" وہ سختی سے بولی اور اٹھ کر لاؤنج میں چلی گئی۔

شیریں کے کمرے سے ہارون کے اونچا بولنے کی آواز پر وہ چونک گئی۔ وہ تو شریف النفس شوہر تھا جسے شیریں نے بہت جلد ہی اپنے قبضے میں کر کے اس پر حکمرانی شروع کر دی تھی، مگر آج ایسی کون سی انہونی بات ہو گئی تھی کہ وہ چیخ رہا تھا اور شیریں کے رونے کی آواز سے وہ دہل گئی تھی۔ حدیقہ کا نام بھی اس شور شرابے میں گونج رہا تھا۔

"حدیقہ کی ٹریننگ اور اس کی اداؤں کے اثرات نے میری زندگی کو دکھوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے، میں بھی اسے چین سے جینے نہ دوں گی۔ اسے طلاق نہ دلوائی تو میرا نام شیریں نہیں۔" وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔

"مجھے اک نا سمجھ اور معصوم بچہ سمجھ کر ایسی بے ہودہ الزام تراشیاں مت کرو۔ وہ دن گئے جب تم مجھے تگنی کا ناچ نچایا کرتی تھیں اور میں کس قدر بے وقوف شوہر تھا کہ خرم کے رویے سے بھی سبق نہ سیکھ سکا۔" وہ زور سے بولا۔

"آج کے بعد سوچ سمجھ کر بات کرنا ورنہ زبان گدی سے نکال دوں گا۔"

"یہ تمہاری زبان ہرگز نہیں۔ میں نے تمہارے اور بچوں کے روشن مستقبل کی خاطر دن رات ایک کر دیا اور تم حدیقہ کی قربت میں اس کے اتنے قریب ہو گئے کہ تمام حدیں اور فاصلے ہی مٹ گئے اور مجھ سے دن بہ دن دوری بڑھتی گئی۔ میری قربانیوں کی یہ قدر کی ہے تم نے۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

"مت لگاؤ اس پاکباز اور مقدس عورت پر الزام بے غیرت عورت اپنی بھابھی کے بارے میں ایسے انکشافات اور الزامات۔ تم اس حد تک گر سکتی ہو۔ میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔" وہ پھر چیخا۔

"تم میری زبان نہیں روک سکتے۔ میں اس دو ٹکے کی نرس کو پورے خاندان میں بدنام کر دوں گی۔ یہ یہاں بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اور تم سے تو میں خود ہی نپٹ لوں گی۔" وہ گستاخی سے بولی تو ہارون مارے غصے کے ہاتھ آپس میں رگڑنے لگا۔

"تمہارے پاس میرے سوالات کے جوابات کہاں؟ تمہیں کتنے عرصے سے گھر بٹھا کر کھلا رہی ہوں اور تمہاری اولاد پال رہی ہوں اور باتیں کرتے ہیں نکلے کی۔ عشق کا بھوت جو سوار ہو گیا ہے سر پر۔" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"ورنہ۔۔۔ ورنہ کیا کر لو گے؟ مجھے قتل کر دو گے تو پھانسی سے تم بھی نہیں بچو گے۔" وہ برجستہ بولی۔

"اس وقت خرم گھر پر موجود ہے۔ ورنہ وہ مزا چکھاتا کہ عمر بھر میرے سامنے نہ آنکھ اٹھا کر دیکھتی نہ

ہی یوں زبان چلانے کی ہمت کریں۔" اس نے غصے سے کہا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کردیا۔

کچھ دیر کھڑا وہ اسے گھورتا تیزی سے باہر نکل آیا۔ حدیقہ کو لاؤنج میں سر پکڑے دیکھ کر اس کے قریب آکر بولا۔

"آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے تم پر کیچڑ اچھالا گیا' میں جلد ہی فیصلہ کرنے والا ہوں۔ ایسی بدتمیز' زبان دراز اور گستاخ عورت کے ساتھ زندگی گزارنا سراسر بے غیرتی ہے۔ چار پیسے کیا کما کر لاتی ہے سر پر سوار ہو کر ناچتی ہے کم بخت کہیں کی۔"

"آپ غصے میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

☆ ☆ ☆

صبح اٹھی تو گھر میں پھیلی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ شیریں ناشتا کیے بغیر ہی گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ خرم ابھی تک بے دار نہیں ہوا تھا۔ ہارون لاؤنج کے صوفے پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ بچے خاموش اور سہمے ہوئے تھے۔ گھر میں سوگواری اور اداسی رواں دواں تھی حدیقہ نے بچوں کو پیار کیا اور اپنے ہاتھوں سے ناشتا کروایا۔

"آج میں اپنے بچوں کو چھوڑنے جاؤں گی۔ راستے سے بچوں کو کیا چاہیے؟ مامی دلا دے گی۔" وہ دونوں کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں چاہیے۔ مامی ماما اور پاپا کی صلح کروادیں۔" دونوں بیک آواز بولے۔

شام کو تھکی ماندی گھر پہنچی تو گھر کی بدلتی ہوئی فضا دیکھ کر حیرت سے گردوپیش کا جائزہ لینے لگی۔ لاؤنج میں اٹیچی اور ہینڈ کیری بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف خرم کے کپڑوں کا ڈھیر تو دوسری طرف شیریں کی الماری کا سامان یہ سب کیا تھا؟ وہ سمجھ تو گئی۔ تیزی سے دونوں کمروں میں جھانکا۔

باتھ روم سے شاور کی آواز پر وہ خرم کی موجودگی پر قدرے مطمئن سی ہوگئی۔ شیریں ہارون اور بچے گھر پر موجود نہ تھے۔ یہ سوچ کر اک خوشی کی لہر پورے بدن میں دوڑ گئی کہ میاں بیوی میں صلح ہوگئی ہے وہ گاؤن اتار کر جوتے اتار رہی تھی کہ خرم پھنکارتا ہوا باتھ روم سے نکلا۔

"تم جیسی واہیات عورت میں نے زندگی میں نہیں دیکھی۔ جیسی ماں ویسی بیٹی۔" وہ چیختا ہوا بولا۔

"ماں تک پہنچنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے بات کریں اگر آپ کا تعلق کسی شریف خاندان سے ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"آخر کار تم ہارون کو اپنے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو ہی گئی ہو۔ میری بہن جس کو آج تک کسی نے پھول تک نہ مارا ہو۔ تم نے اس کو شوہر کے ہاتھوں پٹوا دیا۔" وہ اس کے بال پکڑتے ہوئے بولا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ بہن آپ کا گھر اجاڑ کر چھوڑے گی۔" وہ بال چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"کاش آپ کو اپنی بہن کے اصلی روپ پر یقین آگیا ہوتا۔ آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ آپ کی بہن اپنی' ملکیت اور حاکمیت کو کسی صورت خیرباد کہنے کو تیار ہی نہیں۔ آپ کے اور میرے درمیان فاصلے اسی وجہ سے بڑھتے جارہے ہیں۔"

خرم نے اس کے بال تو چھوڑ دیے مگر ایک زوردار طمانچہ اس کے گال کو سہلا گیا۔

"یہ وہ تھپڑ ہے جو ہارون نے تمہارے کہنے پر میری بہن کے چہرے پر رسید کیا تھا۔ دور ہوجاؤ میری آنکھوں سے۔ مجھے تم سے بلاوجہ نفرت نہیں۔ اس کی ان گنت وجوہات ہیں۔ کاش میں اپنے والدین کی بات مان گیا ہوتا۔ میری ضد اور ہٹ دھرمی کا یہی انجام ہونا تھا۔ گناہ میرا ہے۔ خطاکار میں ہوں۔ میں اب تمہارے ساتھ دو گام بھی نہیں چلنا چاہتا۔" وہ حقارت سے بولا۔

"میں تمہیں چھوڑ کر پاکستان جارہا ہوں۔ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے۔ اور میری بات کان کھول کر سن لو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ اس کے بچوں کو باپ کے ہوتے ہوئے یتیمی کا لبادہ مت اوڑھاؤ' اور مت بیوی کا نشانہ بناؤ میری بہن کو۔"

"اب میری سننا چاہیں گے کیا؟ یکطرفہ سن کر فیصلہ کرنا تو ناانصافی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ واپس چلی چلوں تو ٹھیک ہے مان لیتی ہوں۔ مگر میں لگائی ہوئی تہمت پر خاموش نہیں رہوں گی۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آنا بے حد ضروری ہے میں اپنی تمام تر زندگی سب کے سامنے ایک مجرم بن کر نہیں گزارنا چاہتی۔" وہ ہمت بحال کرتے ہوئے بولی۔

"میری بہن نے جو کہہ دیا ہے۔ مجھے اس کی سچائی پر بھروسہ ہے۔ تم کیا بتاؤ گی اپنے بارے میں۔ میں تمہاری نس نس سے واقف ہوں۔" وہ چیخ رہا تھا۔ وہ پروا کیے بغیر اٹھی اور لاؤنج میں آکر بکھرے ہوئے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی کہ ہارون بچوں کے ساتھ وارد ہوا۔ چہرے پریشانی کے آثار تھے۔

"شیریں کہاں ہے۔" قریب جاکر بولی۔

"اپنی سہیلی کے گھر۔ یہاں آنا نہیں چاہتی۔ مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ اس کا دماغ اس حد تک خراب ہوچکا ہے کہ اب اس کی واپسی ناممکن ہے۔ سر پر چڑھ کر ناچنے والی بیوی کو زمین پر کھڑا کرنا بہت مشکل ہے قصور میرا ہے کہ اسے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اپنی حیثیت ہی بھول گیا۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"کیوں؟ ایسی بھی کیا بات ہوگئی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا پل بھر میں۔ ہارون بھائی وہ جذباتی خاتون نہیں ہیں۔ آپ نے ضرور کچھ غیر مناسب حرکت کی ہوگی۔ عورت اتنی جلدی اپنا گھر برباد کہاں کرتی ہے۔ اسے منا کرلے آئیے۔ بچے بھی پریشان ہو رہے ہیں۔ ورنہ میرا فیصلہ بھی سن لیں کہ میں زندگی بھر کے لیے آپ سے دور ہو جاؤں گی۔ اور ختم ہو جائے گا یہ بہن بھائی کا مقدس رشتہ اور دوستی کا حسین ناتا۔"

"دوستی کا حسین ناتا۔" خرم نے اندر آتے ہوئے الفاظ سن کر طنزیہ قہقہہ لگایا۔

"ہارون تم نے بھی خیانت کرڈالی۔ میرے بھروسے کے اونچے محلات کو زمین بوس کردیا۔ بچپن کے رشتے کا تقدس چکنا چور کردیا۔ اس عورت کی خاطر جس کے باپ کی کسی کو خبر ہی نہیں۔ اپنا گھر تباہ کرنے پر تل گئے ہو۔ بہت ہی بے وقوف نکلے ہو۔ میں تو اس کے جادو کے حصار میں آہی گیا تھا۔ تم بھی نہ بچ سکے۔" وہ نفرت سے بولا۔

"بکواس بند۔ ایک لفظ بھی اب منہ سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ایک پاکیزہ عورت پر اتنا بڑا الزام۔" ہارون چیخ اٹھا۔ حدیقہ بڑے ہی تحمل سے بولی۔

"خرم آپ کی عقل شریف میں میری بات ضرور بیٹھ گئی ہوگی۔ کہ میں کیوں الگ رہنے کا اصرار کیا کرتی تھی۔ نند اور بھابھی کے رشتے میں کدورتیں اور نفرتیں شامل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ شیریں نے ہر مشکل کا مورد الزام مجھے ہی ٹھہرایا اور آپ نے اسے سمجھانے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ہر بار مجھے اس کے سامنے ذلیل و خوار کرکے اسے ذہنی و دلی سکون سے نوازنا اپنے پیار کا اظہار سمجھا۔ اب جو بھی انجام ہوتا ہے ان دو شادیوں کا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری آپ کے سر پر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بدکردار عورت ایک نسل ایک خاندان اور ایک معاشرے کے لیے ناسور ہے۔ غیر متوازن مرد تو ہے ہی سراسر تباہی و بربادی۔ ایک جیتی جاگتی مثال آپ ہیں۔ دور کیا جانا۔"

"خرم! حدیقہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے۔ ایک تمہاری پرسنالٹی کی کمزوری نے کتنے مسائل کھڑے کردیے ہیں۔ ایسا بھی بہن بھائی کا پیار کیا ہوا کہ اپنے جیون ساتھی کو سیکنڈری درجہ دے ڈالا۔" ہارون سنبھل کر بولا۔

"ہارون بھائی غلط نہیں کہہ رہے۔" وہ بھی آہستگی سے بولی۔

"بکواس بند کرو حدیقہ۔ یہ میری بہن کو تمہاری وجہ سے طلاق دینا چاہ رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو تمہاری بھی خیر نہیں تمہیں طلاق تو کیا تڑپا تڑپا کر موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔" خرم نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"خرم طلاق کا مطالبہ شیریں نے خود کیا ہے اسے

حمیرا خان

خطا ہوئی

سمجھاؤ۔ حدیقہ کو دھمکیاں دینے کا وقت گزر چکا ہے۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔

"قصور تمہارا ہے۔ اس کے پاؤں پڑ کر معافی مانگ لو۔ اور اپنی غلطی پر پشیمان ہونا سیکھو۔ اور حدیقہ بیگم تم اپنا قرض چکانے کی ہمت رکھتی ہو کیا تم نے میری بہن کی جنت کو جہنم میں بدل دیا۔" خرم بولے جا رہا تھا۔

"خرم! میری بات کان کھول کر سن لو۔ نہ تو میں پاؤں پڑ کر معافی مانگنے کا خواستگار ہوں نہ ہی مجھے کسی قسم کی شرمندگی ہے۔ کیونکہ میں نے کوئی غلطی کی ہے نہ ہی کسی قسم کی بے ایمانی و بددیانتی کی ہے۔ باقی حدیقہ کو لاوارث مت سمجھو۔ کہ تم جو چاہو گے کر لو گے۔ اس خام خیالی سے باہر نکل آؤ۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔ جیسے تم شیریں کا سہارا ہو۔ میں بھی اس کا ماں جایا نہ سہی منہ بولا بھائی ہوں۔" ہارون نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"شیریں کا اس عورت سے مقابلہ کرنا سراسر ناانصافی ہے توہین ہے میری بہن کی۔ ہارون شیریں نے تم میں کچھ دیکھ کر اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ ہارون تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں اور شیریں بچپن سے ہی ایک جان یک قالب ہیں۔ میں اس کی اور بچوں کی ذمہ داری اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم اپنی خیر مناؤ۔ اور حدیقہ تم میری بات یاد رکھنا۔ سڑکوں پر رل جاؤ گی۔ ہارون اس وقت تمہارے عشق میں گرفتار ہے۔ یہ بھوت بڑی ہی جلدی سر سے اتر جایا کرتا ہے۔ پھر تم ایک ٹشو پیپر کی حیثیت میں ڈسٹ بن میں پھینک دی جاؤ گی۔ تمہیں پہلی رات کی بات یاد تو ہو گی کہ میں نے کیا کہا تھا کہ میری قربت اور پیار کو ابدی اور ہمیشگی کی زندگی دینا چاہتی ہو تو میری ماں کی خدمت گزاری اور تابعداری کرو۔ اور بہن کی ہماری زندگی میں دخل اندازی کو برداشت کر کے تم بھی میری طرح اس کی مطیع و غلام بن جاؤ۔ میرا خیال ہے تمہیں میری یہ نصیحت سراسر مذاق ہی معلوم ہوئی تھی۔ اب تم نے ماں جی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ ہمارا پورا خاندان تمہاری اس گستاخی اور دیدہ دلیری پر نالاں ہے۔ گو کہ ماں جی کی نگہداشت کے لیے ان کے آس پاس ان گنت لوگ موجود ہیں۔ مگر فرض تو تمہارا تھا۔ یہاں اگر تم نے شیریں کے ساتھ جو کیا ہے۔ ناقابل معافی ہے۔ اور میرے لیے ایسا ناقابل فراموش دھچکا ہے کہ کبھی دوسری شادی کے بارے میں سوچنا بھی میرے لیے گناہ کبیرہ ہو گا۔" وہ زہریلے لہجے میں بولے جا رہا تھا کہ ہارون نے ٹوک دیا۔

"خرم! تمہاری کسی خواہش میں لاجک نہیں۔ غیر فطری اور غیر مناسب خواہشات کے بر آنے کی توقعات نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ تم نے اپنی زندگی کی تمام خوشیوں کو داؤ پر تو لگایا ہی تھا۔ اس معصوم کو تو تم نے انڈر گراؤنڈ ہی کر ڈالا ہے۔ وہ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنے حوصلے اور ہمت کو بحال کر لیتی اگر تم نے اس کے سر پر الزامات کا بدبودار ٹوکرا نہ رکھ دیا ہوتا۔ خرم میری بات پر غور کرنا۔ حدیقہ کا بچپن بن باپ کے کس حال میں گزرا۔ تم جانتے ہو۔ شادی کے بعد اس کی زندگی میں شادمانیاں اور کامرانیاں اس کا حق بنتا تھا۔ یہ بے جا خواہش تھی نہ ہی ڈیمانڈ غیر فطری تھی۔ مگر تم نے اس کی جوانی عبرت بنا دی۔ اس لیے اس سے ہر وقت ہی ہمدردی رہی اور اس سے لگاؤ اور انس بڑھتا گیا۔ جس کو تم نے اور شیریں نے غلط رنگ دے کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ خرم لگائی گئی تہمت ہمیشہ عمر دراز پاتی ہے۔ لوگ دنیائے جاودانی میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر الزام تراشی کا زہر نسل در نسل پھیلتا چلا جاتا ہے۔ تمہاری اس قبیح حرکت کو ہم زندگی بھر فراموش نہیں کریں گے۔"

ہارون کی آواز بھرا گئی۔ حدیقہ کے چہرے پر خاموشی تھی۔ وہ اس قدر تنگ نظر اور غیر معقول انسان کے سامنے اپنی کیا صفائی پیش کرتی۔ سر جھکائے اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ بدقسمتی سے بات کا بتنگڑ بن چکا تھا۔

ہارون نے خرم کو ہر طریقے سے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر اس پر رتی بھر اثر نہ ہوا۔ وہ بہن کے ساتھ واپس جانے پر بضد رہا۔ اور تیاری کرنے لگا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

"آج بہت دیر ہوگئی واپسی میں، خیر تو تھی؟" اپنے میاں کے سامنے سے کھانے کے برتن اٹھاتے ہوئے میں نے پوچھا تو ان کے چہرے پر ناگواری کا تاثر دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ آج پھر ان کی ملاقات شاہد سے ہوگئی ہے۔

"جانتی تو ہو اس محلے میں کیسے کیسے نامعقول قسم کے لوگ بسے ہیں۔ میں تو سیدھا گھر آرہا تھا۔ راستے میں اس سود خور کو دیکھ کر راستہ بدلنا پڑا، تمہیں تو پتا ہے دوسرا راستہ کتنا طویل پڑ جاتا ہے، بس اسی لیے دیر ہوگئی۔" قاسم کے الفاظ نے میری سوچ کی تائید کردی۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی اتنی تکلیف اٹھانے کی، وہ کھڑا تھا تو کھڑا رہتا، آپ سیدھے سیدھے اپنے گھر آجاتے۔" میں نے ہمیشہ کی طرح انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور ان کی ناپسندیدگی کے باعث شاہد کا نام لینے سے بھی گریز کیا۔

"تم نہیں سمجھوگی راستے میں مل جائے تو ہاتھ ملائے بنا جان نہیں چھوڑتا وہ اور مجھے ایسے انسان سے ہاتھ نہیں ملانا جس کی رگوں میں حرام کھانے سے بنا خون دوڑ رہا ہو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی چارپائی کی طرف بڑھ گئے اور میں ہمیشہ کی طرح ان کی اس شدت پسندی پر سر تھام کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

جب قاسم سے میری شادی ہوئی اس کے ایک ڈیڑھ مہینے بعد ہی شاہد ہماری گلی کے نکڑ والے مکان میں آکر رہنے لگا تھا، بہت تھوڑے دنوں میں قاسم اور شاہد کی کافی اچھی سلام دعا بھی ہوگئی تھی۔ اسی دوران میرا بھی دو چار بار ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، اس کے گھر میں اس کی ماں اور چار چھوٹے بہن بھائی تھے جو مختلف کلاسز میں پڑھ رہے تھے، آتے جاتے کئی بار شاہد کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہ ایک خوش شکل اور مہذب دکھائی دینے والا انسان تھا، شاہد کی ماں سے ان کے گھر کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں،
جن میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اپنے والد کی وفات کے بعد شاہد نے بڑی خوش اسلوبی سے کاروبار سنبھال لیا تھا اور اب اپنے بہن، بھائیوں کو اعلا تعلیم دلوا کر اچھی جگہ ان کی شادیاں کروانے کا عزم لیے اپنی زندگی سے لاتعلق ہو بیٹھا تھا۔

"تم بھی میری بیٹیوں کی طرح ہو، اور بیٹیاں ماؤں کا دکھ زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہیں، میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے ایسا لائق بیٹا دیا جس نے ایک لمحے کو بھی مجھے بے امان ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا، لیکن میں یہ بھی نہیں برداشت کرسکتی کہ میرے اتنے پیارے بیٹے کی زندگی ایسی ویران گزر جائے، میں تو سمجھاتی ہی رہتی ہوں، پر وہ سنے تب نا، ہنس کے ٹال جاتا ہے، تمہارے میاں کی بہت مانتا ہے، تم ذرا قاسم پتر سے کہنا اسے سمجھائے کہ وہ شادی کے لیے مان جائے۔" شاہد کی ماں کی فکرمندی سمجھ میں آنے والی تھی لیکن ماں کی ہر بات کو حکم کا درجہ دینے والا شاہد نہ جانے کیوں اس معاملے کو ٹالتا آرہا تھا، اسی طرح قاسم کو بھی ٹال گیا۔

محلے کے ان گھروں نے خاص طور پر شاہد کے گھر والوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھالی تھی جن کی جوان بیٹیاں تھیں، لیکن آہستہ آہستہ ان کا جوش و خروش بھی ختم ہوتا گیا اور ایک ایک کرکے وہ ساری لڑکیاں پیا دیس سدھار گئیں، میں بھی اس دوران دو بچوں کی ماں بن چکی تھی، گھر کی ذمہ داریوں میں الجھ کر گھر سے نکلنا ہی نہ ہو پاتا، کبھی کبھی شاہد کی امی ملنے آجاتیں تو ہمیشہ شاہد کے لیے فکرمند نظر آتیں۔ اسی دوران شاہد کا چھوٹا بھائی ماجد بھی تعلیم مکمل کرکے اس کے ساتھ کاروبار میں آلگا اور فوراً ہی ماجد اور اس سے چھوٹی بہن کا رشتہ طے ہوگیا، دیکھتے ہی دیکھتے شاہد نے یہ دشواری بھی خوش اسلوبی سے نبھادی، اب دو چھوٹی بہنیں تھیں جو کالج میں پڑھ رہی تھیں، ایک دن اچانک ہی شاہد کی ماں اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اس دن بہت سالوں بعد میں نے شاہد کو دیکھا تھا، وہ پہلے کی نسبت بہت بدل گیا تھا، چہرے پر سنجیدگی و متانت کی گہری

چھاپ لیے وہ اپنی عمر سے کہیں بڑا دکھائی دے رہا تھا۔

شاہد کی ماں کے مرنے کے بعد میرا اس گھر سے رابطہ بالکل ختم ہی ہو کر رہ گیا، بس کبھی کبھار قاسم کی زبانی کچھ معلوم ہو جاتا تو ہو جاتا۔ آنے والے دو سالوں میں ہمارے گھر میں ایک ننھے مہمان کی آمد نے ذمہ داریاں کچھ اور بڑھادیں۔ ماجد کے گھر بھی علی خدا کی نعمت بن کر آپہنچا تھا اور شاہد اپنی آخری ذمہ داری یعنی اپنی چھوٹی بہنوں کی شادی سے بھی فارغ ہوگیا، تب سب کا یہی خیال تھا کہ شاید اب وہ اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے، لیکن اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آتی نظر نہ آئی۔ اور اس بات کو بھی کتنا وقت گزر گیا ہے سوچتے سوچتے وقت کا خیال آنے پر اچانک مجھے احساس ہوا کہ وقت بہت زیادہ ہوگیا تھا اور مجھے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے۔ اپنے ذہن کو مزید کچھ سوچنے سے منع کرتی میں جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے آج بچوں نے اسکول، کالج نہیں جانا۔" ناشتے پر بچوں کو نہ پاکر قاسم پوچھنے لگے۔

"سعدیہ اور کاشف کے پیپر شروع ہونے والے ہیں۔ اس لیے ان کی کالج سے چھٹیاں ہوگئی ہیں، ویسے جاگ گئے ہیں دونوں پیپروں کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، آپ فکر نہ کریں ناشتا کروادیا ہے میں نے دونوں کو۔" ان کی تسلی کے لیے تفصیلی جواب دیتے ہوئے میں نے اپنا چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا تو تھوڑا سکون محسوس ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی صبح میں گرما گرم چائے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔

"اور ہمارا چھوٹا شہزادہ کہاں غائب ہے؟"

"سنی ابھی سو رہا ہے۔ ذرا دیر سے جائے گا، کل اس کے اسکول میں فنکشن ہے تو آج کل بس اسی کی تیاریاں چل رہی ہیں اسکول میں۔"

"تو جی۔۔۔ پھر تم سنبھالو اپنی راجدھانی میں چلا دکان پہ لڑکے بھی بس پہنچتے ہی ہوں گے۔" قاسم خوشگوار موڈ میں اللہ حافظ کہتے رخصت ہوگئے تو میں نے بھی جلدی جلدی کچن سمیٹنا شروع کردیا۔

دو گلیاں چھوڑ کر ہی ہماری کریانے کی دکان تھی جو ماشاءاللہ بہت اچھی چلتی تھی، ساری ضرورتیں بخوبی پوری ہو رہی تھیں۔ ہم اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ میرے سسر نے یہ دکان شروع کی تھی، ان کو فالج کا اٹیک ہونے کے بعد مجبوراً قاسم کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر دکان سنبھالنا پڑی اور اس وقت سے اب تک وہ خوش اسلوبی اور ایمان داری سے اپنا کام کر رہے تھے اور اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ بچوں کو حلال رزق مہیا کرنا اور ان کی جائز خواہشات پوری کرنا ان کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم ترین مقصد تھا، میری ذہنی رو پھر سے بھٹک کر شاہد کی طرف چلی گئی، مگر میں سر جھٹک کر کام میں مصروف ہوگئی، کام ختم کرنے کے بعد میں نے ایک مطمئن نظر اپنے صاف ستھرے گھر پر ڈالی، سنی کو اسکول جانے کے لیے جگایا، اس کے لیے ناشتا بنانے کے ساتھ ساتھ سعدیہ اور کاشف کے لیے فریش جوس بھی نکال لیا۔

"او تھینکس مام یو آر گریٹ۔" بچوں کا پیار سمیٹتی انہیں دل لگا کر پڑھنے کی تلقین کرتی میں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آگئی۔

بستر پر آتے ہی ساری تھکن عود کر آئی، رات کو بھی دیر تک جاگنے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوسکی تھی۔ طبیعت عجیب بوجھل سی ہو رہی تھی۔

"مجھے کچھ دیر بھرپور قسم کی نیند لینے کی ضرورت ہے۔" خود کو کہتی میں آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں نیند مجھ سے روٹھی ہوئی لگ رہی تھی۔ ماضی کی وہ یادیں جنہیں میں کام کرتے سمے ڈانٹ کر بھگا چکی تھی۔ موقع ملتے ہی ذہن کے دریچوں سے جھانکنے لگیں، اس بار میں نے انہیں بھگانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کا ہاتھ تھامے کچھ برس پیچھے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟" شاہد کی ماں کو

فوت ہوئے تیسرا دن تھا۔ جب میں نے قاسم سے سوال کیا تھا۔

"ایسی کیا بات ہے، جس کے لیے تمہیں اجازت لینا پڑ رہی ہے۔"

"نہیں بس ویسے ہی۔۔۔ مجھے یہ پوچھنا تھا کہ آپ شاہد کے اتنے اچھے دوست ہیں، پھر بھی آپ نے کبھی اسے شادی کے لیے منانے کی سمجھانے کی کوشش نہیں کی، ایسا کیوں؟"

"تم سے کس نے کہا کہ میں نے کوشش نہیں کی، بہت کوشش کی، مگر وہ مانا ہی نہیں، تمہیں آج یہ خیال کیسے آگیا؟"

"بس آج خالہ کا خیال آگیا، کتنی فکر تھی انہیں شاہد کی، کتنی خواہش تھی اس کا گھر بستا دیکھنے کی، مگر آپ کا دوست تو بڑا ضدی نکلا۔" مجھے سچ مچ خالہ کی حسرت بھری باتیں اور آنکھیں بہت شدت سے یاد آرہی تھیں۔ اس لیے خوامخواہ شاہد کی خودسری پہ غصہ سا آگیا۔ میرے غصے کو دیکھتے ہوئے قاسم دھیرے سے ہنس دیے۔

"یہ دل کے معاملے ایسے ہی ہوتے ہیں جناب۔"

"دل کے معاملے، کیا مطلب؟" میرے اندر کی عورت تجسس کا شکار ہوگئی اور پھر قاسم نے جو کچھ بتایا وہ یقیناً "نیا نہیں تھا" نہ ہی انوکھا، مگر میرے دل میں افسوس اور دکھ کے ملے جلے جذبات ابھر آئے تھے۔

کہانی کئی دفعہ کی دہرائی ہوئی تھی، مگر کردار نئے تھے، دکھ پرانا، مگر چہرے نئے تھے، شاہد اپنی ایک کلاس فیلو کی محبت میں گرفتار تھا، ساتھ زندگی گزارنے کے حسین خواب سجائے وہ اچھے مستقبل کی آس لگائے ہوئے پڑھائی پوری کرنے میں لگے تھے۔ لیکن شاہد کے باپ کی اچانک موت نے ان کے سارے خواب بکھیر کر رکھ دیے۔ سارے گھر کی ذمہ داری شاہد کے کاندھوں پر آپڑی، وہ لڑکی گریجویشن کرچکی تو گھر والوں نے اس کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیا، شاہد اس وقت بری طرح حالات کے گھیرے میں تھا، اپنی ذمہ داریوں میں کوئی اضافہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور لڑکی کے گھر والوں کو شادی کی جلدی تھی۔

سو ہزاروں محبتوں کی طرح یہ محبت بھی اس طرح اپنے انجام کو پہنچی کہ شاہد کی محبت کسی اور کی دلہن بن کر ایک نئی دنیا میں داخل ہوگئی اور شاہد نے اپنے غم کو مسکراہٹ میں چھپا کر اپنے بہن، بھائیوں کے لیے دن رات ایک کردیا۔ قاسم نے شادی کے لیے بہت اصرار کیا تو اس نے اسے اپنے دل کا حال کہہ سنایا اور دوبارہ شادی پر اصرار نہ کرنے کی درخواست بھی کی۔ تب ہی قاسم نے بھی اس معاملے میں چپ سادھ لی تھی۔

"مما سو رہی ہیں کیا؟" کاشف کی آواز مجھے ماضی سے کھینچ لائی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے، کچھ کھانے کو دے دیں پلیز۔" مجھے جاگتا دیکھ کر وہ لاڈ سے بولا تو اس کے انداز پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"چلو میں کھانا لگاتی ہوں، سعدیہ کو بھی بلالو۔" اس کے بال بکھیرتی میں فریش ہونے باتھ روم کی طرف بڑھی۔

"وہ سست لڑکی تو ہمیشہ کی طرح پڑھتے پڑھتے بک پر سر رکھ کر سوگئی ہے۔ تب ہی تو آپ کو جگانا پڑا ورنہ اس سے ہی کھانا مانگ لیتا۔" سعدیہ کی عادت کا ذکر کرتا وہ اپنی کمزوری بھی بیان کرگیا تھا۔ سعدیہ ہوتی تو فوراً "کہتی کچن سے کھانا لے کر کھالینے میں کون سا تمہاری شان میں فرق آجاتا تھا اور کاشف کا جواب ہوتا ان کاموں کے لیے لڑکیاں جو ہوتی ہیں۔ سعدیہ کو چڑانے کے لیے وہ ہمیشہ ایسے ہی جملے دہراتا اور وہ غصے سے آگ بگولہ ہوجاتی اور ان کے درمیان جنگ چھڑ جاتی، جسے روکنے کے لیے مجھے دو چار گھوریاں اور دھمکیاں دینا پڑتیں اور پھر سب کچھ پہلے جیسا ہوجاتا تھا۔ کھانا لگاتے ہوئے میں بچوں کے بارے میں سوچ کر مسکراتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"آج کراچی سے مال آنا ہے، پتا نہیں کس وقت پہنچے اور پھر کچھ نمائندوں نے بھی آنے کا کہہ رکھا ہے،

اس لیے ہوسکتا ہے واپسی میں کچھ دیر ہوجائے اور آج دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے بھی گھر نہیں آسکوں گا۔" اگلے دن قاسم نے جاتے ہوئے مطلع کیا، پچھلے کچھ عرصے میں وہ کافی مصروف ہوگئے تھے۔ کریانہ اسٹور تو پہلے بھی ہمارا بہت اچھا جارہا تھا۔ اب کاروبار کو بڑھانے کی غرض سے انہوں نے ہول سیل سے متعلق کچھ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ایک دوا ایجنسی بھی لی تھی۔ مجھے کاروبار کی کچھ خاص سمجھ نہ تھی اور نہ ہی دلچسپی، اس لیے بس اتنا کچھ ہی معلوم ہونا میرے لیے کافی تھا۔

"ارے آج تو میں آپ کی پسند کے کڑھی چاول بنا رہی ہوں، کھانا کھانے تو آجائیے گا نا۔" میرے لجاجت سے کہنے پر وہ ہنس دیے۔

"اب تو گھر کا کھانا کھانا ضروری ہوگیا ہے، میرا آنا تو مشکل ہے، تم ایسا کرنا کھانا تیار کرکے مجھے فون کردینا، میں کھانا لینے کے لیے لڑکا بھیج دوں گا۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

"او کے۔۔۔ پھر اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کرکے اندر آئی تو کاشف اور سعدیہ کو حسب معمول پڑھائی میں مصروف دیکھ کر سنی کے کمرے میں چلی آئی۔

"ارے واہ آج تو میرا بیٹا خود ہی جاگ گیا۔" سنی نہ صرف جاگ چکا تھا، بلکہ اسکول جانے کے لیے ڈریس اپ بھی ہوگیا تھا۔

"ماما آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں، بھول گئی ہیں کیا آج میرے اسکول میں فنکشن ہے اور اس میں۔۔۔ میں نے بھی پرفارم کرنا ہے۔" مجھے عام سے حلیے میں دیکھ کر وہ بولتا چلا گیا۔ میں اس کی پریشانی سمجھتی تھی۔ وہ بہت ایکسائٹڈ تھا رات کو بھی میں نے اسے مشکل سے سلایا تھا۔ ورنہ شاید وہ صبح کے انتظار میں ہی جاگتا رہتا۔

"بیٹا جی ابھی سات بجے ہیں اور آپ کے اسکول کا فنکشن دس بجے سے پہلے شروع نہیں ہوتا۔"

"لیکن مما ہمیں تو جلدی جانا ہے نا۔"

"تمہاری ٹیچر سے بات ہوئی تھی میری، انہوں نے کہا تھا نو بجے تک پہنچ جائیں، تمہارا ایکٹ تو ویسے بھی شروع میں نہیں ہے، بیٹا ڈونٹ وری ہم ٹائم پر پہنچ جائیں گے، ابھی تم آکر ناشتا کرو شاباش بھوکے پیٹ کچھ بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا۔"

"او کے مما۔" میرے تسلی کرانے پر وہ ناشتا کرنے میرے ساتھ آگیا۔

سنی کے جلدی جلدی کے شور مچانے کی وجہ سے ہم کافی پہلے گھر سے نکل آئے تھے۔ سنی تو اسکول پہنچتے ہی اپنے دوستوں اور ٹیچرز کے پاس چلا گیا، جبکہ میں ٹیچرز سے سلام دعا کرکے اب اسکول کے ہال میں بیٹھی فنکشن شروع ہونے کا انتظار کررہی تھی، کچھ والدین اور بچے آچکے تھے، کچھ آرہے تھے۔ رنگ برنگے خوب صورت کپڑوں میں ملبوس بچے چہروں پر خوشی اور جوش لیے بہت خوب صورت اور زندگی سے بھرپور نظارہ پیش کررہے تھے میں اسی نظارے میں کھوئی ہوئی تھی۔ تب ہی سلام کی آواز پر چونک گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" شاہد کی بھابھی میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام، شکر الحمد للہ میں تو ٹھیک ہوں، آپ سنائیں کیسی گزر رہی ہے؟" اسی طرح کی معمول کی سلام دعا شروع ہوئی تو کچھ اور خواتین بھی ہمارے ساتھ بات چیت میں شریک ہوگئیں، سو وقت آسانی سے گزر گیا۔ فنکشن شروع ہوا بچوں نے بہت پیارے پیارے پروگرامز پیش کیے اور خوب داد پائی۔ سنی کو بیسٹ پرفارمنس پر انعام ملا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ یادگار وقت گزارنے کے بعد ہم گھر لوٹے تو دو بجنے والے تھے۔ سنی اپنا انعام دکھانے بہن، بھائیوں کی طرف چل دیا اور میں نے جلدی سے چاول چڑھا دیے۔

اس دن جیسے ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی۔ رات کو قاسم کافی دیر سے گھر آئے تھے۔ کراچی سے ٹرک آتے آتے راستے میں کسی وجہ سے لیٹ ہوگیا

تھا۔ ہمارے اسٹور کے ساتھ والی دکان لے کر اسے قاسم نے گودام بنالیا تھا۔ رات تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن اس رات کی صبح بہت سی پریشانیاں اپنے دامن میں سمیٹ لائی' رات میں کسی وقت ہمارے اسٹور اور گودام میں چوری ہوئی تھی۔ آنے والے سامان کے ساتھ ساتھ ہماری خوشیاں بھی سمیٹ لے گئے۔ ہمیں اس واردات کا علم اگلی صبح اس وقت ہوا جب قاسم نے جاکر اسٹور کھولا۔ پولیس آئی رپورٹ لکھی گئی۔ مگر ہمیں کسی پر شک ہی نہ تھا تو کس کا نام لکھواتے' پولیس روٹین کی کارروائی کرنے کے بعد چلی گئی۔ قاسم شام ڈھلے گھر پہنچے تو غم اور پریشانی سے بہت نڈھال ہو رہے تھے۔

"تم اور بچے کھانا کھالو مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"تھوڑا سا کھانا کھالیں' آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہوا ایسے تو آپ بیمار ہوجائیں گے۔"

"اپنے آپ کو سنبھالیں' قاسم جو ہونا تھا' وہ ہوگیا' اب ہمیں اس مشکل وقت کا بہادری سے مقابلہ کرنا ہے' کچھ نہ کچھ تو بینک میں ہوگا تاہم اس سے پھر زندگی شروع کریں گے۔" میں انہیں کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ مگر ان کی حالت دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"بینک میں جو کچھ تھا' وہ میں پچھلے ہفتے نکلوا چکا ہوں' اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دوستوں سے ادھار بھی لیا تھا۔ یہ مال منگوانے کے لیے جو رات پہنچا تھا۔"

میں جو خود کو سنبھالا دے رہی تھی۔ اس خبر نے میرے بھی حوصلے توڑ دیے' ہم ایک ہی رات میں بالکل قلاش ہوگئے تھے۔

"چلو اللہ بہتر کرے گا۔ کچھ نہ کچھ راستہ نکل آئے گا' تم چلو کھانا کھاتے ہیں' بچے بھی بھوکے بیٹھے ہیں۔" میرا اور بچوں کا خیال کرتے ہوئے وہ کھانے کے لیے اٹھ گئے۔

☆ ☆ ☆

کھانے کے دوران قاسم نے ہلکے پھلکے انداز میں بات چیت کرکے بچوں کی پریشانی کافی کم کردی تھی اور کھانے کے آخر تک وہ ہنسنے بولنے لگے تھے۔ لیکن ہم دونوں میاں' بیوی ایک لمحے کے لیے بھی پریشانی کو دماغ سے نہیں نکال پائے تھے۔ آنے والا کل سوالیہ نشان بنا ہمارے سامنے کھڑا تھا اور ہمارے پاس ان مسائل کا کوئی حل فی الحال تو نہیں تھا۔ رات کو ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے قریبی رشتے داروں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس سے اتنی بڑی رقم قرض کے طور پر مل سکتی' جس سے اسٹور دوبارہ شروع کیا جاسکتا اور دوستوں سے قاسم پہلے ہی قرض لے چکے تھے۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہونے لگا تھا۔ تب ہی ایک نام میرے ذہن میں روشنی کی طرح چمکا یقیناً" وہ ہمارے کام آسکتا تھا۔ میں نے اس پر جتنا بھی سوچا مجھے اتنا ہی اس سے مدد لینے کا فیصلہ ٹھیک اور وقت کی ضرورت لگنے لگا۔

"مگر کیا قاسم مان جائیں گے؟" ذہن نے سوال اٹھایا اور میرے پاس اس کا جواب موجود تھا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ قاسم سے بات کرنے کے لیے دلائل سوچتی میں جانے کن کن سوچوں میں الجھتی چلی گئی۔

"کچھ سنا تم نے؟ شاہد نے سود پر قرض دینے کا کام شروع کردیا ہے' کچھ پتا نہیں چلتا کب یہ دولت کی ہوس اچھے خاصے انسان کا دماغ خراب کردے۔" مجھے اطلاع دینے کے بعد وہ جیسے خود سے مخاطب ہوکر بڑبڑائے تھے۔

"اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے اس کے پاس۔" مجھے واقعی اس خبر پر حیرت اور افسوس ہوا' شاہد بہت مذہبی نہ سہی' لیکن نماز' روزے کا پابند انسان تھا اور پھر سود جیسی برائی میں اس کا پڑنا میری سمجھ سے باہر تھا' جبکہ نہ تو وہ لالچی تھا نہ ہی اسے پیسے کی کوئی کمی تھی۔

"آپ کو اس سے بات کرنی چاہیے تھی۔ شاید وہ یہ سب چھوڑنے پر راضی ہوجاتا۔"

"بہت سمجھایا تھا لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ماننا تو دور کی بات ہے۔ وہ اس موضوع پر بات کرنے سے بھی

کتراتا رہا ہے۔ بس ایک ہی رٹ ہے کہ اس بات کو جانے دیں کوئی اور بات کریں۔"

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"کہنا کیا تھا میں اس سے دوستی ختم کر آیا ہوں آج کے بعد اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ آپ نے اچھا کام کیا' اب آگے ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ آج بڑی آپا کا فون آیا تھا کہہ رہی تھیں۔ کچھ دن میں ہماری طرف چکر لگائیں گی۔" میں ان کی طبیعت سے بخوبی واقف تھی۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا تو اب وہ شاہد کے سلسلے میں ایک لفظ نہ سنتے اس لیے میں نے ان کا موڈ ٹھیک کرنے کو موضوع بدل دیا۔ اذان کی آواز سن کر قاسم حسب معمول نماز کے لیے مسجد چلے گئے۔ ساری رات ان ہی سوچوں کی نذر ہوگئی تھی۔ میری طرح قاسم نے بھی یہ رات جاگ کر گزاری تھی۔ ان کے جانے کے بعد میں بھی سجدے پر سر رکھے دیر تک اپنے مالک حقیقی سے دکھ سکھ کہتی رہی۔ بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز پر میں جائے نماز سمیٹتی خود کو قاسم سے بات کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"تم پریشان مت ہو' میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا۔" میری بات سننے کے بعد انہوں نے ایک فقرے میں بات ختم کردی اور آنکھیں موندلیں۔

"آپ میری بات پر غور تو کریں۔ ان حالات میں یہ فیصلہ بہتر ہے۔" میں جانتی تھی ان کے پاس کوئی حل نہیں ہے۔ اس لیے اپنی بات پر زور دیا۔

"تم نے ایسے سوچا بھی کیسے کہ میں اس بات پر غور بھی کروں گا۔ کیا شادی کے اتنے سالوں میں بھی تم مجھے اور میری سوچ کو سمجھنے میں ناکام ہو۔" ان کے لہجے میں افسوس کے ساتھ غصے کی جھلک بھی تھی۔ مگر میں نے ہمت نہ ہاری۔

"دیکھیں قاسم ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ نہ رشتے دار' نہ دوست' نہ ہی بینک ہمیں قرضہ دینے پر راضی ہوگا۔ ہمارا اکاؤنٹ خالی پڑا ہے اور لاکھوں کا قرضہ ہمارے سر پر ہے۔ ایسے میں اگر ہم سود پر قرض لے کر اپنا کام شروع کردیں تو اس میں کیا برائی ہے؟ اور اگر قرض لینا ہی ہے تو کسی اور کی بجائے شاہد سے لینے میں کیا برائی ہے۔ کم از کم دوسروں کی نسبت کچھ لحاظ سے تو کام لے گا۔"

"برائی یہ ہے زوجہ محترمہ کہ میں سود کے لین دین میں کسی بھی قسم کا حصے دار نہیں بن سکتا۔ یہ مسئلہ وقتی ہے آگے جاکر خدا کو منہ بھی دکھانا ہے۔" قاسم کی بات پر میں چپ رہ گئی۔ میرے پاس کہنے کو اور کچھ نہ تھا۔ ان کی بات بھی غلط نہیں تھی۔ شاید میں کچھ زیادہ ہی مایوس ہوچکی تھی۔

"میرے لیے ایک کپ چائے بنادو پلیز سر میں بہت درد ہورہا ہے۔" اس بار ان کے لہجے میں پھر ہمیشہ کی طرح نرمی تھی۔ میں خاموشی سے چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ لیکن پولیس ابھی تک چوروں کو ڈھونڈنے میں ناکام تھی اور ان کا رویہ دیکھتے ہوئے ہمیں آگے بھی کچھ خاص امید نہ تھی۔ اسٹور اور گودام کی چھت پھاڑ کر چوری کی گئی تھی۔ ابھی تک چھتیں بھی اسی حال میں تھیں۔ گھر میں جو تھوڑا بہت موجود تھا۔ اسی سے روزمرہ کی ضروریات پوری ہورہی تھیں۔ آنے والے دوست احباب جن سے قرض لیا ہوا تھا۔ چوری کے افسوس کے ساتھ ساتھ اپنی مجبوریاں بیان کرکے رقم کی واپسی کا مطالبہ بھی کرجاتے تھے۔ شاید قاسم کی مالی حالت دیکھتے ہوئے انہیں یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ ان کی رقم ڈوب جائے گی۔ ابھی تو قاسم نے ان سے کچھ مہلت لے لی تھی۔ لیکن آخر کب تک' وہ دوبارہ آتے اور بار بار آتے' ساتھ میں بجلی' گیس کے بل' بچوں کی تعلیم کے اخراجات الگ اور مہینہ ختم ہونے کے ساتھ کچن کا سامان بھی ختم ہونے کو تھا۔

دوسرا ہفتہ شروع ہی ہوا تھا۔ جب ایک دن شاہد خود چل کر ہمارے گھر آگیا' گھر آیا مہمان تھا سو قاسم

نے اسے عزت سے بٹھایا اور مجھے چائے بنانے کا کہا۔
"چائے پھر کبھی پینے آؤں گا۔ قاسم ابھی تو میں تم سے ایک بات کرنے آیا ہوں۔" مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتا وہ قاسم سے مخاطب ہوا تو ہم دونوں اس کی طرف منتظر نظروں سے دیکھنے لگے۔
"دیکھو قاسم، ہم اچھے دوست رہے ہیں اور اسی دوستی کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کہ اس مشکل وقت میں تمہارے لیے کچھ کروں، ویسے بھی تم جانتے ہو میں تمہیں بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔"
"بہت شکریہ..... تم نے اتنا سوچا، مگر مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے کچھ اور کہنے سے پہلے ہی قاسم بول پڑے۔
"دیکھو یار! ایک بار میری بات سن لو، پھر جو تمہارا فیصلہ ہو، میری خواہش تو یہ ہے کہ میں ایک بھائی ہونے کے ناتے تمہیں جو رقم دوں، وہ پھر کبھی واپس نہ لوں، مگر میں تمہاری طبیعت سے واقف ہوں۔ اسی لیے یہ بات نہیں کر رہا۔ میں بس کچھ رقم بطور قرض تمہیں دینا چاہتا ہوں، تاکہ تم اپنے حالات سدھار سکو، جب ہو سکے آسانی سے مجھے رقم واپس کر دینا۔ میں تم سے کوئی سود نہیں لوں گا۔ پلیز میری بات مان لو، اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔ بھابھی آپ ہی اسے سمجھائیں، اپنا نہیں تو بچوں کا ہی کچھ خیال کرے۔" شاہد کے کہنے پر میں نے التجائیہ نظروں سے قاسم کی طرف دیکھا، میری نظر میں تو خدا نے شاہد کو فرشتا بنا کر ہماری مدد کو بھیجا تھا۔ اب ایسے میں انکار کرنا کفران نعمت ہی ہوتا۔
"ٹھیک ہے، مگر سوچ لو میں بہت جلدی یہ قرض نہیں چکا سکوں گا۔"
"کوئی مسئلہ نہیں، جب آسانی سے دے سکو دے دینا۔" قاسم کی رضامندی پر شاہد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس طرح ایک بار پھر زندگی اپنی ڈگر پہ چل نکلی۔

☼ ☼ ☼

قاسم نے ہمت اور محنت سے کام لیا اور پھر سے اپنا اسٹور سیٹ کر لیا۔ اس سب میں شاہد نے ایک سچے دوست کی طرح ہر قدم پر ہماری مدد کی۔ جس پر ہم اس کے تہ دل سے شکر گزار تھے۔ لیکن اپنے سودی کاروبار کے سلسلے میں اب بھی شاہد کوئی بات نہ کرتا تھا۔ جس پر ہم دونوں میاں، بیوی کو کافی افسوس تھا کہ ایک اچھا انسان اور ہمارا محسن جانے کیوں غلط راہ پہ چل نکلا ہے۔

"یہ مسجد میں کیا اعلان ہو رہا ہے۔"
"تم نے ٹھیک سنا ہے۔ شاہد اب اس دنیا میں نہیں رہا، تم ایسا کرو ابھی اس کے گھر چلی جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔" مسجد میں ہونے والے اعلان پر میں نے فون پر قاسم سے تصدیق چاہی، تو وہ اداسی سے کہنے لگے۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ فون بند کیا اور چادر لپیٹتی شاہد کے گھر چلی آئی۔ وہاں کافی لوگ جمع تھے اور ہر آنکھ نم تھی۔ ہمارا گھر فاصلے پر نہ ہوتا تو وہاں کی آوازوں سے یقیناً مجھے بہت پہلے خبر ہو جاتی۔
"کچھ پتا ہی نہ چلا رات کو اچھے بھلے سوئے تھے۔ صبح جب دیر تک کمرے سے باہر نہ آئے تو میں نے راشد کو بھیجا کہ جا کر اپنے تایا کو ناشتے کے لیے بلا آئے۔ مگر وہ....." شاہد کی بھابھی کسی کو اس کی موت کے بارے میں بتا رہی تھی۔ آخر تک پہنچتے پہنچتے وہ سسکیاں لینے لگی۔ شاہد کی دونوں بہنیں بھی آ گئی تھیں۔ ایک بہن نے دوسرے شہر سے آنا تھا۔ وہ راستے میں تھی۔ اس کی بھابھی اور بہنوں سے افسوس کر کے میں بھی وہاں بیٹھی عورتوں کے درمیان آ بیٹھی۔ عورتیں مرحوم کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔ ان ہی عورتوں میں محلے کی دو عورتیں سب سے بڑھ کر مرحوم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بار بار آنسو پونچھ رہی تھیں۔ لاشعوری طور پر میں ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"تیری بیٹی کیسی ہے بشریٰ؟ اپنے گھر میں خوش تو ہے نا۔" حسب عادت خواتین اپنی باتوں میں مصروف ہو چکی تھیں۔
"اللہ کا کرم ہے اور شاہد بھائی کی مہربانی ساجدہ اپنے

گھر میں خوش باش زندگی گزار رہی ہے۔"
"ارے ہاں ساجدہ کی شادی کے لیے شاہد بھائی نے قرضہ دیا تھا نا۔" کسی اور نے پوچھا۔
"قرضہ کیسا بہن اس نے تو ہم پر بڑا احسان کیا تھا۔"
"کیسا احسان بشریٰ۔"
"بس بہن جانے والا چلا جاتا ہے۔ اس کی اچھی بری باتیں اور یادیں رہ جاتی ہیں۔ شادی کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ شاہد بھائی نے بازار کی نسبت بہت کم سود پر ہمیں قرضہ دے دیا۔ خیر، خیریت سے شادی ہو گئی جیسے ہی قرضے کی رقم ادا ہوئی اسی دن شاہد بھائی ہمارے گھر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ لفافہ میرے میاں کے ہاتھ میں تھما کے بولے۔
"یہ لو بھائی تمہاری امانت۔" ہم حیران کہ یہ کس امانت کا ذکر کر رہے ہیں تب ہی وہ بولے۔
"یہ وہ پیسے ہیں جو تم نے سود کی مد میں مجھے دیے تھے۔"
"بھائی اگر تم نے ہمیں واپس ہی کرنا تھے تو سود لیا کیوں تھا؟"
"سود کے نام پر پیسے لینے کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے میرے پیسے واپس مل جائیں۔ اب جبکہ میری رقم مجھے مل چکی ہے تو تمہاری امانت تمہارے حوالے ہے۔ لیکن یہ بات کسی اور کو مت بتانا، یہ بس میرے اور تمہارے درمیان رہنی چاہیے۔ ورنہ دوسرے قرض خواہ پیسوں کی واپسی میں مجھے تنگ کر سکتے ہیں۔"
"ارے میرے ساتھ بھی تو کچھ ایسا ہی ہوا جب مجھے اپنے بیٹے کو دکان شروع کروانے کے لیے پیسوں کی ضرورت پڑی تو....." ایک دوسری عورت بولنا شروع ہوئی تھی، لیکن میں اس کی بات نہیں سن رہی تھی، بلکہ میرا ذہن اور ہی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ آج مجھ پر کھلا تھا کہ وہ اپنے کاروبار کے بارے میں کیوں بات نہیں کرتا تھا۔ آج میں نے جانا تھا کہ مرنے والا کتنا عظیم انسان تھا اپنے محسن کو یاد کر کے میری آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

ہاں خطا ہوئی ہم سے
ہم نے تم کو سمجھ کے نہ سمجھا

"انسان کو جاننے کا دعوا کرنا بڑی ہی بے وقوفی کی بات ہے۔ نیت اور دل کا حال بس اللہ ہی جان سکتا ہے۔" میری ساری بات سننے کے بعد قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور نماز پڑھنے مسجد کی طرف چلے گئے تو میں نے بھی بے ساختہ اپنے رب کے حضور اپنے محسن کے لیے دعائے خیر کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

☼ ☼

فرحانہ ناز ملک

عقیدت اپنی اماں اور جمیلہ کے ساتھ اپنے آبائی شہر کو چھوڑ کر لاہور شفٹ ہو گئی ہے۔ اس بات سے عقیدت کے بہن بھائی تحریم اور شہریار سخت ناراض ہیں۔ عقیدت ایک کم ہمت، کم گو اور اپنی ذات میں بند رہنے والی لڑکی ہے اس کی اماں بے حد حسین ہیں۔ صنعان ماں باپ کی توجہ کو ترسا بکھرا ہوا نوجوان ہے۔ اس کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہے۔ وہ اکلوتا ہے، مگر محبتوں سے محروم ہے۔ اس کی ماں فائزہ شوہر کی بے رخی اور ظلم کی وجہ سے نفسیاتی مریضہ بن چکی ہیں۔ ''غوری منزل'' میں تین پورشنز ہیں۔ جہاں گریبی تین بیٹوں، بہوؤں اور پوتے، پوتیوں کے ہوتے بھی تنہا ہیں۔ نورین اور سلمان صاحب کی بیٹی حبہ سلمان ٹی وی پر اینکر ہے۔ اس کے چچا کا بیٹا حارث اسے پسند کرتا ہے۔ لیکن حبہ شادی کرنے کے حق میں نہیں۔ عالم صاحب ایک مشہور و معروف جاگیردار ہیں۔ زندگی کی تمام عیاشیوں کے مزے لوٹنے کے بعد وہ اب احتسابی دور سے گزر رہے ہیں۔ ان کا ایک مفلوج و اپاہج بیٹا جلال بھی ہے۔ جوان کی بہو سحر کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ عالم صاحب کو جلال کی فکر ہے۔

— 5 —

پانچویں قسط

آنے والی صبح اپنے سنگ حیرتیں سمیٹ لائی۔ اویس صبح صبح ان کے گھر موجود تھا۔

"تم تیار ہو تو چلیں۔۔۔؟" وہ پوچھ رہا تھا یا اپنی کہہ رہا تھا عقیدت سمجھ نہ پائی اور اسے کون سے سنگھار کرنے تھے۔ اماں اور جمیلہ کی کی ہوئی نئی خریداری کا وہ ریڈی میڈ جوڑا۔۔۔ اور اس کے اوپر اس کی مشہور زمانہ سیاہ شال۔۔۔ یہ تھی اس کی کل تیاری۔۔۔ مگر چنگ چی کے بجائے اس عالیشان گاڑی میں کالج جانا وہ بھی ڈاکٹر اویس کی ہمراہی میں؟ اسے لگا وہ نئی افتاد کا شکار ہونے جا رہی ہے۔ طبیعت ایک دم سے بوجھل ہوئی تھی۔ مدد طلب نظروں سے اماں کی جانب دیکھا وہاں سے غیر متوقع رد عمل نے مزید سٹی گم کردی وہ کہہ رہی تھیں۔

"ہاں ہاں بیٹا۔۔۔ بالکل تیار ہے۔" وہ عجیب قسم کے اضطراب میں گھر گئی۔ اماں کا رویہ ناقابل فہم تھا۔

صرف اور صرف اپنے بل بوتے پر زندگی گزار دینے والی اماں لاہور بھی اسی سوچ کے ساتھ آئی تھیں کہ تحریم، اویس تو کیا۔۔۔ وہ شہریار کو بھی مدد کے نام پر تنگ نہیں کریں گی۔ آنے والی ہر راہ گزر چاہے کتنی ہی کٹھن، کتنی ہی پرخار کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے دم پر منزل ڈھونڈیں گی۔ مگر یہاں تو پہلے ہی موڑ پر انہیں سرنگوں ہونا پڑ رہا تھا اور عقیدت کے لیے باعث تکلیف کہ یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا تھا اماں اس کی وجہ سے کمزور پڑنے لگیں۔۔۔ انہیں مدد کے لیے وہ در کھٹکھٹانا پڑا جہاں جانے پر وہ متردد تھیں۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔

اویس نے سرسری سا اسے دیکھا اور "جلدی، جلدی" کہتا گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں شدید معترض ہوتی نپے تلے قدموں کے ساتھ اس کے پیچھے ہولی۔ اماں اور جمیلہ گیٹ تک خدا حافظ کہنے پہنچیں۔

اماں نے نہ جانے کیا کچھ پڑھ کر لمبی لمبی پھنکاریں ماریں تو جمیلہ نے کلائی میں نظر والا دھاگہ باندھ دیا۔۔۔ اویس بڑی استقامت و تحمل کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے یہ سب دیکھتا رہا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی کالج کا پہلا سفر چنگ چی۔۔۔ اور آج اویس کی مہربانی سے دوسرے ہی سفر پر اتنی لمبی چھلانگ یہ قیمتی مرسڈیز جس کی آرام دہ نشست اسے بے آرام کیے جا رہی تھی کہ اوقات سے کہیں زیادہ تھی۔ جس کے اندر یہاں وہاں پھیلی اویس کے مخصوص کلون کی مہک نے حواس پر ایسے پنجے گاڑے کہ وہ سانس بھی روک روک کر لینے لگی اور اس پر ڈیڑھ گھنٹے کے سفر میں اسے اندازہ ہو گیا اویس بھائی ٹھیک ٹھاک باتونی بندے ہیں۔

اس ایک، ڈیڑھ گھنٹے کے سفر میں اس سے وہ، وہ سب کچھ اگلوایا جو وہ خود بھی اپنے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ پسندیدہ موسم، پسندیدہ مشغلہ، پسندیدہ فوڈ، پسندیدہ رنگ۔۔۔ اسے امتحانی پرچے حل کرتے ہوئے کیا ہی مشکل پیش آتی ہوگی جو یہ جواب دیتے ہوئے محسوس ہوئی۔۔۔ سنسناتے دماغ کے ساتھ اس نے جواب کیسے دیے اسے خود بھی نہیں پتا تھا۔

"لگتا ہے کوئی نہیں تمہارا تکیہ کلام ہے۔" آدھے سے زیادہ سوالات کے جوابات میں کوئی نہیں ہی سننے کو ملا تو اویس نے پر مزاح انداز میں تبصرہ کیا۔ وہ اس پر بھی شرمسار ہو گئی۔ اس کے چہرے کی سرخی سے اندر کے احساسات جانتے ہوئے اویس نے موضوع سخن بدلنا مناسب سمجھا پہلے اس کا انٹرویو۔۔۔ اب لاہور تھا۔ جس جس روڈ، جس جس ایریے سے گزر ہوا اویس نے تفصیلی تعارف کرایا۔۔۔ یہ چوبرجی، یہ مال روڈ، یہ جیل روڈ، یہ فلاں کالج، یہ فلاں ہوٹل۔۔۔ یہ فلاں باغ۔

"تم تحریم سے بہت مختلف ہو۔" لاہور کا تعارف بھی تمام ہوا تو اویس نے اچانک ہی کہا۔ عقیدت خوامخواہ بیگ کی زپ کھولنے بند کرنے لگی۔ گزشتہ تین، چار دنوں میں اس نے اس بات پر بھی بہت دماغ لگایا تھا۔ وہ اور تحریم اتنی مختلف کیوں؟

"بائے فیس ہی نہیں، بائے نیچر بھی۔۔۔ وہ بہت باتونی ہے۔ ہم دونوں ساتھ ہوں تو صرف وہ بولتی ہے۔ اور میں سنتا ہوں۔۔۔ اور میں بالکل بھی باتونی نہیں ہوں۔ کافی کم بولتا ہوں۔" اس لمحے عقیدت نے بلا ارادہ نظر اٹھا کر

اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں ایسی کمال کی بے یقینی تھی کہ اویس نے سر کھجا ڈالا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"آئی نو۔۔۔ تمہیں یقین نہیں آرہا۔ بٹ میرے آج کے بولنے میں سراسر ہاتھ تمہاری کم گوئی کا ہے۔" عقیدت نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر گویا قصور تسلیم کیا۔

"بس میں ایسی ہی ہوں۔"

"میں اور تحریم زوہا کے بارے میں۔۔۔ یہی کہتے ہیں کہ وہ بہت کم گو ہے۔ بٹ تم الگ ہو زوہا میں Attitude بہت ہے اور تم ڈری سہمی بہت لگتی ہو۔۔۔ وہ خود کو بڑی شے سمجھتی ہے جبکہ تمہارے بارے میں میرا ایسا کوئی خیال نہیں۔ بعض لوگ اپنے اندر کی کوئی کمی، کوئی کمپلیکس چھپانے کے لیے بھی کم کم بولتے ہیں۔ شاید بولنے سے کمزوریاں عیاں ہوتی ہیں۔"

"اف۔۔۔ بہت بولتے ہیں۔" پہلی بار وہ اکتاہٹ میں مبتلا ہوئی جانے کالج آکر کیوں نہیں دے رہا؟ اور کالج کے قریب آنے تک وہ اگلی ملاقات کا پروگرام بھی ترتیب دے چکا تھا۔

"کسی دن چلیں گے آؤٹنگ پہ۔۔۔ تم اور اماں۔۔۔ ساتھ میں زوہا اور حازق کو بھی لے لیں گے۔" عقیدت نے بری طرح سے محسوس کیا۔ اس نے تحریم کا نام نہیں لیا تھا۔ کیوں نہیں لیا تھا یہ وہ جانتی تھی۔ نہ بھی جانتی ہوتی تو کون سا پوچھ کر اپنی تشفی کرا لیتی۔ اس نے تب بھی ایسے ہی چپ رہنا تھا۔ اگرچہ اویس کی وجہ سے جو بھی کالج میں آسانیاں ہوئیں یہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے دن کی طرح گواچی گاں نہیں بنی ہوئی تھی۔ یہ احسان تھا اویس کا۔

کالج کے پروفیسرز سے ملنا۔۔۔ اسے کتابوں اور متعلقہ پروفیسرز کے متعلق معلومات دیتا اویس کے بھی خواب و خیال میں نہیں تھا کہ وہ عقیدت کے لیے یہ یہ سب کرے گا۔ کم از کم اس صورت میں کہ جب وہ ایک وعدے کا پابند ہو چکا تھا۔ تحریم کے سامنے عقیدت اور اس کی اماں سے آئندہ زندگی میں کوئی راہ و رسم نہ رکھنے کا وعدہ اس نے صدق دل سے ہی کیا تھا۔۔۔ مگر گزشتہ صبح اپنے اسپتال میں موجود اماں اسے اتنی بے کس و بے بس نظر آئیں کہ وہ تحریم سے کیا گیا وعدہ تو کیا اس کا متوقع رد عمل بھی فراموش کر گیا۔

تحریم کیا سوچے گی؟ اس کا کیا رد عمل ہوگا؟ وہ تحریم سے کیا کہہ کر اپنی پوزیشن صاف کرے گا؟ یہ اور اس جیسے بہت سے خدشات کو بعد کے لیے موقوف کر تا وہ اماں کو عزت و وقعت دینے پر مجبور ہوا تھا یہی نہیں انہیں گھر تک ڈراپ کرنے بھی خود آگیا۔

اس لمحے ان کے چھوٹے سے لاؤنج میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ اسے وی وی آئی پی پروٹوکول دیا جا رہا تھا۔ جمیلہ اڑی اڑی پھرتی رہی۔ اس نے طوفانی بنیادوں پر کیا کچھ نہیں تیار کر لیا تھا۔ عادت کے مطابق اس کی زبان بھی پٹر پٹر چلتی رہی۔ اویس نے وقتاً "فوقتاً" بغور نظر اٹھا کر اسے دیکھا جس کی وجہ سے وہ یہاں آیا بیٹھا تھا۔ جو اتنی زرد رو اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی کہ اس نے آتے۔۔۔ ہی پوچھ بھی لیا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ سیڑھیوں کے بجائے عین اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اماں کے پہلو سے جڑی۔ اس اچانک سوال پر بوکھلاہٹ میں مبتلا ہوئی۔ شاید اسے مرکز موضوع بننا بھی ناپسند تھا۔

"میں نے ڈانٹا تھا اس کو، اس کو دل پر لے گئی۔" بتاتے ہوئے اماں کی آواز دھیمی تھی۔ اویس کے چہرے پر تاسف بکھر گیا۔ عقیدت پلکیں جھپکتی نظر آئی۔ صاف ظاہر تھا آنسوؤں پہ بند باندھ رہی ہے۔

"غلط کیا آپ نے۔۔۔ زبردستی اور ڈنڈے کے زور پر تو جانور بھی نہیں سدھائے جاتے۔ یہ تو بیٹی ہے آپ کی۔" اماں کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ یہ ملال ساری زندگی رہنا تھا اور عقیدت سے تو سر اٹھانا دوبھر ہو گیا۔

"عقیدت۔۔۔" ماحول گمبھیر ہونے لگا تھا۔ اویس نے خوشگوار لہجے میں مخاطب کر کے گویا اس کثافت کو چیرنا

چاہا۔ وہ نمناک آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی اور یہ آنکھیں بلا کی غزالی آنکھیں تھیں۔ تحریم سے بالکل مختلف۔

"ہوا خوری کے علاوہ بھی کچھ کھایا پیا کرو۔ اتنی کمزور ہو۔ زوہا سے بھی چھوٹی لگتی ہو۔"

"بلی نے نوالے گن رکھے ہیں اپنے 'اتنے ناشتے میں 'اتنے دوپہر کے کھانے میں اور اتنے رات کے ٹائم کھانے ہیں۔" اویس نے خوب لطف لیا اس جملے کا' دیر تک ہنستا رہا۔ عقیدت جمیلہ پر دل میں جتنا ہو سکا بھنائی۔

"اب سے نوالوں کی بجائے روٹیاں گنا کرو۔ ناشتے میں دو' لنچ ٹائم دو' اور رات میں ایک تو لازمی۔"

جمیلہ اور اماں مسکرانے لگیں۔ عقیدت غائب دماغ ہوئی بیٹھی تھی۔ اس سے اماں کا اویس کے پاس جانا اور اویس کا یوں اماں کے ہمراہ گھر آجانا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اسے اماں کا کمزور پڑنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"جی تو عقیدت صاحبہ۔۔۔ آپ کس چیز سے گھبرا گئیں؟ کالج سے؟ موٹی موٹی بکس سے؟ کس سے؟" اویس عین سامنے بیٹھا تھا۔ عقیدت اماں کی طرف شاکی نظروں سے بھی نہ دیکھ پائی۔ اس کی پڑھائی کو پتا نہیں کیوں اتنا ہوا بنا لیا تھا انہوں نے۔ وہ جب خود کالج جانے کے لیے راضی ہو گئی تھی کیا ضرورت تھی اویس بھائی تک گھر کے معاملات پہنچانے کی اور وہ اتنے ویلے تھے کہ چلے بھی آئے۔۔۔

"اپنی بلی پڑھائی لکھائی میں بڑی تیز ہے۔ اس سے تو کبھی نہ گھبرائیے۔ بس کالج کے ماحول سے ڈر گئی۔" عقیدت پہلے ہی چڑی بیٹھی تھی۔ اوپر سے جمیلہ سقراطن کی زبان۔۔۔ اس کا بس نہیں چلا اس کے ہونٹ سی دے۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ کسی بھی قسم کی گائیڈ لائن چاہیے تو بلا جھجک مجھ سے کہو میں تمہاری ہیلپ کے لیے موجود ہوں یہاں۔" اویس کا نرم لہجہ اماں اور جمیلہ کے دل میں اتر آ گیا۔

"آہو جی۔۔۔ اتنی سی بات تھی بس۔۔۔"

"اتنی سی بات کے لیے اتنے بڑے بندے کو زحمت دے ڈالی۔ دونوں عقل والیاں۔" اماں اور جمیلہ کو باری باری دیکھ کر اس نے دل میں سوچا تھا بڑا دل کر رہا تھا اویس اب اٹھ کر چلا جائے اور وہ دونوں فلفی خواتین تک اپنی ناراضی پہنچائے۔

"کل میں آؤں گا۔ عقیدت میرے ساتھ کالج جائے گی۔ میں اس کے پروفیسرز سے بھی ملوں گا۔ ان شا اللہ آگے چل کر کوئی مشکل نہیں ہو گی۔"

اماں نہال' جمیلہ نثار اور وہ پرخیال نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ یہ سب تحریم کے ہوتے کیا اتنا ہی آسان تھا۔ وہ دونوں تحریم کی سگی تھیں۔ اویس کی نہیں! جو حوصلہ' ہمت' دلاسا تحریم کو دینا چاہیے تھا۔ وہ اویس دے رہا تھا۔ تحریم تو اس دن کی گئی واپس مڑ کر بھی نہ آئی تھی۔ اس کا رویہ اپنے آپ میں مفہم تھا۔۔۔ کل تک وہ اس معمے کو سلجھانے میں جتی تھی۔ اب اویس کی مہربانی کی وجہ سے دوہری پریشانی میں گھر گئی۔ یہ تو واضح تھا وہ تحریم کے علم میں لائے بغیر اسے کالج سے لے گیا اور جب تحریم باخبر ہو گی تو۔۔۔

☼ ☼ ☼

تمام رات گھر سے باہر گزارنے کے بعد وہ دن کے بارہ بجے کے قریب واپس آیا۔ معلوم تھا پردھان منتری آفس سدھار گئے ہوں گے۔ یعنی علاقہ پاک صاف تھا۔ پھر بھی وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف گیا۔ نیند کی کمی اثر دکھا رہی تھی۔ آنکھیں اور سر دونوں بھاری ہو رہے تھے اور فی الوقت کسی کا سامنا کرنے سے زیادہ شاور لینے کی خواہش حاوی ہوئی جا رہی تھی۔ مگر پرویز اس کے پیچھے پیچھے آیا۔۔۔

"صاحب نیچے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس کے سنجیدہ تاثرات سے خائف ہوتا وہ

جلدی جلدی بولا تھا۔

"آتا ہوں۔" مختصراً" کہہ کر اس نے گویا پرویز کو چلتا کرنا چاہا اور وہ چلتا بھی بنا۔ پہلے تھکن اور اب کوفت و بے زاری۔۔۔ اس وقت وہ کسی مہمان تو کیا مما سے بھی سوال جواب کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ شاور لے کر لمبی اور پرسکون نیند چاہیے تھی۔ مگر اس گھر میں سکون کہاں۔۔۔

شاور لینے کے دوران بھی اسے لگا دروازہ بجایا گیا ہے۔ اسے ناگواری نے آلیا۔۔۔ ایسے بھی کون سے مہمان تھے جن سے اس کا ملنا ضروری تھا۔ یہ جو بھی مہمان تھے بے وقت آئے بیٹھے تھے اور اس کی برداشت آزما رہے تھے۔ نہا کر باہر نکلنے کی دیر تھی۔ دروازے پر پھر سے دستک ہوئی اور خاصی بدتمیزی سے ہوئی۔ سنعان نے بری طرح سے دانت بھینچے۔۔۔ پرویز کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو چلا تھا۔ اس کی طبیعت صاف کرنے کے لیے اس نے جوں ہی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔۔۔ تیز اور دھمکاتی آواز آئی۔

"آتے ہو یا فوجیں بلواؤں؟" یہ عینی آپا تھیں۔ ہارون سے بڑی۔۔۔ سنعان نے ڈرائیر واپس رکھتے ہوئے شرافت کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ وہ تیکھے چتون لیے کھڑی تھیں۔

"بڑے۔ بدتہذیب ہو گئے ہو۔" ان کے چہرے پر ناراضی تھی۔

"میں نہا رہا تھا۔"

"سلام دعا کر کے نہا سکتے تھے۔" کڑے تیوروں کے ساتھ انہوں نے گناہ گنوایا۔ سنعان نے بے چارگی سے سر جھکا لیا۔ ان کے سامنے ہارون جیسے کی نہیں چل سکتی تھی۔ وہ کیا چیز تھا۔۔۔ عینی آپا کو وہ لوگ توپ کہتے تھے۔

"چلو نیچے۔"

"بال بنا لوں؟" اس کے بالوں میں سے ابھی بھی پانی ٹپک رہا تھا۔

"بعد میں۔۔۔ کون سا تم نے مینڈھیاں کرنی ہیں۔" سنعان کا دماغ چکرا گیا۔ عافیت اسی میں تھی ان کے پیچھے چلا جائے۔ ورنہ وہ ایسا ہی کچھ اور بھی بول سکتی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں فائزہ کے ہمراہ صوفیہ بھی موجود تھیں۔ اسے دیکھتے ہی چہکیں۔

"بڑے لوگ اپائنٹمنٹ کے بغیر ملتے ہی نہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ پیار لینے کے لیے ان کے سامنے جھکا تھا۔ لامحالہ فائزہ کے سامنے بھی سر جھکانا پڑا۔۔۔ اپنے سر پر رکھے ان کے ہاتھوں کی لرزش اسے اندر تک محسوس ہوئی۔ پیار لینے دینے کے ایسے مظاہرے ان دونوں کے بیچ کب پروان چڑھتے تھے۔ وہ بے تاثر سا سامنے والے صوفے پہ جا بیٹھا۔۔۔ صوفیہ ہمیشہ کی طرح نک سک سے تیار تھیں۔ وہ گھر پہ بھی ایسے ہی ٹپ ٹاپ سے رہتیں۔۔۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ گمان رہتا جیسے وہ کہیں جا رہی ہوں اور اس کی مما بالکل بچپن کی طرح وہ لاشعوری طور پر ابھی بھی دونوں کا تقابل کرنے لگا۔ فائزہ ہمیشہ والے حلیے میں تھیں۔ جو سوٹ انہوں نے پرسوں پہن رکھا تھا۔ اسے تبدیل کرنے کی زحمت آج بھی گوارہ نہیں کی تھی۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے کی لاچاری صوفیہ کے سامنے اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی کہ وہ چمک رہی تھیں۔۔۔ اور ان کا حلیہ خاصا ملگجا تھا۔

سنعان نے انہیں کبھی کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ لاشعور میں کہیں کوئی دھندلے مناظر جھانکنے لگتے جب حالات شاید بہتر تھے اور وہ ایک فیملی ہی کی طرح چھٹیاں گزارنے لگے بندھے مقامات پر جایا کرتے جن میں سرفہرست اس کا ننھیال ہوتا۔ مگر مما وہاں بھی دبکی ہی رہتیں۔۔۔ صوفیہ آنٹی والی رونق ان کے چہرے پر کبھی نہیں رہی تھی۔

"بھلا بتاؤ۔۔۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" وہ یوں ہی بیٹھے بیٹھے کہاں کہاں نہیں جا پہنچا تھا۔۔۔ عینی کی ہلکی سی

چیختی آواز نے حواس پر گویا چابک سا کھینچ مارا۔ وہ گہری سانس لیتا حاضر دماغ ہوا۔

"کیا سن رہی ہیں؟"

"تم نے ہارون کو بھی نہیں بتایا؟" انہوں نے بھنویں چڑھالیں۔

"کیا نہیں بتایا؟" اسے حیرت ہوئی۔ عینی آپا زچ کرنے پر تلی تھیں۔ نیند اور آرام تو اب خواب خیال ہو گئے اسے کہیں جانا بھی تھا مگر یہاں سے فی الحال رہائی مشکل لگ رہی تھی۔ اسے ناچار بیٹھنا تھا۔

"تم سوئٹزرلینڈ جارہے ہو؟" یہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا والا معاملہ ہو گیا تھا۔ سنعان بور ہونے لگا۔

"کچھ دنوں کے لیے... بزنس ٹرپ ہے۔"

"ہم نہیں مانتے بھئی۔" صوفیہ آنٹی نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز اپنایا۔ سنعان خود کو لاچار محسوس کرنے لگا۔ عجیب ان چاہی صورت حال میں آپھنسا تھا۔ خود کو کوسنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ عینی آپا کے چنگل سے آزادی آسان نہیں تھی۔

"اچھے بھائی بنے ہو بہن آئی ہے۔ اور تم جارہے ہو" عینی ناروے میں مقیم تھیں اور اب خاص کر ہارون کی وجہ سے آئی تھیں۔ ان کی شادی کے بعد ہارون کی منگنی کی صورت گھر میں کوئی فنکشن ہوا تھا۔ اکلوتی بہن ہونے کے ناتے عینی کی شرکت لازمی تھی۔ لیکن انہیں چھٹی ملنا مشکل ہو گئی۔ منگنی میں نہ آنے کا غم وہ بعد میں آکر دھو رہی تھیں۔ سنعان اور ہارون انہیں خود ایئرپورٹ سے ریسیو کر آئے تھے۔ یعنی سنعان کے کھاتے میں فی الحال کوئی الزام نہیں آتا تھا۔ پھر ان کی ناراضی چہ معنی دارد... وہ چاہتی تھیں جتنے دن وہ یہاں ہیں سنعان سمیت سب ان کے ارد گرد ہاتھ باندھے موجود رہیں۔ وہ ہارون لوگوں کی سب سے بڑی اور اکلوتی بہن تھیں۔ چونکہ سنعان کو ساتویں بھائی کا درجہ حاصل تھا۔ سو وہ اس پہ بھی حق جتاتی تھیں۔

"آج ہم نے لنچ کر کے جانا ہے۔" یہ اطلاع کم دھمکی زیادہ تھی۔

"شوق سے آپ کا اپنا گھر ہے۔"

"تم بھی ہمارا ساتھ دو گے۔"

"مجھے جانا ہے کہیں۔" اس نے صاف صاف انکار کیا۔ عینی کا منہ بن گیا۔

"ممی... کیوں گھما پھرا کر بات کر رہی ہیں۔ سیدھی طرح سے کہیں نا۔" یعنی ثابت ہو گیا تھا عینی خاص مشن پر آئی بیٹھی تھیں۔

"اس کی نند کے جاننے والے ہیں۔ بہت اعلا خاندان ہے۔ ہم وہاں تمہارے لیے لڑکی دیکھنے جارہے ہیں۔ فائزہ بھی ساتھ چلیں گی۔" صوفیہ آنٹی نے اپنے تئیں دھماکہ کیا سنعان کی ناگواری و ناراضی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔ اس نے بے ساختہ فائزہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ موضوع اسے سخت ناپسند تھا۔

"آپ جانتی ہیں۔ شادی نارمل لوگ کرتے ہیں۔" اس کے انداز میں رکھائی تھی۔ مروت برتنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"تو تم نارمل نہیں ہو؟" عینی نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"میں دو ایب نارمل انسانوں کی پیداوار ہوں۔" وہ تلخی سے ہنسا تھا۔ چند لمحوں کے لیے سارے میں خاموشی چھا گئی۔ فائزہ کے چہرے پر اضطراب اور بے اطمینانی پھیلنے لگی۔

"زیادہ بولو مت... ہارون کے بعد اب تمہارا نمبر ہے۔ اچھی لڑکیاں بار بار نہیں ملتیں۔"

"اچھی بری... کوئی بھی لڑکی اس گھر میں نہیں رہ سکتی کم از کم... آپ اس بات کو سمجھیں۔"

"سنی..." صوفیہ آنٹی نے بے ساختہ ٹوکا۔ فائزہ اذیت بھرے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مت تنگ کریں یار آپی... آپ جانتی ہیں، شادی نارمل لوگ کرتے ہیں اور میں اپنے ڈیڈی سے مختلف نہیں ہوں گا۔" اس نے دوسرے لفظوں میں زکریا آفندی کو ایب نارمل کہا۔ لفظ چبا چبا کر... عینی چپ سی ہو گئیں۔

"ہر انسان ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔" صوفیہ آنٹی رسان سے کہنے لگیں۔ "تم اپنے ڈیڈی سے مختلف ہو۔" وہ اسے پیار سے دیکھ رہی تھیں۔ جو ان کی بات پر یوں ہنسا تھا گویا انہوں نے کوئی شگوفہ چھوڑ دیا ہو۔

"میں ان کا خون ہوں اور خون کی تاثیر نہیں بدلتی۔" بال خشک ہو گئے تھے۔ وہ انگلیاں پھیر پھیر کر انہیں سنوارنے لگا۔ عینی منہ سجا کر بیٹھی تھیں۔

"آپ ٹائم ویسٹ مت کریں... اس گھر میں جو بھی لڑکی آئے گی وہ..." اتنا کہہ کر اس نے گہری نظروں سے فائزہ کو دیکھا... وہ نظریں جھکائے ہوئے تھیں۔

"وہ ایسی ہو جائے گی۔" ایک بار پھر خاموشی وارد ہوئی۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔

"اس لیے میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"اور اگر تمہیں محبت ہو گئی تو...؟" عینی نے بالکل اچانک سوال داغا۔ اس نے کچھ دیر تک جملے کا اتار چڑھاؤ سمجھا۔ پھر بے اختیار ہنس دیا۔ کچھ دیر قبل چہرے پر چھایا کرب پل بھر میں اڑنچھو ہوا تھا۔ مسکراہٹ اس کے چہرے پر روشنی بن کر چمکی تھی اور یہ چمک فائزہ کی آنکھوں تک کو خیرہ کر گئی۔ وہ بغور اسے دیکھے گئیں۔

"کاش یہ ہمیشہ ایسے ہنستا رہے..." انہوں نے چپکے سے سوچا تھا۔

"ناممکن۔" عینی نے اسی کے انداز میں گردن ہلا کر چڑایا۔ "کہہ تو یوں رہے ہو جیسے یہ تمہاری مرضی سے ہو گی... بیٹا محبت مرضی پسند کچھ نہیں دیکھتی... بس ہو جاتی ہے۔" انہوں نے ہاتھ نچایا تھا۔

"میں چلتا ہوں..." وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"اور میں تمہیں دل سے بددعا دیتی ہوں اللہ کرے تمہیں منہ زور سی محبت ہو جائے۔" عینی کا انداز بڑا دل جلا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے صوفیہ کو خدا حافظ کہتا فائزہ کے سر پہ بوسہ دیتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"ایسی منہ زور محبت جو تمہیں کچھ دیکھنے سوچنے نہ دے اور پھر تم دوڑے دوڑے ہمارے پاس آؤ... اور ہم تمہیں ایسا ہی رسپانس دیں جیسا آج تم دے کے جارہے ہو۔" اسے سنانے کے لیے عینی آپا زور زور سے بول رہی تھیں۔ وہ بنا متوجہ ہوئے ہاتھ لہراتا چلا گیا۔ عینی منہ بسورے صوفیہ اور فائزہ کو دیکھنے لگیں۔ جو سنعان کے الوداعی بوسے کے زیر اثر نئی دنیا میں محو سفر تھیں۔

٭ ٭ ٭

سرما کی دھوپ کا عکس اس کے سنہری چہرے پر دمک رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں سورج کی چمک ٹھہر سی گئی تھی۔ مائدہ پر ابھی ابھی انکشاف ہوا... عقیدت بلا کی پرکشش لڑکی ہے۔ وہ لوٹ لینے کی حد تک معصوم تھی۔ ہونٹ لٹکائے، چہرے پر پریشانی سوار کیے وہ جس انداز سے ٹھہر ٹھہر کر اپنے اتنے دن نہ آنے کی توجیہہ بیان کر رہی تھی۔ مائدہ کو بے طرح متاثر کرتی جارہی تھی۔

"میں بھی پہلے دن ایسے ہی گھبرا گئی تھی۔ ہاسٹل جا کر رضائی میں گھس کر دیر تک روتی رہی تھی۔ پھر جب ہوش سنبھالا تو دیکھا اکثر رضائیوں میں سے سسکیاں گونج رہی ہیں۔" اپنی ہی بات کو مائدہ نے خود انجوائے کیا جب کہ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"میری روم میٹ زوبیہ تو اپنی مما کے فون پر ترلے کرتی نہیں تھک رہی تھی کہ مجھے نہیں رہنا۔ مجھے واپس بلوائیں۔۔۔ میرا بھی یہی حال۔" عقیدت بغور اسے دیکھنے لگی۔ اس کا خاندانی پس منظر بہت مضبوط تھا۔ پڑھی لکھی مہذب فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے بابا بریگیڈیر تھے اور آج کل ان کی پوسٹنگ نوشہو تھی۔ مائدہ کی مما بھی آرمی میں ڈاکٹر تھیں۔ کلاسز شروع ہونے کے بعد سے انہوں نے کئی چکر تو مائدہ کے ہاسپٹل کے لگائے تھے۔ اپنا رونا اور گھبرا جانا تو اس کی سمجھ میں آتا تھا۔ لیکن ایسی اپ ٹوڈیٹ لائف گزارنے کے باوجود مائدہ کا یہاں آکر پریشان ہو جانا۔۔۔ وہ حیران ہو رہی تھی۔

"یار میں اس لیے نہیں ایڈجسٹ ہو پا رہی کہ میں گھر سے دور کبھی رہی نہیں اور ہم بہن بھائی بہت پچی ہیں آپس میں۔ ہاسٹل لائف کا تجربہ بالکل نیا ہے۔۔۔ پتا نہیں کون سے لوگ اس لائف کو لائک کرتے ہوں گے۔ میرے لیے عادی ہونا بہت مشکل ہے۔" اس کے چہرے پر ابھی بھی روکھے تاثرات تھے۔ عقیدت نے گہرا سانس لیا۔ وہ ایک خود کو انوکھا سمجھ رہی تھی۔ یہاں تو سب کی اپنی پریشانیاں اپنے تفکرات تھے۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ تھا؟" اپنی کہہ چکنے کے بعد مائدہ نے اس کی بھی جاننی چاہی۔۔۔ وہ ایک لحظہ کے لیے چپ رہ گئی۔

"میں۔۔۔" پھر کہنے کی ٹھان لی۔ میں کو خوب لمبا کھینچا "ٹوٹلی ڈفرنٹ بیک گراؤنڈ سے آئی ہوں۔۔۔ پھر یہاں پہ اتنا ایلیٹ ماحول رش۔۔۔ میں ڈر گئی۔"

"رش؟" ایلیٹ ماحول تو سمجھ میں آتا تھا۔ مگر رش سن کر مائدہ متعجب ہوئی۔

"تم کیا پہلے اسکول کالج بھی نہیں گئیں؟" عقیدت نے سر جھکا لیا۔۔۔ بہت مٹے مٹے سے نقش ذہن پر بننے بگڑنے لگے۔۔۔ گھر میں کبھی ان پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اب مائدہ نے پوچھا تو جیسے دھندلی تصویریں واضح ہونے لگیں۔ چھوٹے سے گاؤں نما قصبے کا وہ چھوٹا سا پرائمری اسکول۔۔۔ جہاں اماں نے اس کا داخلہ نہایت جوش کے ساتھ کرایا تھا۔ مگر اس کا وہاں جا کر گھبرانا مچلنا، کتنے ہی دنوں تک عادی نہ ہو پانا۔۔۔ رو رو کر سب کو پریشان کرنا۔ پھر اماں اس کے ہمراہ اسکول میں رکنے لگیں۔ وہ کلاس روم میں کھڑکی کے ساتھ والی بنچ پر بیٹھتی اور اماں باہر برآمدے میں رکھی بنچ پر۔۔۔ اور یہ ڈیوٹی انہوں نے کتنے ہی دنوں تک نبھائی۔۔۔ اب کلاس کا درجہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی عمر کی منازل بھی پھر یوں ہوا پرائمری کلاس تک آتے آتے سب بدلنے لگا۔ ٹیچرز کا رویہ۔۔۔ ان کا انداز تدریس اس کے لیے توجہ۔۔۔ سب۔

اسے عجیب نظروں سے گھور گھور کر دیکھنا، ایک دوسرے کے کانوں میں چہ مگوئیاں کرنا، اسے کلاس کی آخری رو میں بٹھانا، وہ دنوں میں مرجھا گئی۔۔۔

اماں سے اس سب کا تذکرہ رو رو کر کیا تو وہ جیسے سکتے میں آگئیں۔ عقیدت کو ابھی بھی یاد تھا۔ ان دنوں وہ کتنے ہی عرصے تک تڑپ تڑپ کر روتی رہی تھیں۔ کبھی اس کے سامنے کبھی اس سے چھپ کر پھر پرائمری کا امتحان دینے کے فوراً بعد اماں نے اس کا اسکول ہی نہیں وہ گاؤں بھی چھوڑ دیا۔۔۔ وہ لوگ کسی نئی بستی شفٹ ہو گئے تھے۔

"ان دنوں میں بیمار بھی بہت رہتی تھی۔ اماں نے میرے لیے گھر پہ ٹیوٹر رکھوا دیا۔۔۔ میں نے میٹرک کا امتحان علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے دیا۔۔۔ سائنس میں۔۔۔ بیماری کی وجہ سے میں اسکول جا نہیں سکی تھی۔ سال مس نہ ہو اس لیے AIOU سے امتحان دیا۔"

"واقعی۔۔۔" مائدہ کو یقین کرنا محال ہو گیا۔

"ہاں۔۔۔ پھر ایف ایس سی کے لیے ہم لوگ شہر آگئے۔ میں نے سرکاری کالج میں داخلہ لے لیا۔ لیکن وہاں حاضری اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھی۔ میں نے اکیڈمی جوائن کر لی۔ عام سی اکیڈمی تھی۔ وہاں کی اکثر لڑکیاں بھی میرے جیسی ایکچوئلی جو اکیڈمی افورڈ ایبل تھی اماں نے مجھے وہیں ڈال دیا ورنہ شہر میں اور بھی اکیڈمیز تھیں۔"

"اور میری اسکولنگ بابا کی آرمی جاب کی وجہ سے کبھی ایک شہر کبھی دوسرے شہر۔" مائدہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"مسئلہ ہوتا ہوگا۔۔۔!" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں تشویش تھی۔

"مما کو ہوتا ہوگا۔ بار بار پیکنگ وہ بھی ایک پورے گھر کی۔۔۔ بٹ اب تو وہ بھی اس سب کی ایکسپرٹ ہو گئی ہیں۔ مزے کی لائف ہے۔ پورا پاکستان گھومو۔۔۔ اچھا ہاں۔" اتنا کہہ کر مائدہ نے قدرے توقف کیا۔۔۔ کچھ سوچا پھر بولی۔

"تمہارے بابا کیا کرتے ہیں؟" وہ جو مائدہ کے ساتھ یوں کھل کر بات کرنے سے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی اماں نے اسے رجا کے حوالے کیا تھا مگر دل مائدہ کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ اس کے اس سوال پر چپکی ہو بیٹھی چہرہ یوں ہو گیا جیسے مائدہ نے نامعلوم کیا پوچھ لیا ہو۔۔۔

"وہ۔۔۔" مائدہ کی سوالیہ نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ گلا کھنکار کر اس نے کہنا شروع کیا "وہ نہیں ہیں۔"

"او۔۔۔" مائدہ نے بے ساختہ ہونٹ سکوڑے۔ عقیدت کے متغیر تاثرات اب سمجھ میں آئے۔۔۔ وہ شاید بتا کر ترحم کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی۔

"آئم سوری۔۔۔" مائدہ کو بے تحاشا افسوس ہوا۔ عقیدت بے تاثر سی بیگ کا اسٹرپ کلائی میں لپیٹتی رہی۔ یوں کسی نے پہلی بار اس کے باپ کے متعلق پوچھا تھا۔ اسے تجربہ نہیں تھا اور سمجھ بھی نہیں آ رہا تھا وہ کیسے تاثرات دکھائے۔۔۔

"رجا کے بھی فادر نہیں ہیں۔ سات آٹھ سال ہو گئے ان کی ڈیتھ کو۔۔۔ تمہارے بابا کب۔۔۔؟" ہچکچاہٹ کے ساتھ مائدہ نے مزید جاننا چاہا۔

"بہت پہلے۔۔۔" ایک رٹا ہوا جواب اس نے دیا۔ مائدہ کے چہرے پر تاسف گہرا ہو گیا۔

"مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں کب۔" اس کی آواز دھیمی مگر چہرہ بے تاثر تھا۔ مائدہ نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے ایک بار پھر سوری کہا تھا وہ شاید انجانے میں اس کے زخم کرید رہی تھی۔ اب ملال کرنا بھی بے کار رہتا۔

"کوئی بات نہیں۔" دھوپ اچانک ہی چبھنے لگی تھی۔ سیاہ گھور آنکھوں کی اداسی لوٹتے دیر نہیں لگی۔۔۔

"چلو رجا، حمنی کو دیکھتے ہیں۔ کیفے جا کر سو ہی گئی ہیں۔" مائدہ کو ندامت ہونے لگی۔۔۔ اس نے یقیناً حساس موضوع چھیڑ دیا تھا اور اب اسے عقیدت کا موڈ بحال کرنا تھا۔ دونوں چپ چاپ کیفے کی طرف جانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

سردی میں ایک دم اضافہ ہو گیا تھا۔ جمیلہ نے اسٹور میں بڑی پیٹی کھول رکھی تھی۔ اس نے اور اماں نے رات کو اوڑھنے کے لیے جو رلیاں نکال رکھی تھیں۔ ان میں اب گزارہ ناممکن تھا۔ آج اتنے دنوں سے چلتی عقیدت کے کالج جانے کی ٹینشن بھی تمام ہوئی تھی۔ اماں نے اسے آج اس کام پر لگا لیا۔ خود وہ لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز ہدایات دینے میں لگی تھیں۔

"باجی۔۔۔ بلی کے لیے جرسیاں لینی پڑیں گی۔۔۔ اس کی تو چار چار سال پرانی چل رہی ہیں۔ ہیں بھی دو چار۔" جمیلہ نے پیٹی میں منہ دے رکھا تھا۔ گدے اور رضائیوں کے ساتھ اس نے عقیدت کی جرسیوں کا شاپر بھی نکال

لیا تھا اور اب آدھی لٹکی اندر جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

"ا چھرے چلیں گے۔۔۔ اسی ہفتے۔" اماں نہ معلوم کن خیالوں میں کھوئی تھیں۔ کسی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔

"باجی۔۔۔ آپ چپ چپ کیوں ہو؟" جمیلہ کچھ سننے کی منتظر تھی۔ جواب نہ ملا تو سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اماں کافی سنجیدہ نظر آئیں۔ اسے ہول اٹھنے لگے۔

"اب کیوں۔۔۔ جب کہ مسئلے حل ہونے لگے ہیں۔" جمیلہ نے حیرت سے سوچا۔

"میں نے ناحق اویس کو تنگ کیا۔۔۔" پچھتاوا ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ خود کلامی کے انداز میں بولیں۔ مگر جمیلہ نے سن لیا۔

"ہا۔۔۔ کیوں باجی۔۔۔ داماد ہیں وہ آپ کے۔۔۔ پھر ڈاکٹر بھی ہیں بلی کو ان سے زیادہ کون سمجھا سکتا تھا؟"

"خود ہی سمجھ جاتی۔۔۔ میں نے خوانخواہ جلدی دکھائی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا اویس سے مدد لینے کے دن کو زندگی سے خارج کر دیں۔ "تمہیں اندازہ ہوا ہوگا تحریم کے مزاج کا۔ وہ ہمارے ساتھ کبھی بھی گھلنا ملنا پسند نہیں کرے گی۔ مجھے یقین ہے اس نے اویس کو بھی منع کر رکھا ہوگا۔ میں اویس کے پاس نہ جاتی اسے عقیدت کی مدد کرنے کا نہ کہتی تو وہ کبھی بھی ہمارے گھر نہ آتا۔۔۔ میں نے غلط کیا۔۔۔"

"باجی۔۔۔" عادت کے مطابق جمیلہ نے ناصح بننا چاہا مگر باجی اپنی کہنے کے موڈ میں تھیں۔ اسے بولنے ہی نہ دیا۔

"تحریم کو پتا چل گیا تو وہ بہت ناراض ہوگی۔۔۔ طوفان کھڑا کر دے گی۔ پتا نہیں اویس کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔"

"وہ ایسی نہیں ہیں۔" جمیلہ نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دینی چاہی اماں اسے بھی ڈرا رہی تھیں۔

"وہ ایسی ہی ہے۔۔۔" اماں نے زور دے کر کہا۔ "وہ آپے سے باہر ہو جائے گی۔۔۔ میں نے غلط کیا۔" ان کی پریشانی پر خوف غالب تھا۔۔۔ جمیلہ کا اپنا دل سہم گیا۔

"بس یہ آخری بار تھا۔ میں آئندہ اویس کو تنگ نہیں کروں گی۔ اس کا ذکر بھی نہیں کریں گے گھر میں۔"

"ٹھیک ہے باجی۔" جمیلہ نے فوراً" تابعداری دکھائی۔

"ایک بیٹی کا مستقبل بنانے کی خاطر دوسری کی پوری زندگی داؤ پر لگا دوں؟ بس آج سے عقیدت کو خود ہمت کرنی ہوگی۔ پھر میں بھی ساتھ ہوں اس کے۔ ہر قدم پر ساتھ رہوں گی اس کے۔" وہ جیسے خود سے عہد باندھ رہی تھیں۔ نظریں اور دماغ کہیں اور مرکوز کیے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا باجی۔ آپ خود کو ہلکان نہیں کرو۔ ہماری بلی بہت سمجھ دار ہے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھے گی۔"

"جانتی ہوں۔۔۔" جمیلہ دوبارہ سے پیٹی میں لٹک گئی۔۔۔ اماں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر سے بولیں۔

"یہ جو بکسا ہے۔ اسے ذرا کھول کے چیک کر۔ اس میں پرانی جرسیاں اور سوئیٹر ہوں شاید۔ عقیدت کو پوری آئیں گی۔ ہیں بھی اچھے ڈیزائن کی۔ نکال کر رضائیوں کے ساتھ انہیں بھی ہوا لگوا دے۔" جمیلہ خاصے جوش سے "جی اچھا" کہتی پیٹی کا وہ سامان واپس اندر رکھنے لگی جو رضائیاں نکالنے کی وجہ سے باہر نکالنا پڑا تھا۔

"جمیلہ طریقے سے رکھو۔ ایسے اٹھا پٹخ نہ کرو۔" مارے جوش کے اس سے چیزیں ٹھاہ ٹھاہ گرنے لگی تھیں۔ اماں کو ٹوکنا پڑا۔

"ٹھیک ہے باجی۔" قدرے خائف ہوتی جمیلہ نے پیار دلار سے سامان جگہ بنا بنا کر رکھا اور ڈھکن بند کر دیا۔ پیٹی کا کور بچھانے کے بعد دو چھوٹے بکسے بھی اوپر رکھ دیے۔ نسبتاً" بڑا بکس ہمیشہ پیٹی کے قریب نیچے فرش پر

رکھا جاتا تھا۔ اس پر پڑا تالا جمیلہ کی موجودگی میں شاید ہی کبھی کھلا ہو۔ اماں کا شاید ذاتی ٹرنک تھا۔ جمیلہ کو اسے کھولنے کا اعزاز پہلی بار مل رہا تھا۔ وہ بڑی پر جوش سی ٹرنک پر سے کپڑا ہٹانے لگی۔

"باجی آپ کے جہیز میں کتنے ٹرنک تھے؟"

"جہیز میں؟" غنودگی میں جاتی اماں کا دماغ فوراً" بیدار ہوا تھا۔

"جہیز میں۔۔۔" انہوں نے جیسے کچھ یاد کرنا چاہا۔ کچھ ایسا جو بھول چکا ہو۔ کچھ ایسا جسے یاد کرنے کی تمنا نہ ہو۔

"دو تھے۔۔۔ باقی سب اٹیچی کیس تھے۔ میری امی نے ٹرنک فارغ سامان کے لیے دیے تھے۔ میرے بہت کام آئے۔۔۔ بہت موٹی جست کے تھے، پیٹیاں بھی۔ میرے بابا نے آرڈر پر بنوائی تھیں ساری چیزیں۔۔۔"

"اچھا۔۔۔" جمیلہ کی آواز کا جوش دھیما پڑ گیا۔ "پر یہ تو اتنی پتلی جست کے ہیں۔ پیٹی اور ٹرنک سب۔" اماں نہ جانے کس رو میں بہتی وہ سب بتاتی جا رہی تھیں۔ جمیلہ نے بے یقینی سے یہ کہا تو جیسے وہ حواسوں میں آ گئیں۔۔۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہوں نے اپنے اطراف دیکھا تھا۔۔۔ وہ ابھی کہاں جا پہنچی تھیں؟ وہ بھی جمیلہ کے سامنے جسے بال کی کھال نکالنے میں ملکہ حاصل تھا۔

"وہ میں نے بیچ دیے۔۔۔" ان کے لہجے میں روکھا پن عود آیا۔ کچھ دیر پہلے والی حالت کا اثر ختم کرنے کے لیے غصہ ہی کام آ سکتا تھا۔

"ہا کیوں باجی۔۔۔؟" جمیلہ کی حیرت دوچند ہو گئی "بیچ دیا۔۔۔ وہ بھی جہیز کا سامان؟"

"کام کرو جمیلہ۔۔۔ دن چڑھ آیا ہے۔ کچھ دیر بعد عقیدت آ جائے گی۔ تھکی ہاری اور ابھی تمہاری ہانڈی کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ جلدی کرو سب بستروں کو دھوپ میں رکھ کر آؤ۔ آج تو کام لٹک گئے تمہارے۔"

"باجی۔۔۔" باجی شاید ان چاہے جہاں جا پہنچی تھیں۔ جہاں سے واپسی اتنی تھکن آمیز تھی کہ برداشت سے باہر ہو گئی۔۔۔ تابڑ توڑ انہوں نے جمیلہ پر خلاف عادت گولے برسا ڈالے۔ مگر جمیلہ اپنی دھن میں تھی زور سے چیخ کر اس نے اماں کی زبان کو بھی بریک لگا دیا۔ جانے کیسا قارون کا خزانہ ڈھونڈ بیٹھی تھی۔

"یہ کون ہیں؟" اماں کی خاک سمجھ میں نہ آیا وہ کس بابت کہہ رہی ہے۔ مگر جمیلہ کے اگلے جملے نے انہیں سرعت سے کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"اپنی عقیدت اور تحریم باجی کے ابا ہیں؟" اس کا انداز سوالیہ تھا۔ وہ گولی کی رفتار سے اس کے سر پر پہنچیں۔ جمیلہ نے ٹرنک آدھے سے زیادہ خالی کر لیا تھا۔ اسے یقیناً" جرسیاں، سوئیٹر نہیں مل رہی تھیں۔ اس لیے سارا ٹرنک کھنگالنے بیٹھ گئی۔ شاید نیچے کہیں رکھی ہوں۔ مگر وہ تو کیا ملنی تھیں۔ یہ تصویر ہاتھ آ گئی۔ جسے وہ بغور پر شوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اماں کا دل دھڑکنا بند ہو گیا۔ آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"تمہیں کہاں سے ملی؟" وہ بدقت تمام پوچھ پائیں۔

"یہیں اندر کپڑوں میں رکھی تھی باجی اچانک ہاتھ آ گئی۔ اچھا بتائیں ناں بچوں کے ابا جی ہیں نا۔۔۔" اماں نے تصویر جھپٹ لی۔ جمیلہ کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر وہ تصویر ہاتھوں میں مسل کر موڑ چکی تھیں۔ جمیلہ ہکا بکا ان کا یہ رد عمل دیکھتی رہی۔

"ایسے بے کار ہے۔" انہوں نے مسلی مروڑی تصویر لاؤنج میں جا کر کوڑے دان میں پھینک دی۔

"کپڑے واپس رکھ دو، ٹرنک کو تالا لگا دو، میں بھول گئی، جرسیاں اس میں نہیں تھیں۔" جمیلہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹرنک کا سامان رکھا۔ اماں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ انہیں خود کو سنبھال لینے میں مہارت حاصل تھی۔ لیکن اس وقت ان کی سیاہ پڑتی رنگت جمیلہ سے پوشیدہ نہ رہی۔ نہ جانے کس کی تصویر تھی۔ جمیلہ اپنے آپ میں مجرم بنی مرے مرے انداز سے روز مرہ کے کام کرنے لگی۔۔۔ جبکہ دل اچاٹ ہو چکا تھا۔

[illegible] کی عادت نہیں تھی۔ مگر [illegible] کچھ روز سے اس معمول پر کاربند تھا۔ سنٹرل پارک کی وسعت اور ویرانی آج پتا نہیں کیوں زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ وہ مزید جاگنگ کا ارادہ ترک کرتا بنچ پر جا بیٹھا۔۔۔ یہاں خاموشی مکمل تھی۔ کہیں کہیں پولیس کے گھوڑوں کی ٹاپیں گونجتیں تو خاموشی کا جزیرہ مرتعش ہو جاتا۔۔۔ ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی وہ اس دیس کی فضاؤں سے 'موسموں سے' مانوس نہیں ہو پایا تھا۔ اس کے کانوں میں آج بھی گزرے موسموں کی سرگوشیاں گونجتی تھیں۔

"فہد بارش بہت تیز ہو رہی ہے۔۔۔ گلی میں مت جانا۔۔۔ ابھی ابھی کپڑے پہنائے ہیں۔ سارے کیچڑ میں غرق کر آؤ گے یا پھر۔"

"ناس پٹے نے کیا ہے سب۔۔۔ اس فہد منحوس نے۔۔۔ سارا کیچڑ گھر میں لے آیا ہے۔ دھلا ہوا فرش برباد کر دیا۔" اور کبھی کوئی صدا بے چین کرتی۔

"ذلیل۔۔۔ بے غیرت۔۔۔ بدقماش ماں کا گندا خون۔۔۔ تو آگیا ہے ہم سے برابری کرنے والا۔۔۔" وہی بے چینی ابھی بھی چہرے پر آن چپکی۔۔۔ اس نے چپکے سے ماتھے پر سے نادیدہ پسینہ پونچھا تھا۔ آنکھوں کے آگے فلم سی چل رہی تھی۔ سردی، گرمی۔۔۔ موسم کی سختی سے بے پروا۔۔۔ دوڑ دوڑ کر فرائض نبھاتا۔۔۔ کتوں کی طرح ذلت آمیز رویے سہتا' صرف ایک چھت اور دو نوالوں کی آس میں اپنا اصل بھلا کر حکم کی تعمیل میں جتا رہتا۔ پھر بھی اہانت 'ہتک مقدر میں آتی۔۔۔

"تو مر کیوں نہیں جاتا۔۔۔ تو خودکشی کیوں نہیں کر لیتا۔۔۔ اتنے طریقے ہیں خودکشی کے' نہیں آتے تو میں بتاؤں میں سکھاؤں؟ پنکھے سے لٹک جا' گولیاں کھا لے' کچھ کر۔۔۔ نہیں تو بھاگ جا۔۔۔ دفع ہو جا ہمارے گھر سے ہماری زندگیوں سے' خدا کا عذاب بن کر چمٹ گیا ہے۔ پہلے ماں اور اب یہ۔۔۔"

پاس کہیں کسی پرندے کی چہکار گونجی تھی۔ وہ بے اختیار چونکا تھا۔ پارک کی ہری بھری جنت جوں کی توں تھی۔ ایک وہی زمانے پیچھے چلا گیا۔ پرانے موسموں کی اسیری اسے بھلائے نہیں بھولتی تھی۔

یہ جزیرہ۔۔۔ جس پر بہار کا خمار ہوتا یا خزاں اتر کر درختوں کو زردی عطا کرتی۔۔۔ یا منجمد جھیلوں کا حسن قیامت خیزی اختیار کر جاتا۔۔۔ وہ ان سے یکسر بے نیاز انہی پرانے موسموں کا اسیر تھا۔ بھلے غلام تھا یا بنا رہا تھا۔ لیکن وہ انہی موسموں کا اسیر تھا۔ ان موسموں سے دوری کب ہوئی وہ ان فضاؤں سے کب دربدر ہوا' کب یہ بے انت سفر اس کے نصیب کے ساتھ جڑا۔۔۔ وہ ان جانی راہوں کا مسافر کب اور کیونکر ہوا اسے ایک ایک لمحہ ازبر تھا۔ زندگی کی کتاب کے وہ اوراق کھولتے تکلیف اور وحشت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہاتھ آتا تھا لیکن وہ پھر بھی اسے باقاعدگی سے پڑھتا یاد کرتا' دکھی ہوتا۔

وہ 'وہ مسافر نہیں تھا جو شوق سیاحت کی تسکین کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ وہ 'وہ مسافر بھی نہیں تھا جس کے گھر سے نکلنے پر ماں اپنی آنکھوں میں اتری اداسی چھپانے کی سعی نہیں کرتی' جس کی بہنیں گلے سے لٹک کر باہر کی سوغاتیں لانے کی لمبی فرمائشیں داغتی ہیں۔۔۔ جس کے دوست بظاہر سنجیدگی سے مگر شوخی بھری آنکھوں کے ساتھ گوریوں سے دور رہنے کی ہدایتیں دیتے ہیں۔۔۔ اور کن انکھیوں سے "لگے رہنا" کا سگنل بھی دیتے ہیں۔ نہ وہ 'وہ مسافر تھا جس کا باپ اس کے دور دیس روانہ ہونے سے انجانے خدشات کا شکار ہوا نصیحتوں کی چوٹی ساتھ کرتا ہے۔ اسے اجنبی افق چھونے کی خواہش نہیں تھی۔ وہ مجبورا" دیس دیس گھوما۔۔۔ اس نے ناچار دشت چھانے' آگ کے دریا عبور کیے' صحراؤں کی ریت پھانکی۔۔۔ وہ اپنا آپ جھونک کر یہاں تک آیا تھا۔ ایک سلجھی ہوئی' بظاہر آسودہ حال نظر آتی زندگی۔۔۔ اور سفر کی اختتامی حد۔۔۔ نیویارک کوئی دیکھتا تو رشک کرتے نہیں تھکتا اس کے نزدیک وہ ایک کامیاب و کامران انسان تھا۔ مٹی کو سونا کر دینے والا۔

راحیل کی بیوی نے پوچھا تھا۔

"وہ یہاں کب سے ہے؟ اس نے پاکستان کی سکونت کیوں چھوڑی؟"

اور اس نے مختصر تو کیا جواب ہی نہیں دیا۔ نیویارک کی شاہکار عمارتوں پر انگشت بدنداں ہوئی نئی نویلی بھابھی کو کسی اور منظر میں الجھا دیا۔ وہ اس کے سوال سے بچ گیا تھا۔ مگر وہ اپنے اندر کی آوازوں سے نہیں بچ پاتا تھا۔ اسے تکلیف ہوتی تھی وہ جب جب سوچتا اس نے پاکستان کیوں چھوڑا۔۔۔؟

☼ ☼ ☼
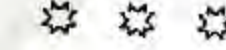
وہ لوگ جس دن سے گاؤں میں تھے۔۔۔ موسم شاندار ہو گیا تھا۔۔۔ پوری شادی کے دوران آسمان پر گھنے بادل سایہ فگن رہے۔ بارات والی رات دلہن کے رخصت ہوتے ہی چھاجو چھاج ایسا مینہ برسا کہ اگلے دن تک رکنے میں نہ آیا۔

"الٰہی خیر۔۔۔ اللہ کرم کرے۔" گاؤں والے ہولتے رہے اور وہ ان کے ہولنے پہ حیران۔ یہ عقدہ تو بعد میں کھلا کہ کسانوں کی محنت پر تو پانی پھرتا ہی پھرتا۔۔۔ گاؤں اور شہر کے راستے میں پڑتی نہر طغیانی کی لپیٹ میں آجاتی اور ایسا ہی ہوا۔ مسلسل کئی روز تک برسنے والی بارش نے راستے بلاک کر دیے۔ ایسے میں بھائی تو پریشان ہوئے ہی کہ انہیں طے شدہ دنوں سے زیادہ وقت یہاں رہنا پڑ گیا۔ بھائی کا وہ دوست بھی فکر مند ہو گیا۔ فروغ ماہ کو حویلی کی ہی کسی عورت سے پتا چلا وہ اس حویلی کا باسی نہیں۔۔۔ وہ کسی قریبی گاؤں کا رہائشی ہے اور اب نہر اس کے راستے میں بھی آڑے آگئی تھی۔

اور وہ جو یہاں آنے پر رضامند ہی نہیں تھی۔ اس خدائی مدد پر نہال ہو ہو گئی۔۔۔ اسے اس کے آس پاس رہنے کے مواقع ہاتھ آگئے تھے۔ جس نے اگرچہ اس دن والی جرات کا مظاہرہ پھر تو نہیں کیا تھا۔ لیکن آتے جاتے نظروں کے ایسے تبادلے کرتا کہ وہ تادیر مسحور رہتی۔

"شہر والی بی بی گھر بیٹھے بیٹھے تنگ آگئی ہو گی کوئی سیر شیر کا انتظام کرو' کھیتوں میں پینگیں (جھولے) ڈلواؤ۔" کسی کو اس کی ہمہ وقت سنجیدہ رہنے والی صورت سے اس کی بوریت کا خیال آیا تو حکم جاری کیا۔ اس کے مشکل نام کی وجہ سے خال خال ہی نام سے پکارا جاتا۔ وہ شہر والی ادی' شہر والی بی بی مشہور ہو گئی۔

کھیتوں میں جھولے ڈال لیے گئے۔ حویلی کی ہی نہیں آس پاس کے گھروں کی بھی لڑکیاں اس پکنک نما سیر کا لطف لینے ہمراہ روانہ ہوئیں۔ فروغ ماہ الگ مزاج کی تھی۔ اسے وہ چیز بہت کم خوش کرتی جو اس کے مزاج کے برخلاف ہوتی۔ وہ گاؤں میں اضافی دن رہنے پر اس لیے خوش ہوئی تھی کہ اسے دل کی خوشی مطلوب تھی۔ مگر یہ کھیت۔۔۔ جھولے اور لمبے لمبے جھولے لیتی دیہاتی لڑکیاں۔۔۔ وہ ادھورے دل کے ساتھ اس سب کا حصہ بنی رہی۔ دن کا کھانا بھی وہیں منگوا لیا گیا۔ حویلی سے خاص طور پر عورتیں دینے کے لیے آئیں۔ کھانے کے ہی دوران کھیت سے کافی فاصلے پر جیپ آن رکی۔ وہاں گاؤں کے لڑکے نیٹ لگائے والی بال کھیل رہے تھے۔ بہت دنوں بعد دھوپ نکلنے کا لطف یہاں بھی لیا جا رہا تھا۔ نیٹ کے ایک طرف چارپائیوں پر کچھ مرد بھی بیٹھے تھے۔

"شہباز لالا آگئے۔" کسی نے کہا اور ساری ایک جگہ پر سمٹ آئیں۔

"چلو یہاں سے چلتے ہیں۔ سارے مرد اکٹھے ہو گئے۔ شہباز لالا ڈانٹیں گے' باغ میں چلتے ہیں۔"

"باغ میں نہیں حویلی واپس چلو۔ بہت مزا کر لیا۔" ساتھ آئی کسی بڑی بوڑھی نے ڈپٹا۔ مگر فروغ ماہ کے لیے یہاں پہ رکنے کا ساماں تو اب بنا تھا۔

"میرے بھائی بھی ساتھ ہیں۔" شہباز کے ہمراہ چارپائی کی طرف بڑھتے بھائی اسے دور سے نظر آگئے تھے۔

"اسی لیے تو چاچی گھر واپس جانے کا کہہ رہی ہے۔ سارے مرد آگئے ہیں۔ شہباز لالا برا منائیں گے۔ میں ہم یوں باہر بھی نہیں آتیں۔ سوائے خاص خاص موقعوں کے۔ یہ تو آج تمہاری وجہ سے اجازت مل گئی ہے" راشدہ نے اسے تفصیلاً آگاہ کیا۔

"مگر مجھے باغ تو ہر صورت دکھاؤ۔" وہ بضد ہوئی۔ راشدہ چاچی کا منہ دیکھنے لگی۔ جنہوں نے مہمانداری کا خیال کر کے اجازت دے دی اور خود واپس ہولیں۔ باغ کہیں قریب ہی تھا۔ کچی کیریوں کی کھٹی باس سے بچا۔ ٹھنڈک کا احساس دلاتا۔ فروغ ماہ جیسی بدذوق و بدمزاج کے لیے یہاں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"یہ تمہارے شہباز۔۔۔ لالا یہاں نہیں رہتے کیا؟" ایک کچی کیری توڑتے اس نے بڑے عام سے انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ان کا گاؤں قریب ہی ہے۔۔۔ شادی کے لیے یہاں آئے۔" راشدہ کو سوال کی تہ تک پہنچنے سے زیادہ کیری کھانے میں دلچسپی تھی۔

"اچھا۔۔۔" فروغ ماہ نے سوچنے میں وقفہ لیا۔

"بہت غصہ ور ہیں۔ ان کے گھر کی عورتیں بھی ڈرتی ہیں اور ہماری حویلی کی بھی کہتے ہیں عورتوں کا حویلی سے باہر کیا کام۔ یہ تو تمہاری وجہ سے چپ ہیں۔ ورنہ آج بھی خیر مناتے ہماری۔"

"لگتے تو نہیں۔۔۔" فروغ ماہ نے ہر ممکن حد تک بے نیاز دکھنا چاہا۔ راشدہ مزے سے ہنسی تھی۔

"ان کی بیوی سے پوچھو۔۔۔"

"بیوی سے۔۔۔" فروغ ماہ کے اردگرد چھناکے سے ہوئے۔۔۔ ٹوٹ پھوٹ وہ بھی وحشت ناک۔

"ہاں نا۔۔۔ سارے گاؤں میں چودھرائن مشہور ہیں۔ مگر شہباز لالا کے سامنے بھیگی بلی بن جاتی ہیں۔ اصل میں لالا کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ان کے ماں باپ نے کر دی تھی۔ ان کے ابا کی یتیم بھتیجی ہے عمر میں شہباز لالا سے بڑی۔ ان کا ذرا بھی اس کی طرف دل نہیں۔ بس خاندان کی عزت سمجھ کر ساتھ رکھنے پر مجبور ہیں۔" حیرت انگیز حد تک جو ٹوٹ پھوٹ جو چھناکے ہوئے تھے۔ یہ سن کر ان کی شدت میں کمی آنے لگی۔ محبت اندھی ہوتی ہے کہ مصداق فروغ ماہ کے لیے اگلے ہی پل شہباز کی شادی کی کوئی اہمیت نہ رہی۔

راشدہ اسے شہباز کی بابت اور بھی کچھ بتاتی کہ وہ خود باغ میں آتا نظر آیا۔۔۔ اور وہ جب نظر آتا تھا فروغ ماہ کو اپنا آپ بھی بھول جاتا تھا۔ وہ ابھی بھی خود فراموش ہوئی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"اگر دو دن مزید دھوپ رہی تو راستے بن جائیں گے۔" اس نے آتے ہی پہلے راشدہ کو دیکھا اور پھر محتاط لہجے میں کہا۔ فروغ ماہ کی بلا سے۔۔۔ دھوپ نکلتی یا نا۔۔۔ اسے یہاں رہنے میں دلچسپی تب تک تھی جب تک وہ یہاں تھا۔ راشدہ جان بوجھ کر ادھر ادھر ہو گئی تھی۔

"تم شادی شدہ ہو؟" راشدہ کے ہٹتے ہی فروغ ماہ نے اسے کٹیلی نظروں سے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"ہاں ہوں۔۔۔"

"پھر بھی تم نے مجھ سے فلرٹ کرنا چاہا؟"

"یہ فلرٹ نہیں ہے۔" راشدہ ذرا فاصلے پر بظاہر کیریوں کی جانچ پڑتال میں لگی تھی۔ لیکن شہباز کو اندازہ تھا وہ ادھر ہی متوجہ ہے۔ اسے ملاقات کا دورانیہ مختصر کرنا تھا۔

"یہاں تفصیلی بات کرنا ممکن نہیں۔ میں شہر آؤں گا تو تمہارے بھائی کے پاس بھی آؤں گا۔"

"ہاں مگر بھائی الگ شہر میں رہتے ہیں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ۔"

"یعنی نہ آؤں!" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ یہ میں نے کب کہا۔" فروغ ماہ کو گھبراہٹ نے آلیا۔۔۔ شہباز نے دیکھا راشدہ نے ان کی طرف رخ پھیر رکھا تھا۔ اس نے فروغ ماہ کی چوڑیوں بھری کلائی تھام لی۔

"کسی بھی طریقے سے۔۔۔ آؤں گا ضرور۔۔۔ انتظار کرنا۔" اس کی چوڑیوں اور کلائی کو بڑے دل سے چھونے کے بعد اس نے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا تھا اور راشدہ کے ادھر دیکھنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

"اب گھر چلیں؟" راشدہ پاس آئی تو فروغ ماہ نے سوال کرنے کے انداز میں پوچھا۔ راشدہ سر ہلا کر رہ گئی۔ فروغ ماہ کی سنجیدہ مگر صورت پر بکھرے رنگ اسے کچھ خاص داستان سنا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

چھٹی کے ٹائم ڈاکٹر اویس اسے لینے کے لیے پھر سے حاضر تھے۔۔۔ عقیدت نے سارا دن ہر بات کے بیچ میں دعا کی تھی کہ وہ نہ آئے۔۔۔ بس صبح والی عنایت ہی کافی تھی۔ مگر اس کی تو جیسے کوئی دعا پوری ہی نہیں ہوتی تھی۔

"مائی گاڈ۔۔۔ تو تم واقعی ڈاکٹر اویس کے ساتھ آئی تھیں۔" اویس اپنے جاننے والے پروفیسرز سے ملنے میں لگا تھا۔ رجاء کو نا معلوم کیوں یقین نہیں آیا تھا۔۔۔ صبح عقیدت کو جب اویس چھوڑ گیا تب مائدہ اور حمنی تو آئی ہوئی تھیں رجاء نہیں۔ رجاء کے آنے پہ جب اسے یہ بریکنگ نیوز سنائی گئی کہ عقیدت ڈاکٹر اویس کے ساتھ آئی ہے تو جیسے اس نے اہمیت ہی نہیں دی اور اب آنکھوں دیکھی نے ساکت کر رکھا تھا۔

"کانٹ بلیو۔۔۔" اس کی آواز میں سرسراہٹ تھی۔

"کیوں تمہیں کیوں نہیں یقین نہیں آرہا؟" مائدہ کو اس کا یہ بے یقین انداز مصنوعی اور قدرے برا لگا' عقیدت نارمل تھی۔

"یہ تمہارے کچھ لگتے ہیں؟" اس نے اب کے عقیدت سے پوچھا۔

"بہنوئی۔"

"ان بلیوایبل۔" رجاء سے ہضم کرنا دوبھر ہو گیا۔ "یار رنگ برنگی فیملی ہے تمہاری۔۔۔ تمہاری مام حسن کا شاہکار۔۔۔ تمہارے بہنوئی اتنے آئیڈیل۔۔۔ تم اتنی پینڈو سی؟" یہ تمام دن میں دوسری بار تھا جب رجاء نے اسے پینڈو کہا تھا۔ وہ سنی ان سنی کیے ادھر دیکھتی رہی۔ جدھر اویس گیا تھا۔ "اوئے تم کس پہ چلی گئیں؟" اب وہ اس بات کا کیا جواب دیتی۔ آج کا پورا دن وہ ٹھیک ٹھاک رہی تھی۔ سارا کمال مائدہ کا تھا۔ اس نے مائدہ سے وہ باتیں کی تھیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں ایک نظر میں' ایک ملاقات میں اندر باہر سے نظر آجانے والے۔ صاف شفاف' کھرے' اسے مائدہ پیاری لگی تھی اور رجاء۔۔۔ اگرچہ پہلے دن کا پہلا تعارف وہی تھی۔ وہ دوست بنی تھی' مائدہ اور حمنی اس کے حوالے سے بنی تھیں لیکن سچ تو یہ تھا اسے رجاء سے پہلے ہی دن سے خوف محسوس ہوا۔ وہ تیز اور dominating طبیعت کی تھی۔ سب پر حاوی ہو جانے والی۔ صرف اپنی سنانے اور اپنی منوانے والی۔۔۔ عقیدت پوری زندگی بھلے ہی گنتی کے دو' چار لوگوں سے ملی ہو۔ لیکن حیرت انگیز حد تک وہ چہرہ شناس تھی۔ مائدہ اور رجاء میں سے اس کے ستارے مائدہ سے ملتے تھے۔۔۔ آج کی تاریخ میں اسے اتنا سمجھ میں آگیا تھا۔

حمنی اور زوبیہ گروپ فیلو تھیں اس لیے ان سے ہائے ہیلو رکھنی پڑتی۔ مگر اس سے زیادہ نہیں۔ دونوں مائدہ کے ساتھ ہاسٹل میں ہوتی تھیں۔ حمنی کشمیر کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جب کہ زوبیہ گوجرانوالہ سے آئی تھی۔۔۔ ان سب کے ساتھ اس کی زندگی کا نیا دور شروع ہونے جا رہا تھا۔

"یہ پینڈو تو نہیں لگتی۔۔۔" مائدہ نے حسب عادت انٹری ماری۔۔۔ پہلے روز کی طرح وہ آج بھی اس کے لیے

مہربان پری ثابت ہوتی رہی تھی۔
"لگتی ہے۔۔۔" رجاء کا لہجہ ضدی اور توہین آمیز تھا۔ اس بار مائدہ بھی خاموش ہو گئی۔ یوں بھی اویس ڈاکٹر عرفان کے روم سے باہر آگیا تھا اور عقیدت کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔ عقیدت خدا حافظ کہتی دوڑتی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔
"پینڈو۔۔۔" اس پر نظریں جمائے رجاء نے زیر لب یوں کہا کہ باقیوں نے بھی سن لیا۔ مائدہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ کیا ہو رہا تھا اسے؟ خوامخواہ ہی عقیدت پہ کمنٹ دے رہی تھی۔
"مائدہ۔۔۔ چلو ہم بھی چلیں۔۔۔ بھوک لگ رہی ہے نیند آرہی ہے۔" زوسیہ ہانپتی ہوئی آئی تھی۔
"اس کے بھائی آجائیں اس کو لینے۔" مائدہ نے رجاء کی طرف اشارہ کیا تھا۔ زوسیہ منہ بنا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ جنوبی پنجاب کا وہ علاقہ تھا جہاں گزشتہ سال سیلاب نے تباہ کاریاں مچائی تھیں۔ لوگوں کی جان، مال کچھ بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ حبہ سلمان پچھلے سال بھی کوریج کے لیے آئی تھی۔ جب یہاں کے حالات دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ لوگوں کے گھروں میں دروازوں کے اوپر تک پانی جمع تھا اور لوگ اپنی مدد آپ کے تحت سڑک کے اطراف پردے بنائے رہ رہے تھے۔
اس سال یہاں کے حالات وہ نہیں تھے۔۔۔ حبہ گزشتہ روز جس علاقے میں گئی تھی وہاں ترکش حکومت کے تعاون سے ایک کمرے کے کوارٹر نما گھر ایک ہی لائن میں بنائے گئے تھے۔ جب کہ جس علاقے میں وہ اس وقت موجود تھی ادھر حالات قدرے دل دکھانے والے تھے۔ لوگ اپنے ٹوٹے پھوٹے گھروں میں رہائش رکھے ہوئے تھے۔ زندگی پہلی سی نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ آبائی چھت چھوڑنے پر رضامند نہیں تھے۔ گھروں کی بنیادیں ہلی ہوئی تھیں۔ جوہڑ نما پانی ایک جگہ اکٹھا ہو کر تعفن اور بیماریوں کا سبب بن رہا تھا۔ مال مویشی بہہ گئے تھے۔ پھر بھی وہ یہاں بسنے پر مجبور تھے کہ حکومت کی نظر کرم یہاں نہیں پڑی تھی۔
حبہ کے لیے حیرت و تکلیف کا باعث وہ گھرانہ بنا جو ابھی تک سڑک کی سائیڈ پہ خود ساختہ پردے لگائے رہ رہا تھا۔ جہاں عورتیں۔۔۔ کپڑے دھو رہی تھیں اور حبہ کے پہنچنے پہ سب سرگرمیاں چھوڑے اس کے لیے چائے بنانے میں بھاگ دوڑ کرنے لگی تھیں۔ انہوں نے حبہ کے سامنے بریانی اور مرغی کے سالن سے بھری پلیٹیں بھی لا رکھیں۔
"یہ سب کہاں سے۔۔۔؟" اس وقت کیمرہ کلوز ہو چکا تھا۔ حبہ چائے وائے پینے کے بعد اپنی طرف سے ان کے حالات زندگی سن رہی تھی۔ اس شاندار کھانے کو دیکھ کر حیرت نہ چھپا سکی۔
"یہ جی دیگیں آئی ہیں آج۔"
"دیگیں؟" وہ مزید حیران ہوئی۔
"ہاں جی دیگیں۔۔۔ پکی پکائی۔۔۔ ہر مہینے آتی ہیں۔"
"کہاں سے آتی ہیں؟"
"پیسے والے صاحب ہیں۔ دردمند دل کے، اتنا عرصہ ہو جانے کے بعد بھی یہاں کھانا بھجوانا نہیں بھولتے۔"
"وہ خود آتے ہیں یہاں؟" حبہ کو یکایک اس نیک دل انسان سے ملنے کا شوق ہوا۔
"ہاں جی۔۔۔ نقد بھی دے جاتے ہیں سب کو۔"
"چلو دیکھتے ہیں۔" وہ ساتھ آئے کاشف اور ریحان کو اشارہ کرتی روڈ پر آگئی۔ ایک طرف دیگیں رکھی ہوئی

تھیں اور لوگوں کا جمگھٹا ارد گرد موجود تھا۔ حبہ کی نظریں اس مہربان کو تلاش کرنے لگیں۔
"وہ جا رہے ہیں جی۔" کسی نے بتایا حبہ نے دیکھا۔ وہ اپنی پجارو میں بیٹھ رہا تھا۔
آنکھوں پر گاگلز چڑھائے، وہ بے حد خوش لباس، بہت صاف ستھرا "آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا نوجوان یقیناً" سنعان آفندی تھا۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی۔
"یہ۔۔۔ یہ" قریب کھڑے شخص سے کچھ پوچھنے کی خواہش میں وہ بری طرح ہکلائی تھی۔
"جی یہ سنعان بھائی ہیں۔ اللہ ان کو اجر دے، ہمارا تو روم روم دعائیں دیتا نہیں تھکتا۔" پجارو اسٹارٹ ہو گئی تھی حبہ اس شخص کی بات پر دھیان دیے بغیر سنعان کی طرف بھاگی تھی۔۔۔ بے شک زمانہ ہو چلا تھا۔۔۔ بہت سال بیچ میں آگئے تھے۔ مگر وہ پھر بھی اس چہرے کا نقش نقش پہچان گئی تھی۔ کیونکہ وہ الگ تھا۔ وہ خاص تھا اور حبہ جانتی تھی۔ ایسے اگر وہ اس کے سامنے آجاتی تو وہ شاید ہی اسے پہچان پاتا۔ اس لیے نہیں کہ وہ خاص نہیں تھی۔ بلکہ اس لیے کہ وہ تھا ہی ایسا۔۔۔ مغرور۔

☼ ☼ ☼

خیریت رہی واپسی کے دوران تحریم کی کال آگئی۔۔۔
"ہاں ہنی۔۔۔ میں؟" اویس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر ڈول گیا۔ عقیدت کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی دوسری طرف کون ہے۔
"میں ابھی ہاسپٹل سے نکلا ہوں۔" عقیدت شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ مگر سماعتیں اویس کی آواز کی طرف لگی تھیں۔
"کیا مطلب؟ تم ہاسپٹل آرہی تھیں؟" عقیدت نے فوراً گردن موڑ کر دیکھا۔ اویس کے چہرے کا رنگ واضح اڑا تھا۔
"نہیں جان۔۔۔ ڈونٹ کم۔ میں آرہا ہوں نا ابھی۔ لنچ ایک ساتھ کریں گے۔" عقیدت کو تحریم کی پاور کا اندازہ ہو گیا۔ کال سن لینے کے بعد اویس نے گاڑی چلائی نہیں اڑائی۔ تمام راستہ عقیدت دہشت کے مارے کانپتی رہی۔ گھر آنے پہ وہ اتنا ہی خوش ہوئی جتنا کہ اویس۔ اسے زندہ بچ جانے کی خوشی تھی اور اویس کو ٹائم پر پہنچانے کی وہ تحریم کی بازپرس سے بچ گیا تھا۔
"میں چلتا ہوں گڑیا۔ پھر کبھی آؤں گا۔ اماں کو سوری بول دینا۔" اویس نے شائستگی سے معذرت کی۔ تحریم سے لنچ پر آنے کی بات نہ کی ہوتی تو وہ اماں کو سلام دعا کر کے جاتا۔
جمیلہ گیٹ پر کھڑی تھی۔ چہرے پر سارے جہاں کا جوش و اشتیاق لیے۔ چھوٹتے ہی اس کے گلے آلگی۔
"آج بلی بالکل ٹھیک لگ رہی ہے۔" اسے جمیلہ کا غیر ضروری استقبال ذرا نہ بھایا۔ بس پھول نچھاور کرنے کی کمی تھی۔
"اندر جانے دو۔" وہ بےزاری سے کہتی داخلی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ جمیلہ پیچھے پیچھے تھی۔ لاؤنج میں آتے اس نے بیگ اور کتابیں صوفے پر اچھالیں۔ جمیلہ نے فوراً اٹھا کر شیلف پر رکھ دیں۔
"کیا ہوا۔۔۔ اویس بھائی اندر نہیں آئے؟" جمیلہ اس کی شال اور جوتے ٹھکانے لگا رہی تھی۔
"نہیں۔" اسے جواب دینے کی ذرا خواہش نہیں ہو رہی تھی لیکن دینا پڑا۔ جمیلہ ایسے چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔
"ہائے۔۔۔ کیوں؟" ایک تو وہ جمیلہ کی اس "ہائے۔۔۔ کیوں" سے بڑا تنگ تھی۔

"ان کو پتا۔" وہ جھنجلا گئی۔ کالج میں سارا وقت ٹھیک ٹھاک گزرا تھا۔ مگر اب سر درد کرنے لگا۔ جمیلہ اکثر تنگ کر دیتی تھی۔

"تم نے ان کو شکریہ تو کہا تھا؟ کیسے اپنے مریض چھوڑ کر وہ آج سارا دن تمہارے ساتھ رہے۔ تم ان کو کھانے پر تو بلاتیں۔" اماں کے ساتھ رہ رہ کر وہ آدھی اماں تو ہو ہی چکی تھی۔

"اماں؟" اس نے جمیلہ کو مزید بولنے سے روکنے کے لیے بڑی مشکل سے موقع ڈھونڈ کر پوچھا۔ جمیلہ کی بولتی فی الفور بند ہوئی۔

"سو رہی ہیں۔" عقیدت دیکھ نہیں پائی جمیلہ نے نظریں چرائی تھیں۔

"اس ٹائم۔" وہ شدید حیران ہوئی۔ کم از کم آج تو سونا نہیں بنتا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے ان کی۔" اس کی پریشانی بجا تھی۔ اسے یقین تھا اماں اس کے انتظار میں گیٹ تک پھیرے لگا رہی ہوں گی۔ اس کے گھر داخل ہوتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دیں گی۔ سارے دن کی روداد سن کر دم لیں گی۔ مگر اماں سو رہی تھیں؟ صد حیرت۔۔۔

"ہاں ہاں۔۔۔ طبیعت ٹھیک ہے۔ بس ایسے ہی۔۔۔ فارغ تھیں تو۔۔۔" جمیلہ کی بات منہ میں تھی جب اماں اپنے کمرے سے آتی نظر آئیں۔۔۔ مضمحل اور بے سکون۔

"آ گیا میرا بچہ۔۔۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ عقیدت سے مسکرایا بھی نہ گیا اسے گلے لگا کر پیار کرنے کے بعد وہ جمیلہ سے مخاطب ہوئیں۔ "عقیدت اور تم کھانا کھالو۔ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔" وہ منہ کھولے حیرت و پریشانی سے اماں کو دیکھتی رہی۔ انہوں نے اس سے کالج کا حال تو درکنار اویس کے متعلق بھی نہیں پوچھا۔۔۔ وہ بہت عجیب سی ہو رہی تھیں۔ سوئی سوئی کھوئی کھوئی اور شاید روئی روئی بھی۔

"آپ۔۔۔ ٹھیک ہیں اماں؟" وہ اپنی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

"میں ٹھیک ہوں میری چاند۔۔۔ بس سر بھاری ہو رہا ہے۔ سوؤں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ کمرے میں چلی گئیں۔

"تم منہ ہاتھ دھو آؤ بی بی۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ آج میں نے قیمہ بنایا ہے مٹر اور شملہ کے ساتھ، تمہیں پسند آئے گا۔۔۔ اویس بھائی کے کہے پر آج سے عمل کر لو۔۔۔ دو روٹیاں کھانا۔" بہت بولتی تھی جمیلہ۔ وہ کپڑے بدل آئی۔ منہ ہاتھ دھو آئی، جمیلہ نے کھانا لگا دیا تھا۔ اماں کی وجہ سے اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ لیکن اماں کی ہی وجہ سے کھانا بھی ضرور تھا۔ ورنہ وہ ناراض ہوتیں۔

"اماں کو کیا ہوا ہے؟" جمیلہ اس کی پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔ جب اس نے پوچھا۔

"کہاں تو مجھے کالج بھیجنے پر ایکسائیٹڈ تھیں اور اب مزاج ہی نہیں مل رہے۔" اس نے عادت کے خلاف بات کی تھی۔ جمیلہ چہرے سے بدحواسی مٹانے کی خاطر خوامخواہ ہنسنے لگی۔

"لے بھئی۔۔۔ بڑا بولنا آ گیا ہے۔"

"کچھ تو ہوا ہے۔" یہ بے وقت کی ہنسی عقیدت کو اور کھلی۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" جمیلہ سنجیدہ ہو گئی۔ نظریں چرانے لگی۔ عقیدت کو شک گزرا۔ جمیلہ کچھ جانتی ہے۔

"صبح تو ٹھیک تھیں۔" عقیدت ہاتھ مسلنے لگی۔ پتا نہیں کیوں اماں لاہور آنے کے بعد سے مسلسل دل شکستہ نظر آ رہی تھیں۔ کبھی تحریم کی وجہ سے، کبھی اس کی وجہ سے اور آج نہ جانے کس کی وجہ سے۔

"اب بھی ٹھیک ہیں۔ تمہارے کالج جانے کے بعد ہم دونوں نے مل کر بہت کام کیے۔ رضائیاں نکالیں۔ تمہارے موٹے کپڑے، جرسیاں۔ پھر میرے ساتھ چھت پر دھوپ لگوانے کے لیے لے گئیں۔ بس تھک گئیں

اور کوئی بات نہیں۔" عقیدت کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"جمیلہ۔۔۔" اس کا کھانے سے دل اچاٹ ہو گیا۔ ہاتھ کھینچ کر وہ اداسی سے کہنے لگی "ہم نہ آتے یہاں۔۔۔ کاش نہ آتے۔ وہاں چھوٹا سا شہر تھا، چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر ہم خوش تھے۔ پرسکون تھے۔ اماں ایسی تھکی تھکی پہلے کبھی نہیں لگتی تھیں۔۔۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔۔۔ ہماری زندگیاں خراب نہ ہو جائیں۔۔۔ کچھ انوکھا نہ ہو جائے، کچھ برا۔"

"دلی۔۔۔" جمیلہ پریشان ہو گئی۔ عقیدت کی مایوس باتیں اسے بھی دہلا گئیں۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔" اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ جمیلہ نے ایک بار پھر نظریں چرائیں۔۔۔ اسے مسلسل مجرمانہ احساس کچوکے لگا رہا تھا۔ اس نے اگر تصویر دیکھ بھی لی تھی تو خاموشی سے واپس رکھ دیتی۔ کیا ضروری تھا چیخ چیخ کر جوش دکھانا؟

☆ ☆ ☆

وہ صوفے پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ بے رونق اور قطعی ویران۔ لاؤنج میں تاریکی جھانکنے لگی تو رضوانہ نے آ کر لائٹس جلا دیں۔ وہ بے نیاز بیٹھی رہیں۔

"کھانا لاؤں بیگم صاحبہ؟" انہوں نے محض نفی میں سر ہلایا۔ رضوانہ پھر بھی کھڑی رہی۔

"صاحب بھی آ گئے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔ فائزہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"بڑے صاحب آئے ہیں۔" صاحب سے مطلب سنعان بھی ہو سکتا تھا۔ رضوانہ نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ان کی آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔ زکریا کی آمد، زکریا کا ذکر، زکریا کی موجودگی ایسے ہی انہیں ہراساں کر دیتی۔

"وقت کیا ہوا ہے؟" رضوانہ سر جھکائے احتراماً کھڑی تھی۔ انہوں نے بلا ضرورت پوچھ لیا۔ رضوانہ کو اچھا لگا وہ ایک کے بعد دوسری بات کر رہی تھیں۔

"ابھی گیارہ نہیں بجے۔" اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف نگاہ اٹھا کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ یقیناً سونے جاتیں اب۔ رضوانہ سر ہلاتی کچن کی طرف ہو لی۔ وہ صوفے سے اٹھیں تو جیسے ٹانگیں کراہ گئیں۔۔۔ نہ جانے کتنی دیر سے یوں بیٹھی تھیں۔۔۔ سنعان کا بیڈ روم فرسٹ فلور پہ تھا، وہ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ نپے تلے قدموں کے ساتھ وہ اس کے کمرے کے دروازے پہ آ کھڑی ہوئیں۔ وہ اس وقت گھر پہ نہیں تھا۔ دن میں اسے عینی اور صوفیہ کی وجہ سے افراتفری میں کمرہ چھوڑنا پڑا۔ مگر پھر بھی اس کے کمرے میں ترتیب تھی۔ قرینہ تھا، نفاست تھی۔ کچھ دیر وہاں رک کر انہوں نے ہاتھ پھیر پھیر کر کئی چیزوں پر سنعان کا لمس محسوس کیا اس کی تصویر کو چوما پھر روشنی گل کرتی باہر آ گئیں۔ اسی فلور کے آخری کونے پر سنعان کے بچپن کی چھوٹی سی دنیا آباد تھی۔ ان کا رخ غیر ارادی طور پر اس کی طرف تھا۔

☆ ☆ ☆

"کافی چلے گی؟" ڈنر کے بعد ہارون نے اعلانیہ پوچھا۔

"دوڑے گی۔" عینی آپا نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر ہرا سگنل دیا۔

"خاتون آپ کے پیٹ میں آج سب کچھ دوڑے گا۔ کافی کے بعد Eno بھی دوڑے گا۔" شہربانو مسکرانے لگی تھی۔ عینی آپا نے دھپ رسید کر دی۔

"بدتمیز۔"

"دلیں۔۔۔ بدتمیز بھی میں ہوں، ہجوم میں بیٹھ کر باکسنگ آپ کھیل رہی ہیں۔" ہارون نے باقاعدہ کندھا ہلایا تھا۔

"آپ دونوں بھی پئیں گے ۔۔۔ آپ کو بھی کافی منع نہیں ہوگی؟" اس نے ایک کراہ کے ساتھ سنعان اور شہربانو سے پوچھا۔ سنعان نے ہلکا سا سر خم کر کے تو شہربانو نے آنکھیں مٹکاتے رضامندی دکھائی۔

"مال مفت دل بے رحم والا معاملہ ہے ۔۔۔ دو گھنٹوں سے یہاں بیٹھے ہو ابھی تک تم لوگوں کے گودام فل نہیں ہوئے۔ اب تو ویٹر بھی مشکوک ہونے لگے ہیں۔" گودام سے مطلب تھا پیٹ ۔۔۔ شہربانو نے ہنس کر تو سنعان نے ہلکا سا مسکرا کر اس جملے کا لطف لیا۔ عینی آپا بری بری نظروں سے گھورتی رہیں۔

"انتہائی نکما ہوٹل ہے ۔۔۔ سنعان ہم کسی اور ہوٹل میں بھی جا سکتے تھے۔" صاف ظاہر تھا وہ دل سے نہیں کہہ رہیں مگر ہارون کے دل پہ جا لگی۔

"بہن ۔۔۔ عرض کیا ہے ۔۔۔ آپ ملتان کے بیسٹ ہوٹل میں بیٹھی ہیں۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔

"تم سوئٹزرلینڈ سے واپس آجاؤ تو میں تم کو لاہور اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں دعوت دوں گی۔"

"خاتون ۔۔۔" ہارون بلبلایا۔ "پیدا آپ ملتان میں ہوئی ہیں۔ رہتی ناروے میں ہیں اور تعریفیں کر رہی ہیں لاہور کی ۔۔۔؟"

"ہاں کیونکہ لاہور لاہور ہے۔" عینی آپا نے مزید چڑایا۔ "اور لاہور میری سسرال ہے۔"

"دیکھ لو بیٹا ۔۔۔" ہارون نے سنعان کی طرف پینترا بدلا۔ "سسرال بھی کیا شے ہے۔ دس سالوں سے یہ ناروے میں مقیم ہیں۔ اور گن لاہور کے گا رہی ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی سسرال ہے ۔۔۔ پر تم کیا جانو ۔۔۔ کیوں شہربانو؟" آخر میں اس نے کب سے صرف مسکراہٹ پر اکتفا کرتی شہربانو کو بھی گفتگو میں گھسیٹ لیا۔

"توبہ ہے۔" اس نے الٹا ردعمل دکھایا۔ کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔ ہارون کی شکل دیکھنے لائق ہو گئی یہ سوچ کر کہ اس نے اپنی سسرال سے تنگ آئی توبہ مانگی ہے۔ "ایک نمبر کے مسخرے ہیں۔ سنعان بھائی آپ کیسے برداشت کرتے ہیں انہیں۔ بلکہ آپ کی دوستی کیسے ہوئی؟" ہارون کی سانس میں سانس آئی۔ وہ سسرال سے تنگ نہیں تھی۔

"یہ ہوتی ہے سسرال ۔۔۔!" عینی نے ہارون کو دیکھ کر اپنی آنکھیں مٹکائیں۔ "ابھی گھر میں آئی نہیں تمہاری دوستی کے پیچھے پہلے پڑ گئی ہے۔"

"اسے تم شعلہ اور شبنم کا ملاپ کہہ لو ۔۔۔" ہارون نے اپنے تئیں دریا کو کوزے میں بند کیا۔

"نہیں ۔۔۔ شیطان اور انسان کا" عینی آپا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ سنعان بھی مسکرا دیا تھا۔ ہارون کی خشمناک نظریں شہربانو پر ٹک گئیں۔

"اچھی نصف بہتر بنو گی ۔۔۔ ابھی سے میری ڈبو رہی ہو۔" وہ مصنوعی افسردہ ہوا۔

"یہ دونوں بچپن سے ساتھ ہیں۔ ان فیکٹ ہمارے فادرز کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ سنعان بہت لیے دیے مزاج کا بچہ تھا۔ دوست بنانے میں بڑا کنجوس تو اللہ نے ہارون کی شکل میں اسے بنا بنایا دوست دے دیا۔"

"یعنی آپ بچپن سے ایسے ہیں۔" شہربانو کا تبصرہ مبہم تھا۔ سنعان نے کندھے اچکائے مگر ہارون پیچھے پڑ گیا۔

"ایسے کیسے ۔۔۔؟ نہیں تم وضاحت کرو ایسا کیسے؟ کیا اس کے دو سینگ ہیں؟"

"نہیں ۔۔۔ اوفو۔" شہربانو جھنجلائی۔ "میرا مطلب کافی سنجیدہ کم گو۔"

"اور شریف بھی بول دو ۔۔۔" ہارون نے سراسر مذاق اڑایا۔ "یہ وہ والا شریف بچہ تھا جس کو ایک گال پہ تھپڑ پڑتا تو یہ دوسرا خود پیش کر دیتا۔ کہ بھائی یہ والا بھی ۔۔۔ یہ کیوں محروم رہے۔"

"یہ بہت برا مذاق ہے۔" اس نے سراسر مغالطے سے کام لیا تھا۔ شہربانو حقیقتاً "مائنڈ" کر گئی۔

"خاتون آپ پارٹی بدل رہی ہیں۔"

"پارٹی ہی نہیں مجھے اپنا فیصلہ بھی بدلنا پڑے گا۔" شہربانو چمک کر بولی تھی۔

"کون سا والا؟" ہارون نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔

"یہی آپ سے شادی والا۔"

"یعنی ۔۔۔ جن پتوں پہ تکیہ تھا وہی ہوا دینے لگے۔" ہارون رو دینے کو تھا۔

"بھئی ۔۔۔" عینی آپا نے دونوں ہاتھ لہرا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ پھر سنعان کو دیکھتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں بولیں۔ "شریف کا تو میں نہیں جانتی ۔۔۔"

"نہیں جانتی یا نہیں مانتی؟" ہارون نے بڑی مستعدی سے جملے کے بیچ ٹانکا لگایا تھا۔ عینی آپا ۔۔۔ زوردار گھوری کے بعد پھر سے شروع ہوئیں۔

"یہ بہت ملٹی ٹیلنٹڈ بچہ تھا۔ اکیڈمک، نان اکیڈمک سب ایکٹویٹیز میں آگے آگے رہتا۔ اس کے دو شوق بہت سر چڑھے ہوئے تھے ۔۔۔ سنگنگ اور پینٹنگ۔"

"رئیلی۔" شہربانو کو اچنبھا ہوا۔ سنعان جھینپ گیا تھا۔

"ہاں بالکل سچ ۔۔۔ اس کی آواز بہت شاندار تھی۔ بنا سیکھے یہ ایسے سر میں گاتا تھا ۔۔۔ یہ سیکھ کر تو دھوم مچا دیتا ۔۔۔ ہم لوگ اس سے باقاعدہ فرمائشی سانگ سنا کرتے تھے۔ تب یہ بہت شرمیلا ہوا کرتا تھا ۔۔۔ منتیں کروا کروا کے فرمائش پوری کرتا۔"

"آپ پچھلے کسی دور میں چلی گئی ہیں۔" سنعان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس کی شکل پر ہلکی سی رنجیدگی آ ٹھہری تھی۔

"ہم لوگ اس کو برتھ ڈے گفٹ کوئی نہ کوئی انسٹرومنٹس دیا کرتے تھے۔"

"لیو عینی آپا ۔۔۔" وہ قدرے بے زار ہو رہا تھا۔

"اور یہ کمال کا پینٹر تھا ۔۔۔ اتنی چھوٹی سی عمر سے ہی لاجواب اسکیچز بنانے شروع کر دیے تھے اس نے ۔۔۔ بڑی مہارت اور صفائی تھی اس کے ہاتھوں میں۔ ہارون اپنے چارٹس وغیرہ اس سے بنوایا کرتا اور یہ خود تو ہر کمپیٹیشن کا رائزونر ہوتا ۔۔۔" عینی آپا اس موضوع کو طول دینے کے موڈ میں تھیں۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے گویا ان کے رحم و کرم پر بیٹھ گیا۔

"واؤ ۔۔۔" شہربانو ۔۔۔ کی پسندیدگی مزید بڑھ گئی۔

"سنعان بھائی ۔۔۔ کبھی دکھایئے نا اپنے شاہکار ۔۔۔ اور سانگ تو مجھے ابھی سننا ہے پلیز پلیز پلیز۔"

"خاموش گستاخ۔" ہارون نے آنکھیں دکھا کر شہربانو کی بے صبری کو قابو کیا۔

"میرا مطلب پہلے ہی تین گھنٹوں سے ان کرسیوں پر چپکے اشتہار بنے بیٹھے ہو۔ یہ گانے لگے گا تو وہ ٹی وی اینکر کیمرہ مین لیے ہمارے سر پر آ کھڑی ہو گی۔ جو آج کی رات میرے ہوٹل ٹھہری ہے۔" یوں تو ہارون نے مذاق مذاق میں شہربانو کا دھیان ہٹایا تھا۔ لیکن سنعان جانتا تھا وہ اس کے اندر کی کیفیت سے واقف ہے ۔۔۔ وہ کیونکر اس موضوع کو طول دینے دیتا جو سنعان کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ گو کہ اس کے تاثرات سے نہیں ظاہر تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کبھی۔ مگر میں سنوں گی ضرور۔ بلکہ آپ میری شادی پر مجھے کوئی اچھا سا سانگ dedicate کیجیے گا۔ یہ میرا گفٹ ہو گا۔"

"نہیں نہیں مجھے یہ گفٹ وہ بھی بھری محفل میں قبول نہیں ہو گا۔ یہ اتنا اچھا سنگر بھی نہیں ہے۔" ہارون نے سختی سے انکار کیا۔ سنعان کی آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی ۔۔۔ یادوں کی کرچیاں چبھن دینے لگیں۔ وہ آس پاس کی آوازوں سے 'خود سے' بے خبر ہو چکا تھا ۔۔۔ بقول اس کے خود کے 'پچھلے' کسی دور میں چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کے ہاتھ میں چھوٹی سی بچوں والی ڈائری تھی۔ جس کالاک بھی تھا۔ جو شاید اتنی غیر اہم ہو چکی تھی کہ ان لاکڈ تھی انہوں نے ایک ساتھ کئی صفحات پلٹ ڈالے۔

"آج ہمارے اسکول میں drawing competition تھا..... میں بہت ایکسائیٹڈ تھا۔ میرے کے بغیر میری ٹیچرز میرا نام دے دیا کرتی تھیں۔ میری ڈرائنگ ' میرے اسکیچز کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح میرے مام ڈیڈ اس مقابلے سے لاعلم تھے۔ ان دونوں کو مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میری مام میری رپورٹ کارڈ لینے میرے اسکول کبھی بھی نہیں آئیں۔ میرے ڈیڈی کو یہ بھی نہیں پتا کہ میں کس گریڈ میں ہوں..... پھر بھلا وہ میرے شوق ' میری ایکٹیویٹیز کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں۔ میں شدت سے آج کے دن کے انتظار میں تھا۔ مگر ــــ میں آج نہیں جاسکا۔ میں آج کے مقابلے میں غیر حاضر رہا۔ میں حصہ نہیں لے سکا۔ کیونکہ میں الٹے ہاتھ سے جیسے تیسے لکھ تو سکتا ہوں لیکن پینٹنگ نہیں کر سکتا۔ اس سال میرا پرائز کوئی اور جیت گیا۔ میں گھر پر بیٹھا روتا رہا رونے کے علاوہ میں کچھ اور کر بھی نہیں سکتا تھا۔

کل شام ڈیڈی ــــ بہت غصے میں تھے۔ بہت اونچی آواز میں بول رہے تھے اور یہ سب ہمارے گھر میں اکثر ہوتا ہے۔ ڈیڈی چیخ رہے تھے۔ مما رو رہی تھیں۔ میں بھی رونے لگا تھا۔ دونوں میں سے کسی کو میری پروا نہیں تھی۔ میں پھر بھی رو رہا تھا۔ مجھے امید رہتی تھی شاید اپنے جھگڑے کے بیچ میری طرف متوجہ ہو جائیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ کل شام بھی نہیں ہوا۔ میری مما روتی رہیں۔ ڈیڈی کا غصہ بڑھتا گیا۔ پھر جب اندھیرا ہو گیا ڈیڈی نے مما کو لان میں درخت کے نیچے بغیر جوتوں کے کھڑا کر دیا۔ وہاں بہت ساری چیونٹیاں اور مکوڑے تھے۔ مما کو انہوں نے باندھ نہیں رکھا تھا۔ مگر مما پھر بھی اس جگہ سے نہ ہلیں۔ مما کی تکلیف مجھے خود پر محسوس ہونے لگی۔ چیونٹیاں مکوڑے ان کے پیروں پر کاٹ رہے تھے۔ میری حالت خراب ہونے لگی۔ میں مما سے لپٹ گیا اور رو رو کر کہنے لگا۔

"مما کمرے میں چلیں ' یہاں سے ہٹ جائیں یہ بہت زور سے کاٹتے ہیں آپ کو بہت درد ہوگا۔ ڈیڈی کچھ نہیں کہیں گے ' انہوں نے آپ کو باندھا تو نہیں پلیز مما پلیز۔" مگر مما اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ ڈیڈی باہر آگئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے کوئی پتلی سے اسٹک اٹھالی۔ وہ ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ میں ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا وہ مما کو مارنے آرہے ہیں۔ میں اونچی آواز میں رونے لگا۔

"نہیں ڈیڈی ' مت ماریے ' مما کو مت ماریے ' ان کو درد ہوگا۔" مگر وہ مما کو مارنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ انہوں نے وہ چھڑی اس زور سے میرے بازوؤں پر ماری کہ میری چیخیں نکل گئیں۔ خود کو بچانے کے لیے میں نے چہرے کے آگے ہاتھ کیے چھڑی میرے رائیٹ ہینڈ پر لگتے ہی دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی۔ اس کا آدھا ٹوٹا ہوا نوکیلا حصہ میرے ہاتھ زخمی کر گیا تھا۔ وہاں سے خون نکلنے لگا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے بڑا آیا ماں کا ہمدرد ' دفع ہو جاؤ۔ نہیں تو مار ڈالوں گا۔" میں تکلیف کے احساس سے دوہرا ہوتا اندر بھاگ گیا۔ مجھے امید تھی مما اپنی سزا ختم ہونے کے بعد میرے پاس ضرور آئیں گی ' لیکن وہ نہیں آئیں ..... میں روتے ' روتے پتا نہیں کب سو گیا۔ مجھے نہیں معلوم مما کی ــــ سزا کب ختم ہوئی۔ آج صبح مجھے ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ میں اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ ڈاکٹر آتا پانہ ــــ مجھے ابھی بھی آس تھی مما میرے کمرے میں مجھے دیکھنے ضرور آئیں گی ــــ میں کہیں نہ کہیں خود کو جھوٹی تسلی دے رہا تھا کیونکہ مجھے پتا تھا انہوں نے نہیں آنا۔ میرا زخم بہت تکلیف دے رہا تھا۔ میرا سر اور جسم بہت درد کر رہا تھا۔ مگر ملازموں کے سوا میرے روم میں کوئی نہ آیا۔ ڈیڈی مما کو

جب جب پنش کرتے تھے۔ تو مما بہت دنوں تک گم سم اور چپ چپ رہنے لگتیں۔ وہ مجھ سے بات کرنا بالکل چھوڑ دیتیں اور مجھے سمجھ نہیں آتی پنش ان کو ڈیڈی کرتے ہیں۔ اور ناراض وہ مجھ سے ہو جاتی ہیں لیکن آج شام وہ میرے لیے سوپ بنالائیں۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے ' میرے بالوں میں ہاتھ پھیر کے چلی گئیں۔ انہوں نے نہیں پوچھا "سنی تم اسکول کیوں نہیں گئے؟ تمہارا زخم کیسا ہے؟ تمہیں کتنی تکلیف ہوئی؟ تمہارا آج آرٹ مقابلہ تھا۔ تم نہیں جاسکے۔" مجھے وہ بہت بڑی خود غرض لگیں۔ میں نے سوپ گرادیا۔

I hate my mom Dad 'I hate my life -

کاش اللہ پاک مجھے کسی اور گھر پیدا کرتے۔

کاش میرے ممی ' ڈیڈی کوئی اور ہوتے ' کاش ہارون کے مما ڈیڈی میرے ممی ڈیڈی ہوتے ــــ کاش میں مرجاؤں۔"

اس ڈائری کا ہر صفحہ انہی محروم ' مایوس یادداشتوں سے مرقوم تھا۔ اس ڈائری میں لکھے سب دن ذلت بھرے ' ایب نارمل تھے۔ بہت سے صفحات پر بڑے بڑے حروف میں درج۔

"I want to die" پڑھ کر ان کے کلیجے پر چھریاں سی چل گئیں۔ وہ با آواز بلند رونے لگیں۔ وہ بچپن جو کھلونوں کی نند ہونا چاہیے تھا۔ جس میں بے فکری ہونی چاہیے تھی۔ ان کا بیٹا موت مانگتا رہا۔ کاش کہ وقت پیچھے جاسکتا ' کاش کہ گزرے دن لوٹ سکتے ــــ تو وہ ازالہ کر دیتیں۔ وہ اچھی بن جاتیں۔ وہ ویسی بن جاتیں جیسی وہ چاہتا تھا۔ وہ ہارون کی ممی سے بھی اچھی بن جاتیں۔

کتنا صحیح لکھا تھا اس نے ' ڈیڈی اچھے نہیں تھے مما تو اچھی ہوتیں اور یہاں وہ شوہر کے بدسلوک رویے سے نڈھال اپنے ہی سوگ میں مبتلا رہیں۔ بھول جایا کرتیں کہ ایک معصوم زندگی ' ان کے خون سے سینچی ہوئی بھی اس گھر میں موجود ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے ' جسے ان کی ضرورت ہے مگر وہ اس ضرورت سے منہ موڑے ہمیشہ اپنے غم پالتی رہیں۔ ہمیشہ خود ترسی میں مبتلا رہیں۔ یہ سوچ کر کہ وہ حق پہ ہیں۔ وہ شوہر کے کریہہ سلوک کا شکار ہو کر اگر تکیوں میں منہ گھسیڑے ' دنیا والوں سے چھپ کے ماتم کرتی ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ ایسے میں لوگوں کو ان سے ہمدردی جتانی چاہیے نہ کہ انہیں زخم بھلا کر بیٹے کی خاطر ہی سہی بہادری دکھانی چاہیے۔ وہ جو سوگ مناتی ہیں تو وہ منانے میں حق بجانب ہیں۔

اور آج احساس ہو رہا تھا انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کا بچپن مسخ کر دیا۔ خود ابنارمل تھیں۔ اسے بھی ابنارمل بنادیا۔

سنعان کو پینٹنگ کا بہت شوق تھا۔ اسے آرٹ سے متعلقہ ہر شعبے میں دلچسپی تھی۔ وہ بہت نفیس بچہ تھا۔ اس کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ بچپن میں اسکول کی حد تک ملی ترانہ اور نعتیں ذوق شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ ٹیچرز اس کی پرستار تھیں۔ برملا کہتی تھیں وہ بڑا ہو کر سنگر بنے گا۔ سنعان کو یہ کمپلیمنٹ بڑا خوش کرتا۔ مگر گھر میں اس شوق پر قدغن لگ گئی ڈیڈی نے نہ جانے کیسے سن گن پالی۔

"دوبارہ تمہیں گاتے ہوئے نہ دیکھوں ' سنا ــــ دوبارہ نہ دیکھوں۔ یہ میرا گھر ہے۔ تمہاری ماں کا کوٹھا نہیں۔" انہوں نے اس کی ہڈی ہڈی ہلادی تھی۔ وہ عجیب وحشی اور جنونی ہو چلے تھے۔ اس کے تمام انسٹرومنٹس جن کی حفاظت وہ خود سے بھی بڑھ کر کرتا تھا۔ بڑی بے دردی سے خود اس کے اپنے ہاتھوں چور چور ہو گئے۔

ہاں مگر پینٹنگ کا شوق اس کے ساتھ جوان ہوتا رہا۔ فائزہ جانتی تھیں وہ رات کو اکثر کینوس اور برش کے ساتھ مصروف رہتا ہے۔ مگر یوں خصوصاً "اس کے اسٹوڈیو میں آکر ایک ایک چیز دیکھنا ' یہ وہ پہلی بار کر رہی تھیں۔ یہاں سنعان کا اصلی روپ موجود تھا۔ تشنہ اور محروم۔

عتیقہ ملک

مکمل ناول

دل اک شہر ملال

اس کے بچپن کی یادگار مصوری' اس کے کھلونے اور اس کے اسکول کے زمانے کی تصویریں انعام لیتے ہوئے
' نعت پڑھتے ہوئے' تقریر کرتے ہوئے۔۔۔ ان کا بچہ اتنا قابل تھا اور انہوں نے ضائع کردیا تھا۔ فائزہ دھندلی
آنکھوں کے ساتھ ایک ایک تصویر دیکھنے لگیں۔ اس کے پرائز یہاں کاٹھ کباڑ کی طرح بکھرے تھے۔۔۔ فائزہ کے
لیے یہ وہ دنیا تھی۔۔۔ جسے وہ اپنے ہاتھوں سے کھو چکی تھیں اور اب پچھتاوے کی شدت سے بلک بلک کر رو رہی
تھیں۔

ایک بجنے سے ذرا پہلے وہ گھر آیا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح خاموشی اور ویرانی منتظر تھی۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ دروازے
سے جھانکتی رضوانہ کو جان بوجھ کر نظرانداز کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا' تھکاوٹ جسمانی ہوتی تو معمولی بات تھی۔ اس
کا تو دماغ سن ہو رہا تھا۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے کے دوران اس کی نظر غیر ارادتا" اپنے کونے والے کمرے پر پڑی۔ وہاں
دروازے سے روشنی جھانک رہی تھی۔ وہ بے اختیار اس طرف گیا۔۔۔ ادھ کھلے دروازے میں سے وہ با آسانی نظر
آرہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں اس کی بچپن کی ڈائری تھی۔ اور وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھیں۔۔۔ وہ کتنی آسانی
سے اپنا کیا آنسوؤں سے صاف کر رہی تھیں۔۔۔

سنعان کو انہی کی طرح اپنا آپ مظلوم لگا۔۔۔ قابل رحم لگا' حق پر لگا۔۔۔ وہ کل ایسا سوچ کر' ایسا سمجھ کر اس کو
نظرانداز کرتی تھیں۔ وہ آج ایسا کرنے پر مجبور ہوا۔ اس پر بے حسی بڑی شدت سے طاری ہوئی۔۔۔ انہیں یوں ہی
روتا چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔ یہ خود ترسی کی انتہا تھی خود غرضی کی نہیں۔

☼ ☼ ☼

رات کے پچھلے پہر اماں بستر سے اٹھیں۔ عقیدت مخالف کروٹ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ کچھ دیر اسے دیکھتی
رہیں۔ اس کے گھنے بالوں کی چوٹی سائیڈ سے اس کے چہرے پر گری ہوئی تھی۔ نہایت آہستگی سے انہوں نے وہ ہٹائی
پھر دبے پیروں سے چلتی کمرے سے باہر آگئیں۔ سر بے تحاشا بھاری ہو رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
صبح سے اب تک ایک ہی خیال تھا۔ سونے کے بہانے نہ جانے کتنے آنسو بہا چکی تھیں۔ پھر بھی سکون ندارد تھا۔
جمیلہ کے خراٹے قریب کے کمرے سے پوری آواز کے ساتھ گونج رہے تھے۔ ان کی وجہ سے آج وہ بھی بے
چین رہی تھی۔ سارا قصور اپنا سمجھ کر منہ چھپائی پھری تھی۔ حالانکہ اس میں اس کی کیا غلطی ہے۔۔۔؟
ایک گہری ٹھنڈی آہ بھر کے انہوں نے خود کو خیالات کی رو سے باہر نکالا۔ آہستگی سے چلتی کوڑے دان کے
پاس آگئیں۔ ڈھکن ہٹا کر دیکھا۔ اس میں تصویر ابھی بھی سب سے اوپر مڑی تڑی پڑی تھی۔ انہوں نے کانپتے
ہاتھوں کے ساتھ وہ تصویر اٹھائی۔ جمیلہ کے کمرے کی طرف اچٹتی نظر ڈال کر ٹیبل کے قریب آئیں تصویر اس کی
سطح پر رکھ کر ہاتھوں سے پریس کرنے لگیں۔ وہ کسی حد تک قابل دید حالت میں آگئی۔ اسے ہاتھ میں لیے واپس
کمرے میں آئیں۔۔۔ عقیدت ابھی بھی اسی کروٹ سوئی ہوئی تھی۔
نہایت آہستگی سے الماری کا لاک کھولا۔ وہاں کچھ کاغذات پہلے سے دھرے تھے۔ تصویر ان کے اندر چھپا کر
رکھنے کے بعد لاک کرا اور الماری بند کردی۔۔۔ چابی اپنی جگہ پر رکھ کر وہ خاموشی سے بستر پر آلیٹیں۔ مطمئن اور قدرے
پرسکون حیرت انگیز طور پر انہیں نیند بھی آگئی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

دولہا کے چند دوستوں پر مشتمل مختصر سی بارات آچکی تھی۔ رانی کے آنسوؤں میں بھی شدت آگئی تھی۔ وہ جو صبح سے کئی مرتبہ رو کر پھر نہ رونے کا تہیہ کرچکی تھی اس وقت شدومد سے رو رو کر خود کو ہلکان کررہی تھی۔ دولہا کی طرف سے بانو بیگم نے بری کے نام پر جو رقم وصول کی تھی اس میں حتی الامکان ڈنڈی مار کر چند زرتار جوڑے اس نے پہلے ہی تیار کرلیے تھے۔

بنوائی کی بیٹی سکینہ جس کا شوہر شہر میں کسی ہوٹل پر کام کرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چند مہینے گزار کر آئی تھی اور اب بستی کی ماہر مشاطہ کا درجہ اختیار کرچکی تھی۔ رانی کو دولہن بنانے کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ بانو اماں کے ساتھ سکینہ اور فرحت اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"اٹھ جا رانی پتر شاباش۔" بانو بیگم نے اسے چمکارا تھا۔ اس لہجے میں چھپی غرض رانی سے پوشیدہ نہیں تھی۔

"ہائے ہائے رو رو کر جھلی ہورہی ہے رانی دھی یہ دن تو سب پر آتا ہے ہر دھی کو رخصت ہو کر پرائے دیس جانا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں دھیاں اڑاسی چڑیاں۔" بانو بیگم نے پہلے تو فرحت اور سکینہ کو مڑ کر اس کی حالت زار سے آگاہ کیا اور پھر کمال انجان بن سے کام لے کر اسے حقیقت سے روشناس کرانے لگی تھی۔ رانی کے آنسو اسی رفتار سے جاری تھے۔

"تم لوگ اسے تیار کرو، میں ذرا باہر کا کام دیکھوں۔" بانو بیگم نے بے زاری سے انہیں مخاطب کیا اور باہر نکل گئیں اور باہر کون سا دیگیں پک رہی تھیں، مگر بستی کا تقریباً" ہر فرد اس انوکھی شادی کو دیکھنے چلا آیا تھا۔ اچانک دیوار کے دوسری طرف مردانہ حصے سے بحث مباحثے کی آوازیں آنے لگیں جنہوں نے گھر میں موجود عورتوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا اور وہ دیوار سے چپکی سن گن لینے لگی تھیں۔ تب ہی ظفری پھولی سانسوں کے ساتھ بھاگا چلا آیا تھا۔

"ارے خیر تو ہے کیا قیامت آگئی۔" دروازے میں کھڑی اماں کے لہجے میں ہزاروں خدشے بول رہے تھے۔ "ماسی اشرف لالہ اور سیٹھ شوکے میں تو تو میں میں ہوگئی ہے۔" بانو بیگم مزید پریشان ہوئیں جبکہ نڈھال رانی کے وجود میں جان پڑنے لگی تھی۔ شاید اس کے آنسو قبولیت کا درجہ پاگئے تھے لمحے بھر کے لیے اس کے ذہن میں خیال کوندا تھا۔ ظفری تو خبر سنا کر باہر دوڑا تھا کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی شادی سیٹھ شوکے کے ساتھ ٹل جائے، مگر کیوں؟ اشرف بھلا سیٹھ شوکت کے منہ لگنے کی جرات کیسے کرسکتا ہے۔ رانی کے علاوہ ہر ایک نے اس بات کو حیران ہو کر سوچا ضرور تھا۔

☼ ☼ ☼

آفس میں کچھ ویکنسیز ویکنٹ ہونے پر اشتہار دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں تمام ضروری نوعیت کے انٹرویوز فائنل ہوچکے تھے۔ آج انٹرویو کا دوسرا دن اختتام پذیر تھا چند لوئر لیول کی آسامیوں کا انتخاب سعد پر چھوڑ کر وہ خود لیپ ٹاپ پر مصروف ہوگیا تھا۔ "مس حمرہ احمد" سعد جو قدرے عجلت میں امیدواروں کو نمٹا رہا تھا۔ سامنے بیٹھی امیدوار کے کاغذات کو الٹ پلٹ کرکے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ نے غالباً" پہلی دفعہ کسی جاب کے لیے اپلائی کیا ہے۔"

"نو سر دوسری دفعہ۔" مختصر جواب آیا تھا۔

"خیر۔ اتنی ان کمپلیٹ سی وی پہلی مرتبہ اپلائی کرنے والے بندے کی ہوسکتی ہے۔" امیدوار کے چہرے پر خجالت کی سرخی ابھری مگر وہ خاموش رہی تھی۔

"آپ کی کوالیفکیشن بی ایس سی اور شارٹ کورس، جبکہ ہم نے اس سیٹ کے لیے بی ایس ایس یا مساوی کوالیفکیشن ڈیمانڈ کی ہے۔"

"سر میرا بی ایس سی کا رزلٹ اس ہفتے اناؤنس ہوا ہے۔ میں نے OSF سے PGD کا ایک سالہ کورس بھی کیا ہے، مگر اس کا سرٹیفکیٹ اس رزلٹ

کے اناؤنس ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد ملے گا۔"

"ہوں! بہرحال مس حمرہ! جاب میں ادھار کے معاملات کہاں چلتے ہیں۔ آپ اس جاب کی تب ہی اہل ہوتیں اگر جب آپ کی سی وی ہر لحاظ سے مکمل ہو۔" سعد نے فائل بند کرتے ہوئے گویا اسے کورا جواب دیا تھا۔

"یہ فائل مجھے دینا۔" لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ساحر نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو سعد نے خاموشی سے فائل اس کی طرف بڑھادی تھی۔

"ہم آپ کو عارضی طور پر اپائنٹ کرسکتے ہیں۔" اس نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تھینک یو سر تھینک یو ویری مچ۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ ساحر نے فائل ٹیبل کے دوسری طرف کھسکا دی تھی۔

"آپ کل سے جوائن کرسکتی ہیں۔" سعد نے اسے جانے کا سگنل دیا تو وہ خدا حافظ کہتی ہوئی نکل گئی تھی۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا۔" اس کے باہر نکلتے ہی سعد اس کی طرف جھک کر رازداری سے پوچھ رہا تھا۔

"اس میں سمجھنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" ساحر نے لاپروائی سے کندھے اچکا کر جواب دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

چلتے چلتے تھکن اور پیاس کا شدید احساس ہوا تو اس نے چند لمحے ٹاہلی کے درخت کی گھنی چھاؤں میں رک کر ستانے کا سوچا تھا اور اپنی اس سوچ پر عمل کرتے ہوئے اپنی چادر کے پلو سے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کرنے لگی تھی۔ وادی کے حسن کو تپتا سورج گہنا رہا تھا۔ گاؤں سے نکل کر بستی کی طرف آتے ہوئے اس جگہ سے وادی کا تمام منظر دیکھا جاسکتا تھا۔ زندہ دل افراد کے دیکھنے کے لیے یہ منظر بہت بھلا تھا۔ گاؤں کے منچلے شام ٹھنڈی ہونے پر باہر نکلتے تو یہیں اونچی نیچی جگہوں پر ڈیرے جما کر گپیں لگایا کرتے، مگر اس وقت یہ جگہ بالکل سنسان دکھائی دیتی اور یہی بات رانی کو شدت سے کھلتی تھی اونچی نیچی پگڈنڈیوں سے گزرتے ہوئے سنسان دوپہر میں چند منٹ کے راستے کی ویرانی اسے ہولائے دیتی۔ شروع شروع میں کئی دن اماں سے کہا کہ امجد اسے لینے آیا کرے۔ کئی دن تک امجد آتا رہا، مگر پھر ڈنڈی مارنا شروع کردی۔

"آئے بچہ بے چارہ بھری دوپہر میں دو چکر لگاتا ہے۔ اپنا گاؤں ہے خیر سے یہاں کیا ڈر۔" اماں کی شہ نے وہ سلسلہ مکمل طور پر موقوف کرڈالا تھا۔

زور سے قہقہے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا، راستے سے قدرے ہٹ کر کیکر کے درخت کی چھاؤں تلے بیٹھے تین چار افراد پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ جو پسینہ خشک ہونے کے انتظار میں ستا رہی تھی۔ اس نے بدک کر قدم اٹھاتے ہوئے ایک اچٹتی سی نظر ان پر بھی ڈالی تھی۔ ان میں سے قدرے پکی عمر کا ایک شخص، کالے کپڑوں میں ملبوس گلے میں مفلر ڈالے، کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اماں کی دی ہوئی تسلی کو دل ہی دل میں دہراتے ہوئے اس نے قدموں کی رفتار تیز کی تھی۔ آخر کو سامنے دو تین گھر تھے قدرے فاصلے پر ہی سہی آگے جا کر دو عورتیں سروں پر گھاس کی گٹھڑیاں رکھے گاؤں کی طرف آتی ہوئی ملیں تو گویا اس کی جان میں جان آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سعد کی گاڑی ورکشاپ میں تھی سو اس نے صبح ہی ساحر سے کہہ دیا تھا واپسی پر اسے ڈراپ کرے۔ آفس سے واپسی پر یاد آنے پر اس نے سعد کے روم میں جھانکا تھا۔ وہ چائے کے سپ لیتا ہوا تیزی سے کمپیوٹر پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

"ابھی نکلنا ہے یا گاڑی واپس بھیجوں۔" ساحر اسے مصروف دیکھ کر اندر آگیا تھا۔

"بس یار جسٹ فائیو منٹس۔ چائے پیو گے؟"

سعد نے عجلت میں اسے آفر دی تو وہ کپ میں جھانک کر بچی ہوئی چائے پیتے ہوئے اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اسی وقت اندر آئی اور سعد کو ایک

فائل پکڑا کر اس سے کچھ بات چیت کرنے لگی تھی۔
"السلام علیکم سر!" تب ہی اس کی نگاہ ساحر پر پڑی تھی۔ ساحر نے ہلکے سے اشارے سے اسے جواب دیا اور تب ہی یاد آیا کہ اس لڑکی کو تو عارضی طور پر اپائنٹ کیا تھا۔ کچھ دن پہلے کا مصروف سا ٹور اور پھر دو دن تک سفر کی تکان اتارنے کے چکر میں وہ تھوڑی دیر کے لیے آفس آتا تھا۔ یوں بھی سعد کے ہوتے ہوئے اسے آفس کی زیادہ فکر نہیں ہوتی تھی۔ وہ اسی آف وائٹ سوٹ میں ملبوس تھی جو اس نے انٹرویو کے روز پہن رکھا تھا اور پنک بارڈر والی شال جس نے اسے اچھا خاصا لپیٹ رکھا تھا۔ البتہ آج سر پر اسکارف تھا۔ ساحر بے دھیانی میں اسے سعد سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔
"اس لڑکی کی جاب ابھی تک فائنل نہیں ہوئی۔" اس کے باہر جانے کے بعد وہ سعد سے استفسار کر رہا تھا۔
"تمہاری آشیرباد لینے کے لیے میں نے اسے تیسرے دن ہی پرمننٹ کر دیا تھا۔" سعد نے کمپیوٹر آف کرتے ہوئے شرارت سے کہا تو ساحر کا زوردار مکا اس کا کندھا دہکا گیا تھا۔
"مانا کہ سچ کڑوا ہوتا ہے مگر اتنی غنڈہ گردی بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے' میری کڑوی کسیلی مگر سچی بات کا ہے کوئی جواب تمہارے پاس۔" سعد خاصا ناراض ہو کر تفتیش پر اتر آیا تھا۔
"یار یہ جو اپنی مس عیشا ہیں نا جب تک سامنے بیٹھ کر بات کرتی ہیں تب تک تو ٹھیک مگر جب سامنے کھڑی ہوتی ہیں تو میں نظریں جھکا لیتا ہوں۔"
"پھر؟" سعد کو سوال گندم جواب چنا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔
"کچھ دن پہلے مجھے خیال آیا یہ خاتون کیا سوچتی ہوں گی کتنا ڈرپوک بندہ ہے ایک لڑکی سے نظر ملا کر بات نہیں کر سکتا۔ پھر میں نے اپنا اسٹائل بدل لیا۔" وہ کوئی لمبا قصہ شروع کر رہا تھا۔
"وہ کیسے؟" سعد تھوڑا سا محظوظ ہو کر پوچھ رہا تھا۔
"وہ ایسے کہ میں مس عیشا کے کان کے دائیں بائیں کسی مکھی یا مچھر کو اپنی نظروں میں ٹکا کر بات کرتا ہوں یوں کہ اپنی سیکریٹری سمجھ بھی نہ پائے کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"
"بات کیوں گھما رہے ہو؟ میری بات کا جواب دو؟" سعد الجھ گیا تھا۔
"میں جب جب مس عیشا کو "پیک" دیکھتا تھا تو میرے ذہن میں خیال آتا تھا کہ آفس میں ورکرز کا کوئی یونیفارم ہونا چاہیے اور اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ یونیفارم ایسا ہونا چاہیے جیسے اس لڑکی کا ڈریس ہے۔" وہ گاڑی روڈ پر فل اسپیڈ میں ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"یوں بھی کمپیوٹر پر بیٹھ کر اس نے کون سا تیر مارنے ہیں زیادہ تر کام تو ہم خود کر لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے طفیل آفس کا کلر چینج ہو جائے' تمہیں تو پتا ہے لیڈیز ونگ کو کاپی کرنے کی کتنی مہلک بیماری ہوتی ہے۔"
"پیک" سعد نے اس کے لفظ کو دہراتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔
"ویسے یار بہت گریس فل لڑکی ہے نا اس ایج میں اتنا وقار اور اتنا ڈیسنٹ انداز کم دیکھنے کو ملتا ہے۔" ساحر نے اس کے قہقہے کو نظر انداز کر کے تعریف کی تھی۔
"ہم تو اس ایج میں لگڑ بھگے لگتے تھے۔"
"ہیں؟ تم نے اس سے ایج بھی پوچھ لی مگر کب؟" سعد کے انداز میں ڈھیروں شرارت در آئی تھی۔
"میرا خیال ہے تم نے اس کی سی وی میں بس یہی دیکھا تھا۔"
"بدھو وہ کہہ رہی تھی کہ اس کا گریجویشن کا رزلٹ ابھی آؤٹ ہوا ہے۔" ساحر نے اس کے اندازوں پر پانی پھیرا تھا۔
"چلو شکر ہے تم نے کلیئر کر دیا ورنہ میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔" سعد نے اطمینان ظاہر کیا تھا۔
"بھلا تمہاری الٹی کھوپڑی میں کیا آ رہا تھا۔" وہ

رواں سڑک پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔
"میں اسے ایک روز خود کو سر کہنے پر ٹوکنے والا تھا کہ پلیز میڈم آپ مجھے سر کہہ کر اپنی اور میری توہین نہ کیا کریں آفٹر آل مستقبل میں اس بزنس کی آنر ہوں گی۔" سعد نے اپنی بات کو خود ہی انجوائے کیا تھا۔
"اگر ایسا کہتے ہوئے تمہیں مسز جہاں زیب شاہ یعنی ام لیلیٰ کی چچی سن لیں تو فوراً" سے بیشتر آفس سے نکال پھینکیں گی تمہیں بھی اور تمہاری اس میڈم کو بھی۔" ساحر نے بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے برجستگی سے جواب دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

موسم خاصا خوشگوار تھا' اسکول جانے والے بچوں اور بچیوں کا ایک گروہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر اٹکھیلیاں کرتا جا رہا تھا۔ صبح میں یہ فائدہ تھا کہ اسکول جانے والے بچے بچیاں آگے پیچھے جا رہے ہوتے واپسی میں البتہ ٹائمنگ میں آدھ گھنٹے کا فرق آجانے سے رانی کو تھوڑی پریشانی اٹھانا پڑ جاتی تھی۔ وہ بھی یونہی ہوا کی ٹھنڈک سے لطف اندوز ہوتی ہوئی قدم اٹھا رہی تھی۔ جب بستی اور گاؤں کے درمیان قدرے اترائی کے پاس کرپشا کی ایک جھاڑی کے پیچھے ذرا سی سرسراہٹ ہوئی تھی۔
"سن چھوری تو کون ہے؟ اور روز کدھر جاتی ہے؟" وہی بلیک کپڑوں والا شخص جو چند روز پہلے چند آوارہ گرد قسم کے لوگوں کے ساتھ نظر آیا تھا۔ اچانک سامنے آ کر پوچھ رہا تھا۔ رانی کو لگا وہ اس کے انتظار میں ہی کھڑا تھا۔
گاؤں یا بستی کا کوئی بھی شخص یوں کسی لڑکی سے سرراہ مخاطب ہونے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ رانی کو اس کی اس حرکت پر حیرت کے ساتھ تاؤ بھی آیا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے قدرے غصیلی نگاہ اس پر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ کافی دور جا کر اس نے مڑ کر دیکھا وہ وہیں کھڑا مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سارا دن وہ اسکول میں بھی بے حد ڈسٹرب رہی۔

☼ ☼ ☼

کل شام سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ کبھی ہلکی ہو جاتی کبھی موسلادھار' اس وجہ سے آفس بھی جلدی خالی ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی کن من جاری تھی۔ وہ پارکنگ سے گاڑی نکال کر گیٹ پر پہنچا تو چوکیدار کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ فوراً" گیٹ کھولنے کو لپکا تھا تب ہی بے دھیانی میں ساحر کی نظر گیٹ سے باہر فائل اور ہینڈ بیگ ہاتھ میں پکڑے حمرہ پر پڑی تھی جو غالباً" بس پر چڑھنے کے انتظار میں کھڑی تھی۔ مسافروں سے کھچا کھچ بھری بس آگے بڑھی تو یقیناً" جگہ نہ ہونے کے باعث وہ واپس مڑی تھی کن من بارش اب موسلادھار میں تبدیل ہو رہی تھی۔ موسم کی خرابی کا سوچ کر ساحر نے گاڑی اگلی بس کے انتظار میں بھیگتی حمرہ کے پاس روکی اور ہارن پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔
"جی سر!" حمرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور حیرت سے کھڑکی کے پاس آ کر استفسار کیا تھا۔
"آیئے مس میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔
"نو سر میری بس ابھی آتی ہو گی میں چلی جاؤں گی۔" اس نے قدرے شائستگی سے انکار کر دیا تھا۔
"اس کے لیے آپ کو آدھ گھنٹہ ویٹ کرنا ہو گا جبکہ میں آپ کو ابھی آپ کی منزل تک پہنچا دوں گا۔" اس نے ہلکی سے مسکراہٹ سے کہا تھا۔
"سر آپ کو بہت آف وے جانا پڑے گا۔" دوبارہ انکار کرتے ہوئے اس نے چادر کے پلو سے چہرے پر پڑنے والی بوندیں صاف کیں تو ساحر کو بارش میں بھیگتی اس لڑکی کے انکار پر حیرت ہونے لگی تھی۔
"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔ آپ بیٹھیں پلیز۔"
"سر آئم سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔" اب کے اس نے کوئی بھی ایکسکیوز کیے بغیر کہا اور چند قدم گاڑی سے دور جا کر کھڑی ہو گئی۔ ساحر کو انسلٹ کے شدید احساس نے گھیرا تھا اس نے

ایک نظر اسٹاپ پر کھڑے لوگوں پر ڈالی اور زن سے گاڑی اڑا لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بابا بلیک شیپ۔ بابا بلیک شیپ۔" دو تین دفعہ اس نے علینہ کو کہلوانے کے بعد دوہرانے کو کہا تھا۔

"بابابابا۔۔۔" علینہ کی تکرار پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی تو پھولے پھولے گالوں والی وہ کیوٹ سے بچی حیرت سے اپنی ٹیچر کو دیکھنے لگی تھی۔

"بھئی صرف دو دفعہ کہنا ہے۔ انگلی رکھ کر پڑھو۔" اس نے ہنسی روک کر اس کے گال پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا تھا۔ مس نصرت کے چھٹی پر ہونے کی وجہ سے اسے انگلش کا نرسری کا پیریڈ لینا پڑ رہا تھا اور یہاں آکر وہ بے حد انجوائے کر رہی تھی۔

"میڈم آپ کو سر اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" آپا نے کلاس میں آکر اسے اطلاع دی تھی۔ گھڑی پر ایک نظر ڈال کر اس نے آخری کاپی پر ٹک مارک کرتے ہوئے سائن کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آیئے میڈم یہ خاتون بچے کے ایڈمیشن کے سلسلے میں آئی ہیں۔ آپ کا ذکر کر رہی تھیں۔" سر احسان نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"جی سر۔" اس نے زوبیہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"شروع شروع میں تو خود چھوڑنے اور لینے آؤں گی، لیکن اگر تمہارے ساتھ آنے جانے کی عادت ڈال لے تو میری۔۔۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں یہ بہر شیر میرے ساتھ ہوگا تو مجھے بھی دوسراہٹ کا احساس ہوگا۔" اس نے حقیقتاً خوش ہوتے ہوئے پانچ سالہ عمیر پر نظر ڈالی تھی۔

"بہت اچھے انسان ہیں میجر احسان، یہ اسکول کھول کر انہوں نے کتنا گریٹ کام کیا ہے، ورنہ تو ہمیشہ سے یہ ہوتا رہا ہے کہ جو آفیسر بنتے ہیں۔ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی شہروں میں کوئی بزنس یا جاب شروع کر دیتے ہیں۔ واپسی کا کوئی نام نہیں لیتا۔" واپسی پر زوبیہ احسان صاحب کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

"ان کی ساری فیملی ہی ایسی ہے سنا ہے کہ ان کے بڑے بھائی۔ میجر جنرل فیاض احمد ہمارے گاؤں کو ماڈل ویلج کا درجہ دلوا رہے ہیں۔" رانی نے انکشاف کیا تھا۔

"واؤ کتنا چینج آئے گا۔" زوبیہ نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں اور یہ جو گاؤں کی۔۔۔" یک دم ہی اس کی بات کو بریک لگ گئے تھے۔ وہ ٹاہلی کے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے یقیناً" اس کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

"یہ شوکا یہاں کیا کر رہا ہے اس وقت۔" زوبیہ کی بھی اس وقت اس پر نظر پڑی تھی۔

"ویسے رانی تم چاچی سے کہو واپسی پر تم کو امجد یا اشرف لینے آیا کریں۔" پہلے تو زوبیہ نے قیاس آرائی کی پھر مشورہ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی ضروری کام سے آفس کے لیے نکلا تھا اور اب سگنل کھلنے کے انتظار میں یوں ہی بے دھیانی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہا تھا جب اس کی نظر گاڑیوں کی لائن سے پرے ________ پارک کی طرف بھٹکی اور پلٹنا بھول گئی تھی یہ پارک آفس سے قریب تھا۔ پارک کے گیٹ سے قدرے فاصلے پر وہ باآسانی حمرہ احمد کو دیکھ سکتا تھا جو بینچ پر اپنے ایک ہم عمر لڑکے کے ساتھ کافی بے تکلفی سے براجمان تھی۔ وہ دونوں بڑے مطمئن انداز میں گفتگو میں منہمک تھے۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ تھا جسے پڑھ کر غالباً" وہ اس لڑکے کو کچھ سنا رہی تھی۔ لڑکا بار بار جھک کر اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا گویا گود میں گھسا چلا آرہا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس سے بار بار وہ نکال کر کچھ کھا رہی تھی۔ تب ہی اس نے لفافے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکے نے وہ ہاتھ اوپر کر لیا اور ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔ حمرہ نے اس کے کندھے پر مکا رسید کیا اور تھوڑے ہی فاصلے پر یہ منظر دیکھتا ساحر بے تکلفی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر گویا ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"کمال ہے اس روز تو یوں بن رہی تھی جیسے کسی بندے کے بچے سے پہلی بار مخاطب ہو اور اب۔۔۔ اسے تو اس وقت آفس میں ہونا چاہیے یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" آفس میں وہ آنے جانے کے لیے اسسٹنٹ منیجر قریشی کے سامنے جواب دہ تھی۔ ساحر کا ڈائریکٹ اس سے واسطہ کم پڑتا تھا سو وہ یونہی اندازے لگانے لگا تھا۔

سگنل کھلا تو گاڑیوں کے ہارن کی آواز پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ پارک کافی پیچھے رہ گیا تھا مگر وہ منظر ساتھ ساتھ چلا آرہا تھا اگرچہ یہ ساحر شاہ جیسے معروف بزنس مین کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اپنے آفس میں کام کرنے والی معمولی ورکر پر اس قدر غور و فکر کرے۔ مگر شاید اس روز کا انکار جسے اس نے بظاہر فراموش کر دیا تھا۔ حقیقتاً" اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا اور اب ایک منظر کی صورت اس کے ذہن پر ڈنک مار رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے وہ منحوس صورت آج دیکھنے کو نہیں ملی۔" فہد کی انگلی پکڑے بستی کی گلی میں داخل ہوتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ فہد کو اس کے گھر کے دروازے پر چھوڑا۔ سامنے برآمدے میں چارپائی پر محو انتظار زوبی باجی کو ہاتھ ہلا کر اپنے گھر کی طرف مڑی، دل ہی دل میں اس بات پر خوشی محسوس کرتے ہوئے کہ فہد کی وجہ سے آنا جانا کچھ سہل ہو گیا ہے اگرچہ یہ تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھی۔ شاید اس روز زوبی باجی کے ساتھ کا اثر تھا کہ دو تین دن سے شوکا اس کے راستے میں کھڑا نہیں ہوتا تھا۔

مگر آج تو اس کی قسمت زیادہ خراب تھی کہ گلی میں داخل ہوتے ہی کالی بلا کی طرح راستہ کاٹ گیا تھا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا وہ بستی کے کسی گھر میں داخل ہو جائے کم از کم اپنے گھر نہ جائے۔ بھری دوپہر میں شدید تھکن اور گرمی سے برا حال تھا سو گھر تو جانا ہی تھا شوکا جو غالباً" پہلے ہی دستک دے چکا تھا ایک مرتبہ پھر اس مقصد کے لیے ہاتھ اٹھا رہا تھا مگر رانی پر نظر پڑتے ہی اس کا ہاتھ ساکت رہ گیا تھا۔ اس کی بے ساختگی اور آنکھوں کی چمک سے رانی کو یک دم جیسے کراہیت سی آئی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ذرا سا رکی تو وہ سائیڈ پر ہو گیا تھا۔ صحن عبور کرکے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا دروازے کے سامنے سے ہٹ کر پتھر اور مٹی کی کچی چار دیواری سے سر کو اچکا کر وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ رانی نے کمرے میں داخل ہو کر دروازے کے دونوں پٹ زور سے بند کیے تھے۔

"کیا ہے رانی؟ دروازے کیوں بجا رہی ہو؟" اماں کی نیند میں خلل پڑا سو ناگواری سے پوچھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ فائل سعد کو دیں اور ان سے کہیے کہ ڈی ٹیل سے چیک کرنی ہے۔"

"اوکے سر۔" عیشا فائل لے کر باہر کی طرف مڑی تھی۔

"ایکسکیوز می مس عیشا" ساحر کے پکارنے پر وہ رکی تھی۔

"یس سر۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔ مس حمرہ کل آفس آئی تھیں؟" چند لمحے سوچنے کے بعد وہ پوچھ رہا تھا۔

"یس سر! لیکن بارہ بجے کے بعد ارجنٹ لیو لے کر چلی گئی تھیں" عیشا نے مستعدی سے جواب دیا تھا۔

"اوکے۔" ساحر نے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"ارجنٹ لیو؟" وہ ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کر کافی دیر سوچتا رہا۔ اس روز اس کے ڈراپ کی آفر قطعیت سے رد کرنے پر پہلے تو حقیقتاً" اسے غصہ آیا تھا اور اپنی انسلٹ کا شدید احساس ہوا تھا، مگر جب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیا تو اس نے حمرہ کے رویے کو اس کے ماحول کی دین جانا تھا۔

ایک ایسی لڑکی جو اپنی حدود اور اصول کے خلاف جانا کسی صورت گوارہ نہ کرتی ہو، مگر کل کی ارجنٹ لیو اور ڈیٹ نے اس کے سارے خیالات بھک سے اڑا

دیے تھے۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے اس روز کے رویے کو سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا حالانکہ پہلی نظر میں اسے خاصی معقول اور باوقار لڑکی لگی تھی' مگر اب... اس کے دل میں اس لڑکی کو آزمانے کی خواہش ابھرنے لگی تھی۔ جو بظاہر بہت ڈیسنٹ نظر آتی' مگر اس کا کردار در حقیقت ساحر شاہ کو بے حد مشکوک لگ رہا تھا۔

اپنی پراگندہ سوچ کے زیر اثر وہ اگلے تین روز تک اسے مسلسل ڈراپ کی آفر دیتا رہا تھا اور جب وہ خاصی پریشان نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انکار کرتی تو ساحر کو اس کے رویے سے چڑ ہونے لگتی تھی۔ اس کے خیال میں حمرہ احمد اس کی نظروں میں اپنا امیج بنانے کے لیے اسے ری فیوز کر جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اے چھوری ذرا بات سن میری۔" اچانک وہ راستے پر اس کے سامنے آکر مخاطب ہوا تو ایک لمحے کے لیے رانی کی گویا جان نکل گئی تھی اس نے فہد کی انگلی پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دیے تھے۔ حتیٰ کہ فہد بے چارہ اس کے ساتھ گھسٹتا چلا آرہا تھا۔

"دیکھ یہاں راستے میں بات کرنا ٹھیک نہیں تو بس چند منٹ کے لیے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر میری بات سن لے۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنا شروع ہو گیا تھا۔

"دیکھو چاچا آپ بہت دن سے یہاں منہ اٹھا کر کھڑے ہوتے ہو۔ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے اور اب بھی اگر آپ باز نہ آئے تو میں اپنے بھائیوں کو بتاؤں گی۔" رانی پہلی دفعہ یوں اکھڑ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"دیکھ میں کوئی لچا لفنگا نہیں ہوں مجھے اپنے مطلب کی بات کرنی ہے۔" رانی کے الفاظ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میرا تمہارے ساتھ کوئی مطلب نہیں ہے بے غیرت انسان..." چونکہ وہ بستی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ لہٰذا رانی کو اس کی طبیعت صاف کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا تھا۔

"اور مطلب کی بات کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو گھر جا کر بیٹیوں سے کرو۔" اب کی بار وہ اس کے ترش الفاظ اور کڑوا لہجہ سن کر وہیں رک گیا تھا۔

"آنٹی آنٹی یہ انکل کون ہیں؟" فہد نے اس سے سوال کیا تھا۔

"یہ انکل پاگل ہیں۔ آپ کو پتا ہے نا پاگل کون ہیں؟" دل ہی دل میں اس نے عہد کیا کہ امجد کو تھوڑی بہت اس معاملے کی بھنک دے کر مجبور کرے گی کہ وہ چھٹی کے وقت اسے لینے آیا کرے۔ مگر اس سے پہلے فہد کے ذہن میں یہ ڈالنا ضروری تھا کہ راستے میں انہیں ایک پاگل نظر آیا تھا مبادا کہ بستی میں کوئی اور کہانی گردش کرتی پھر رہی ہو۔

اسی روز شام کے وقت کھانا کھاتے ہوئے اس نے امجد سے بات کی کہ راستے میں اکثر ایک پاگل نما شخص نظر آتا ہے اور خوب دانت نکال کر ان کی طرف دیکھتا ہے تو ہاتھ میں پکڑا نوالہ اس نے پلیٹ میں رکھ دیا اور مزید تفصیل پوچھنے لگا تھا۔

"آئندہ میں تمہیں صبح خود چھوڑ کر آیا کروں گا اور چھٹی کے وقت لینے آؤں گا اور اگر واپسی میں دیر سویر ہو جائے تو وہیں اسکول میں بیٹھ کر انتظار کرنا مگر خبردار اکیلے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تو جیسے لمحے بھر میں ایک غیرت مند بھائی اور ذمہ دار مرد میں بدل گیا تھا۔ رانی کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ اگلے دو تین روز میں اسے شوکے کی جھلک دکھائی دی مگر امجد کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اطمینان تھا اور پھر شوکے نے جیسے تھک ہار کر اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سر وہ جو سامنے انکل کھڑے ہیں آج آپ ان کو ڈراپ کر دیں آپ کو ڈھیر سارا ثواب ملے گا یقیناً"۔ تیسرے دن گاڑی اس کے پاس روکنے پر حمرہ نے بیساکھیوں کے سہارے کھڑے بس کا انتظار کرتے ایک باریش شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس طرح اس کی انسلٹ کی وہ اس پر بہت دن غور کرتا رہا تھا۔

یہ سوچے بغیر کہ وہ اس کے آفس کی معمولی ورکر تھی' مگر یہ بات تو وہ جانتا ہی تھا شاید یہی بات اسے تپا رہی تھی کہ وہ یعنی ساحر شاہ' شاہ انٹرپرائز کا باس اور اکلوتا مالک' اس معمولی سی لڑکی کو اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی آفر دے اور وہ نظر انداز کر آگے بڑھ جائے یہ اس کی توہین نہیں تو بھلا اور کیا ہے؟ حمرہ احمد جس کا کردار خاصا مشکوک تھا۔

ساحر کی نظریں فائل سے ہوتی ہوئی وال کلاک پر جا رہی تھیں اور کسی وقت اس کی پرسوچ نظریں گلاس وال سے پرے ہال کے کونے میں براجمان کمپیوٹر پر انگلیاں چلاتی حمرہ احمد کا طواف کرنے لگتی تھیں۔ کلاک نے پانچ بجنے کا اعلان کیا تو ہال میں موجود تمام افراد ایک ایک کرکے اٹھنے لگے تھے۔ تب ہی حمرہ نے کندھے پر پڑی شال کو اچھی طرح سے اپنے گرد پھیلایا' اسکارف کو درست کیا اور مس بختاور سے بات کرتی غالباً "خدا حافظ" کہتی باہر نکلی تھی۔ ساحر جو اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی کی چابی اٹھا کر فوراً" ہی باہر نکلا تھا۔

آج وہ لفٹ دینے کے بجائے اس کے پاس سے گزر کر اس کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا' مگر جب وہ کار پارکنگ سے نکال کر گیٹ پر پہنچا وہ کہیں نہیں تھی اور ایسا پچھلے دو دن سے ہو رہا تھا جب تک چوکیدار گیٹ کھولتا اس نے آس پاس اور گراؤنڈ میں یونہی متلاشی نظریں دوڑائی تھیں اور حیران رہ گیا تھا۔ گیٹ سے قدرے ہٹ کر دو رویہ قد آدم پھولوں کی باڑ تھی۔ جس کے پیچھے گلابی پیراہن لہرا رہا تھا۔ گویا وہ اس بات کے انتظار میں کھڑی تھی کہ ساحر کی گاڑی وہاں سے گزر جائے تو وہ آرام سے گیٹ پر کھڑے ہو کر اپنی مطلوبہ بس کا انتظار کر سکے۔ ساحر کا خیال تھا کہ وہ اپنا امیج بنانے کے لیے پوز کرتی گویا وہ تو اس کے "متھے" ہی نہیں لگنا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"رانی ذرا جلدی جلدی کر' تیرے پراٹھوں کے انتظار میں کب سے سوکھ رہا ہوں۔" اشرف آج خلاف معمول جلدی اٹھ گیا تھا اور کچھ زیادہ ہی جلدی میں لگ رہا تھا۔

"رانی کے نہیں بھائی آٹے کے پراٹھے ہیں رانی کے پراٹھے بنا کر کھا جائیں گے تو آئندہ پراٹھے کون بنائے گا۔" امجد جو ابھی اٹھنے کی تیاری میں تھا کمبل سے سر نکال کر کہہ رہا تھا۔

"بکواس بند کرو تم۔" اشرف کو نہ جانے کیا ہوا ایک دم امجد پر الٹ پڑا تھا۔ آج تو کچھ زیادہ ہی اتاولا لگ رہا تھا ورنہ اس کی صبح خاصی دیر سے ہوتی تھی۔ رانی صبح خاصا کام نبٹا کر جاتی تھی' مگر اتوار والے روز تو اماں بالکل ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ چارپائی پر بیٹھ کر مرغیوں کو شام کی بھگوئی روٹی مروڑ کر ڈال رہی تھیں۔

"اماں کوئی میرا پوچھے تو مت بتانا۔" دروازے پر دستک ہوئی تو اشرف چولہے کے پاس سے اٹھ کر تیزی سے اندر کوٹھری میں چلا گیا تھا۔ امجد جو صحن کے بیچوں بیچ پڑی چارپائیوں میں سے ایک پر محو استراحت تھا۔ اس نے مندی مندی آنکھوں میں حیرت کا تاثر لیے اشرف کو یوں کمرے کے اندر جاتے دیکھا تھا۔ رانی کو بھی بھائی کا یہ انداز شدت سے کھٹکا تھا۔

"آ بہن جنت۔" اماں نے دروازہ کھولا تو پڑوس کی خالہ جنتے کو کھڑے پایا تھا۔ اماں اسے اندر لے آئی تھیں۔ "رانی خالہ کے لیے چائے نکال دے۔" اماں نے دوبارہ چارپائی سنبھالتے ہوئے رانی سے کہا تھا۔

"نہیں بہن رہنے دو' میں ذرا جلدی میں ہوں چائے کی پتی ختم تھی اتنی سویرے تو فیروز کی دکان بھی نہیں کھلتی۔" جواباً" اماں نے کچھ کہے بغیر پرانے اخبار کے ایک ٹکڑے میں ڈبے سے پتی نکال کر خالہ جنت کو پکڑائی اور اس کے جاتے ہی اشرف باہر نکلا تو رانی نے الجھ کر اشرف کی طرف دیکھا جس نے حیرت سے

لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کندھے اچکا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

دو دن سے پبلک ٹرانسپورٹ کی ہڑتال چل رہی تھی۔ اس وجہ سے آفس میں اسٹاف بھی کم تھا اور جو لوگ آفس میں موجود تھے ان میں سے کئی ایک وقت سے پہلے ہی اٹھ چکے تھے۔ وہ آفس سے نکلا تو حمرہ اسے گیٹ سے باہر کھڑی نظر آئی تھی۔ پچھلے دو ماہ سے وہ اس کے بارے میں ذہن میں کئی خیالات آنے کے باوجود اپنی آفر سے باز آچکا تھا مگر آج نہ جانے کیوں ایک مرتبہ پھر گاڑی اس کے قریب روک دی تھی۔

"مس حمرہ! آج تو آپ کی وین نہیں آنے والی میں آپ کو ڈراپ کروا دیتا ہوں۔" اس نے چونک کر بغور ساحر شاہ کو دیکھا جس کے چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں شرارت تھی۔ پہلے بھی بہت دن اس کے رویے پر غور کرتے ہوئے حمرہ کو یوں لگتا تھا جیسے اس کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔ ورنہ آفس میں وہ اس سے کبھی بھی بلاوجہ مخاطب ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا جبکہ بطور ایم ڈی یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔

"سر جسٹ ون منٹ پلیز!" چند سیکنڈ سوچنے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا اس کی آفر قبول کی تو ساحر حیران رہ گیا تھا وہ جو دو ماہ پہلے تک اس کے ذہن میں خیال آتا تھا کہ حمرہ اپنا امیج بنانے کے لیے اسے ری فیوز کر جاتی ہے دوبارہ بڑی شدومد سے ذہن پر حملہ آور ہوا تھا۔ حمرہ نے پیچھے مڑ کر کسی کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ تب تک ساحر اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا چند لمحے انتظار کے بعد حمرہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر آن بیٹھی اور سامنے کے اسٹور سے برآمد ہونے والا لڑکا جسے اس نے حمرہ کے ساتھ پارک میں دیکھا تھا۔ اگلی سیٹ پر آن بیٹھا اور اب مصافحہ کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

"سر یہ میرے بھائی ہیں امجد اور امجد ہمارے باس سر ساحر شاہ۔" حمرہ کے تعارف کرانے پر اس کا دل بے ساختہ اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا بھلا وہ کیوں ایک معمولی سی غلط فہمی کو دل میں پال کر اس لڑکی کے کردار کی جانچ پڑتال میں لگ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز شور پکڑتی جا رہی تھی اور شور بھی بڑھ رہا تھا حالانکہ اماں دو مرتبہ دروازے کے قریب جا کر اشرف کے گھر پر نہ ہونے کا بتا چکی تھیں، مگر سیٹھ شوکا مان کر نہ دے رہا تھا۔ دروازے پر لاتوں اور ڈنڈوں کی برسات بھی شروع ہو گئی تھی۔

"کون سی زبان سمجھتا ہے شوکے تو، اشرف گھر پر نہیں ہے۔ وہ کہاں گیا ہے مجھے بتا کر نہیں گیا۔" اماں نے ایک مرتبہ پھر زوردار آواز میں کہا تھا۔

"اوئے مائی تیرا پتر اندر چھپا بیٹھا ہے اس سے کہہ باہر نکلے گیدڑ کہیں کا، ورنہ اندر آ کر حلق میں ہاتھ ڈال کر رقم وصول کرلوں گا۔"

"جا جا کے اسے ڈھونڈ اور کرلے اپنی رقم وصول۔" اماں نے لاپروائی سے ہاتھ نچا کر کہا تھا۔

"مائی میرا نام سیٹھ شوکت ہے سارا پنڈ جانتا ہے بازی کے لیے رقمیں دیتا ہوں تو وصولنا بھی جانتا ہوں۔" جواباً وہ زور سے دھاڑ کر کہہ رہا تھا۔

"دیکھو شوکے۔" تب ہی گلی میں تماشا دیکھنے والوں میں سے چاچا دین آگے بڑھ آیا تھا۔

"میری بات سن، جب گھر پر کوئی مرد نہیں ہے تو دھیوں زنانیوں سے ضد لگانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ابھی تو سارا قصہ رہنے دے اشرف آئے گا تو آ کر بات کرلینا۔" چاچا دین اسے سمجھا رہا تھا۔ تب ہی رانی مضطرب سی صحن کے بیچوں بیچ آن کھڑی ہوئی تھی۔ چھوٹی سی چار دیواری کے پار چاچے دین کے ساتھ بات کرتے سیٹھ شوکت کا رخ اس کی طرف تھا چاچے دین کی بات کے جواب میں وہ کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ اندازہ نہیں ہوا البتہ اس کی نظریں صحن میں پریشان کھڑی رانی پر تھیں اور ان میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ بلا ارادہ ہی رخ موڑ کر اندر کمرے میں گھس گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سر عبداللہ ٹریڈرز سے دو مرتبہ کال آچکی ہے ان کے منیجر کو تین بجے کا ٹائم دے دوں؟" عیشا سامنے چیئر پر براجمان اس سے مخاطب تھی جبکہ ساحر کی نظریں گلاس وال سے پرے ہال کے کونے میں جمی تھیں۔

"ایکسکیوزمی سر!" عیشا نے باس کی بے توجہی محسوس کرتے ہوئے متوجہ کرنا چاہا تھا۔

"جی۔" اب کے وہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"سر وہ عبداللہ ٹریڈرز کے منیجر کو۔"

"مس عیشا۔" ساحر کے بولنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"جی! جی سر؟"

"آپ گھر چلی جائیں۔"

"جی سر؟" عیشا کی آنکھوں میں حیرت اترنے لگی تھی۔

"میرا مطلب ہے آج آپ چھٹی کرلیں اگر کوئی کنوینس پرابلم ہے تو میں ڈرائیور سے کہہ کر آپ کو ڈراپ کروا دیتا ہوں۔" اس کا مخاطب عیشا تھی، مگر۔۔۔ عیشا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا چند دن پہلے اس نے گیٹ پر ساحر کی گاڑی کو حمرہ کے پاس رکتے دیکھا تھا اور اس بات پر ازحد حیران بھی ہوئی تھی کیوں کہ جب شروع شروع میں ساحر نے آفس جوائن کیا تھا تو عیشا اس نے لفٹ مانگ کر منہ کی کھائی تھی۔

"تو سر میں چلی جاؤں گی۔" یک دم وہ اپنی سوچ سے سنبھل کر کہہ رہی تھی۔

"او کے اور جاتے ہوئے ذرا مس حمرہ کو میری طرف بھیجیے گا پلیز۔" عیشا سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔ ساحر کی نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ عیشا جانے کے لیے تیار حمرہ کو ساحر کا بلاوا دے رہی تھیں جس نے کچھ پریشان ہو کر آفس کی طرف دیکھا تھا۔

"جی سر! آپ نے مجھے بلایا ہے؟" اگلے چند لمحوں میں وہ اس کے سامنے تھی۔

"جی مس حمرہ آج آٹھ بجے آپ کو ایک آفیشل میٹنگ میں میرے ساتھ جانا ہوگا۔" فائل پر بظاہر پوری توجہ مرکوز کیے ساحر نے اسے سرسری سی اطلاع دی تھی اور اس اطلاع نے سامنے کھڑی لڑکی کے چودہ طبق یقیناً" روشن کردیے تھے اس کا کچھ اندازہ تو اسے دیکھے بغیر ہو رہا تھا۔

"جی سر؟" حمرہ کے منہ سے نکلنے والے اس لفظ میں بہت سے تاثرات پوشیدہ تھے۔ حیرت، پریشانی، استعجاب۔۔۔

"مم۔۔۔ میں سر کیسے جاسکتی ہوں؟" وہ اس سے انتہائی بے تکے پن سے پوچھ رہی تھی۔

"کیوں؟ آپ کیوں نہیں جاسکتیں؟" ساحر نے اس کی طرف متوجہ ہو کے اس سے بھی زیادہ حیرت سے سوال کیا تھا۔

"مگر سر۔ میری جاب۔۔۔ تو کمپیوٹر۔۔۔"

"ایکسکیوزمی مس حمرہ آپ اس آفس کی ایمپلائی ہیں آپ کو کوئی بھی ڈیوٹی دی جاسکتی ہے۔" اب کے وہ خاصے سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا، اگرچہ دل ہی دل میں اس کے چہرے پر پریشانی کے سائے لرزاں دیکھ کر حقیقتاً" لطف آرہا تھا۔ نہ تو اس کی کوئی میٹنگ تھی اور نہ ہی وہ حمرہ احمد کو ساتھ لے جانے کا کوئی ارادہ رکھتا تھا بس ذرا سی شرارت پر دل بے ایمان ہوا تھا۔ کیونکہ آج سعد چھٹی پر تھا اور اس کے ہوتے ہوئے ایسا ممکن نہیں تھا۔

"آپ پانچ بجے آف کر کے مت جائیے گا۔ ہمیں چھ بجے میٹنگ کے لیے نکلنا ہوگا۔ میں آپ کو میٹنگ کے بعد ڈراپ کروادوں گا۔" چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد وہ نارمل سے انداز میں کہتا ہوا فائل پر جھک گیا تھا۔ گویا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ جاسکتی ہے۔

"کیا بات ہے؟ سر نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟" عیشا جو اپنا پرس اٹھائے جانے کے لیے بالکل تیار

کھڑی تھی۔ غالباً" قریشی صاحب سے کوئی بات کرنے کے لیے رکی تھی۔ اب اسے آتے دیکھ کر پوچھنے لگی تھی۔

"وہ سر کہہ رہے تھے مجھے میٹنگ میں شام کو ان کے ساتھ جانا ہوگا۔" اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"شام کو تو سر کی کوئی میٹنگ نہیں ہے' میرے پاس سارا شیڈول ہے۔ ویسے یہ۔۔۔" اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے ایک نظر سر سعد کے آفس پر ڈالی تھی۔

"سر سعد چھٹی پر ہیں۔ آؤ ان کے روم میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" عیشا نے بعجلت اس کا بازو پکڑ کر اندر قدم بڑھائے تھے اور پھر سعد کے آفس میں بیٹھ کر اس نے حمرہ کو جو کچھ بتایا اسے سن کر اس کے ہوش خطا ہونے لگے تھے۔

"مگر تم تو سر کے ساتھ جاتی ہو؟" چند سیکنڈ بعد اسے خیال آیا تو وہ پوچھنے لگی تھی۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ میری بات اور ہے۔ فیملی بیک گراؤنڈ سے یہ محترم بہت اچھی طرح واقف ہیں اور انہیں یہ بھی پتا ہے کہ میں شوقیہ جاب کر رہی ہوں۔ میرے بارے میں کوئی بھی غلط بات کرنے سے پہلے انہیں سو بار سوچنا پڑے گا۔" اس کی بات سن کر حمرہ یوں ہی سر جھکائے انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"کم بخت کی رنگت کتنی سفید ہے۔ آنکھیں اور بال کتنے بلیک ہیں۔ ہونٹوں کے گلابی ٹچ سے کسی پٹھان فیملی کی لگتی ہے۔" عیشا اس کا بغور معائنہ کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اگر تھوڑی سی ماڈرن بھی ہو جائے تو غضب ڈھانے لگے۔" پریشانی میں اس کے چہرے پر اترتی بے ساختہ سی سرخی پر نظر ڈالتے ہوئے عیشا نے دل ہی دل میں قیاس آرائی کی تھی۔

"خیر میرے سامنے تو کچھ بھی نہیں؟" اگلے پل بالوں کو جھٹکا دے کر وہ نخوت سے سوچ رہی تھی۔

"مگر سر سعد تو بہت نائس۔۔۔" اس نے مینجر کا حوالہ دینا چاہا کہ اس سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا تھا اور اس کا انداز حمرہ کو کافی مہذب لگتا تھا۔

"سعد تو اول درجے کا کرپٹ انسان ہے۔ یہ جو فلیٹ لے کر اکیلا رہتا ہے نا وہیں پر ہوتا ہے یہ سب۔" عیشا نے فوراً" تردید کی تھی۔

"تم اس کے ساتھ گاڑی میں بھی آتی جاتی رہی ہو۔" عیشا نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

"صرف ایک دن اس دن تو میرا بھائی۔۔۔"

"میں نے سر ساحر کو سر سعد کے ساتھ بات کرتے سنا تھا کہ لڑکی کو میں نے پٹا لیا ہے اب میرے ساتھ آنے جانے لگی ہے۔" عیشا نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔

"تو پھر اب میں کیا کروں؟" اس نے حد درجہ نروس ہو کر عیشا سے ہی مشورہ کر ڈالا تھا۔

پانچ بجے ہی آفس خالی ہونا شروع ہو گیا تھا جبکہ وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا رہا تھا کہ آج سعد کے آفس نہ آنے کی وجہ سے کام بھی زیادہ تھا۔ اس کے انتظار میں وسوسوں میں گھری حمرہ احمد کو بھی بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ جوں ہی کوئی آفس سے اٹھ کر باہر کا رخ کرتا۔ وہ نروس ہوتے ہوئے سر پر جمے اسکارف کو درست کرتی اور اس کی نظریں باہر جانے والے فرد کا بے چینی سے تعاقب کرتیں۔ اس کے انداز ملاحظہ کرتے ساحر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔ ہال میں رہ جانے والے افراد میں قریشی صاحب اور مس بختاور اٹھنے کی تیاریاں کر رہے تھے جبکہ آفس بوائے فواد کونے میں اسٹول پر براجمان تھا جب حمرہ اجازت لے کر اندر چلی آئی تھی۔

"سر پلیز آج آپ اکیلے ہی چلے جائیں مجھے میٹنگز وغیرہ کا کچھ پتا نہیں ہے' میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔" ساحر نے اس کے ملتجی انداز پر سر اٹھایا تھا۔

"میں آپ کو راستے میں سب سمجھا دوں گا۔" اس نے سکون سے جواب دیا تھا۔

"سر میں پانچ بجے کے بعد کہیں نہیں جاتی' میں آفس سے سیدھی گھر جاتی ہوں۔ میرے بابا انتظار

کر رہے ہوں گے۔"

"تو آپ انہیں فون کر کے بتا دیں کہ آپ کو آفس کے کام سے جانا ہے۔ آپ گھر دیر سے پہنچیں گی۔" اس نے خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

"سر۔۔۔ وہ۔۔۔ میں اپنے بھائی کو بلوا لوں وہ بھی ہمارے ساتھ میٹنگ میں چلے چلیں گے۔" اس کی اگلی بات پر ساحر کو زور سے کھانسی آئی تھی۔ اس نے سامنے پڑا کاغذ قصداً" نیچے کھسکایا اور اسے اٹھانے کے لیے جھک کر اپنی مسکراہٹ چھپانا چاہی' مگر پھر کھانستے ہوئے آفس سے ملحق واش روم میں گھسا تھا۔ خاصی دیر تک دل کھول کر ہنسنے کے بعد وہ واپس اپنی سیٹ پر آن بیٹھا۔ حمرہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"ہاں تو آپ کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ۔۔۔ بھائی۔۔۔" پوچھتے ہی ساحر کو خیال آیا اگر اس نے وہی بات اپنے انداز سے دہرائی تو اسے پھر سے ہنسی کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ سو یاد آنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ کوئی حفاظتی دستہ کیوں نہیں منگوا لیتیں؟ ویسے ایک بات ہے آپ کو کسی اسکول میں جاب کرنی چاہیے تھی وہاں کا ماحول آپ کے لیے سوٹ ایبل ہوتا۔" اس نے انتہائی سنجیدگی سے طنز کیا تھا۔

"جی سر!" وہ گویا اس کی بات سے پوری طرح متفق تھی۔

"سر مس عیشا تو کہہ رہی تھیں کہ آج آپ کی کوئی میٹنگ نہیں ہے اس لیے آپ نے انہیں چھٹی دے دی ہے۔" اس کی بات نے ساحر کو طیش دلا دیا تھا کہ درست بات کو سچائی سے بیان کر کے اس نے ساحر کو حد درجہ جھوٹا بھی تو قرار دے ڈالا تھا۔

"شٹ اپ مس حمرہ! کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں کیا بکواس کر رہا ہوں' جھوٹ بول رہا ہوں۔" انتہائی درشتی سے کہتا ہوا وہ اس پر الٹ پڑا تھا۔

"آئم سوری سر!" اس کے یوں بھڑک اٹھنے پر وہ تیزی سے معذرت کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"مسٹر ساحر شاہ آج اس معمولی سی ورکر نے پھر تمہاری انسلٹ کر دی۔ اسٹوپڈ بھلا اپنے باس تو اس کے منہ پر کوئی جھوٹا کہتا ہے نان سینس۔" ساحر نے خود سے مخاطب ہوتے ہوئے اسے کوسا تھا۔

ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے اس نے ایک نظر کھڑکی کے شیشوں سے باہر ڈالی جہاں اب سرمئی سی شام اتر رہی تھی اور دوسری نظر ہال میں بیٹھی حمرہ پر جو آفس بوائے کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر پینے لگی تھی۔ اپنی انا پر پڑنے والی چوٹ کو بھول کر اس نے چند لمحے اس کے پریشان انداز کو ملاحظہ کیا تھا اور آئندہ اس لڑکی سے مخاطب نہ ہونے کا فیصلہ کر کے اٹھا تھا کہ اب اسے جانے دے' تب ہی ٹیبل پر پڑے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مڑ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف ماما تھیں جو موبائل آف ہونے اور گھر پہنچنے کے بارے میں استفسار کر رہی تھیں۔ ان سے مختصر سی بات کر کے وہ نکلا مگر ہال میں سوائے فواد کے اور کوئی نہیں تھا "مس تو ابھی ابھی نکلی ہیں۔" ساحر کے پوچھنے پر اس نے حمرہ کے بارے میں بتایا تھا۔ پارکنگ سے قدرے عجلت میں گاڑی نکال کر وہ گیٹ پر پہنچا تو حمرہ سامنے سے بس پر چڑھتی دکھائی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ میں تجھے بتا چکا ہوں وہ یہاں نہیں ہے پھر تو میرا سر کیوں کھا رہا ہے۔" خان محمد نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے قطعیت سے انکار کیا تھا۔

"خان محمد' میں بھی تجھے بتا رہا ہوں کہ وہ یہیں پر ہے' میں بھی پکی اطلاع پر یہاں آیا ہوں۔" قیصر کے انداز میں قطعیت تھی۔

"تم یہاں آئے نہیں ہو بلکہ بھیجے گئے ہو' مگر اس کا بھلا یہاں کیا کام۔" خان محمد پٹھے پر ہاتھ رکھنے نہیں دے رہا تھا۔

"تو میں نے اس بات سے کب انکار کیا ہے کہ مجھے شوکے کولا نے یہاں بھیجا ہے' مگر میں کسی لفڑے کے لیے یہاں نہیں آیا بلکہ میں ان دونوں کا مک مکا کرانے آیا ہوں اور لالا اچھی طرح جانتا ہے کہ اشرف یہیں

ہے، مگر اس نے خود آنے کے بجائے مجھے اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ اس معاملے کو شرافت سے مکانا چاہتا ہے۔" شاہ جی کے فارم ہاؤس پر کام کرنے والا خان محمد اشرف کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور خاصی دیر سے قیصر اس کے ساتھ اشرف سے ملنے کے لیے مغزماری کر رہا تھا۔

"تیری بات درست ہوگی مگر۔" خان محمد کچھ کہنے جا رہا تھا۔

"خان محمد قیصر کو میری طرف آنے دے۔" قدرے فاصلے پر بنے ہوئے کمروں میں سے ایک کے دروازے پر کھڑے اشرف نے آواز دی تو خان محمد کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اتنے دن سے سیٹھ شوکت سے چھپتا پھر رہا تھا، مگر اب یوں اچانک سامنے آکر اس نے خان محمد کو حیران کر دیا تھا۔

"واہ بھرا، اتنی دیر سے لاعلم بن رہے ہو، یہ بھی کوئی مردوں والی بات ہے۔" اشرف کی آواز پر قیصر نے مڑ کر دیکھا تو اس کے چہرے پر رونق آگئی تھی۔ اب وہ خاصی شگفتگی سے خان محمد کو لتاڑ رہا تھا۔

"آ قیصر بیٹھ، خانے تو ذرا دو کپ چائے بنوا لا۔" اشرف نے دھوپ پر پڑی چارپائی ٹاہلی کے گھنے سائے میں گھسیٹی اور قیصر کو بیٹھنے کی دعوت دے کر خان محمد سے مخاطب ہوا تھا۔

"لالا بند ابن تو کیا زنانیوں کی طرح چھپ رہا ہے۔" قیصر نے چارپائی پر بیٹھ کر جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر ایک سگریٹ اسے پکڑائی اور دوسرا ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا تھا۔

"جیب میں دھیلا نہیں تھا کیا اب اپنی جان گروی رکھ دیتا۔" اشرف نے قدرے تلخی سے جواب دیا تھا۔

"غور کرو تو سو راستے نکل آتے ہیں۔" قیصر نے ماچس کی تیلی جلا کر ایک شعلہ اس کے منہ میں دبے سگریٹ کو دکھایا۔ اور پھر اپنا سگریٹ سلگا کر کش لیتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کون سے راستے؟"

"بھئی میں نے ایک حل سوچا ہے کہ تیری اور لالے کی صلح کروا دیتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"لالا یہ ڈیڑھ لاکھ بھی جانے دے گا اور تیرا دبئی کا جو پروگرام ہے اس کا خرچہ پانی بھی دے گا۔"

"بدلے میں اس کی بھی ایک ڈیمانڈ ہے۔" قیصر نے قدرے محتاط انداز اپنایا تھا۔

"ڈیمانڈ؟ میں بھلا اس کی کون سی ڈیمانڈ پوری کر سکتا ہوں۔"

"اسے تمہاری بہن کا رشتہ چاہیے۔" چند سیکنڈ توقف کے بعد اس نے بتایا تھا۔

"میری بہن کا رشتہ؟" اشرف خاصا حیران ہوا تھا۔

"مگر اس کا بیٹا تو بہت چھوٹا ہے لالے کی تو بیٹیاں بڑی۔"

"وہ یہ رشتہ بیٹے کے لیے نہیں مانگ رہا بلکہ خود تمہاری بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" قیصر نے اس کی بات کاٹ کر بتایا تھا۔ اشرف اتنا حیران ہوا کہ اس کا منہ کی طرف جاتا سگریٹ والا ہاتھ ساکت رہ گیا تھا۔

"یار شاہ جی نے گھوڑے بہت اعلا نسل کے پال رکھے ہیں۔" قیصر اس کی حیرت سے دانستہ نگاہیں چرائے اب تھان پر بندھے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس شام کو تین ماہ ہونے کو آئے تھے جب وہ عاجز ہو کر آفس سے نکلی اور پھر لوٹ کر نہ آئی تھی۔ روزانہ آفس آتے ہی اس کی نگاہیں ہال کے اس کونے پر جا پڑتیں جہاں اب خالی سیٹ ساحر کا منہ چڑا رہی ہوتی تھی۔ دن میں بھی کئی مرتبہ اس کی نظریں بے چینی سے اس گوشے کا طواف کرنے لگتیں۔ کئی دن وہ اس امید پر دیر سے آفس آتا کہ شاید وہ اس کے آنے سے قبل آکر اپنی سیٹ سنبھال چکی ہوگی۔ کبھی کبھار وہ رات بھر جاگ کر صبح اس قدر جلدی آفس پہنچ جاتا کہ گیٹ پر کھڑا چوکیدار بھی اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا اور آفس کے دروازے کے باہر کھڑا گارڈ اسے دیکھتے ہی

اپنی کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھنے لگتا، مگر وہ اس سب سے بے نیاز اپنی سیٹ پر براجمان بظاہر کسی نہ کسی کام میں مصروف مضطرب سے انداز میں پاؤں ہلاتے ہوئے وقتاً فوقتاً کلاک پر نظریں ڈالتا رہتا حتیٰ کہ آہستہ آہستہ سارا اسٹاف پہنچ کر کام میں مشغول ہو جاتا مگر۔

تب اس کا دل اسے قصوروار گردانتے لعن طعن کرنے لگتا اور وہ دل کی سرزنش پر بار بار خود سے عہد کرتا کہ اب حمرہ احمد واپس آجائے تو وہ اس سے بات چیت تو در کنار اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا، مگر وہ تو جیسے آفس کا راستہ ہی بھول گئی تھی۔ ایک روز جب اسسٹنٹ منیجر قریشی نے نئی کمپیوٹر آپریٹر لانے کی بات کی تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا گیا تھا۔

"نہیں ابھی رہنے دیں۔" منع کرنے کا کوئی جواز نہ ہوتے ہوئے بھی اس کا دل چاہا کہ ہال کا وہ گوشہ ریزو رہے کہ وہ خالی سیٹ اسے حمرہ احمد کے نہ ہونے کا احساس دلاتی تھی اور سینے میں کہیں میٹھی سی کسک ہونے لگتی تھی قریشی کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔

اور بالآخر خود سے تسلیم کیا تھا حمرہ آفس سے جا کر بھی کہیں نہیں گئی تھی کہ اب وہ اس کے دل میں رہنے لگی تھی۔ اپنے دل میں جھانک کر وہ اسے براجمان دیکھتا اور ارد گرد دیکھنے پر وہ اسے نظر نہ آتی تو یہ منظر پھیکا پڑنے لگتا تھا جیسے ہجوم میں ہوتے ہوئے سناٹا چھا جائے۔ دھوپ چھاؤں کا رنگ بدل جائے۔ محفل میں رہ کر تنہائی کا احساس ہو۔ ہر سو ویرانی پھیلی ہو یا پھر کوئی زندگی سے اکتا جائے۔ اس کی بے قراری ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

موسم میں گرمی اور سردی کا ملا جلا امتزاج تھا۔ سو وہ پنکھا چلا کر کمرے میں ہی سوگئی تھی جب اچانک بے تحاشا شور کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ ایک تو نیند سے اٹھنے کے باعث اور دوسرا پنکھے کا شور، کچھ سمجھ نہیں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ پنکھا بند کر کے باہر نکلنا چاہا، مگر دہلیز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔

"اس خبیث انسان کی جرات کیسے ہوئی کہ وہ اپنی گندی زبان پر رانی کا نام بھی لائے۔" امجد کی آواز پر اس کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔

"نہ امجد پتر کیسی باتیں کرتا ہے شادی تو ہم نے رانی کی کرنی ہی ہے۔" مصلحت میں گھلی آواز اماں کی تھی۔

"شادی اس خبیث بڈھے سے۔" امجد نے دانت پیسے تھے۔

"نہ تو تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔" اشرف نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"بہن ہے وہ میری۔ اس کے بارے میں آپ یوں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔" امجد کی آواز میں اب بھی اشتعال تھا۔

"نہیں ہے وہ تمہاری بہن نہ جانے تمہارا باپ کہاں سے۔" اماں تیزی سے کہنے لگی تھیں۔

"بس کریں اماں، ابا زندہ ہوتے تو ایسی کوئی بات کرنے سے پہلے آپ لوگوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے اور آپ اشرف بھائی جو آج کل دبئی جانے کے خواب دیکھ رہے ہیں نا سیٹھ شوکت سے حساب کتاب کر کے یہ تو آپ بھول ہی جائیں۔" امجد کا لہجہ فیصلہ کن تھا، مگر کمرے کی چوکھٹ پکڑے رانی کے وجود پر لرزہ طاری تھا۔ وہ دروازے کا پٹ تھام کر بے بسی سے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کی سی وی میں دیا گیا نمبر دن میں بارہا ڈائل کرنے پر پاور آف کی ٹیپ سننے کو ملتی تو وہ کئی مرتبہ مس عیشا سے سرسری سا اس کے متعلق استفسار کر بیٹھتا کہ شاید حمرہ نے اسے کوئی کال کی ہو یا اطلاع دی ہو۔ کم سے کم جاب چھوڑنے کے بارے میں اسے آفس میں انفارم تو کرنا چاہیے تھا۔ ساحر سوچتا، عیشا دل ہی

دل میں کھلکھلاتے ہوئے بظاہر بڑی سنجیدگی سے لاعلمی کا اظہار کرتی۔

"ایکسکیوز می سر!" وہ اسٹاف کے سلام کا جواب دیتا اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب عیشا نے کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا تھا۔ شاید اسے کچھ زیادہ ہی جلدی تھی جو اس نے ساحر کے آفس میں داخل ہونے اور خود اس کے پیچھے آنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی تھی۔

"جی!" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا ذرا سا رکا تھا۔

"سر وہ آپ مس حمرہ کے بارے میں پوچھ رہے تا؟" اس نے تمہید باندھی تھی۔

"لیس!" وہ مڑ کر پوری طرح متوجہ ہوا تھا۔

"آف کورس جاب تو وہ چھوڑ ہی چکی تھیں مگر پتا نہیں کیوں اتنے دن بعد انہوں نے باقاعدہ ریزائن کیا ہے ان کا ریزگنیشن آج ہی موصول ہوا ہے۔" عیشا نے دراز سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بغور اس کا چہرہ جانچا تھا۔

آفس میں داخل ہو کر اس نے بریف کیس ٹیبل پر رکھا اور کھڑے کھڑے لفافہ کھول کر دیکھا تھا اگرچہ اس کا لب لباب وہ جانتا تھا' مگر پھر بھی یوں لگ رہا تھا گویا اس کا دل پہلو سے نکل کر اس کے ہاتھوں میں آن سمایا ہو۔

"محترمہ ذاتی مسائل کی بنا پر جاب جاری نہیں رکھ سکتیں۔" چیئر پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے اس نے خود کلامی کی تھی۔ تب ہی ٹیبل پر پڑے فون کی بیل بجی تھی۔

"مس عیشا پلیز کچھ دیر تک مجھے ڈسٹرب مت کریں اور کوئی بھی کال ٹرانسفر مت کیجیے گا۔" عیشا کے کچھ بھی کہنے سے قبل اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف عیشا ریسیور رکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی۔ اس کا حمرہ سے رابطہ تھا اور اسی نے یوں اتنے مہینے بعد ریزائن بھجوانے کا مشورہ دیا تھا کہ وہ ساحر کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی۔

"اسے آفس چھوڑے ہوئے پانچ مہینے اور سترہ دن ہو گئے تھے۔" ساحر نے خود سے حساب کتاب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امجد پتر تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بات سودے کی نہیں۔ رانی کے مستقبل کی ہے۔" اماں نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"آپ یہ فضول باتیں کرنا بند نہیں کر سکتیں۔" امجد کو حد درجہ اشتعال نے آن گھیرا تھا۔

"آخر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں رانی کے نام سے جڑی کالک کے بعد بھی سیٹھ شوکت اگر اسے اپنانے کو تیار ہے تو یہ رانی کی خوش قسمتی سمجھو' ورنہ اس بستی یا گاؤں کا کوئی بندہ اسے اپنا نام دینے کو تیار نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا' اماں۔" امجد حیرت زدہ ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"رانی اتنی ہلکی کب سے ہو گئی۔ بستی اور گاؤں کے لوگ میری بہن کی مثالیں دیتے ہیں۔"

"منہ زبانی باتیں کرنا اور بات ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا باپ صرف اس کی خاطر پنڈ چھوڑ گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ شہر میں ہی رانی کی شادی کر دے گا' مگر وہ بہشتی اس سے پہلے ہی چل بسا اور پھر شہر ہو یا پنڈ ہر کوئی دیکھتا ہے ناکڑی کا۔" امجد الجھ کر کچھ دیر اماں اور بھائی کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کچھ بھی ہو اماں سیٹھ نے رانی کا نام بھی لیا تو اچھا نہیں ہو گا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا اسٹیل کا گلاس زمین پر پھینکا اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

"اماں آج تو' تو نے اسے لاجواب کر دیا ہے۔" اشرف جو اس ساری گفتگو کے دوران خاموش تھا اب کامیابی کو قریب محسوس کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کوئی لاجواب نہیں ہوا' تو نے سنا نہیں آخر میں کیا کہہ کر گیا ہے۔ کچھ اور سوچنا پڑے گا۔"

"کچھ اور کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے تو شوکے کو اگلے ہفتے کا کوئی دن دے دے۔ جمعرات کا دن ٹھیک رہے گا اور

ہاں اس سے کہنا کہ اس بات کو فی الحال اپنے تک رکھیے۔"

"مگر اماں اگر امجد نے کوئی پھڈا ڈال دیا تو؟"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ چپ چپاتے دن طے کرنا' نکاح سے ایک روز پہلے میں اسے تیری بڑی خالہ کے پنڈ بھجوا دوں گی۔ واپس آ کر کوئی شور شرابا بھی کیا تو سمجھا لیں گے۔"

☼ ☼ ☼

"میں سمجھا شاید اسپتال کی بلڈنگ تمہارے اوپر آن گری ہے اور تم ملبے تلے دبے مجھے پکار رہے ہو۔" ایاز نے اسے خاصی عجلت میں بلوایا تھا۔ وہ اپنے ضروری کام چھوڑ کر آیا مگر ایاز نہ تو اپنے پرسنل روم میں موجود تھا نہ ہی آفس میں۔ ایک دو نرسوں سے پوچھا بالآخر ای سی جی روم میں اسے پایا جہاں وہ ٹیکنیشن کے ساتھ مصروف تھا۔ سو اب خاصا تپ کر کہہ رہا تھا۔

"اس وقت مدد کی ضرورت تمہیں ہے مجھے نہیں' دل جو تھام کر پھر رہے ہو۔" ایاز مکمل طور پر ای سی جی مشین کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا پہیلیاں بوجھوا رہے ہو؟" ساحر کو خاک سمجھ نہ آئی تھی۔

"میرے روم میں آ کر بیٹھو وہیں آ کر بتاتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں' میری جاشی موتو یوشیدا سے چار بجے میٹنگ ہے۔ ذرا دیر ہو گئی تو وہ مجھے بے اصولا بندہ جان کر ڈیل کینسل کر سکتا ہے۔" اس نے کسی جاپانی صنعت کار کے نام کا کباڑا کرتے ہوئے انتظار کرنے سے انکار کیا تھا۔

"بس پانچ منٹ۔" جواباً" ایاز نے خاصے خشمگیں تیوروں سے دیکھا تھا۔

"اوکے بٹ اونلی فائیو منٹس۔" وہ وارننگ دیتے ہوئے باہر نکلا تھا۔

"ملک سلامت کا فون آیا تھا۔" تھوڑی ہی دیر میں ایاز اس کے سامنے موجود تھا۔

"پھر؟"

"تمہاری حمرہ احمد کی شادی ہو رہی ہے۔"

"یہ بات تمہارا دوست اپنی کالی زبان سے پہلے بھی کہہ چکا ہے۔" اس نے اپنا لہجہ نارمل رکھنے کی خاصی کوشش کی تھی۔

"پہلے اور اب میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پہلے اڑتی اڑتی خبر تھی۔ اب کنفرم ہوا ہے کہ اس کی شادی کمنگ تھرس ڈے کو ہو رہی ہے یعنی آج سمیت دو دن بعد۔" ڈاکٹر ایاز کے بتانے پر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"تمہیں اس پر بہت ٹرسٹ تھا تو اس نے یہ بکواس پہلے کیوں نہیں کی۔" خاموشی کے وقفے سے گزر کر وہ قدرے ٹوٹے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ اس کا سورس آف انفارمیشن دولہا کا دوست ہے ورنہ ڈیٹ بہت سیکرٹ رکھی گئی ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ بندہ پہلے سے شادی شدہ اور جوان بچوں کا باپ ہے۔ اسے اپنی فیملی کی طرف سے خطرہ ہو گا۔" ایاز نے سلامت کی کہی ہوئی بات بتاتے ہوئے قیاس آرائی بھی کر ڈالی تھی۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ایاز کے پوچھنے پر ساحر نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ملک تو ابھی بھی پر یقین ہے کہ وہ سب سنبھال لے گا۔ بس ہم حاضری لگوا لیں۔" ایاز کے کہنے پر ساحر نے اسے حیرت اور الجھن سے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

کلر کہار پہنچ کر وہ دونوں ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ اگرچہ ملک سلامت کو ایاز نے پہلے سے اطلاع دے دی تھی۔ مگر اس کا سیل فون مسلسل آف جا رہا تھا یونہی گھومتے ہوئے وہ بار بار اس کے نمبر پر ٹرائی کرتا رہا اور حویلی میں بھی متعدد بار فون کر کے پیغام چھوڑا تھا۔ وہ لنچ سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تو ملک سلامت کی کال آ گئی مگر دوسری طرف سے بات سنتے ہی ڈاکٹر

ایاز کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

ملک سلامت کی لاہور میں موجود فیکٹری میں مزدور یونین کے افراد میں شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا۔ تین ورکرز خاصے زخمی ہوئے تھے۔ وہ ہنگامی بنیادوں پر لاہور روانہ ہو گیا تھا اور اب دوسرے دن واپس آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ اپنی جگہ کسی اور کو نہیں بھیج سکتے تھے۔" ایاز کے غصے کا گراف ہائی لیول پر تھا۔

"یار صورت حال ایسی تھی کہ میرے علاوہ کوئی اور ہینڈل نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال تمہارا کام میں نے کرنا ہے میں بھولا تھوڑی ہوں۔"

"تم میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارا سر پھاڑ دیتا۔" اس کے اطمینان دلانے پر ایاز نے چبا چبا کر دھمکی دی تھی۔

"کوئی بات نہیں دوستوں کے لیے جان بھی حاضر اب لینے پر تل جائیں تو کیا کر سکتے ہیں۔" ملک سلامت نے بے حد ہلکے پھلکے انداز میں سر تسلیم خم کیا تھا۔

"ملک۔۔۔ ملک مجھے رونا آ رہا ہے۔" اب کے ڈاکٹر ایاز نے خاصی بے بسی سے کہا تھا۔

"بھابھی یاد آ رہی ہیں نا' پہلی دفعہ تم ان کے بغیر اکیلے اتنی دور آئے ہو۔ پریشانی تو لازمی ہو گی" ملک سلامت نے انتہائی معصومیت سے قیاس آرائی کی تھی۔

"کول ڈاؤن یار میں کل پہنچ کر بھی کچھ ہینڈل کر لوں گا۔" آخر میں اس نے کچھ سنجیدگی سے تسلی بھی دے ڈالی تھی۔

"اب منحوس کھوتے کل تم میرا جنازہ پڑھنے آؤ گے۔" ڈاکٹر ایاز کی بے بسی پھر غصے میں بدلنے لگی تھی

"یار پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس کے بھائی نے اسے جوئے میں ہارا ہے اور ایسے لوگ۔۔۔"

"جوئے میں ہارا ہے یا شطرنج میں جیتا ہے تم ابھی نکلو تاکہ رات کو کم از کم یہاں پہنچ سکو۔" ایاز نے اس کی بات کاٹ کر اصرار بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"یار اگر میں کل صبح تک نہ پہنچ سکا تو وعدہ رہا بابا کو تمہارے ساتھ بھیجوں گا یوں بھی ان کی اس علاقے میں مجھ سے زیادہ چلتی ہے۔" ملک سلامت کی بات غلط نہ تھی کہ اس کا باپ اس علاقے میں دو مرتبہ ایم پی اے کا کامیاب الیکشن لڑ چکا تھا۔

"اچھا تم ذرا اس بندے کا نمبر مجھے سینڈ کرو تاکہ میں خود ساری صورت حال کا جائزہ لوں۔" ڈاکٹر ایاز نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"تمہارا دوست اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہے اس سے کہو کل کے بجائے پرسوں آئے بھئی وہ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔" ساحر نے اس کے فون بند کرنے پر تلخی سے کہا تھا۔

"تو پھر میں کیا کروں؟ سیدھے اس لڑکی کے گھر پہنچ جاؤں اور اپنی ڈیڈ باڈی ایمبولینس میں رکھ کر واپس آ جاؤں۔" ڈاکٹر ایاز کو اس کا طنز کھولا گیا تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا کہ صوفیہ بھابھی کو ساتھ لے چلتے ہیں۔" ساحر کو شدید پچھتاوا ہو رہا تھا۔

"نہ تو تمہاری خاطر اپنا چلتا پھرتا کاروبار بند کر دیں' اسپتال کو تالا لگا کر تمہارے ساتھ سیریں کرتے پھریں اور میں نے بھی کہا تھا کہ آنٹی سے بات کرو باقاعدہ رشتہ لے کر جائیں۔"

"اور تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ تمہاری آنٹی کتنی اسٹیٹس کانشس ہیں۔ یوں بھی جب تک ام لیلیٰ کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک میری شادی نہیں ہو سکتی اور جب تک میری شادی نہیں ہو جاتی تب تک ام لیلیٰ فارغ نہیں ہو گی۔" اس نے عجیب سا پزل بیان کیا تھا۔

"اس کا ایک ہی حل ہے کہ تم دونوں کی آپس میں شادی ہو جائے۔" ایاز کو اس مسئلے پر ہنسی آ گئی تھی۔

"خیر ایسی بات نہیں ہے تم اپنے سرکل کی کسی لڑکی کو پسند کرو تو آنٹی ضرور مان جائیں گی وہ خود بھی تھوڑی بہت تاکا جھانکی کرتی رہتی ہیں کئی مرتبہ مجھ سے مشورہ۔۔۔"

"دفع ہو جاؤ مجھے سونے دو۔۔۔" وہ چڑ گیا تھا۔

"سونے دوں؟ یا رونے دوں؟" ایاز اپنے موبائل پر آنے والا میسج چیک کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"اگر ایسے میں سونے کو دل چاہ رہا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ مگر جب تمہارا رومال آنسوؤں سے بھیگ جائے گا تو نچوڑنے اور سکھانے کا کام کون کرے گا اپنی رانی کو تو۔۔۔"

"ایاز۔۔۔" اس نے بلند آواز میں پھر ٹوکا تھا۔

"اچھا اچھا چلانے کی ضرورت نہیں' میں منگے موچی سے بات کرنے لگا ہوں۔ تمہاری سسرال کے پچھواڑے رہتا ہے۔"

"ڈاکٹر ایاز کہاں خوار ہو رہے ہو' جوتے برانڈڈ پہنتے ہو اور موچی کی جی حضوریاں کرو گے۔" ایاز دوسری طرف جاتی گھنٹی کی آواز سنتے ہوئے خود کلامی بھی کر رہا تھا۔

"پتا نہیں یہ شخص آپریشن تھیٹر میں جاتے ہوئے اپنا مسخرا پن کہاں رکھتا ہو گا۔" ساحر نے اس کی بک بک سے بچنے کے لیے تکیہ کانوں پر رکھتے ہوئے سوچا تھا دوسری طرف ایک عورت نے فون اٹھایا تھا جس سے منگے کے بارے میں پوچھ کر ایاز نے فون بند کر دیا تھا۔

"تمہاری اس بندے سے بات کیوں نہیں ہوئی؟" تھوڑی دیر تک جب ایاز نے کچھ نہ بتایا تو وہ خود ہی ڈھیٹ بن کر پوچھ رہا تھا۔

"دیکھا کان تو اس طرف لگے ہوئے تھے۔" ڈاکٹر ایاز چہک کر کہہ رہا تھا۔

"اس کی سیکرٹری کہہ رہی ہے محترم شاور لینے میں بزی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بات کر لیں۔"

"اب منگے موچی کی بھی سیکرٹری ہونے لگی۔" اس نے کلس کر سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

بستی آ کر اس نے باپ کے سرہانے پندرہ دن گزارے تھے نہ جانے احمد نواز کے دل کو کیا خبر ہوئی تھی کہ وہ ہمہ وقت بیٹی کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتا تھا۔ اس کی حالت دن بہ دن بگڑتی جا رہی تھی۔ زخم پھیل رہے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے سے بھی لاچار ہو رہا تھا۔ ہر اس شخص سے جس سے اس کا معمولی سا بھی تعلق نکلتا وہ یہی کہتا۔

"میری بیٹی کا خیال رکھنا اشرف۔ بہن کا خیال رکھنا' بانو میرے بعد میری رانی کا خیال رکھنا وہ بہت سمجھ دار ہے مگر اسے زمانے کے چلن کا ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔" اس نے بیوی سے کہا تھا اور ایک روز جب اس کا چچا زاد بھائی اور دوست دین محمد اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"دین لالہ دل میں ایک بات آتی ہے۔ اگر اللہ نے بیٹی دی تھی تو اس کے فرض سے سبکدوش ہونے کی بھی مہلت دیتا۔" اس کی آنکھوں میں حسرت ہلکورے لے رہی تھی۔

"تم میرے بھائی ہو میرے بعد میری رانی کا خیال رکھنا۔" رانی جو دین چاچا کو پانی پلا کر باہر نکل رہی تھی تڑپ کر واپس مڑی اور باپ کے سرہانے چارپائی کی پٹی پر سر رکھ دیا تھا۔

"بابا آپ یوں مت کہا کریں۔ آپ تو اتنے اچھے ہیں آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے۔ میں آپ کو وہیل چیئر لا دوں گی آپ باہر بھی جا سکیں گے۔ آپ اس طرح کہہ کر میری جان نکال دیتے ہیں۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے اس نے خوف زدہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا تھا اور احمد نواز نے آنکھوں میں آئی نمی چھپا کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ انہیں گاؤں آئے سولہواں دن تھا۔ موسم کے بدلتے مزاج نے طوفانی بارش کی شدت اختیار کی تھی۔ بانو امجد اور اشرف دوسرے کمرے میں چولہے کے گرد بیٹھے تھے۔ جبکہ وہ باپ کے پاس بیٹھی تھی۔

"رانی ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔"

"جی بابا میں آپ کو یخنی لا کر دوں' آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ باپ کی چارپائی پر بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں بس دو گھونٹ پانی لادو۔" اس نے اسٹیل کا گلاس ذرا سا ان کا سر اوپر کر کے لبوں سے لگایا تو چند گھونٹ لے کر انہوں نے اشارے سے منع کیا تھا اور چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگایا تھا۔ رانی مسکرا کر باپ کو دیکھتی رہی اور پھر باہر برستی بارش پر نگاہیں جما دی تھیں کہ باپ کی آنکھوں کی بے بسی اسے اذیت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

خاصی دیر کے بعد اس نے موسم پر ہی کوئی بات کرتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا تھا اور کوئی جواب نہ پا کر ان کا ہاتھ ہلایا مگر اسے وہ ہاتھ بے حد سرد لگا تو اٹھ کر دوسرے کمرے سے اماں اور بھائیوں کو بلا لائی تھی۔

"امجد ذرا جا کر دین چاچا کو بلا لا۔" اماں کے کہنے پر امجد برستی بارش میں چلا گیا تھا اور دین چاچا کے آنے پر رانی گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ شاید اس کے دل میں یہ امید تھی دین چاچا بابا کو جگائیں گے اور بابا اٹھتے کے ساتھ ہی اسے پکاریں گے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا کچھ دیر کے بعد اس نے دروازے سے اندر جھانکا دین چاچا نے اماں کے ہاتھ سے چادر لے کر سر سے پیر تک بابا کو اوڑھا دی تھی وہ کانپ کے آگے بڑھی اور بے ربط سے الفاظ ادا کرتے ہوئے اس نے وہ چادر بابا کے اوپر سے ہٹا دی تھی۔

"رانی دھی تمہارے بابا اس دنیا سے چلے گئے۔" دین چاچا نے اسے پیچھے کیا تھا۔

"نہیں چاچا۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ بابا کے دل پر رکھا تھا۔

"بابا زندہ ہیں ان کا دل ـــــ دل دھڑک رہا ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ کی دھڑکن سے باپ کی زندگی کی امید باندھنی چاہی تھی۔

"ابھی انہوں نے مجھ ـــــ مجھ سے بات کی تھی۔"

"آپ سب رو کیوں رہے ہیں؟" اس نے وحشت زدہ نظروں سے اماں اور بھائیوں کو دیکھا تھا۔

"رانی بابا چلے گئے۔" امجد کے کہنے پر اس کے دل و دماغ پر اندھیرا چھانے لگا تھا۔ جب وہ ہوش میں آئی تو بابا نہیں تھے مگر وہ اس احساس کو دل میں اترنے سے روک گئی کہ بادلوں میں منہ چھپا کر ڈوبتا سورج اسے باپ کے شفیق سائے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر گیا ہے۔ سب کے لیے حیرت کی بات تھی کہ وہ گم سم تو تھی مگر اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ نکلا تھا اور جب اس بارے میں امجد نے اس سے پوچھا تھا تو اس کا جواب سن کر حیرت زدہ رہا تھا۔

"مجھے بابا رونے سے منع کرتے ہیں۔ میں کیوں روؤں؟" الٹا وہ اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"رانی دھی! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" دین چاچا اس کے باپ کی وفات کے چوتھے روز کسی کام سے اندر آئے تو اسے دیوار کے ساتھ زمین پر لکیریں بناتے مٹاتے دیکھ کر پوچھا تھا وہ چند لمحے خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"چاچا بابا کہہ رہے تھے ـــــ میں کوئی مرا تھوڑی ہوں میں تو زندہ ہوں یہ لوگ یونہی غلط سمجھ رہے ہیں۔" اور اس انکشاف پر دین محمد نے سر پکڑ لیا تھا۔

"پتا ہے بابا قبر میں تو نہیں ہیں۔ کل جب میں اماں اور پھوپھو کے قبرستان سے واپس آ رہی تھی نا دوسری طرف والے راستے پر بابا آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے ہاتھ بھی ہلایا تھا اور کہا تھا کہ جلدی گھر واپس آجائیں گے۔"

"اچھا اب اذان ہو رہی ہے اٹھو اور نماز پڑھو اپنے بابا کے لیے دعا کرنا۔" بستی کی مسجد میں عصر کی اذان گونجنے لگی تو دین محمد نے اسے اس ذکر سے ہٹانا چاہا تھا۔

"دعا کروں تو وہ جلدی سے گھر واپس آجائیں گے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں تم دعا کرنا کہ وہ جہاں ہیں بہت خوش اور سکھی رہیں۔"

"نہیں چاچا میں دعا کروں گی کہ ـــــ"

"اچھا اچھا تم نماز پڑھو اور ڈھیر ساری دعائیں کرو۔" انہوں نے اسے مزید بات کرنے سے روک دیا تھا۔

"بانو بہن یہ لڑکی تو گھل گھل کر جان دے دے گی۔ یا پاگل ہو جائے گی۔ میں تو کہتا ہوں اسے کسی ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں۔ ذرا بہتر ہو جاتی تو مرید پور گاؤں میں جو انگریزی اسکول ہے میں اسے وہاں استانی لگوا دیتا مگر اس صدمے سے باہر تو نکلے۔" دوسرے روز دین چاچا نے اس کی ماں سے کہا تھا اور اماں کو اس کے زندہ رہنے یا پاگل ہونے سے دلچسپی نہیں تھی مگر اسکول والی بات اس کے دل کو لگی تھی۔

"کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو تسلیم کرنے سے انسان کا دل سختی سے انکار کر دیتا ہے۔ تب اس انسان کا ذہن ایسے اشوز تراش لیتا ہے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اس انسان کو وہ حقیقت ہی لگتے ہیں کیونکہ ایسی اس کے لاشعور کی کوشش ہوتی ہے۔ اس کے شعور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر نے اس کو چیک کرنے اور بات چیت کرنے کے بعد باہر بھیج کر اشرف اور دین محمد سے تفصیلی بات کی تھی۔

"آپ اس بچی کی بات کی نفی ہرگز نہ کریں اور نہ ہی عجیب نظروں سے دیکھیں۔ جب یہ ایسی بات کرے تو اس کا دھیان کسی اور طرف لگا دیں۔" ڈاکٹر نے نسخہ لکھتے ہوئے ہدایت کی تھی۔

چند روز بعد اس کی مصروفیت کا سوچ کر دین چاچا اسے سر احسان کے اسکول لے آئے تھے اور اسے باہر بٹھا کر خود اندر آفس چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا بھی بلاوا آیا تھا۔

"جی بیٹا آپ کا نام؟" سر احسان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"حمرہ احمد!"

"حمرہ بیٹے آپ کے فادر کی ڈیتھ کا سن کر بہت افسوس ہوا ـــــ"

"نہیں سر میرے بابا کی ڈیتھ تو نہیں ہوئی وہ تو کاشی کے بابا ـــــ" اس کے باپ کی موت کے تیرہویں دن وانا آپریشن میں بستی کا ایک جوان شہید ہوا تھا اسے لگنے لگا تھا کہ لوگوں کو اس لیے غلط فہمی ہو گئی ہے سو وہ سر احسان کو کلیئر کر رہی تھی۔

"اچھا! اچھا ٹھیک ہے احسان صاحب آپ بچی کے کاغذات چیک کر لیں۔" دین چاچا نے اسے ٹوک کر سر احسان کو اشارہ کیا تو وہ کچھ حیران سے اس سے کاغذات کے متعلق استفسار کرنے لگے تھے۔ اس نے اپنی سی وی کی فوٹو کاپی بڑھائی تھی۔

"ماشاءاللہ' زبردست' ویری گڈ' ایکسیلنٹ۔" احسان صاحب جیسے جیسے اس کی 'سناد دیکھتے گئے ان کا چہرہ کھلتا چلا گیا تھا۔

"دین محمد ہم کسی امیدوار کے بارے میں ایسا کہتے تو نہیں ہیں مگر آپ سے یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ اس بچی کو ہمارے پاس لائے۔ سائنس ٹیچر کے لیے جتنی خواری ہمیں اٹھانا پڑتی ہے حتیٰ کہ ہم چو آسیدن شاہ اور کلر کہار سے منہ مانگے معاوضے پر ہفتے میں دو دن کے لیے میل ٹیچرز کو ہائر کرتے ہیں مگر پھر بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔ آپ نے ہمارا ایک دیرینہ مسئلہ حل کیا ہے مگر ـــــ" انہوں نے ایک پریشان نظر رانی پر ڈالی اور خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔

"رانی دھی آپ باہر بیٹھو۔" دین چاچا نے اسے باہر بھیج کر احسان صاحب کو بتایا کہ۔

"وہ بالکل نارمل ہے۔ بس باپ کی موت کو قبول نہیں کر پا رہی۔" اور انہوں نے اسے اپنے اسکول کے لیے اپائنٹ کر لیا تھا۔ اس کی وہی رٹ تھی مگر ایک روز اماں نے بابا کے کچھ کپڑے، جوتے کسی مانگنے والے کو نکال کر دیے تو وہ چیخ اٹھی تھی۔

"اماں کیا کر رہی ہیں؟ بابا آئیں گے تو کپڑے کون سے پہنیں گے اور جوتے کہاں سے لیں گے۔" اس نے جھپٹ کر باپ کے ایک جوتے کو اس طرح دل سے لگایا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ بھر آئی تھی۔ مگر اماں نے اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے باپ کے کپڑے اور جوتے اٹھا کر دے دیے تو وہ چیخ چیخ کر روئی تھی اور اس روز کے بعد اس کے رویے میں تبدیلی آئی تھی۔

"بابا مجھے رونے سے منع کرتے تھے۔ میں اس دن

روئی تھی۔ وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔" امجد کے پوچھنے پر ایک روز اس نے بتایا تھا۔ وقت کچھ آگے سرکا تو اس نے اپنی زندگی کی اس بے حد تلخ حقیقت کو پوری سچائی سے تسلیم کر لیا تھا۔

ابھی اس کے زخم ٹھیک سے نہ بھرے تھے کہ اس کم گو سنجیدہ اور اداس آنکھوں والی لڑکی نے جانا کہ وہ جو باپ کے جانے کے بعد سمجھ رہی تھی کہ وہ ماں اور بھائیوں کے ساتھ گھر میں رہ رہی ہے۔ اس کے سر پر اپنا آسمان تھا نہ قدموں کے نیچے کوئی زمین۔ خود پر بولی لگنے کے احساس نے اسے فضا میں معلق کر دیا تھا۔ اور قسمت کی ستم ظریفی کہ بولی لگانے والے اس کے اپنے تھے اس کے خون کے رشتے۔ اس کا ذہن تو چند ماہ پہلے ہی ایک ٹھوکر کھا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

مرید پور کی بستی میں جمعرات کا وہ عام سا طلوع ہونے والا دن اس قدر خاص بن جائے گا یہ کسی کو خبر نہ تھی حتیٰ کہ خود رانی کو علم نہ تھا۔ کہ یہ دن اس کی زندگی میں کیا بھونچال لانے والا ہے۔ پرندوں کی چہکار مرغ کی بانگ، صبح کے اجالے کی سبک خرام ہوا، سب کچھ روز کی طرح ہی تو تھا رانی نے اپنے مقررہ وقت پر اٹھ کر نماز پڑھی اور تھوڑی دیر قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد صحن میں پھر کر چھوٹے موٹے کام نبٹانے لگی تھی۔ اماں چولہے پر سے چائے کی دیگچی اتار کر اب پراٹھے بنانے کے لیے توا چڑھا رہی تھیں۔ صحن میں لگے ہینڈ پمپ سے گھڑے بھر کر گھڑونچی پر رکھتے ہوئے اچانک اس کی نظر امجد کی خالی چارپائی پر پڑی تھی وہ دن چڑھے تک سونے کا عادی تھا تو آج؟ جب سے وہ رانی کو اسکول چھوڑنے جاتا تھا۔ وہ بالکل تیار ہو کر چلنے سے قبل کھینچ کھانچ کر اسے اٹھاتی تھی۔ ناشتا بھی وہ واپس آ کر کرتا تھا۔

"اماں یہ امجد صبح سویرے کہاں غائب ہو گیا ہے۔" اس نے قدرے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"اسے میں نے کسی ضروری کام سے تمہاری پھوپھو کے گھر بھیجا ہے۔"

"اتنے سویرے وہ کیسے اٹھ گیا؟ آج کہیں سورج مغرب سے نہ نکل آئے۔" وہ حیرت سے بڑبڑائی تھی چونکہ وہ خود پنکھا چلا کر اندر کمرے میں سوتی تھی اس لیے وہ رات کو باہر ہونے والی سرگرمیوں سے بے خبر رہتی تھی۔

"اماں، امجد کو آپ نے ناشتا کیے بغیر کیوں بھیج دیا؟" خود ناشتا کرتے ہوئے اس نے دوسری مرتبہ پھر حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔" اماں اپنی سوچ میں گم اسے کوئی خاص جواب نہ دے سکی تھیں۔ معمول کی طرح اس نے اسکول کی تیاری کی تھی۔ کپڑے بدل کر شام کو الگنی پر ڈالی گئی چادر اتارنے کے لیے صحن میں گئی تھی اشرف بھائی نے اماں کو اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا تھا۔

"رانی آج مجھے مرید پور گاؤں میں ایک فوتگی میں جانا ہے اس لیے تو چھٹی کر لے۔"

"مگر آج تو۔۔۔" اچانک چھٹی کا سن کر وہ رک گئی تھی۔

"میری واپسی میں دیر ہو تو اشرف کو روٹی بنا دینا۔"

"اچھا!" چند لمحے سوچ کر اس نے ہامی بھر لی تھی۔

اشرف عجلت میں ناشتا کرتے ہوئے باہر جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں اماں بھی اس کے پیچھے چلی گئیں مگر یہ ایسی کوئی خاص بات نہ تھی جس پر وہ توجہ دیتی۔

"آج چھٹی کی ہے تو کپڑے ہی دھو ڈالوں۔" دل ہی دل میں پروگرام بنا کر وہ میلے کپڑے اٹھا کر باہر لائی اور بالٹی میں سرف پانی میں ڈال کر انہیں بھگونے لگی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا زوبی باجی دروازے سے داخل ہو رہی تھیں۔

"باجی آج تو میں خود چھٹی کر رہی ہوں۔ آپ فہد کو خود چھوڑ آئیں یا بھائی جان کے ساتھ بھیج دیں۔" اس نے زوبی باجی کے قریب آنے پر کہا اور کپڑے ملنے لگی تھی۔

"رانی۔۔۔ رانی تیری شادی ہو رہی ہے؟" انہوں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے عجلت میں سوال کیا تھا۔

"نہیں تو۔۔۔ یہ ہوائی کس نے اڑائی ہے۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"رانی تمہاری شادی ہو رہی ہے۔" انہوں نے زور دے کر کہا تھا۔

"زوبی باجی آج کوئی برا خواب دیکھا ہے کیا؟" وہ ہنوز بالٹی میں کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

"رانی چاچی ساری بستی میں پیغام دیتی پھر رہی ہیں کہ آج دن میں تیرا سیٹھ شوکت کے ساتھ نکاح ہے۔" زوبی باجی نے پہلے سے بھی زیادہ تیز اور بدحواس انداز میں کہہ کر اس کے حواسوں پر بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"امجد۔۔۔ امجد کو ماں نے کہاں بھیجا ہے۔" بالآخر اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

تھوڑی دیر میں دین چاچا افتاں و خیزاں آن پہنچے تھے رانی کی منتیں، التجائیں، انکار، چاچے دین کا سمجھانا، زوبی باجی کا اماں کو خوف خدا دلانا سب بے کار گیا تھا۔ اشرف بھائی نے اسے کمرے میں دھکا دیتے ہوئے ان کی بھی ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر ڈالی تھی۔ تھوڑی دیر میں بستی کا ہر فرد اس شادی میں شرکت کے بہانے تماشا دیکھنے چلا آیا تھا وہاں کون سا بتاشے بٹ رہے تھے مگر سب ہی حیرت اور افسوس سے یہ قصہ دیکھ رہے تھے جس نے بھی اشرف کو سمجھانے کی کوشش کی منہ کی کھائی اور بقول اماں کے

"سیٹھ شوکت کے پاس پیسہ تو تھا رانی کو اور کیا چاہیے، مرد کی جیب اور حیثیت دیکھی جاتی ہے عمر نہیں۔"

"رانی تو کسی بہانے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے پچھلی کھڑکی سے باہر نکل جا اور فی الحال ہمارے گھر آ کر چھپ جا۔" زوبی باجی نے دین چاچا سے بات چیت کرنے کے بعد اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"نہیں زوبی باجی، ایک اور کہانی، ایک نئی بدنامی، ایک نیا طعنہ، لوگ کہیں گے احمد نواز کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی۔ کسی طرح سے امجد کو ڈھونڈ لائیں وہ پھوپھو کے گھر گیا ہوا ہے وہ آ گیا تو میں سب کے سامنے نکل جاؤں گی وہ اشرف بھائی کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔"

"امجد نہیں ملا، پتا نہیں کہاں غائب ہو گیا ہے۔ تمہاری پھوپھو کے گھر کے راستے میں فہد کے ابو بائیک پر پانچ چکر لگا کر آئے ہیں مگر وہ ان کے گھر گیا ہی نہیں ہے۔" زوبی باجی نے بے بسی سے بتایا تھا اور امجد وہاں ہوتا تو ملتا اسے ماں نے دوپنڈ چھوڑ کر خالہ کے گھر بھیجا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ایک روز چھوڑ کر واپس آئے۔ امجد تو واپس نہ آیا البتہ سیٹھ شوکت چند حواریوں پر مشتمل بارات لے کر پہنچ گیا تھا۔ مگر اس کے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد سیٹھ شوکت اور اشرف میں کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اس تنازعے کا پس منظر کوئی نہیں جانتا تھا۔ سوائے منگا موچی کے یا پھر اشرف کے جس نے شوکت کے آنے سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی ایک کال وصول کی تھی۔

"اشرف تیری کال ہے۔" منگے نے آ کر اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا تو وہ یہی سمجھا کہ سیٹھ شوکت ہو گا کیونکہ منگا کا شمار اس کے قریبی دوستوں میں ہوتا تھا۔

"ذرا علیحدہ ہو کر بات کر۔" اشرف کے ہاتھ بڑھانے پر اس نے اپنا موبائل والا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔

"تم اشرف بات کر رہے ہو؟" وہ سائیڈ پر آ کر بات کرنے لگا تو دوسری طرف بالکل اجنبی سوال سن کر قدرے حیران ہوا تھا۔

"میں ملک سلامت بات کر رہا ہوں۔" اشرف کی سماعتوں کو لفظ سمجھنے اور پھر ان پر یقین کرنے میں کچھ دیر کی دشواری ہوئی تھی پھر ان کے درمیان جو بھی بات چیت ہوئی اس میں زیادہ تر ملک سلامت ہی بولتا رہا۔ اشرف یا دلیل دیتا یا اثبات میں سر ہلا دیتا تھا۔

"یار یہ سیٹھ شوکت تو میرا جینا حرام کر دے گا۔"

کال آف ہونے کے بعد وہ کچھ پریشانی اور تذبذب سے منگے سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہوش ٹھکانے رکھو اشرف سیٹھ شوکے کی جرات نہیں ہوگی کہ وہ تمہاری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔" منگے نے لاپروائی سے کہتے ہوئے اسے یقین دہانی کروائی تھی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک سلامت اس سے پہلے پہنچ سکتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو سیٹھ شوکت تجھے رقم دینے میں ڈنڈی مارنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے آتے ہی اس بارے میں بات کرنا اور تھوڑی دیر ٹال مٹول کرنا' ملک سلامت کے آنے کے بعد وہ یہاں ٹھہر نہیں سکے گا۔" منگے نے اسے مزید راستہ دکھایا تھا۔

☼ ☼ ☼

چار دیواری کے اندر بیٹھی عورتوں کے لیے بھی اس کی آمد از حد حیرت کا باعث تھی۔ کیونکہ وہ تو الیکشن کے دنوں میں بھی کبھی اس چھوٹی سی بستی میں نہ آیا تھا۔ بھلا آج اس کا یہاں کیا کام؟ تھوڑی ہی دیر میں یہ اطلاع بھی سب تک پہنچ گئی کہ رانی کا نکاح سیٹھ شوکت کے بجائے ملک سلامت کے شہر سے آئے کسی دوست کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اشرف اور دین چاچا اس سے دستخط لینے آئے تو ایک لحظے کے لیے اس کے حواسوں پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ نکاح نامے پر لکھا نام اگر سیٹھ شوکت کا ہوتا تو اب وہ اس تماشے کو انجام بخیر پہنچا دیتی۔ مگر ساحر شاہ کا نام پڑھ کر اس کے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگی تھیں۔ ساحر شاہ کے کردار سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ سونے پہ سہاگہ ملک سلامت کا دوست ہونا جو بذات خود کچھ اچھی شہرت کا مالک نہ تھا۔

"کیا بات ہے رانی دھی ہم تو شکر کر رہے ہیں اللہ نے تمہاری زندگی خوار ہونے سے بچالی ہے۔" چاچے دین کے کہنے پر اس نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"چاچا آپ کو نہیں پتا یہ بہت غلط لوگ ہیں۔۔۔"

"نہیں رانی میں نے خود ساحر سے بات کی ہے وہ تو بہت اچھا بچہ ہے۔" چاچے دین کا اطمینان قابل دید تھا اور رانی انہیں یہ نہ بتا سکی کہ وہ کتنا اچھا بچہ ہے وہ بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اگر اس سے شناسائی کا حوالہ دیتی تو اماں سے کوئی بعید نہیں تھا کہ اس کی یہاں آمد کا سارا الزام با آواز بلند اس کے کردار پر ڈال دیتیں۔

"رانی چل شاباش یہاں دستخط کر دے۔" بھائی نے اسے پکار کر کہا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں' آپ یوں میرا سودا کر کے مجھے کسی کے حوالے نہیں کر سکتے۔" اس نے پھر انکار کیا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو رانی۔ ہم تمہاری شادی کر رہے ہیں۔" اماں نے اسے تسلی دی تھی۔

"آپ لوگ میرے نوٹ کھرے کر کے مجھے ذلت کی زندگی میں دھکیل رہے ہیں۔" اس نے بہت کرب سے کہا تھا۔

"یوں مت کریں جتنے پیسے آپ کو چاہئیں میں دے ۔۔۔"

"چاچا تو ذرا باہر جا۔" اشرف نے دین چاچا کے باہر جاتے ہی اماں کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا اور پھر اس کی کلائی پکڑ کر سفاکی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"دیکھ رانی تیری مرضی تو جو سمجھ۔ مگر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب تو نہیں مانے گی تو ملک سلامت کے بندے بغیر نکاح کے زبردستی اٹھا کر تجھے گاڑی میں ڈال دیں گے۔ اس لیے میری مان اور یہاں دستخط کر دے۔" اشرف نے فارم اس کی گود میں رکھ کر پین اس کے ہاتھ میں دیا تو وہ بس پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

نکاح کے بعد وہ تینوں قدرے الگ تھلگ کرسیاں اٹھا کر دھریک کے گھنے سائے میں آن بیٹھے تھے۔ تبھی ایک لڑکا ٹرے میں ان کے لیے چائے کی پیالیاں

لے کر آیا تھا۔

"یار یہ ملک صاحب تو بڑے اچھے ہارٹ اسپیشلسٹ نکلے۔" ساحر چائے کا سپ لے کر شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"ابے گدھے ہارٹ اسپیشلسٹ میں ہوں۔" ایاز سراپا احتجاج ہوا تھا۔

"پتا نہیں میرا دل تو انہوں نے جوڑا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولا یہ جانے بغیر کہ اپنی شامت بلوا رہا ہے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا سلامت تم نے اس کا دل جوڑ دیا بھلا کس کے ساتھ؟" ایاز ملک سلامت کو آنکھ مار کر پوچھ رہا تھا۔

"میں نے تو بس گرین سگنل لے کر دیا ہے ساحر کو ۔۔۔" سلامت معنی خیز انداز میں نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔

"اب اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" وہ یک دم بوکھلا کر اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

"اوہ۔" دونوں نے مشترکہ طور پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"میں تو چند روز ادھر ہی رہنے کا سوچ رہا ہوں۔" ایاز پھیل کر کہہ رہا تھا۔

"میں بھی بہت تھکا ہوا ہوں۔ رات کو بھاگم بھاگ یہاں پہنچا ہوں ایک دو روز تو ساحر کے سسرالی ہمیں برداشت کر ہی لیں گے۔" ملک سلامت اس کا مکمل ساتھ دے رہا تھا۔

"میں امجد سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا۔" وہ بہت بدحواس ہو کر زوبی باجی کا ہاتھ پکڑ کر ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی۔

"رانی اب تو یہ کپڑے پہن لے۔" اماں کا موڈ بہت خوشگوار تھا وہ رانی کے چہرے کے کربناک تاثرات سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔

رانی کا دل چاہا وہ اس عورت کو خوب سنائے ۔۔۔ جسے اس نے ہمیشہ ماں کا درجہ دیا تھا۔ مگر اس عورت نے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں

چھوڑی تھی اور ذلت و رسوائی کے ایک ایسے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔ جس کی گہرائی کا وہ خود بھی ابھی اندازہ نہیں کر پا رہی تھی مگر وہ ایسا کچھ نہ کر سکی۔ اس میں اپنی نفرت کا اظہار کرنے کی بھی سکت نہ تھی۔

"باجی ان سے کہیں مجھ سے بات نہ کریں۔" اس نے انتہائی بے بسی سے زوبی باجی سے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"چاچا امجد نہیں آیا ابھی' میں اس سے ملے بغیر کیسے جا سکتی ہوں۔" دین چاچا اندر آئے تو اس نے ان سے بھی یہی کہا تھا۔

"اچھا میں ان لوگوں سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔" وہ باہر چلے گئے تھے۔

"سلامت کیا تم اپنی شادی پر بہت خوش ہوئے تھے؟"

"نہیں بھئی مجھے تو بابا زبردستی پکڑ کر لے گئے اور قاضی صاحب کے سامنے بٹھا دیا تھا اور تم؟" ایاز کے پوچھنے پر تا کر وہ جواباً اس سے سوال پوچھ رہا تھا۔

"میں تو دھاڑیں مار مار کر رویا تھا۔" ایاز نے مبالغہ آرائی کی انتہا کر دی تھی۔ درپردہ وہ دونوں اس پر چوٹ کر رہے تھے۔

"اسے دیکھو مسکراہٹ ہے کہ چہرے سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ اپنے آپ کو سنبھالو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ تمہیں فاتر العقل سمجھ کر لڑکی دینے سے انکار کر دیں۔" ایاز نے سرزنش کی تھی۔

"ڈراؤ تو نہیں یار۔" وہ جو ان کی باتوں پر دل کھول کر مسکرا رہا تھا مصنوعی مسکراہٹ سے سنجیدہ ہوا تھا۔

"بیٹا آپ لوگوں سے ایک عرض کرنا تھی۔" تبھی دین محمد ان کے پاس چلے آئے تھے۔

"جی فرمائیے۔" ڈاکٹر ایاز نے اٹھ کر کرسی پیش کرنا چاہی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا بیٹھیں آپ! دراصل رانی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آپ لوگ کل آجائیں۔" دین محمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے پر مجبور کیا اور پھر اپنی بات کہی تھی۔ ملک

سلامت نے ان دونوں کی طرف اور ایاز نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"انکل یہ ڈاکٹر ہے ہم راستے میں دوائی لے لیں گے۔" اس نے گویا انکار کیا تھا۔
"کیا ہے ساحر اتنے بے مروت کیوں ہو رہے ہو اب ایک دن......" دین محمد کے مڑتے ہی ایاز نے اس کی کلاس لینا چاہی۔
"میں اس جواری سیٹھ کی وجہ سے کہہ رہا ہوں وہ اس گاؤں کا رہنے والا ہے نا۔"
"اس کی فکر مت کرو اس کی اتنی جرات نہیں ہو گی کہ ادھر نگاہ اٹھا کر دیکھے۔" سلامت نے اطمینان دلایا مگر پھر بھی اس نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔ سو وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اسے اشرف' اماں' زوبی باجی' جنت خالہ اور دین چاچا کے ساتھ آتے دیکھ کر ڈاکٹر ایاز نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا تھا اس کے بیٹھنے کے بعد چاچا اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دے کر ایاز کے ساتھ باتیں کرتے فون نمبر کا تبادلہ کرتے چند قدم دور کھڑے ان تمام افراد کی طرف بڑھ گئے تھے۔ پھر وہ دونوں وہاں کھڑے افراد سے الوداعی مصافحہ کر کے گاڑی میں آن بیٹھے تھے ڈاکٹر ایاز نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ فرید پور بستی کو پیچھے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔
ساحر نے پلٹ کر خاصی فرصت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی اس کی آنکھوں میں بے قراری' سرشاری اطمینان یک جا تھے۔ مگر حمرہ کو وہ نظر حقارت اور تضحیک بھری لگی تھی۔
آگے جا کر ملک سلامت کی لینڈ کروزر نے وائٹ کرولا کو کراس کیا اور تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے کچی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ حمرہ کی نظروں نے خاصی دور تک دھول میں گم ہوتی گاڑی کا تعاقب کیا تھا۔
"بیٹا! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" آدھے گھنٹے کے بعد گاڑی کسی پیٹرول پمپ پر رکی تو ایاز نے مڑ کر اسے مخاطب کیا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ایاز اور ساحر کی عمر میں سات آٹھ سال کا فرق تھا۔ جبکہ حمرہ اور ساحر میں نو دس سال کا گیپ ہو گا۔ اس لحاظ سے ایاز کا اسے یوں مخاطب کرنا کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ یوں بھی وہ جس پیشے سے منسلک تھا یہ زبان اس کی روزمرہ کی روٹین کا حصہ تھی۔ کئی مرتبہ وہ ہاسپٹل میں کام کرنے والے جونیئر ڈاکٹرز اور نرسوں کو یونہی کہہ کر مخاطب کر لیا کرتا تھا۔ مگر حمرہ کو اس کا انداز تخاطب دل ہی دل میں کھلا تھا۔ (یہ سمجھ رہا ہو گا میں اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوں)۔
"آپ کے انکل بتا رہے تھے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے بتائیں کیا پرابلم ہے۔ یہاں سے میڈیسن لے لیتے ہیں۔" اس نے سڑک کے دوسری طرف میڈیکل اسٹور کی طرف اشارہ کیا تھا۔
(دوائی کے بہانے مجھے بے ہوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ مجھے پتا نہ چلے کہ کہاں لے کر جا رہے ہیں) اس نے زور و شور سے پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے سوچا تھا۔
ساحر نے گاڑی کا شیشہ صاف کرتے بچے کو بلا کر سامنے شاپ سے جوس لینے بھیجا تھا اور اس کے واپس آنے پر جوس کا ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔
(میرے سامنے یہی تو لے کر آیا ہے اس میں بھلا کیا شامل کیا ہو گا) شدید پیاس کے احساس سے مغلوب ہو کر اس نے پیکٹ تھام لیا تھا۔ سڑک کنارے لگے سائن بورڈز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کی منزل کلر کہار تھی۔ (یہ بندہ تو بہت ہی خطرناک لگتا ہے) اس نے ایک نظر ڈاکٹر ایاز کے لمبے چوڑے باوقار سراپے پر ڈالتے ہوئے خود سے فیصلہ کیا تھا۔ طویل سفر کے بعد گاڑی ہوٹل کے سامنے رکی تو ساحر نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا وہ نیچے اتر آئی تھی۔
"میں ذرا روم کا پتا کر کے آتا ہوں۔" ریسٹورنٹ کا انٹرنس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوتے ہوئے ایاز نے ساحر کو مخاطب کیا اور ریسپشن کی طرف بڑھ گیا تھا۔
"حمرہ بی ریلیکس یار' اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟ یہ

کولڈ ڈرنک پینے کے لیے ہے اس بے چاری کو مسلسل گھورے کیوں جا رہی ہو؟" ابھی ویٹر ان کے سامنے کولڈ ڈرنک سرو کر کے گیا تھا۔ بیڈ پر نیم دراز ساحر نے [illegible] زدہ چہرے کے ساتھ بیٹھی حمرہ کو مخاطب کیا تھا۔
"میں نے کچھ کہا ہے بھئی؟" کچھ دیر کے بعد اسے ہنوز اسی پوزیشن میں صوفے پر بیٹھے دیکھ کر ساحر نے دوبارہ کہا تھا وہ گلاس کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کر رہی تھی جب دروازہ ناک کر کے ایاز اندر آیا تھا۔
"ملک صداقت کی کال آئی ہے۔ وہ ہمارے ہوٹل میں رہنے پر بہت ناراض ہو رہے تھے۔ انہوں نے ہم سب کو انوائٹ کیا ہے تمہاری طرف سے میں نے معذرت کر لی ہے۔" اس نے ساحر کے پاس بیڈ پر بیٹھ کر بولنا شروع کیا اور صوفے پر بیٹھی حمرہ کو سادہ سی مسکراہٹ کے ساتھ قدرے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ مگر اس کے لیے وہ مسکراتی نگاہ اس قدر ہولناک تھی کہ وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ ساحر تو ایاز کی طرف متوجہ تھا۔ البتہ ایاز کو اس کا یوں اٹھنا خاصا اچنبھے میں ڈال گیا تھا۔
"آج میں ملک کی طرف رکوں گا کل واپسی کی تیاری' ڈاکٹر فرحان بہت مشکل سے وقت نکال کر میری جگہ بیٹھتا ہے۔" اس نے سلامت کے فادر کی فون کال کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا فیصلہ بھی سنایا تھا۔
"تم گاڑی لے جاؤ۔" ساحر نے آفر کی تھی۔
"نہیں ملک صداقت کا ڈرائیور لینے آ رہا ہے۔" ساحر اسے ہوٹل کے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماضی اور مستقبل سے جڑے بے حد تکلیف دہ اور ہولناک قسم کے تصورات باتھ روم میں انتہائی خوف زدہ کھڑی حمرہ احمد کے دل و دماغ میں امڈے چلے آ رہے تھے۔ یہ اس کے ساتھ اچانک کیا ہوا ہے؟ بابا کے جانے سے وہ کس قدر بے سائبان ہو گئی ہے؟ بھائی نے اس کے ساتھ کیا کر دیا' اسے کسی پالتو جانور کی طرح ہانک دیا اور یہ ساحر شاہ اس کے ساتھ نکاح کا ڈرامہ کرنے جو سلوک کرنے والا ہے اگر اس کی نیت صاف ہوتی تو یہ ایک دوست کو ساتھ لے کر اس طرح کیوں آتا۔ ان کے ساتھ کوئی عورت تو ہوتی اس کا دماغ اسے ذرا بھی مثبت سوچنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میری طرف کیسے مسکرا مسکرا کر دیکھتے ہیں۔ سمجھو! آفس چھوڑ کر بھاگ نکلی تھیں ہم نے تمہیں خرید لیا۔ اگر میں دین چاچا کو علیحدہ بلا کر بتا دیتی تو شاید وہ کوئی راستہ بتا دیتے۔ عیشا تو کہتی تھی یہ ساحر کسی حد تک بھی چلا جاتا ہے۔ جس کا پیچھا ایک دفعہ کر لے اسے برباد کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ واقعی اس نے سچ کہا تھا' اس سے تو اچھا تھا میں زوبی باجی کی بات مان کر ان کے گھر چلی جاتی مگر ساحر کے پہنچنے کے بعد مجھے ایسا کرنے کا موقع کب ملا۔ میں بھاگ کر جاؤں کہاں؟ مرید پور میں تو ملک سلامت مجھے آسانی سے ڈھونڈ لے گا اور باقی دنیا تو پتا نہیں کتنے ایسے ہی برے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ اشرف بھائی ایسے نکلے تو مجھے اور کون پناہ دے گا میں پولیس والوں کو بتا دوں؟ میں پولیس والوں کو کہاں ڈھونڈتی پھروں گی؟ پھر وہ لوگ اکیلی لڑکی دیکھ کر۔۔۔ پولیس تو خود ایسے لوگوں سے ملی ہوتی ہے۔ میری بھلا کون سنے گا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا ایک ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا کسی چیز کی زیادتی بھی بسا اوقات شدید نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس کا ذہن تو سات ماہ پہلے بھی ایک مرتبہ ٹھوکر کھا چکا تھا ایک دم ایک دن میں اتنے صدمے' اس قدر اندیشے اتنا سارا خوف اور اتنی ٹھوکریں کیسے برداشت کر لیتا۔
حمرہ کو تقریباً" باتھ روم میں ایک گھنٹہ تو گزر ہی چکا تھا۔ وہ ڈاکٹر کو فارغ کر کے آیا تو کمرہ ہنوز خالی تھا۔ روم سروس کو چائے کا آرڈر کر کے اس نے کچھ دیر حمرہ کے باہر آنے کا انتظار کیا اور پھر باتھ روم کے بند دروازے پر دستک دے ڈالی تھی۔ اسی طرح دو تین مرتبہ دستک دینے کے بعد باتھ روم کا دروازہ کھلا پہلے تو حمرہ نے دروازہ کھول کر ذرا سا باہر جھانکا اور پھر باہر نکل آئی تھی ۔ ساحر جو اتنی دیر سے یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ شاور لے رہی ہو گی حق دق رہ گیا تھا شاور لینا تو در کنار اس نے تو منہ

بھی نہیں دھویا تھا کیونکہ اتنی دیر سے گرمی میں بند رہنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"یہ تم اتنی دیر سے واش روم میں کیا کر رہی تھیں؟" وہ اتنا حیران ہوا کہ بے ساختہ پوچھ بیٹھا تھا۔ تبھی کمرے کا دروازہ ناک ہوا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا حمرہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ ساحر الجھا ہوا سا کبھی اسے تو کبھی بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود بھی عجیب سے تاثرات لیے اسے گھور رہی تھی۔ چند لمحوں بعد دروازہ دوبارہ ناک ہوا تو ساحر اسے کھولنے کے لیے بڑھا تھا۔

"خبردار جو آپ نے دروازہ کھولا تو۔۔۔ کیا سمجھتے ہیں آپ۔۔۔"

"وہ باہر میں نے۔۔۔"

"آپ لوگوں نے خرید لیا ہے مجھے۔۔۔" اس نے ساحر کی بات سننے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔

"میں نے چائے منگوائی ہے تو۔۔۔"

"اب اگر آپ کا دوست اندر آیا تو۔۔۔" اس نے ایک مرتبہ پھر ساحر کی بات کاٹ دی تھی۔

"باہر ہوٹل کا ویٹر کھڑا ہے۔" اس نے قدرے بے چارگی سے جز بز ہوتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

"پلیز دروازے کے سامنے سے ہٹو میں چائے لے کر اسے باہر سے واپس بھیج دیتا ہوں۔" اس نے خاصی نرمی سے کہا تھا۔

"میں جانتی ہوں کون سا ویٹر کھڑا ہے آپ نے دروازہ کھولا تو میں باہر جا کر پولیس کو بلا لوں گی۔" اس کی ہٹ دھرمی پر نہج ساحر کو اس کی فضول سی دھمکی بری طرح کھولا گئی تھی۔ اس نے خاصی درشتگی سے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیتی حمرہ نے اس کے نکلتے ہی سنبھل کر تیزی سے دروازہ بند کیا اور پھر صوفے پر آن بیٹھی تھی۔ ویٹر نے ایک نظر باہر جاتے شخص پر ڈالی دوسری بند دروازے پر اور کندھے اچکا کر کچن کو واپس ہو لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

قیاس کے گھوڑے دوڑا دوڑا کر اور الجھ الجھ کر بھی اسے کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ کافی دیر میں چند سگریٹ پھونک کر واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوا تھا۔ مگر وہاں آ کر اسے مزید ایک پریشانی نے آن گھیرا۔ وہ تین مرتبہ کی دستک کے بعد بھی دروازہ کھولنے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تھے۔ ایک بار پھر اس نے قدرے زوردار دستک کے ساتھ اپنا تعارف بھی کرایا تھا۔ مگر دروازہ پھر بھی بند ہی رہا۔ نیچے ریسپشن پر موجود فرد سے اس نے اپنے کمرے کا نمبر ملانے کو کہا تھا۔ مگر کئی دفعہ بیلز جانے کے بعد بھی کوئی رسپانس نہ ملا۔ اپنا موبائل وہ بیڈ پر چھوڑ گیا تھا۔ اس پر بھی ٹرائی کی مگر جواب ندارد اسے شدید تشویش نے آن گھیرا۔ مجبوراً اس نے ہوٹل منیجر سے لاک توڑنے کی بات کی۔ منیجر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے دو افراد نے خاصی مہارت سے چند منٹوں میں دروازہ کھول لیا تو ساحر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ منیجر قدرے متجسس سا دروازے پر رک گیا۔ وہ صوفے پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ ساحر نے اس کی نبض ٹٹولنے کی کوشش کی اور منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر سانس کی آمد و رفت کا اندازہ کرنا چاہا تھا۔

"آپ کسی ڈاکٹر کو کال کر سکتے ہیں یا قریب کوئی اسپتال؟" اس نے مڑ کر منیجر سے کہا "جی میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔" منیجر نے وہیں کھڑے کھڑے پاکٹ سے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کیے تھے۔

"اس نے کچھ کھا تو نہیں لیا۔۔۔ خودکشی؟" صوفے سے اٹھا کر بیڈ پر ڈالتے ہوئے یک دم ایک خیال نے ذہن کو چھوا تو اس نے فوراً ہی ڈاکٹر ایاز کو کال کرنے کا قصد کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حمرہ کے کانوں میں دور سے آتی ہلکی ہلکی آوازیں پڑ رہی تھیں۔ کسی نے ہلکے سے اس کا گال تھپتھپایا تو نیم غنودگی کے عالم میں اس نے آنکھیں کھولیں مگر

اگلے لمحے خود پر جھکے ڈاکٹر ایاز کو دیکھ کر نہ صرف تیزی سے اٹھ بیٹھی اور انتہائی متوحش انداز میں کمرے کا جائزہ بھی لے ڈالا تھا۔ تب شدید نقاہت کے باوجود کمرے کے در و دیوار اس کی ہسٹریک چیخوں سے گونج اٹھے تھے۔ ڈاکٹر ایاز جو ذرا سا جھک کر اس کا معائنہ کر رہا تھا حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ "شدید ٹینشن کی وجہ سے اچانک بی پی لو ہو گیا ہے" ہوٹل کے منیجر نے جس ڈاکٹر کو بلوایا تھا اس نے چیک اپ کرنے کے بعد ڈرپ لگاتے ہوئے بتایا تھا۔ ایاز نے آتے ہی اسے فارغ کر دیا اور ملک سلامت کے ڈرائیور کو کچھ دوائیاں اور انجکشن لانے کو بھیجا تھا۔ ڈرائیور جب انجکشن لے کر واپس آیا تو گیلری میں کھڑا ملک سلامت ازراہ مروت وہ شاپر خود ہی اندر دینے چلا آیا تھا اٹھتے کے ساتھ ہی حمرہ کی نگاہ دروازے میں کھڑے سلامت پر بھی پڑی تھی۔ اب وہ تینوں حیرت زدہ اسے چیختے ہوئے سن رہے تھے۔ ساحر بے اختیار ہی بیڈ کے دوسری طرف سے اٹھ کر اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ہے حمرہ اس طرح کیوں شاؤٹ کر رہی ہو۔" ساحر نے بہت پریشانی سے کہتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس نے ذرا سا خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا اور پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"مجھے جانے دیں پلیز۔۔۔"

"آؤ سلامت باہر بیٹھتے ہیں۔" ڈاکٹر ایاز جو پہلے ہی کسی نہ کسی حد تک صورت حال کو بھانپ چکا تھا۔ فوراً ہی سلامت کے ہاتھ سے شاپر لیتا اسے اپنے ساتھ لیے باہر چلا گیا تھا۔

"ویسے ایاز یار تمہارا دوست شکل سے اتنا گھامڑ تو نہیں لگتا۔" ملک سلامت نیچے سڑک پر آنے جانے والوں کا نظارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر ایاز نے ریلنگ سے انجکشن ٹکرا کر توڑا اور سرنج میں بھرتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

"بھئی اس مینٹل پیس کے لیے خود بھی خوار ہو رہا ہے اور تمہیں بھی کر رکھا ہے۔" جواباً ایاز کا قہقہہ بے ساختہ تھا "شکل سے نہیں لگتا مگر تھوڑا سا گھامڑ ہے ضرور" وہ اسے شگفتگی سے جواب دے کمرے کی طرف چلا گیا تھا جہاں ساحر کی دی گئی تمام وضاحتیں اور تسلیاں حمرہ کے شکوک و شبہات کے سر کے بھی اوپر سے گزر رہی تھیں۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو اس لیے میں نے ایاز کو بلوایا ہے۔ ورنہ وہ تو چلا گیا تھا۔"

"اور وہ۔۔۔ وہ سلامت۔" وہ روتے ہوئے جرح کر رہی تھی۔

"وہ اپنی گاڑی میں ایاز کو لے کر آیا ہے۔ اب کیا وہ کسی گدھے پر سوار ہو کر یہاں آتا۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں میں کبھی بے ہوش نہیں ہوتی۔" وہ تو مزید پورے نکلتے ہی سوچنے لگی تھی کہ وہ اسے کسی نہ کسی طرح غافل کر دیں گے۔ سو مکمل طور پر بے یقین تھی۔

"تم بے شک ہوٹل کے عملے سے پوچھ لو یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم لوگ لاک توڑ کر اندر آئے ہیں۔"

"آپ لوگوں نے مجھے بے ہوش کیا ہو گا مجھے سب پتا ہے۔"

"آپ لوگوں سے کون مراد ہے تمہاری؟" ساحر نے ایک بے بس نظر اندر آتے ایاز پر ڈالی اور پھر اس سے پوچھنے لگا تھا ڈاکٹر مسکراہٹ دبا کر انجکشن ڈرپ میں شامل کر کے باہر نکل گیا تھا۔

"تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تم اس جواری سیٹھ کے چنگل سے بچ گئیں۔"

"وہ مجھے گھر لے کر جاتا۔"

اس کی اگلی بات نے ساحر کو مزید حیران کر ڈالا تھا گویا اسے اس بات کا ملال کھائے جا رہا تھا کہ وہ اس کے گھر کیوں نہیں گئی۔

"تو میں نے کون سا سڑک پر بٹھا دیا ہے اور چند دنوں تک میں بھی تمہیں گھر میں لے کر جاؤں گا۔" خاصا الجھ کر اس نے اطمینان دلایا تھا۔

"سر سعد کے فلیٹ پر ؟" اس نے جھرجھری لی تھی۔
"سعد کے فلیٹ پر کیوں میرا اپنا گھر ہے میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا۔"
"مجھے پتا ہے میں سب جانتی ہوں۔" وہ ہنوز گھٹنوں پر سر رکھے آنسو بہاتی رہی۔ اسے جو کچھ پتا تھا اس کی صداقت پر کوئی شبہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے حساس دل و دماغ میں ایک دفعہ جو خیال جڑ پکڑ لیتا وہ مشکل سے ہی جانے کا نام لیتا چاہے موت جیسی اٹل حقیقت سے انکار ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو پھر ساحر شاہ تھا۔ جس کی وجہ سے اسے اچھی خاصی جاب چھوڑنا پڑی تھی۔ سو اب بھی ساحر کی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا البتہ ڈرپ سے قطرہ قطرہ گرتا محلول اس کی رگوں میں جاکر نیند بن کر حاوی ہونے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح آنکھ کھلتے ہی پہلے تو کچھ دیر کے لیے سمجھ نہ آیا کہ وہ کہاں ہے ؟ مگر پھر کل کا دن پوری جزئیات کے ساتھ یاد آیا تو تیزی سے اٹھ بیٹھی تھی۔ باتھ روم کے بند دروازے کے عقب سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ ساری رات کی گہری نیند کا اثر تھا اٹھتے ہی ذہن پر کئی خیالات نے حملہ کیا تھا ایک بہت ہی طاقت ور خیال یہاں سے رفوچکر ہونے کا اسے مناسب لگا تھا۔ خاموشی سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے بیڈ سے اتری اور چپل کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائی تھیں۔ ایک چپل تو صوفے کے پاس پڑی ہوئی مل گئی مگر دوسری جو صوفے کے پہلو کے پیچھے پوشیدہ تھی خاصی کوشش کے بعد بھی نظر نہ آسکی۔ کچھ سوچ کر اس نے ایک چپل پہننے کے خیال کو رد کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔ ہوٹل کے ریسپشن پر رک کر کلرک سے کوئی بات کرتے مینیجر نے سیڑھیاں اترتی لڑکی کو خاصے تعجب سے دیکھا تھا۔ یوں تو شاید وہ غور نہ کرتا مگر اس کا ننگے پاؤں ہونا اس کی توجہ پوری طرح مبذول کرا گیا تھا۔ پرنٹڈ لیسن کلر کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ کل ہی کا تو سارا واقعہ تھا۔ جس میں انہیں دروازے کا لاک توڑنا پڑا تھا۔ اگرچہ وہ خود اندر نہیں گیا تھا۔ مگر سرسری سی نظر تو اس نے بے ہوش پڑی اس لڑکی پر ڈالی تھی اور اب اس کا یوں عجلت میں باہر جانا خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔
"ایکسکیوزمی میڈم ! آپ کہاں جارہی ہیں ؟" وہ ان کے بالکل پاس سے گزری تو بے ساختہ ہی وہ استفسار کر بیٹھا تھا۔
"میں ۔۔۔ باہر جارہی ہوں۔" یوں پہلے قدم پر روکے جانے کی تو اسے قطعاً" توقع نہیں تھی۔ سو پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہوگئی۔
"اچھا ایک منٹ رکیے پلیز۔ آپ باہر کیوں جارہی ہیں اور یہ آپ کے جوتے کہاں ہیں۔" وہ اس کے سامنے آگیا تھا۔
"آپ کو کیا مطلب ؟ میرے جوتے ۔۔۔ میں دراصل واک کرنے جارہی ہوں۔" بروقت خیال آنے پر اس نے ٹھیک ٹھاک جواب دیتے ہوئے اس کی سائیڈ سے نکلنا چاہا تھا۔
"حیدر آپ روم نمبر الیون کے گیسٹ کو کال کر کے اس خاتون کے بارے میں انفارم کریں۔" مینیجر نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر انٹرنس ڈور کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کلرک کو ہدایت کی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ کلرک کال ملاتا سامنے سے تیزی سے سیڑھیاں اترتا ساحر ان کے پاس آپہنچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے ناشتا نہیں کرنا' میرا دل الٹ جائے گا' آپ کو کیا پرابلم ہے بھلا ؟" اس کے درشت انداز پر ساحر تھوڑی دیر کے خاموش ہو گیا تھا۔
"اس طرح تو تمہاری طبیعت پھر خراب ہو جائے گی۔ تم نے شام سے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً" دن کو بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔" ساحر کے کہنے پر اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نے دن میں کچھ نہیں کھایا ہو گا جب میں بابا کے گھر سے چلی تو مجھے بہت پیاس لگ رہی تھی مگر جن لوگوں کے ساتھ میں نے زندگی کے بیس سال گزارے انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا تو تم ۔۔۔" اس نے چہرہ بازوؤں کے گھیرے میں چھپا لیا تھا۔
"چلو ناشتا نہیں کرنا تو تھوڑا سا جوس پی لو۔" چوتھی مرتبہ اس کے کہنے پر حمرہ نے ٹیبل پر لگے ناشتے کو دیکھا تھا (جوس پینے پر اتنا اصرار یقیناً" اس میں ضرور کچھ ملایا ہو گا تاکہ میں بے ہوش ہو جاؤں) وہ اس کی پر سوچ خاموشی کو رضامندی سمجھ کر جوس کا گلاس لے کر اس کے پاس آگیا تھا۔
"خود پی لیں نا ۔۔۔" اس نے گلاس ہاتھ سے پرے کیا تھا۔ اب وہ اس کی فکر میں تو پینے کا مشورہ نہیں دے رہی تھی۔ ساحر نے اس کے انداز پر غور کیا اور پھر ایک سانس میں سارا جوس پی گیا تھا۔
"یہ لو میں نے پی لیا اب تم بھی میری بات مانو۔" وہ جیسے اس کی سوچ پر محظوظ ہوا تھا اور واقعی وہ مطمئن ہو کر جوس کی طرف متوجہ ہوئی وہ ناشتے کے دیگر لوازمات سے انصاف کرنے لگا تھا۔
"ویسے تم چاہو تو کچھ اور بھی کھا لو یوں بھی اب تمہیں زہر دے کر میں اپنی محنت کی کمائی کو ضائع نہیں کروں گا۔" اگلے پل اس کے چہرے کے تاثرات اور ڈبڈباتی آنکھوں کو دیکھ کر ساحر کو اندازہ ہوا اس نے مذاق میں غلط جملہ بول دیا ہے۔
"میں نے آپ کی منت کی تھی کہ میرے بھائی کو پیسے دیں مجھے دیتے نا اپنی محنت کی کمائی میں آپ کے منہ پر مارتی۔"
"نہیں بھئی میں تو مذاق ۔۔۔"
"ہاں میں جانتی ہوں آپ دل میں میرا کتنا مذاق اڑاتے ہیں' میں نے آپ کا آفس چھوڑا اور آپ نے میری زندگی خرید کر مجھے بے بس کر دیا مگر یہ کوئی آپ کا کارنامہ نہیں میرے بھائی کی ذلالت ہے۔"
"میں نے تمہیں خریدا نہیں اپنی محبت کے بل پر حاصل کیا ہے اور میری محنت کی کمائی تم ہو بے وقوف" ساحر کی پریشانی کا سبب اس کے منہ سے ادا ہونے والے جملے ہی نہیں بلکہ اس کے چہرے کے قطعی ابنارمل تاثرات بھی تھے۔ ناشتا چھوڑ کر وہ اس کے پاس آبیٹھا تھا اگرچہ اس کی ہر بات کا جواب وہ محبت کی دلیل سے دے رہا تھا مگر اس کا سارا اظہار محبت وہ جوتے کی نوک پر رکھ رہی تھی۔
گزرا دن اس کے لیے جتنا بھیانک تھا۔ آنے والے وقت کے حوالے سے اس کے خدشات کسی بھی ذی ہوش انسان کو ہولانے کے لیے کافی تھے۔ سب سے اہم اس کے خیال میں ساحر نے اسے بے بس کرنے کے لیے نکاح کی دھول اس کے گھر والوں کی آنکھوں میں جھونکی تھی وہ ایک مرتبہ بولنا شروع ہوئی تو اگلے کئی گھنٹوں تک بے تکان اپنی فرسٹریشن کا اظہار کرتی رہی۔
"تمہارا چھوٹا بھائی اسے میں نے کہیں نہیں دیکھا۔" ساحر نے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھا تھا۔
"اسے اماں نے دھوکے سے کہیں بھیج دیا تھا۔ وہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرنے دیتا۔ وہ واپس آکر بہت پریشان ہوا ہو گا۔"
"اچھا ایسا کرتے ہیں اس سے ملنے گاؤں چلتے ہیں۔" ساحر نے خلوص سے آفر کی تھی۔
"نہیں میں گاؤں نہیں جاؤں گی سب لوگ مجھے دیکھ کر ہنسیں گے۔" اس نے سسکی لے کر کہا تھا۔
"میں نے تو کسی کو ہنستے نہیں دیکھا البتہ سب خوش ہو رہے تھے کہ تمہاری اس گھٹیا انسان سے جان چھوٹ گئی۔" اس نے اس کی الٹی منطق پر حقیقت بیان کی تھی۔
"وہ دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے۔"
"میں جو اتنا خوار ہو کر یہاں آیا ہوں۔ محترمہ کو میرے دل کی خبر نہیں اور ان کے دل ہی دل کا بڑا پتا چل گیا ہے۔" وہ بھی دل ہی دل میں کلس کر ایا زکو مس

کال دینے لگا جو کل شام سلامت کو بھیج کر حمرہ کی طبیعت خرابی کے پیش نظر ہوٹل میں رک گیا تھا اس کی باتیں سنتے ساحر کو لگ رہا تھا جتنا وہ بول رہی ہے اتنا ہی اس کا ذہن آوٹ آف کنٹرول ہو رہا ہے۔

"کل میرے ساتھ جو ہوا ایسا تو کبھی ـــــ"

"تم کل کو بھول نہیں سکتیں۔" وہ تنک کر پوچھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے ڈھیر سارا پانی اکٹھا ہونے لگا تھا۔

"میں کل کے دن کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اتنا برا دن قیامت کے دن کی طرح۔ زوبی باجی نے میرے کانوں میں صور پھونک دیا۔ میں نے بھائی سے کہا تھا میں سر احسان کے اسکول میں پانچ دس سال پڑھانے کا کنٹریکٹ کر کے انہیں اتنے ہی پیسے لادوں گی۔ مگر اس نے پھر بھی ـــــ مجھے نہیں لگتا میں اب زندہ رہ سکتی ہوں۔ مجھے لگا سچ مچ قیامت آگئی ہے۔ میرے بھائی نے ایک دن میں دو دفعہ میری قیمت لگائی۔" زور زور سے سانس لیتے ہوئے کانپتے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں الجھاتے ہوئے لرزتے لبوں سے اٹک اٹک کر برآمد ہونے والے الفاظ وہ دم بخود ہو کر سن رہا تھا۔ مسلسل آنسو بہاتی آنکھیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے ان کے سامنے کوئی بہت ہی کرب ناک منظر ہو۔

صحیح معنوں میں پہلی بار ساحر کو اس کے دکھ کا اندازہ ہوا تھا۔ جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے۔ ساحر کے لیے وہ چند لاکھ۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے وہ تو اپنے طور پر محبت کے میدان کا فاتح ٹھہرا تھا مگر حمرہ کے لیے یہ حقیقت بہت تکلیف دہ تھی کہ اسے بیچا اور خرید اگیا ہے۔ ساحر کے لیے یہ اہم تھا کہ وہ اسے جواری سیٹھ کے چنگل سے بچا کر لایا ہے۔ مگر حمرہ گزرے دن کی اذیت کو بھول نہیں پا رہی تھی تو اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا اس ساری گفتگو کے دوران ایاز ہلکی سی دستک دے کر کمرے میں آچکا تھا اور اب بغور ساری سچویشن کا جائزہ لے کر کل کی لائی ہوئی میڈیسن شاپر میں سے لے کر انجکشن تیار کرنے لگا تھا قریب آکر اس نے ساحر کو اشارہ کیا کہ وہ اس کا بازو سامنے کرے۔

"میں کوئی بیمار تو نہیں ہوں آپ لوگ مجھے انجکشن کیوں لگاتے ہیں۔" وہ اس کی آستین فولڈ کرنے لگا تو حمرہ نے بے بسی سے پوچھا تھا۔

"آپ مجھے ڈرگز کے انجکشن لگاتے ہیں نا۔" اس کا دماغ بہت اسپیڈ سے منفی سمت میں دوڑ رہا تھا اور ساحر اس کے اس دور اندیشانہ سوال کا بھلا کیا جواب دیتا۔

"آپ کا دوست ڈاکٹر تو نہیں لگتا مجھے تو لگتا ہے یہ ڈاکٹر ہونے کا ڈراما کر رہا ہے۔ غلط انجکشن لگا کر میرے بازو کو پیرالائز کر دے گا۔" اس کے خدشات کی باقاعدہ فائلیں بن سکتی تھیں۔

"او یار یہ ڈاکٹر بالکل اصلی ہے بس انسان ذرا جعلی ہے۔" ساحر سر پکڑ کر کہہ رہا تھا اور ڈاکٹر جو کونے میں پڑی باسکٹ میں استعمال شدہ سرنج اور روئی ڈال رہا تھا۔ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو یونہی کچھ دیر نوکری کے خدوخال کا معائنہ کرتا رہا۔

"بیٹا! یہ آپ کے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں؟" ڈاکٹر ایاز نے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں بابا کے جانے کے بعد کبھی کبھی یوں ہوتا ہے۔"

"ان کی ڈیتھ کے بعد آپ بیمار ہو گئی تھیں۔"

"نہیں ـــــ میں بابا کو دیکھا کرتی تھی میں نے انکل کو بتایا تو وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ مگر ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ میں بیمار نہیں ہوں۔" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں باتیں کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر نیند کے انجکشن کے زیر اثر جھومتی جھامتی تکیے پر سر ڈال کر خاموش ہو گئی تھی۔

"تم اس دن کو کبھی نہیں بھولو گی۔ کیونکہ جب یہ دن لوٹ کے آئے گا تو تم بہت خوشی سے اسے سیلیبریٹ کرو گی اس لیے کہ تم کل کے دن ساحر شاہ کی زندگی میں شامل ہوئی ہو جو تم سے بہت محبت کرتا ہے تم اس کی زندگی ہو۔" اس کے چہرے پر آنسوؤں کی

لکیریں دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا تھا اس لمحے ساحر شاہ کا دل بھی اس سے ایک عہد لے رہا تھا۔

"لنچ کے لیے چلیں؟" ایاز کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی تھی۔

"ادھر ہی منگوا لیتے ہیں اگر محترمہ اٹھ گئیں تو؟"

"چار گھنٹے تک تو ایسا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"اوکے ـــــ" ایاز کے بتانے پر وہ اٹھ گیا تھا وہ دونوں نیچے ہال میں آکر ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ اس کی پچھلی زندگی پر مناظرے کرتے رہو۔ اگر یہی حال رہا تو ابھی اس کے ہاتھ کانپتے ہیں۔ دل کی دھڑکن بہت تیز ہوتی ہے چند دنوں تک محترمہ پوری کی پوری جھٹکے کھانے لگیں گی" کھانا آرڈر کرنے کے بعد ایاز اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"اس کے ذہن کو لگنے والے شاکس کی بدولت یہ ہسٹریا کی ابتدائی اسٹیج کو چھو رہی ہے۔ ایسے پیشنٹ کے ذہن میں جو کیفیت رک جاتی ہے اسے الفاظ سے دور نہیں کیا جاتا۔ اس کے ساتھ پھولوں پودوں، کتابوں کی باتیں کرو۔ باہر نکل کر گھوموپھرو اسے اکیلے بیٹھ کر اپنے حالات کو سوچنے کا جتنا کم موقع ملے گا۔ اتنا ہی یہ نارمل رہے گی۔" کھانا سرو ہونے کے بعد وہ پھر سے تفصیل بتا رہا تھا۔

"ایک عام انسان کے لیے جو باتیں معمولی ہوتی ہیں وہ اس کے حساس دل و دماغ کے لیے بھاری بوجھ ہیں اس کے ساتھ بات چیت کر کے بڑے بڑے مسائل سلجھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے اعصاب بہت ویک ہو چکے ہیں۔ جتنی بے ضرر اور بے کار باتیں تم اس کے ساتھ کرو گے اپنی زندگی اسے اتنی ہی فٹ فاٹ لگے گی۔ زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے مسٹر مجنوں۔" آخر میں اس نے قدرے شرارت سے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

"تم مجھے تسلیاں کیوں دے رہے ہو۔ بندہ جس سے محبت کرے اس کے دکھ کو محسوس نہ کرے۔ اس کی افسردگی پر رنجیدہ نہ ہو۔ اس کے آنسو دل پر نہ گریں یہ تو نہیں ہو سکتا نا۔ مگر میں پریشان بالکل نہیں ہوں۔ زندگی بھر کے ساتھ میں یہ اپس اینڈ ڈاونز تو آتے ہی رہتے ہیں۔ دل میں رہنے والے آنسو نہ بہائیں تو دل کی سرزمین ہی گیلی اور نرم ہوتی ہے۔"

"چلو جی تمہارے خیالات سن کر بڑی خوشی ہوئی ورنہ میں تو سوچ رہا تھا۔ کہیں تمہاری ٹریٹ منٹ بھی نہ کرنی پڑجائے۔"

"اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے کیا؟"

"مجھے تو خیر محبت وغیرہ نہیں ہوئی مگر سنا ہے یہ انسان کو بہت کمزور کر دیتی ہے۔"

"صوفیہ بھابھی کو بتاؤں گا کہ جناب کو کسی سے محبت نہیں ہے۔" اس نے ایاز کو دھمکی دی تھی۔

"نہیں یار میں شادی سے پہلے کی محبت کی بات کر رہا ہوں۔"

"تو میری بھی تو شادی ہو چکی ہے۔" وہ چہک کر کہہ رہا تھا۔

"ہاں اور شادی کے بعد بیوی کے ہاتھوں ایسی درگت بھی میں نے پہلی مرتبہ کسی کی بنتے دیکھی ہے۔" ایاز نے اس کے انداز میں ہنس کر کہا تھا۔

"حمرہ مسکرائے گی، ہنسے گی تو میں یہ درگت بھول جاؤں گا۔" وہ ایک جذب کے عالم میں کہتے ہوئے اپنی پلیٹ پر جھک گیا تھا۔

اس کی بات پر ڈاکٹر ایاز نے اسے بے حد گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ وائٹ کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس دو دن کی ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کی نیلاہٹیں لیے کچھ بکھرا الجھا سا وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ سیاہ سلکی بال اور گندمی رنگت پر سیاہ چمکتی آنکھیں پھر اس کا شاندار اسٹیٹس اسے ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت اور طرحدار لڑکی مل سکتی تھی۔ جو خاندانی حیثیت میں بھی بے مثال ہوتی۔ مگر اس کا دل کیسے اسے خوار کرانے پر تل گیا تھا ڈاکٹر ایاز کے کھانے سے نبرد آزما ہاتھ کچھ سست پڑ گئے تھے۔

"خیریت؟ آج پہلی بار دیکھ رہے ہو کیا؟" ساحر نے

کھانے سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ یہ لڑکی ہے بہت لکی۔" ڈاکٹر ایاز کے انداز میں ڈھیروں ستائش تھی۔

"تھینکس فار دس کمپلیمنٹ۔" ساحر اس کے پرسوچ انداز اور تعریف پر ہنس کر کالر کھڑے کرنے لگا تھا۔

"تمہیں تو میں نے کچھ نہیں کہا۔" ایاز آنکھوں میں شرارت لیے حیران ہوا تھا۔

"ویسے اس لڑکی نے تمہارے بارے میں ٹھیک ہی اندازہ لگایا ہے کہ تم دو نمبر انسان ہو۔" وہ مزید کہہ رہا تھا اس نے گویا کمپلیمنٹ کا بیڑہ غرق کیا۔

"تو تمہارے بارے میں کب غلط کہا ہے ڈاکٹر ڈرامہ صاحب۔" ساحر نے فوراً "بدلہ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ سو کر اٹھی تو مارے حیرت کے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے سامنے ساحر کے برابر صوفے پر بیٹھ کر باتیں کرتا وہ امجد ہی تھا۔ جو اسے اٹھتے دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

"کیسی ہو رانی؟" وہ اس کے بالوں پر بوسہ دیتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور وہ تو اتنی حیران تھی کہ اس کی بات کا جواب ہی نہیں دے پائی تھی۔

"امجد تم یہاں؟ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" حیرت سے نکل کر وہ پوچھ رہی تھی۔ "مجھے ساحر بھائی نے فون کر کے بلایا ہے۔" امجد کے کہنے پر اس نے ساحر کی طرف دیکھا جو خاص توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کئی مرتبہ اس کا دل چاہا تھا کہ امجد سامنے ہو تو آنسوؤں کے دریا بہا ڈالے مگر اس وقت سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی بات چیت کے بعد وہ باتھ روم میں گھس گئی اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو ویٹر ٹیبل پر کھانا چن رہا تھا۔

"آپ لوگ کھانا نہیں کھائیں گے؟" سونے میں وقت کا اندازہ نہیں ہوا سو ان سے پوچھنے لگی تھی۔

"میں تو ساحر بھائی کی کال ملنے سے پہلے کھانا کھا چکا تھا۔" امجد کے انکار پر بے ساختہ اس کی نظر ساحر کی طرف اٹھی تھی۔

"میں تو ایاز کے ساتھ بہت دیر پہلے لنچ کر چکا ہوں اب تو چار بجنے کو ہیں۔" اس نے رسٹ واچ کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"گڈ۔۔۔ یہ تو بالکل نارمل لگ رہی ہے۔" وہ دل ہی دل میں مسکرایا تھا یہاں آنے کے بعد چوبیس گھنٹوں میں پہلی بار حمرہ نے بے فکری سے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد امجد اسے باہر لے آیا تھا۔ اونچے نیچے پتھروں سے نکلنے والے چشمے کے پانی میں پاؤں ڈبو کر اس نے امجد کو محتاط الفاظ میں اپنے خدشات سے آگاہ کیا تھا۔ مگر وہ تو اس کی ہر بات کے جواب میں ہنستا چلا گیا تھا۔

"تمہیں انسانوں کی اتنی بھی پہچان نہیں ہے۔ تم نے ساحر بھائی کو اتنا پریشان کر رکھا ہے یہاں تو وہ صرف اس لیے رہ رہے ہیں کہ اس روتے دھوتے حلیے میں تمہیں اپنی ماں سے کیسے متعارف کرا سکتے ہیں۔ بھلا وہ کیا کہیں گی کہ اس پاگل لڑکی سے شادی کیوں کی ہے۔"

"امجد میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تم مجھے کہیں اور لے چلو۔ پشاور چلے چلتے ہیں۔" اپنی بات پر ڈٹ کر اس نے تجویز دی تھی۔

"علاقہ غیر کی طرف نہ نکل جائیں؟" امجد ایک بار پھر ہنسنے لگا تھا۔

"تمہارے پاس کوئی جاب نہیں ہے اور تم اتنے بڑے بھی نہیں ہو اگر چار پانچ سال بڑے ہوتے۔۔۔" امجد اس سے چار ماہ بڑا تھا۔ مگر پڑھائی وغیرہ کے معاملات میں وہ اسے گائیڈ کیا کرتی تھی۔ ڈیل ڈول میں وہ اس سے چار پانچ سال بڑا نظر آتا تھا مگر وہ اسے چھوٹے بھائی کی طرح ڈیل کرتی تھی۔ سو مایوسی سے کہنے لگی۔

"میں چودہ پندرہ سال بھی بڑا ہوتا تو تمہارے ساتھ

بھی کرتا جو اس ذلیل نے کیا ہے۔" اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔

"تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی کرتے!" اس نے آنکھیں کھول کر پریشانی سے امجد کو دیکھا تھا۔

"ہاں تو اور کیا سوتیلی بہنوں کے ساتھ سب ہی ایسا کرتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر مذاق سے کہا اور اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا تھا۔ اگلے پل اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی اور وہ ایک ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھوں کو ڈھانپ کر سسکنے لگا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے میں اسے شوٹ کر دوں اس کی ہمت کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی۔۔۔" اس کا گلا رندھ گیا تھا اسے روتے دیکھ کر حمرہ کو اندازہ ہوا وہ بظاہر جتنا لاپروا بنا ہنس ہنس کر باتیں کیے جا رہا تھا اندر سے بہت بکھرا ہوا تھا۔

"تمہیں اشرف بھائی پر بہت غصہ آیا تھا۔" اگرچہ وہ جھگڑے کی سرسری تفصیل بتا چکا تھا۔ مگر یونہی بات بدل کر پوچھنے لگی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے بہنوں کے ساتھ کوئی ایسا کرتا ہے۔" اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔

"اتنا بے غیرت انسان ہمارے خاندان میں کہاں سے آ گیا۔" وہ انتہائی تلخ ہو کر کہہ رہا تھا۔

"بہرحال زری تمہارے حق میں تو اچھا ہی ہوا تمہیں وہ سب سوچنے کے بجائے خوش رہنا چاہیے۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھے چلی گئی۔

"میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ میں جتنا مرضی بڑا ہوتا تمہاری شادی ساحر بھائی سے ہی کرتا کیونکہ تمہاری قسمت یہی تھی فرق صرف یہ ہوتا کہ میں اس حد تک پستی میں نہ گرتا۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا تھا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو! مجھے آفس کی ایک لڑکی۔۔۔"

"تمہارے آفس میں کتنی لڑکیاں کام کرتی تھیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہا تھا۔

"چھ سات تو ہوں گی۔" اس نے کچھ سوچ کر بتایا تھا۔

"اور بھی کسی سے تم نے ایسی کوئی بات سنی؟"

"نہیں۔"

"تو ان میں ایک لڑکی نے فضول سی بات تمہارے دل و دماغ میں ٹھونس دی جس پر تم نے مکمل یقین کر لیا ہے بے وقوف لڑکی اس کی کوئی دشمنی ہو گی جو اس نے ساحر بھائی کے خلاف بکواس کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہو گی۔ عورتوں کو تو پیٹھ پیچھے غیبت کرنے کی عادت ہوتی ہے۔"

"ویسے تمہیں خود ساحر بھائی کیسے لگتے تھے؟"

"مجھے بھی ٹھیک۔۔۔"

"تو بس اس کی کہی باتوں کو دماغ سے نکال دو۔" وہ تو کہنے جا رہی تھی کہ مجھے بھی ٹھیک نہیں لگتا تھا مگر امجد نے اس کی آدھی بات کاٹ کر فیصلہ سنا ڈالا تو وہ ہونٹ کاٹ کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔

مغرب کے وقت وہ اور ساحر اسے بسوں کے اڈے تک چھوڑنے گئے۔ مرید پور کے پاس سے گزر کر جانے والی آخری بس رینگتی ہوئی اڈے سے نکل رہی تھی۔

"رانی بی بی میرے ساتھ بھاگنے کو تیار نہیں آپ پر ترس کھا کر چھوڑے جا رہا ہوں میرا احسان یاد رکھے گا۔" امجد نے ساحر کے کان میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا کر تعظیم سے کورنش بجا لانے لگا تھا۔ بس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس کے دل کی کیفیت بدلنے لگی تھی۔ جیسے اپنی زندگی بچانے کا کوئی اہم موقع ہاتھ سے نکل گیا ہو۔

"شاید میں اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں سکی۔" اس کا دل بھر بھر آنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" ساحر اس کی کیفیت نوٹ کر رہا تھا۔

"اس نے بھی میری بات نہیں مانی' اس نے بھی میری بات کا یقین نہیں کیا۔" وہ زور زور سے رونے لگی تو اسے گاڑی سائیڈ پر روکنا پڑی تھی۔ ساحر جانتا تھا کہ امجد نے اس کی کون سی بات کا یقین نہیں کیا ہے۔

سو اس کا سر کندھے سے لگا کر خاموشی سے تھپکنے لگا تھا۔ اسے بہت ہنسی بھی آ رہی تھی کہ آنسو بہانے کے لیے اس دشمن جاں کو صرف دشمن (ساحر) کا کندھا ہی میسر رہ گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو ماما!" مسز شاہ آفس سے اٹھنے ہی والی تھیں جب سنبل ڈور پش کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ہیلو سویٹی کیسی ہو ڈارلنگ۔" انہوں نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ بیٹی کا استقبال کیا تھا۔

"فائن ماما آپ کب تک فارغ ہو رہی ہیں۔"

"بس تھوڑا سا کام ہے نکلنے ہی والی ہوں۔"

"ماما آپ نے ساحر کو اتنی چھوٹ کیوں دے رکھی ہے۔ سب چھوڑ چھاڑ کر سیریں کرتا پھرے اور آپ آفس میں کھپتی رہیں۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا چند دنوں کی تو بات ہے۔ دراصل آج کل ڈپریس پھر رہا تھا تو ایاز نے پروگرام بنا لیا۔ میں نے سوچا ذرا گھوم پھر آئے طبیعت چینج ہو جائے گی۔" انہوں نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"اینی وے تم بتاؤ کیا لو گی؟"

"یہاں نہیں کہیں باہر چلیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"او کے۔" مسز شاہ نے انٹرکام پر سیکرٹری کو چند ہدایات دیں اور سنبل کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ جہاں ڈرائیور گاڑی لیے مودب کھڑا تھا اسے ریسٹورنٹ میں چلنے کا کہہ کر انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔

"ماما بھائی سے بات کریں نا یہ معاملہ کب تک لٹکتا رہے گا۔"

"میں کیا کروں جانو! کئی مرتبہ اس سے بات کر چکی ہوں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ اس نے لیلیٰ کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔" مسز شاہ خاصی عاجز ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"تو دیکھنے سے کس نے منع کر رکھا ہے۔ آنٹی کنیز اور طارق انکل تو باقاعدہ طور پر لیلیٰ کو اس کی منگیتر سمجھتے ہیں۔ آنٹی پچھلے ایک ہفتے میں پانچ فون کر چکی ہیں۔" اس نے اپنی ساس کا حوالہ دیا تھا۔

"کنیز کا فون میری طرف بھی آیا تھا مگر۔۔۔ اچھا آج کل میں واپس آنے والا ہے تم خود بات کر لینا۔" مسز شاہ نے گیند اس کے کورٹ میں ڈال دی تو وہ پرسوچ انداز میں گاڑی کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یار یہ چمچہ اور پلیٹ کا کھیل چھوڑو اور کھانا ٹھیک طرح سے کھاؤ۔ اب تو ایاز بھی چلا گیا ہے تمہاری ٹریٹ منٹ کون کرے گا۔ سو پلیز فار سیک می۔" چیج کرتے ہوئے ساحر نے بریانی کی ڈش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نرمی سے ہدایت کی تھی۔

"اور ہاں یہ ہر وقت ۔۔۔ سوچ بچار کرنا بھی کچھ ٹھیک نہیں کبھی کبھی دماغ کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔" اس نے حمرہ کے متفکر انداز پر چوٹ کی تو واقعی وہ ذرا دھیان سے کھانے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ تبھی ساحر کا موبائل گنگنایا تو اس نے کھانے سے ہاتھ روک کر کال اٹینڈ کی تھی۔

"جی سلامت صاحب۔" حمرہ کے ہاتھ یک دم ہی سست پڑ گئے تھے۔

"اصل میں یہ ڈاکٹر لوگ مریضوں کی کھال اتارنے کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی اور جگہ راس ہی نہیں آتی وہ تو صبح سویرے ہی نکل گیا تھا۔" حال احوال کے بعد ساحر یقیناً "ڈاکٹر ایاز" کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

"جی ضرور کسی وقت آپ کے ہاں بھی حاضر ہوں گے۔" حمرہ نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آج شام کو؟" سلامت کی اگلی بات کے جواب میں اس نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

(باقی آئندہ)

شعاع عبیر

کرن کرن روشنی

بہترین علاج

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں کشمش کا تحفہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کشمش کا ایک دانا ہاتھوں میں لے کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اسے کھاؤ' یہ بہترین کھانا ہے' یہ تھکن کو دور کرتی ہے' غصے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ اعصاب کو مضبوط کرتی ہے' چہرے کو نکھارتی ہے اور بلغم کو نکالتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

عفت۔ لاہور

دنیا ایک مسافر خانہ

انسان کا جسم ہڈیوں کا پنجرہ ہے اور اس میں روح کا پرندہ قید ہے کیا تجھے اس حقیقت کا علم ہے' جب روح جسم کے پنجرے سے نکل جائے گی' پھر اسے کسی صورت جسم میں دوبارہ داخل نہیں کر سکتے' فرصت کو غنیمت جانو' کیونکہ دنیا اور زندگی تو بس ایک پل کی بات ہے' اگر کوئی اچھا عمل کر لیا جائے تو یہ سارے جہان سے زیادہ قیمتی ہے۔

سکندر جیسا فاتح جب دنیا چھوڑ کر جا رہا تھا تو اس کے سارے مفتوحہ علاقے' اگر کسی کو دے دیے جاتے تب بھی وہ اسے مزید ایک سانس لینے کی مہلت نہ دیتا' معلوم ہوا کہ ایک سانس گویا ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے۔ مرنے کے بعد ہر شخص اپنے ہی عمل کی فصل کاٹے گا۔ نیکی اور بدی کے سوا اس کے پاس نیک نامی اور بدنامی کے سوا دنیا میں کچھ نہیں رہے گا۔ دنیا تو ایک مسافر خانہ ہے' جس میں ہم چند لمحوں کے لیے ٹھہر کر آخرت کی طرف چل پڑیں گے' جیسے ہمارے کئی دوست اور بزرگ یہاں سے سفر کر گئے اسی طرح ہم بھی ایک دن دنیا سے سفر کر جائیں گے۔ ہمارے مرنے سے دنیا کی رونق میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس باغ میں اسی طرح بہاریں آتی جاتی رہیں گی اور یار دوست اپنی محفلیں سجاتے رہیں گے۔ دنیا تو ایک ہرجائی محبوب ہے' یہ جس کی گود میں آئے اسے لازمی طور سے فرقت میں مبتلا کر کے کسی اور کی گود میں جا بیٹھے گی۔ جب انسان اپنی قبر میں پہنچ جائے گا' پھر وہ قیامت سے پہلے بیدار نہیں ہوگا اور روز محشر گرد جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوگا۔ اگر آج غفلت کو نہ چھوڑا تو کل روز محشر شرمندگی کا سامنا ہوگا۔ جب کوئی مسافر اپنے سفر سے واپس گھر آتا ہے تو وہ آ کر نہاتا دھوتا اور کپڑے تبدیل کرتا ہے' اسی طرح تو اس اجنبی اور عارضی دنیا سے سفر کر کے اپنے اصل وطن آخرت کی طرف جائے گا تو تجھے چاہیے کہ جیتے جی نہا دھو کر اور توبہ تلا کر کے جسم اور روح کی گندگیاں دور کر دے' تاکہ پاک صاف ہو کر اپنے اصلی گھر میں داخل ہو۔ اس لیے خوب گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگ اور اپنا نامہ اعمال دھو لے۔

(حکایات سعدی سے انتخاب)

ایمان سرفراز۔ پھول نگر

کرنیں

☆ سب ہی دوست سچے ہوتے ہیں' بس خدا برا وقت نہ لائے۔

☆ پڑھنے والوں کی قلت ہے، ورنہ گرتے ہوئے آنسو بھی کتاب ہوتے ہیں۔
☆ ان ہی لفظوں کے آنسو بنتے ہیں جو زبان سے ادا نہیں ہوتے۔

فریحہ شبیر۔ شاہ نکدر

زندگی اے زندگی

☆ زندگی ایک ایسا نغمہ ہے جس کی فرمائش کی جائے تو دوبارہ نہیں چلتا۔
☆ زندگی ایک ایسا کھیل ہے جس میں جوں ہی کھلاڑی کو کھیل کی سمجھ آتی ہے اسے ریٹائرڈ کر دیا جاتا ہے۔
☆ زندگی کی گاڑی میں فالتو ٹائر نہیں ہوتا۔ پنکچر ہو گئی تو منزل آگئی۔
☆ زندگی کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ وہ ہم سے صرف ایک بار روٹھتی ہے۔
☆ زندگی کی گلی میں ٹریفک یک طرفہ ہے آپ جا سکتے ہیں، واپس نہیں آسکتے۔
☆ زندگی کی مشکلات گھاس کی مانند ہوتی ہیں اگر ان پر توجہ نہ دی جائے تو بڑھنے لگتی ہیں۔
☆ زندگی اتنی تلخ تو نہیں کہ اس سے بھاگا جائے اور اتنی شیریں بھی نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے۔
☆ زندگی کے اخبار میں سب سے اچھا اور پاکیزہ صفحہ بچوں کا ہوتا ہے۔

کوئی تو ہے.....

بجھے ہوئے دیے کی لو اور بھیگی آنکھ کے بیچ
کوئی تو ہے جو خوابوں کی نگرانی کرتا ہے
دل پاگل ہے روز نئی نادانی کرتا ہے
آگ میں آگ ملاتا ہے، پھر پانی کرتا ہے

ارم کمال۔۔۔ فیصل آباد

انسان کا قلب

انسان کا قلب ایک سرائی دے کی مانند ہے۔ اس پر بادشاہی سواریاں بھی گزرتی ہیں۔ امیر کبیر بھی چلتے ہیں۔ غریب و فقیر بھی گزرتے ہیں۔ خوب صورت اور بدشکل کی بھی یہی گزرگاہ ہے اور نیکو کاروں، پارساؤں اور دین داروں کے علاوہ کافروں، مشرکوں اور مجرموں، گناہ گاروں کے لیے بھی یہ شاہراہ عام ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ شاہراہ پر جیسا ٹریفک خود بخود آئے، اسے خاموشی سے گزر جانے دیا جائے۔ اگر ٹریفک کی طرف متوجہ ہو کر اسے بند کرنے یا اس کا رخ موڑنے کی کوشش کی جائے تو دل کی سڑک پر خود اپنا پہیہ جام ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس راستے کا ٹریفک سگنل صرف سبز بتی پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں سرخ بتی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

قدرت اللہ شہاب کی کتاب "شہاب نامہ" سے اقتباس

روبینہ اسامہ۔ فیصل آباد

لفظوں کے موتی

وقت اور نصیب کسی لمحے بھی کسی کو زیر کر سکتا ہے۔ کسی کو بھی نہیں معلوم اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔
☆ چاہت نہ ہو تو ایک ذرہ بھی گراں گزرتا ہے۔ اگر ہو تو ایک کوہ کا بوجھ بھی لذت سے سہارا جاتا ہے۔
☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں تہیہ کر لیتے ہیں۔ تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو، پھر بھی پار جاتا ہے۔
☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں۔
☆ وقت ہر تصویر کو بدل دیتا ہے۔ اس کے کونے مڑ جاتے ہیں اور رنگ بھورے ہونے لگتے ہیں۔ وقت ڈھلوان پر لڑھکتی جیپ کی طرح اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ نظروں اور چہروں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔
☆ جب صورت حال خطرناک ہو تو دانا لوگ خاموش رہتے ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

سچائی سے بچو

افلاطون سچائی کی فضیلت بیان کر رہا تھا۔

"سچائی اور سچ کی عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن ایک ایسی سچی بات بھی ہے جس سے انسان کو بچنا چاہیے۔"
ایک شاگرد نے سوال کیا۔ "سچی بات سے پرہیز کیا معنی؟" افلاطون نے کہا۔ "ہاں۔۔۔ وہ سچی بات ہی ہے، لیکن لائق پرہیز اور وہ ہے اپنی تعریف اور ستائش۔ گو کہ تم میں وہ تمام خوبیاں اور اوصاف موجود ہی کیوں نہ ہوں جن کا تم اظہار کر رہے ہو۔"

امبر گل۔۔۔ جھنڈو

زندگی

زندگی ایک حقیقت ہے فسانوں جیسی
اس کے کردار عجب
اس کے حوالے بھی عجب
ایک ہی رات ستاروں سے بھری
اور اسی رات کے اک گوشے میں
کتنے سینے ہیں کسی درد سے بوجھل بوجھل
کتنی آنکھیں ہیں کسی خواب کی خوشبو سے تہی
اس کی تاریکی عجب
اس کے اجالے بھی عجب
ہے یہ منظر بھی عجب
دیکھنے والے بھی عجب

(امجد اسلام امجد)

انیلا ادریس۔۔۔ کراچی

خیال میرا خوشبو سا

☆ جب دعا اور کوشش سے بات نہ بنے تو فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔
☆ جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب کسی نہ کسی دن بخش دیا جائے گا۔ اس لیے ابھی بخشش کرو تاکہ کل بخشش کا موسم تمہارا ہو، نہ کہ تمہارے وارثوں کا۔
☆ جو لوگ آپ سے اختلاف رکھتے ہیں، ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں، پریشان تو ان لوگوں کے بارے میں ہوں جو آپ سے اختلاف تو رکھتے ہیں، لیکن بتانے کی جرات نہیں کرتے۔
☆ اے ابن آدم! جب تو دیکھے کہ تیرا پروردگار تجھے پے در پے نعمتیں عطا کیے جا رہا ہے۔ حالانکہ تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے تو ہوشیار ہو جا۔
☆ اپنے بیٹے کو اپنی تعلیم نہ دلاؤ کہ وہ تمہارے دور کے لیے پیدا نہیں ہوا۔

ثمینہ کوثر عطاری۔۔۔ ڈوگہ گجرات

فرماتے ہیں

فرماتے ہیں "کا ایک فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ کبھی کبھی اس کے استعمال سے آپ دوسروں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ سگریٹ نوشی کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں تو فوراً" کہہ دیجیے کہ لارڈ کرزن فرماتے ہیں کہ سگریٹ پینے سے تو بہتر ہے کہ انسان زہر پی لے۔ یوں ہی کسی کا نام لے کر جی میں آئے کہہ دیجیے، سوجہاں شبہ ہو کچھ اور نام یاد نہ آتا ہو تو وہاں فوراً" شیکسپیئر کا نام لے دیجیے کسی کی کیا مجال کہ آپ کو ٹوک دے۔ شیکسپیئر نے دنیا کے ہر موضوع پہ کچھ نہ کچھ ضرور فرمایا ہے۔ اس کا نام آپ بلا جھجک لے سکتے ہیں۔ اگر حساب لگایا جائے تو سب سے زیادہ شیکسپیئر صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر سعدی صاحب فرماتے ہیں اور تیسرے نمبر پر گوئٹے کنفیوشس اور نسطشے آتے ہیں۔

(شفیق الرحمن کی تحریر سے اقتباس)

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

فرق

بچہ ہتھوڑی سے سیمنٹ والی دیوار پر ضربیں لگا رہا تھا۔ بچے کے باپ نے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ کر بولا۔
"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو۔"
بچے نے حیرت سے باپ کو دیکھا اور پوچھا۔
"ابو میں پچھلے مکان میں بھی تو یہی کیا کرتا تھا۔ تب تو آپ نے کبھی مجھے نہیں روکا تھا۔"
اس پر باپ نے غصے سے کہا۔ "بے وقوف وہ کرائے کا مکان تھا۔ جبکہ یہ مکان ہم خرید چکے ہیں۔"

ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

☆ ☆

بشریٰ محمود

مہتاب امام، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی نظم

میرے ہمدم، میرے دوست

گر مجھے اس کا یقین ہو میرے ہمدم، میرے دوست
گر مجھے اس کا یقین ہو تیرے دل کی تھکن
تیری آنکھوں کی اداسی، تیرے سینے کی جلن
مری دلجوئی میرے پیار سے مٹ جائے گی
گر میرا حرف تسلی وہ دوا ہو جس سے
جی اٹھے پھر تیرا اجڑا ہوا بے نور دماغ
تیری پیشانی سے دھل جائیں یہ تذلیل کے داغ
تیری بیمار جوانی کو شفا ہو جائے
گر مجھے اس کا یقیں ہو مرے ہمدم، میرے دوست
روز و شب شام و سحر میں تجھے بہلاتا رہوں
میں تجھے گیت سناتا رہوں ہلکے شیریں
آبشاروں کے بہاروں کے چمن زاروں کے گیت
آمدِ صبح کے مہتاب کے سیاروں کے گیت
پر میرے گیت تیرے دکھ کا مداوا ہی نہیں
نغمہ جراح نہیں، مونس و غم خوار سہی
گیت نشتر تو نہیں، مرہم آزار سہی
تیرے آزار کا چارہ نہیں نشتر کے سوا
اور یہ سفاک مسیحا میرے قبضے میں نہیں
اس جہاں کے کسی ذی روح کے قبضے میں نہیں
ہاں مگر تیرے سوا، تیرے سوا، تیرے سوا

ربیعہ شعیب، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی غزل

اتنی مدت بعد ملے ہو، کن سوچوں میں گم پھرتے ہو
اتنے خائف کیوں رہتے ہو؟ ہر آہٹ سے ڈر جاتے ہو

تیز ہوا نے مجھ سے پوچھا، ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو
کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے، رات گئے تک کیوں جاگے ہو

میں دریا سے بھی ڈرتا ہوں، تم دریا سے بھی گہرے ہو
کون سی بات ہے تم میں ایسی، اتنے اچھے کیوں لگتے ہو؟

پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا تھا، پتھر بن کر کیا تکتے ہو
اپنے شہر کے سب لوگوں سے میری خاطر کیوں الجھے ہو

کہنے کو رہتے ہو دل میں پھر بھی کتنے دور کھڑے ہو
رات ہمیں کچھ یاد نہیں تھا، رات بہت ہی یاد آئے ہو

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے، اپنی کہو اب تم کیسے ہو
محسن تم بدنام بہت ہو، جیسے ہو پھر بھی اچھے ہو

عظمیٰ رزاق، کی ڈائری میں تحریر
نجم ثاقب کی غزل

دیر تک خلاؤں میں دیکھتے بھی رہتے ہیں
بند کر کے آنکھوں کو سوچتے بھی رہتے ہیں
مختلف اداؤں سے آگہی کے دروازے
کھولتے بھی رہتے ہیں
حرف کے طلسماتی بے حساب اسموں کو
اپنی زندگی کے غم سونپتے بھی رہتے ہیں
اپنی آس کے جگنو اپنے پاس رکھنے کو
اتنی لمبی راتوں میں جاگتے بھی رہتے ہیں
منتظر دریچے کے ایک ایک پنے کو
خون کی حرارت میں سینچتے بھی رہتے ہیں
پھر بھی اس حقیقت سے اختلاف کس کو ہے
آئینے میں اپنے عکس منجمد ہی رہتے ہیں
ہتھیلیوں پہ کھلتے ہی اپنی خواہشوں کے پھول
زرد ہونے لگتے ہیں
تو میری زمینوں کا اور آسمانوں کا
مالک حقیقی ہے
مجھ کو ان زمینوں کے اور آسمانوں کے
بے کراں سمندر کا ہمسفر نہیں کرتا
ہر طرح کے جذبے سے بے خبر نہیں کرتا
ان اداس راتوں کی اک سحر نہیں کرتا

پھر میری زمینوں میں
اور آسمانوں میں
کھول راستہ کوئی
تاکہ دیکھ پاؤں میں
بے حساب خوابوں میں
میرے خواب کتنے ہیں
بے شمار سانسوں میں
میرے سانس کتنے ہیں
کھول راستہ کوئی

یاسمین روشن زئی، کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی غزل

چہرہ میرا تھا، نگاہیں اس کی
خاموشی میں بھی وہ باتیں اس کی

میرے چہرے پہ غزل لکھتی گئیں
شعر کہتی ہوئی آنکھیں اس کی

شوخ لمحوں کا پتہ دینے لگیں
تیز ہوتی ہوئی سانسیں اس کی

ایسے موسم بھی گزارے ہم نے
صبحیں جب اپنی تھیں، شامیں اس کی

دھیان میں اس کے یہ عالم تھا کبھی
آنکھ مہتاب کی یادیں اس کی

رنگ جوئندہ وہ، آئے تو سہی
پھول تو پھول ہیں، شاخیں اس کی

فیصلہ موج ہوا نے لکھا
آندھیاں میری، بہاریں اس کی

خود پہ بھی کھلتی نہ ہو جس کی نظر
جانتا کون زبانیں اس کی

نیند اس سوچ سے ٹوٹی اکثر
کس طرح کٹتی ہیں راتیں اس کی

دور رہ کر بھی سدا رہتی ہیں
مجھ کو تھامے ہوئے باہیں اس کی

سونیا جبیں، کی ڈائری میں تحریر
ارشد نعیم کی نظم

اک گلاب باقی ہے

جھیل کی اداسی میں
بے دلی کی دلدل پہ
بے خبر سے منظر میں
درد کے سمندر میں
اک یاد باقی ہے
آنکھ میں خزاں رت ہے
گرد اڑتی رہتی ہے
پھر بھی ایک کونے میں

اک گلاب باقی ہے
ایک یاد باقی ہے

شکیلہ سانگی، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی غزل

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ

کچھ تو مرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ
تو بھی کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

پہلے سے مراسم نہ سہی پھر بھی کبھی تو
رسم و رہِ دنیا ہی نبھانے کے لیے آ

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

اک عمر سے ہوں لذتِ گریہ سے بھی محروم
اے راحتِ جاں مجھ کو رلانے کے لیے آ

اب تک دلِ خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ

حبا خان، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

اس نے کہا مجھ سے تمہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا ستاروں کا بھی کوئی شمار ہے

اس نے کہا کہ کون تمہیں ہے بہت عزیز
میں نے کہا دل پہ جسے اختیار ہے

اس نے کہا کون سا تحفہ ہے من پسند
میں نے کہا کہ وہ شام جو اب تک ادھار ہے

اس نے کہا خزاں میں ملاقات کا جواز
میں نے کہا قرب کا مطلب بہار ہے

اس نے کہا کہ سینکڑوں غم زندگی میں ہیں
میں نے کہا کہ غم نہیں جب غم گسار ہے

اس نے کہا کہ ساتھ کہاں تک نبھاؤ گے
میں نے کہا کہ جتنی یہ سانسوں کی تار ہے

شفق راجپوت، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

یہ جھکی جھکی آنکھیں
یہ رکا رکا لہجہ
لب پہ بار بار آ کے
ٹوٹتا ہوا فقرہ
گرد میں اٹی پلکیں
دھوپ سے تپا چہرہ
سر جھکائے آیا ہے
اک عمر کا بھولا
دل ہزار کہتا ہے
ہاتھ تھام لوں اس کا
چوم لوں یہ پیشانی
لوٹنے نہ دوں تنہا
کوئی دل سے کہتا ہے
سارے حرف جھوٹے ہیں
اعتبار مت کرنا
اعتبار مت کرنا

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

لائبہ، ایمن ____ مظفر آباد
خوشبو کہیں نہ جائے یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ ذرا زلف کھولیے

حبا ____ پشاور
رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمہارے بام پہ آنے کا نام

سونیا امین ____ موہڑہ ڈھیال
سفرِ حیات و ممات میں، میں کہیں بھی تنہا نہیں ہوا
مجھے ہر قدم پہ یہی لگا، میرے چار سو کوئی اور ہے

ثمینہ کوثر ____ کراچی
کیوں یہ تکرار سی ہونے لگی "میں" کی جاناں
وہ جو ہم تم میں تھا "اک ہم"، مجھے واپس کر دو

ندا، فضہ ____ کراچی
وقتِ رخصت آ گیا دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں

شہر بانو ____ مظفر گڑھ
نہ میں نے اس کو خط لکھے نہ اس نے میری پناہ چاہی
خود اپنی اپنی جگہ ہم کو ملال عجیب سا تھا
سفر اکیلے ہی کاٹ لوگے یہ پوچھا تو وہ بڑا وہ
جواب کتنا عجیب سا تھا سوال کتنا عجیب سا تھا

آسیہ جاوید ____ علی پور چٹھہ
چشمِ پُرنم خرید سکتا ہوں
زلفِ برہم خرید سکتا ہوں
تو اگر اپنا بنا لے مجھ کو
تیرا ہر غم خرید سکتا ہوں

نمرہ، اقرا ____ کراچی
اس درجہ مطمئن ہے وہ زلفیں سنوار کے
جیسے سدا رہیں گے زمانے بہار کے

سمیرا ____ ریاض
مقام نور سے آتا ہے ہر کرن کا جواب
دلوں میں جب کوئی روشن سوال ہوتا ہے
وہ اپنے کرم سے نواز دیتا ہے
مجھے جب اپنی خطا پر ملال ہوتا ہے

زبیدہ ریاض ____ اوگی
کل میکدے میں سب سے ملاقات ہو گئی
معلوم یہ ہوا کہ کوئی پارسا نہ تھا

نادیہ ____ حیدر آباد
مدت ہوئی اک حادثۂ عشق کو لیکن
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

ثمینہ ____ اسلام آباد
درد غیروں کا جو سینے میں بسالیتے ہیں ظفر
ایسے بھی لوگ زمانے میں ہوا کرتے ہیں

صفیہ بیگم ____ وہاڑی
میری وحشت علاجِ غم ہوئی ہے
کہ رونے سے اذیت کم ہوئی ہے

واجدہ ____ ہزارہ
خود کو دیتے ہی رہے ترکِ تعلق کا فریب
اور در پردہ کسی کو یاد بھی کرتے رہے

عظمیٰ غلام نبی ____ کراچی
چہرے پہ میرے زلف کو پھیلاؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن
رازوں کی طرح اترو میرے دل میں کسی شب
دستک پہ میرے ہاتھ کی کھل جاؤ کسی دن

ہما ____ میرپور خاص
تیری زلفیں بھی پریشاں ہیں میرے دل کی طرح
تو بھی کچھ دیر میرے ساتھ رہا ہو جیسے

مدیحہ یوسف ــــــــ فیصل آباد
زلفیں سنوارنے سے بنے گی نہ کوئی بات
اُٹھیے کسی غریب کی قسمت سنواریے

عائشہ خان ــــــــ ٹنڈو محمد خان
ان کی نظر میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہو سکی

سعدیہ ــــــــ شریف آباد
جب اُلجھتی ہے تو کچھ اور سنور جاتی ہے
زندگی بھی ہے تری زلفِ پریشاں کی طرح

صائمہ جبیں ــــــــ کراچی
جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے

صبا کوثر ــــــــ گوجرہ
زلفیں سنبل ہیں تو نرگس و شہلا آنکھیں
جس نے دیکھا تیرے مکھڑے کو وہ گلشن سمجھا

صدف نور ــــــــ جھنگ
گھنی زلفوں کے سائے میں چمکتا چاند سا چہرہ
تجھے دیکھوں تو کچھ راتیں سہانی یاد آتی ہیں

مناہل فاطمہ ــــــــ سیالکوٹ
دل پہ قابو ہو تو ہم بھی سرِ محفل دیکھیں
وہ خمِ زلف ہے کیا صورتِ زیبا کیا ہے

فوزیہ ثمر بٹ ــــــــ گجرات
ایک مدت کے بعد آئے ہو
پھر بھی جانے کی بات لائے ہو
اتنا ٹھہرو کہ دل ٹھہر جائے
ہم نے مانا کہ تم پرائے ہو

گڑیا شاہ ــــــــ کہروڑ پکا
میں اک آنسو ہی سہی، ہوں بہت انمول مگر
یوں نہ پلکوں سے گرا کر مجھے مٹی میں ملا

ارم کمال ــــــــ فیصل آباد
آنکھوں میں کوئی خواب اُترنے نہیں دیتا
یہ دل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا
بچھڑے تو عجب پیار جتاتا ہے خطوں میں
مل جائے تو پھر حد سے گزرنے نہیں دیتا

مہک بٹ ــــــــ لاہور
جو تکلف کی حد سے نہ آگے بڑھی
وہ ملاقات بھی داستاں بن گئی

عذرا ناصر ــــــــ کراچی
زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

اقصیٰ ناصر ــــــــ کراچی
دہرائے گا وہ اپنی کوئی داستانِ غم
وہ آ رہا ہے پھر مرا غم خوار دیکھنا

افشاں شاہد ــــــــ حیدر آباد
زباں ابھی سے کہے داستانِ اُلفت کیوں
ابھی نگاہ میں تابِ کلام باقی ہے

مائدہ واجد ــــــــ جھنگ
سن کر تمام رات مری داستانِ غم
وہ مسکرا کے بولے بہت بولتے ہو تم

سدرہ ــــــــ گوجرانوالہ
دمِ آخر تو آ کر دیکھ جاؤ مرنے والے کو!
ابھی تو میں ہوں اس کے بعد میری داستاں ہو گی

فارینہ ــــــــ حیدر آباد
میرے عشق سے ملی ہے تیرے حسن کو شہرت
تیرا ذکر ہی کہاں تھا مری داستاں سے پہلے

شائستہ رشید ــــــــ لاہور
خود اندھیروں میں بسر کرتے رہے ہم زندگی
دوسروں کے گھر میں لیکن روشنی کرتے رہے

صائمہ امتیاز ساہی ــــــــ منگووال
دہلیز پہ ٹوٹے ہوئے پیالے کی طرح
اک شخص نے پھینکا ہے مجھے پیاس بجھا کر

زاہدہ ــــــــ میانوالی
کہتے ہیں کہ چپ چاپ سے رہتے ہیں وہ اکثر
زلفیں بھی سنا ہے کہ سنوارا نہیں کرتے
دن رات کہ ان کے گزرتے ہیں پریشاں
آرام سے ہم بھی تو گزارا نہیں کرتے

ریحانہ امجد بخاری

مسکراتی کرنیں

بات ہے سمجھ کی

ایک سردار جی کپ میں چمچہ ہلاتے، چائے کی چسکی لیتے، برا سامنہ بناتے، کپ نیچے رکھتے اور دوبارہ چمچہ ہلانے لگتے، پھر کپ اٹھاتے چسکی لیتے، برا سامنہ بناتے اور کپ نیچے رکھ کر چمچہ ہلانے لگتے۔ جب وہ یہ عمل پانچ، چھ مرتبہ دہرا چکے تو چمچہ ٹرے میں پھینک کر محفل میں موجود لوگوں سے کہنے لگے۔

”لو بھئی دوستو! ایک بات تو طے ہو گئی۔“

دوستوں نے چونک کر پوچھا۔ ”وہ کیا...؟“

سردار جی اسی یقین اور اعتماد سے بولے۔

”یہی کہ اگر چائے میں چینی نہ ہو تو چاہے لاکھ بار چمچہ ہلائیں، چائے میٹھی نہیں ہو سکتی۔“

نظیرہ۔ سرگودھا

ٹھوس ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں ایک صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”جناب عالی! میں تو صرف تیس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔“

”کیا تم اپنی بات کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو؟“ مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

”جناب! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس وقت میں اپنی بیوی کو لینے اپنے سسرال جا رہا تھا۔“ ان صاحب نے جواب دیا۔

سارہ ظفر۔ ساہیوال

صوتی اثرات

ریڈیو سے نشر ہونے والے ڈرامے میں ڈاکو کا کردار ادا کرنے والے صداکار کی گرجتی ہوئی آواز آئی۔

”موٹا بھائی سیٹھ... تجوری کے سامنے سے ہٹ جاؤ، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔“

”نہیں... نہیں...“ دوسری کانپتی ہوئی آواز آئی۔ ”تجوری تک پہنچنے کے لیے تمہیں میری لاش کے اوپر سے گزرنا ہو گا۔“

”ٹھیک ہے! انہیں مانتے تو یہ لو...“ ڈاکو نے کہا اور اس جملے کے ساتھ ہی ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ دس سیکنڈ بعد صداکار یہ سمجھ کر کہ صوتی اثرات دینے والی خاتون سچویشن بھول گئی ہیں۔ شیر کی طرح دھاڑ کر بولا۔ ”تم خوش نصیب ہو سیٹھ کہ پستول کے کارتوس گھر ہی میں رہ گئے مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ میرے پاس خنجر بھی موجود ہے اور مجھے لوگوں کو ذبح کرتے وقت بڑا لطف آتا ہے، اب روکو اس وار کو...!“

اور تب دو گولیوں کے چلنے کی زوردار آواز آئی۔

رانیہ... کراچی

دور اندیش

گاؤں کے ایک کنجوس زمیندار کا ملازم روزانہ رات کو اپنی محبوبہ سے ملنے جاتا تو لالٹین بھی ساتھ لے جاتا۔ زمیندار کو بڑا گراں گزرتا کہ وہ اتنا مٹی کا تیل خرچ کر آتا ہے۔ اس کے خیال میں یہ فضول خرچی تھی۔

ایک روز وہ ملازم کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔ ”ایک تو تم

نئی نسل کے لوگوں میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں۔ محبوبہ سے ملنے کے لیے لالٹین لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ خوامخواہ کی فضول خرچی ہے۔ میں جب تمہاری عمر کا تھا اور محبوبہ سے ملنے جاتا تھا تو بغیر لالٹین کے جاتا تھا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ملازم نے منہ بنا کر کہا۔ "مالکن کو دیکھ کر مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جوانی میں آپ نے بھی بے وقوفی کی ہوگی۔ اندھیرے میں تو ایسی ہی چیزیں ہاتھ آتی ہیں۔"

فوزیہ۔۔۔ کٹالہ

تھرڈ کلاس

بس میں مسافر سوار ہوا تو کنڈیکٹر نے کہا۔

"فرسٹ کلاس بیس روپے، سیکنڈ کلاس پندرہ روپے، تھرڈ کلاس پانچ روپے، کہیے کون سا ٹکٹ دوں۔"

مسافر نے کہا۔ "ایک ہی بس ہے، ایک جیسی سیٹیں ہیں۔ مجھے تو تھرڈ کلاس کا ہی ٹکٹ دے دو، کوئی فرق تو ہے نہیں۔"

کنڈیکٹر نے ٹکٹ دے دیا۔ تھوڑی دور جا کر بس خراب ہو گئی تو کنڈیکٹر نے آواز لگائی۔

"فرسٹ کلاس والے بیٹھے رہیں۔ سیکنڈ کلاس والے نیچے اتر کر ساتھ ساتھ چلیں اور تھرڈ کلاس والے بس کو دھکا لگائیں۔"

رخسانہ۔۔۔ خوشاب

آخری خواہش

جولیا مر رہی تھی۔ زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوئے اس نے پاس بیٹھے ہوئے اپنے شوہر سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ جب میرا جنازہ قبرستان جا رہا ہو تو تم میت گاڑی میں میرے بھائی کے ساتھ بیٹھو۔"

"یہ ناممکن ہے جولیا ڈارلنگ۔" شوہر نے کہا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہارے بھائی سے شدید نفرت کرتا ہوں۔"

"مگر یہ میری آخری خواہش ہے ڈارلنگ، کیا تم اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے۔" جولیا نے افسردہ ہو کر کہا۔

"تم نہیں مانتی ہو تو میں اس کے ساتھ بیٹھ جاؤں گا۔ مگر یہ سمجھ لو کہ جنازے کا سارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔" شوہر نے بے ساختہ کہا۔

افشاں۔۔۔ کراچی

کرسی کے فائدے

یہ کیا ہے۔۔۔؟ یہ کرسی ہے۔

اس کے کیا فائدے ہیں۔۔۔؟ اس کے بڑے بڑے فائدے ہیں۔ اس پر بیٹھ کر قوم کی "بے لوث" خدمت بہت اچھی طرح کی جا سکتی ہے، اس کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے جب لوگوں میں قومی خدمت کا جذبہ زور مارتا ہے تو وہ کرسی کے لیے لڑتے ہیں، بلکہ کرسیوں کے لیے لڑتے ہیں اور ایک دوسرے پر اٹھا کر پھینکتے ہیں۔

کرسی بظاہر لکڑی کی بڑی معمولی چیز ہے، مگر لوگوں میں اخلاق حسنہ پیدا کرتی ہے۔ بڑے بڑے پاٹے خان جب اس کے سامنے آتے ہیں تو خودی کو بلند کرنا بھول جاتے ہیں۔ اسے جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ اگر کوئی نہ بھی بیٹھا ہو تب بھی سلام کرتے ہیں۔

ابن انشاء کی کتاب "اردو کی آخری کتاب" سے اقتباس

روبینہ راجپوت۔۔۔ شورکوٹ

انداز بیاں اور

ماں نے دوسرے کمرے سے آواز دے کر بیٹے سے پوچھا۔

"بیٹا تمہارا چھوٹا بھائی کیوں رو رہا ہے؟"

"ممی۔۔۔ میں اپنے بسکٹ کھا رہا ہوں اور اسے نہیں دے رہا، اس لیے رو رہا ہے۔" بیٹے نے جواب دیا۔

"تو اس کے پاس اپنے بسکٹ نہیں ہیں کیا؟ میں نے اسے بھی تو دیے تھے۔" ماں نے پوچھا۔

"ممی۔۔۔ جب میں اس کے بسکٹ کھا رہا تھا، یہ تب بھی رو رہا تھا۔" بڑے بیٹے نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

مومل آفتاب۔ کراچی

حفظ ماتقدم

ایک مقام پر پاگل خانے کے پاگلوں سے مشقت لی جا رہی تھی۔ کچھ پاگل ایک پہیے والی ٹرالی میں اینٹیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر مامور تھے۔ سپروائزر نے دیکھا کہ ایک پاگل ٹرالی الٹی کھینچتا ہوا لا رہا ہے۔ اس نے پاگل سے پوچھا۔ "تم یہ ٹرالی الٹی کیوں لا رہے ہو؟"

پاگل ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہاں ایک پاگل کھڑا ہے۔ میں جب بھی ٹرالی لے کر وہاں جاتا ہوں، وہ اسے اینٹوں سے بھر دیتا ہے، میں اس سے بچ رہا ہوں۔"

فرزانہ۔۔۔ حیدر آباد

خوش اخلاقی

پارٹی میں ایک خاتون دوسری خاتون کو بتا رہی تھیں۔ "میرے باس نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی تحفے میں دی ہے۔۔۔ بغیر لالچ کے۔"

"بہت خوب۔۔۔!" دوسری خاتون نے کہا۔

"باس نے مجھے ڈیفنس میں بنگلہ بھی لے کر دیا ہے اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے۔" پہلی خاتون نے مزید بتایا۔

"بہت خوب، بہت خوب۔" دوسری خاتون نے کہا۔

"انہوں نے مجھے ہنڈا کار اور ڈرائیور بھی دیا ہے۔ وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے۔" پہلی خاتون نے بتایا۔

"بہت خوب، بہت خوب۔" دوسری خاتون نے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تب پہلی خاتون نے پوچھا۔ "اور تم سناؤ، آج کل کیا کر رہی ہو؟"

"میں آج کل تمیز اور شائستگی سکھانے والی کلاسیں اٹینڈ کر رہی ہوں، وہاں سب سے پہلے یہ سکھایا جاتا ہے کہ جب آپ کسی کی بات پر اس سے کہنا چاہیں کہ کیوں بے پر کی اڑا رہی ہو تو اس کی جگہ بہت خوب، بہت خوب، کہنا چاہیے۔" دوسری خاتون نے جواب دیا۔

فرح بشیر۔۔۔ بھائی پھیرو

باعث افسوس

کرکٹ کے ایک جنونی شائق نے اپنے دوست کو بتایا۔ "میری بیوی نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے کرکٹ کو ترک نہ کیا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

"ہاں! واقعی۔۔۔ یہ تو بہت برا ہوگا۔" دوست نے افسوس سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، میں اس کی کمی شدت سے محسوس کروں گا۔" کرکٹ کے شائق نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔

دانیہ عامر۔ کراچی

بے بسی

"تمہاری یہ جرات کہ تم میرے ڈیڈی کو فضول اور بے ہودہ انسان کہہ رہے ہو۔" لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ پر برہم ہوتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا کہوں؟" بوائے فرینڈ نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "میں ان سے تمہارا رشتہ مانگنے گیا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس پر وہ بولے کہ کوئی بات نہیں۔۔۔ تدفین کے اخراجات میں برداشت کر لوں گا۔"

ثمینہ اعجاز۔ جہلم

☼ ☼

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

قیمہ آلو کباب

اشیا :

آلو	دو عدد
تیل	تلنے کے لیے
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
قیمہ	آدھا پاؤ
ہرا دھنیا اور پودینہ	حسب ضرورت
ہری مرچ	دو سے تین عدد
لال مرچ	کٹی ہوئی آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ	تھوڑا سا
انار دانہ	تھوڑا سا

ترکیب :

پہلے پین میں تیل گرم کرکے ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک اور قیمے میں تھوڑا سا پانی ڈال کر سوتے کرلیں۔ اب آلوؤں کو ابال لیں۔ پھر ان میں ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ، نمک، لال مرچ، زیرہ اور انار دانہ ڈال کر مکس کرلیں۔ تیار کیا ہوا قیمہ آلو پر ڈال کر مکس کریں اور کباب بنالیں۔ پین میں تیل ڈال کر کبابوں کو فرائی کرلیں۔ مزے دار قیمہ آلو کباب تیار ہوں۔

کرنچی پکوڑے

اشیا :

بیسن	آدھا پاؤ
آلو	ایک عدد
پیاز	ایک عدد
ہری مرچ	دو عدد
اجوائن	ایک چٹکی
کھانے کا سوڈا	ایک چٹکی
پانی	حسب ضرورت
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ (کٹی ہوئی)
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

آلو کو لمبائی میں باریک کاٹ لیں۔ ساتھ ہی پیاز کے سلائس کاٹیں۔ اب ہری مرچ کو باریک کاٹ لیں۔ پھر ایک برتن میں بیسن، آلو، پیاز، ہری مرچ، کٹی لال مرچ، زیرہ، ثابت دھنیا، اجوائن اور کھانے کا سوڈا ڈال کر مکس کریں اور پانی سے گھول کر دس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ آخر میں حسب ضرورت تیل گرم کرکے پکوڑے ڈال کر فرائی کرلیں اور گرم گرم سرو کریں۔

رمضان اسپیشل ڈرنک

اشیا :

پانی	ایک جگ
دودھ	آدھا لیٹر
چینی	حسب ذائقہ
من پسند مشروب	(مکسنگ کے لیے)

ترکیب :

دودھ میں من پسند مشروب اور چینی مکس کرکے ٹھنڈا پانی شامل کرلیں۔ ممکن ہو تو سحری اور افطاری دونوں وقت اس مشروب کو پانی کے علاوہ لیں۔ تاکہ موسم کی شدت سے بچا جاسکے۔

میٹھے دہی بڑے

اشیا :

ماش کی دال	ایک کپ
نمک	دو چٹکی
بیکنگ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
سفید زیرہ (بھون کر پیس لیں)	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ایک کلو
چینی	چار کھانے کے چمچے
تیل	ڈیپ فرائنگ کے لیے

ترکیب :

دھلی ہوئی ماش کی دال کو اچھی طرح پیس لیں۔ ساتھ ہی نمک، زیرہ اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر ایک گھنٹہ رکھ دیں۔ دہی میں چینی ملا کر خوب پھینٹ لیں۔ (اگر دہی بہت گاڑھا ہو تو آدھا کپ دودھ بھی ملالیں۔) تیل گرم کریں۔ پھر ایک ایک چمچہ کرکے پکوڑیاں تل لیں اور نیم گرم پانی میں ڈال کر ہاتھ سے دبا کر نکال لیں۔ ایک ڈش میں پکوڑیاں رکھیں۔ اوپر سے دہی ڈال دیں اور خوب ٹھنڈا کریں۔ جب سرو کریں اوپر سے چاٹ

مسالا اور پاپڑی ضرور ڈالیں۔ نہایت مزے دار دہی بڑے تیار ہیں۔

بادام کا شربت

اشیاء :

مغز بادام	125 گرام
چار مغز	125 گرام
روح کیوڑہ	دو تین قطرے
چینی	ڈیڑھ کلو گرام
پانی	ڈیڑھ لیٹر

ترکیب :

بادام کی گریاں اور چاروں مغز الگ الگ برتنوں میں رات ہی کو بھگو دیں۔ صبح بادام کی گریاں چھیل لیں۔ اب چاروں مغز اور بادام باریک پیس لیں۔ ڈیڑھ لیٹر پانی میں چینی ملا کر چولہے پر چڑھا دیں۔ اس میں پسا ہوا بادام اور چاروں مغز بھی ملا دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ قوام تیار ہو جائے تو اتار لیں۔ ٹھنڈا ہو جائے تو روح کیوڑہ ڈال کر دس' بارہ منٹ چھوڑ دیں۔ پھر بوتلوں میں بھر لیں۔

آلو بخارے کا شربت

اشیا :

آلو بخارے	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
کھانے کا زرد رنگ	دو سے تین چٹکی
ایسنس	چند قطرے

ترکیب :

آلو بخارے اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں۔ آدھا لیٹر پانی میں آلو بخارے ڈال کر رات بھر کے لیے چھوڑ دیں۔ صبح کو اسی پانی میں آلو بخاروں کو ابال لیں۔ دو چار جوش آنے کے بعد چولہے سے اتار لیں۔ چھلکے اور گٹھلی نکال کر پھینک دیں۔

اب اس رس میں چینی ملا کر پکائیں۔ ایک تار کی چاشنی تیار ہو جائے تو ایسنس اور زرد رنگ بھی ملا دیں اور چمچہ چلا کر سب کچھ اچھی طرح ملا لیں۔ پھر اتار کر ٹھنڈا کر لیں اور صاف بوتل میں بھر لیں۔

☆ ☆

حسن وصحت

اذکارہ

رنگ گورا کیجیے

ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا رنگ گورا ہو۔ بعض خواتین کا رنگ سالا نو ہوتا ہے اور بعض کا ذرا کالا ہوتا ہے ویسی ہر قسم کی رنگت پر میک اپ ہو جاتا ہے اگر ڈھنگ سے کیا جائے تو بھی کالی جلد بالکل صاف و شفاف نظر آتی ہے۔ مگر میک اپ کرنا ایک بہت بڑا فن ہے اور یہ فن کسی کسی کو آتا ہے۔ آپ کو رنگ گورا کرنے کے چند طریقے بتاتے ہیں جن سے آپ ضرور فائدہ اٹھائیں۔

پہلے یہ دیکھیے کہ کون سی غذا رنگ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دودھ نہایت ہی قیمتی غذا ہے اس کا کام یہ ہے کہ رنگت میں صفائی اور سفیدی پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ میوہ جات اور ترکاریوں کا استعمال کریں تو یہ بھی بہت بہتر ہے۔ نارنگی' انگور' سیب اور انناس وغیرہ ایسے پھل ہیں جو مصفی خون ہیں اور یہ قوت ہاضمہ کو بھی مدد دیتے ہیں اور خون صاف و شفاف کر دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب آپ کا خون صاف ہو گا تو رنگت بھی صاف ہو جائے گی۔ بہر حال دودھ کا استعمال ضرور کریں۔ یہ غذا رنگت گورا کرنے میں کافی مدد دیتی ہے رنگ گورا کرنے کے چند بہترین نسخے درج ذیل ہیں۔

1۔ دودھ میں بادام پیس کر ملنے سے جلد کی رنگت صاف ہو جاتی ہے۔

2۔ پانی میں لیموں کا عرق اور نمک ملا کر غسل کرنے سے جلد کا رنگ نکھر جاتا ہے۔

3۔ کاغذی لیموں کے ٹکڑے جن میں سے رس نچوڑ لیا گیا ہو' چہرے پر ملیں ضرور فائدہ ہو گا۔

4۔ چہرے پر خالص دودھ کی بالائی ملنے سے چہرے پر نکھار آجاتا ہے۔ گرمیوں میں خالص اور ٹھنڈی بالائی روزانہ اپنے چہرے پر ملیں۔

5۔ دودھ میں جو اور گیہوں کا آٹا ملا کر ابٹن بنائیے اور پھر اسے اپنے چہرے پر ملیں چند دنوں میں فرق محسوس ہو گا۔

6۔ تازہ گرم دودھ سے ہاتھ منہ دھونے سے رنگ صاف ہو جاتا ہے۔

7۔ اخروٹ کے تیل میں کڑوے بادام پیس کر تمام بدن پر ملنے سے جلد بہت چکنی اور بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

8۔ رس کپور' 16 گرین' گلیسرین 2' اونس الکوحل 2' اونس' عرق گلاب 16' اونس' دودھ 21 قطرے۔

پہلے رس کپور کو دودھ میں حل کریں اور باقی چیزیں جو سب تیار ہیں اس میں مکس کرلیں۔ اب اپنی آنکھیں بند کریں اور آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر ملیے چند دنوں میں ہی آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کا رنگ گورا ہوگیا ہے۔

9۔ کوئی اچھا سا صابن استعمال کرنے سے بھی رنگ گورا ہوجاتا ہے۔ آج کل مارکیٹ میں اس قسم کے صابن موجود ہیں۔

10۔ دو چمچے دودھ میں ایک چمچہ پسا نمک ملائیں اور رات کو سوتے وقت اپنے چہرے پر ملیں اور صبح ٹھنڈے پانی میں قدرے دودھ ڈال کر مرکب سے چہرے کو دھو ڈالیں۔ آپ دیکھیں گی کہ آپ کے چہرے پر چمک پیدا ہوگئی ہے۔

گورے رنگ پر میک اپ

عام طور پر خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ ان کا رنگ گورا ہے تو میک اپ کرنا آسان ہے جو خواتین ایسا سمجھتی ہیں انہیں اپنے آپ پر بڑا ناز ہے۔ حالانکہ گوری رنگت پر بھی میک اپ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ رخسار کی ہڈی پر بلوش اون کا استعمال' ہونٹوں پر لپ اسٹک کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ ان سب چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کا رنگ گورا ہے تو جیسا چاہا میک اپ کرلیا گوری رنگت پر بھی میک اپ خراب ہو تو رنگت خراب لگتی ہے ایک اور بات کہ آپ کوئی اس طرح کی چیز استعمال نہ کریں جس سے آپ کی رنگت کالی پڑ جائے خاص کر دوسرے ملکوں کے میک اپ باکس جو آتے ہیں ان میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جس کے استعمال سے آپ کی رنگت کالی نظر آئے گی۔ آپ جب بھی میک اپ کرنے لگیں تو یہ بہت ضروری ہے کہ پہلے کسی اچھے سے صابن سے اپنا چہرہ دھولیں اور پھر صاف ستھرے تولیے سے چہرہ صاف کرکے میک اپ کریں۔ اس سے آپ کا رنگ کالا نہیں پڑے گا۔ بلکہ مزید صاف ہوگا چونکہ صفائی نصف ایمان ہے اس لیے صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

لیموں کا استعمال : لیموں کا عام استعمال کرنا یعنی کھانے کے ساتھ پیاز پر نچوڑ کر کھانا' خون کی کمی' بھوک میں اضافہ' دل گھبرانا' تیز دھڑکن' فساد خون کے امراض' کیل دانے' داغ دھبے' پھوڑے' پھنسیوں' مسوڑھوں کی سوجن' خون آنا' بدہضمی' جی متلانا میں فائدہ ہوتا ہے۔

لیموں کے مضر اثرات : ہر چیز میں اعتدال ہی مناسب راہ عمل ہے' اس طرح لیموں کو استعمال بھی اعتدال میں رہ کر کرنا چاہیے۔ لیموں کا تیز محلول دانتوں کے لیے مضر ہے' لیموں کے زیادہ استعمال سے پٹھوں میں درد ہوسکتا ہے۔

جامن۔۔۔۔ ذیابیطس کا قدرتی علاج : جامن ایک معروف سستا اور سہل الحصول پھل ہے' جو موسم برسات میں ہی ہوتا ہے اور اسی موسم میں ختم ہو جاتا ہے۔ جوں جوں موسم برسات کی بارشیں ہوتی ہیں' یہ پھل پک کر گرتا رہتا ہے اور شمالی پاکستان سے جنوبی ہند تک عام پایا جاتا ہے۔ جامن کا پھل اگر کچا ہو تو کسیلا ہوتا ہے اور بارشوں سے پک کر فربہ اور رسیلا ہو جاتا ہے اور قدرے شیریں گوارا ہو جاتا ہے۔ جامن کی اقسام کے لحاظ سے گٹھلی چھوٹی اور بڑی ہوتی ہے۔

اطباء قدیم کے نزدیک جامن کا مزاج دوسرے درجے میں سرد خشک ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ انسان کے لیے پھل' سبزیوں کی صورت میں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے موسمی تقاضوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں موسم برسات میں جسم میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے' جس کے نتیجے میں گاہے سر بوجھل محسوس ہوتا ہے۔ پیٹ میں گرانی محسوس ہوتی ہے اور جی متلاتا ہے۔ قے آتی ہے' موسم برسات میں اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ ذرا پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو معدہ بوجھل ہو کر دست لگ جاتے ہیں۔ نظام ہضم خراب ہوجاتا ہے

عائشہ خان۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

جون کا شمارہ تاخیر سے موصول ہوا۔

ٹائٹل اچھا لگا' خاص طور پر نیکلس زبردست لگا۔ پلین سوٹ پر بہت سوٹ کرے گا۔ جلدی جلدی فہرست دیکھی' تو معلوم ہوا کہ مابدولت "مقابل ہے آئینہ" میں قدم رنجہ فرما رہی ہیں۔ بس پھر کیا تھا پڑھے پڑھائے کو دوبارہ سے پڑھا' دراصل میرے ادنیٰ سے لفظوں کو کرن نے شائع کرکے انہیں خاص بنادیا۔ دوبارہ سے پڑھنے میں مزا آیا۔ شکریہ

بی سحر ملک کا "سنہری خواب" میں تھوڑا تضاد لگا' ایک بہن تو ٹھیٹ گاؤں کی رہائشی ایک شہر میں اتنے بڑے بنگلے کی مالک' اور عفت کا اتنا اصرار آمنہ کو شہر لے جانے کے لیے وہ بھی بے مقصد اور آمنہ کو بھیج کے گھر والوں نے کوئی خبر ہی نہیں لی نہ وہ ملنے گئی۔ نہ مراد نے کوئی رابطہ کیا۔ کہانی میں پختگی تو تھی مگر جگہ جگہ تضاد محسوس ہوا۔

لبنیٰ طاہر کا "کدورت" سبق آموز کہانی تھی۔

"مسکراتی کرنیں" میں کاریات ناچتا قالین اچھا اور اصل کاروبار اور مجبور بہت اچھا لگا۔

"کرن کرن خوشبو" تو اس بار تمام ہی بہت اچھی لگیں۔ سبحان اللہ' پڑھ کر خود کی اصلاح کی۔

سویرا فلک کا افسانہ "بدلتے چہرے" زبردست تحریر ہے۔ عنوان خود غرض ہوتا تو زیادہ اچھا رہتا۔ وقت پر کام آجانا بھی ایک احسان ہوتا ہے' جو منیزہ بھابھی نے کیا۔ سلمان جیسے خود غرض لوگ جب خود کا کام پڑے تو بچھ بچھ جاتے ہیں ورنہ تو اپنا رویہ سپاٹ کرلیتے ہیں۔

کرن کتاب کی سرسری سی ورق گردانی کی ہے۔ پھلوں اور سبزیوں کی افادیت معلوم کرنے کے لیے موزوں ہے۔

رفاقت جاوید کا "میرے دل میرے مسافر" قسط وار دیکھ کر ابھی پڑھنا نہیں شروع کیا۔ نگہت سیما کا "زخم پھر گلاب ہوں" ان کے انداز تحریر ۔۔۔ ذرا ہٹ کے تھا۔

رمضان کی آمد آمد ہے۔ تمام پڑھنے والوں کو رمضان مبارک ہو۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ میرے پیارے وطن میں امن و امان کردے' ملک میں جو بے انصافی اور اقربا پروری رائج ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ختم کردے۔ اللہ بے گناہوں کی مدد فرما۔ حکمرانوں سے کوئی امید نہیں۔

حرا قریشی۔۔۔ ملتان

گیارہ نہیں' بارہ نہیں' تیرہ نہیں' چودہ نہیں' پندرہ تاریخ کی چمکیلی سحر کو شدت انتظار کے بعد "کرن ڈائجسٹ" ملا تو اپنی خاکسارانہ طبیعت اس پر بھی قانع ہوگئی کہ صد شکر پندرہ کو ملا لیکن مل تو گیا نا۔ سرورق پر موجود ماڈل شاید اچھی لگ رہی تھی فیشن اور میک اپ نے کبھی کوئی خاص اٹریکٹ نہیں کیا۔ (سادہ لوح ہیں بہت) سلسلے دیکھے تو ہاتھ پاؤں میں گھوڑے لگ گئے۔ کچھ آشنا نام دیکھ کر پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ "مسکراتی کرنیں" کو پڑھ کر ضروری نہیں کہ مسکراہٹ ہی لبوں کو چھو جائے۔ حسن و صحت ۔۔۔ کمال تھا۔ شعر بس ٹھیک ہی تھے۔ "یادوں کے دریچے میں" سرگوشی' انتخاب پسند آیا۔ "کرن کرن خوشبو" میں لفظوں کی

خوشبو ہو کام کی باتیں ہوں' اقوال ہوں یا ایک نظر ادھر بھی سب توجہ کے تخت پر پھیلا کر ذہن کے فرش پر رقم کرنے کی کوشش کرتے ہیں "سخاوت" بہت عمدہ تھا۔ اگر ہم خدا کی عظمت کے اظہار بیاں میں کنجوس نہ بنیں تو بدرجہ اتم اس کی نعمتیں ہم پر برستی ہیں۔
فارس شفیع سے ملاقات' میری بھی سنیے "آواز کی دنیا سے اور مقابل ہے آئینہ' سب خوب تھے۔
"محبت ہم سفر میری" حیا مجتبیٰ کی تخلیق کے رنگوں سے روشناس ہوئے تو انوکھی چیز تو کوئی سامنے نہ آئی وہی جائیداد کا ایشو' قلبی اور خونی رشتوں میں غلط فہمیوں کی باڑ' "نئی سوچ" نے طلوع سورج کی مانند دماغ کے بند یونٹ کو کھول دیا۔ "میرے دل میرے مسافر" شروع کی مگر اب اختتام کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ آصف اور صدیقہ کا کورٹ میرج کا فیصلہ والدین کو آگاہ کیے بغیر نہایت ہی غلط تھا اور اس پر ثمینہ نے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔ "بدلتے چہرے" بھرپور توجہ سے پڑھی پر متاثر کن پہلو نظر نہ آیا۔
"سنہری خواب" درحقیقت سنہری پیغام لے کر آئی۔ مراد علی کی آمنہ کے لیے بے لوث محبت اچھی لگی۔ عفت نے آمنہ کو ڈریم لینڈ کی سیر کروائی جس میں اس کے بھائی فراز اور دوست — شیراز نے بطور ولن بھوت کا کردار ادا کیا۔ اور جب امی کی نیم باز آنکھیں کھلیں تو بصورت فرشتہ مراد سامنے تھا۔ آفرین! بی سحر ملک!! "زخم پھر سے گلاب ہوں" نگہت سیما کی کہیں ظرافت تو کہیں غم کے رخ سے آشکار کرتی کاوش۔ عینا کی ارحم کے لیے اشک شوئی پر بہت پیار آیا۔ سحر کی توتا چشمی پر جی بھر کر بدمزا ہوئے۔ بہرحال محویت سے پڑھتے گئے اور اختتام عہد بہار میں لہلہاہٹ کی طرح محسوس ہوا۔ "کدورت" میں بھی موثر رخ پر روشنی ڈالی گئی۔ "زندگی گلزار نہیں" اس ماہ کے افسانوں میں اول رہا۔
"حمد و نعت" نے قلبی کثافت کو دور کیا۔ اور ہم سحاب کی طرح ہلکے پھلکے ہو گئے۔ نامے میرے نام میں حرانہ آئے۔ ڈیئر کرن یہ بے ادبی اچھی نہیں ہوگی!

صائمہ اقراء۔ وگھ شریف

اس بار تو کرن نے بہت انتظار کروایا۔ پہلے تو 16 تاریخ کو مل جاتا تھا۔ اب کی دفعہ 19 تاریخ کو کرن ہاتھ لگا۔
ٹائٹل بس گزارے لائق تھا۔ انٹرویوز بھی ٹھیک لگے۔ مجموعی طور پر پورا شمارہ ٹھیک تھا۔

جویریہ خان' ماریہ خان۔ کراچی

میں اور میری بہن پچھلے چار سال سے کرن ڈائجسٹ کے قاری ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے ان شاء اللہ۔
اب آتے ہیں شمارے کرن کی طرف۔ ہماری خالہ کی وجہ سے ہمیں ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت ملی۔ ہماری خالہ نے بہت تعریف کی کہ کرن ضرور پڑھنا۔ پھر جب پڑھا تو واقعی میں معترف ہو گئی۔ ناولز اور افسانے سب بہت اعلا ہوتے ہیں۔ افسانوں کو پڑھ کر واقعی یہ لگتا ہے کہ یہ تو اپنے یا اپنے محلے کے کسی گھر کی کہانی ہے۔ ناولز کی تو کیا ہی بات ہے۔ ساری ہی رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔
اس کے بعد سرورق دیکھا۔ لڑکی پیاری تھی۔ نگہت سیما کا ناول "زخم پھر گلاب ہوں" پڑھا۔ بے شک نگہت سیما کسی کی تعریف کی محتاج نہیں ہیں۔ باکمال لکھتی ہیں۔ مگر اس کو اور آگے چلنا چاہیے تھا۔ صائم کی دلہن کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ لیکن خیر۔۔۔ باقی افسانے اور ناولز اس لیے نہیں پڑھے کہ اگلے دن سے ہمارے میڈیکل پیپرز شروع ہیں۔ ہمیں انتظار رہے گا کہ ہمارا خط شائع ہو۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

جون کا کرن شمارہ 16 کو مل گیا تھا۔ جون کی تپتی گرمی میں کرن کا ملنا ٹھنڈے روح افزا جیسا لگا۔

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سرورق ماڈل پہلی نظر میں ہی بھا گئی۔ بس گرمی میں اتنی ہیوی جیولری دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی تھی۔
حسب عادت حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا۔ انٹرویوز اس بار قابل قبول رہے۔ عینی جعفری خوب صورت آنکھوں والی لڑکی اچھی اداکارہ ہے۔ فارس شفیع صبا کا انٹرویو بھی اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" عائشہ خان سے ملاقات ٹھنڈی رہی۔ مطلب اچھی باتیں کرتی ہیں محترمہ۔ مکمل ناول "زخم پھر سے گلاب ہوں" کی آخری قسط سو' سو رہی۔ عینا کا فیصلہ اچھا تھا۔ بیگم راحت نے اپنا سوتیلا پن دکھا ہی دیا۔ ارحم بے چارے کو اذیت دیتی رہیں۔
"میرے دل میرے مسافر" اچھی تحریر تھی۔ مگر باقی آئندہ کا دم چھلا بھی ساتھ رہا۔ خیر آصف علی کچھ کچھ سائیکو کیس لگا مجھے۔ ثمینہ کو حدیقہ سے کیا پرخار تھی۔ جل ککڑی نہ ہو تو۔
"محبت ہم سفر میری" کچھ نیا پن نہیں تھا۔ وہی روایتی سی کہانی' خاندانی سیاست ساری زندگی ایک بات کو رنجش کی بنیاد بنا کر جدائیوں میں زندگی گزار دینا اور پھر جب زندگی کے دستر خوان سے رزق کے دانے ختم ہونے لگتے ہیں تو معافی تلافی یہ آجاؤ جی۔ حیا مجتبیٰ سے ریکوئسٹ ہے پلیز اپنے قلم کی قدر کریں اور اچھے اور اچھوتے آئیڈیاز کی تحریر سے ہمیں خوش کریں۔
امید ہے عید کے کرن شمارہ میں اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں گی۔ "سنہری خواب" آمنہ ہیروئن کی کیئرنگ عادتیں اچھی تھیں۔ قسمت کی دھنی تھیں۔ جو دوبار آدم کے بیٹوں اور شیطان کے چیلوں سے بچ گئی۔ رائٹر نے سچ لکھا ہے' جو مرد گناہ کی سیڑھی چڑھتا ہے وہ بھول جاتا ہے۔ اس سیڑھی سے کوئی دوسرا ہوس کا مارا اس کے آنگن بھی اتر سکتا ہے۔ مجھے مراد علی کا کردار اچھا لگا۔
افسانے سب ہی اپنی اپنی جگہ پرفیکٹ تھے۔ "نئی سوچ" اور "بدلتے چہرے" میں مزید نیت ہوں تو زندگی کی ڈور ہمیشہ الجھی رہتی ہے۔ "زندگی گلزار نہیں" ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو دوسروں کی زندگیوں میں ایویں کے پھنے خان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔
جی ہم نے تو دو دن میں کرن سارا چٹ کر لیا ہے' ہے نا حیرانگی کی بات۔
اچھا جی ایک اور بات مستقل سلسلے ذرا بھی پسند نہیں آئے۔ ایک منٹ ارے ہاں "کرن کرن خوشبو" مجھے حافظہ سمیرا کی محبت کی تھی' انتخاب پسند آیا۔
"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں ثانیہ' صائمہ جبیں کا شعر اچھا لگا۔ "مسکراتی کرنیں" حنا فرحان کا لطیفہ زبردست تھا اور روبینہ اسامہ کا بھی ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا۔ ایک تو صفحات کی کمی تھی' دوسرا خود اپنے سمیت مجھے کسی کا بھی خط اچھا نہیں لگا۔ وجہ میں نہیں جانتی۔ میرے دل نوں پتا ہو گا۔

صائمہ امتیاز ساہی۔ ریاض گارڈن' منگوال

میں پورے ایک سال اور ایک ماہ بعد تبصرہ لکھ رہی ہوں۔ جون 2013ء میں "مقابل ہے آئینہ" میں آئینے کے مقابل آکر مکمل طور پر غائب ہو گئی۔ تو وجہ یہ تھی کہ کچھ مسئلے مسائل ہی ایسے ہو گئے تھے کہ کرن پڑھنے پر ہی اکتفا کیا۔ پھر گزشتہ تین ماہ سے میں "صائمہ ساہی" سے مسز ناصر گوندل ہو گئی ہوں تو کرن ڈائجسٹ پڑھنے سے بھی گئی۔ بدقسمتی سے میری شادی گاؤں میں ہوئی ہے اور افسوس کہ اپنا کوئی بھی شوق پورا

نہیں کرسکتی۔

اب اچانک جون کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو دیکھا کہ ہم منظر سے کیا غائب ہوئے سارے مناظر ہی بدل چکے ہیں۔

"دست کوزہ گر" کو مکمل طور پر غائب پایا۔ مگر یقین ہے اختتام اچھا ہی ہوا ہوگا۔ "وہ اک پری ہے" پری سمیت ہی کہیں روپوش ہوگیا ہے۔ مگر دل کی گہرائیوں سے خوشی ہے کہ یہ ناولٹ ٹھکانے تو لگا۔

رفاقت جاوید "میرے دل میرے مسافر" بہت اچھا لکھا، مگر باقی آئندہ ماہ دیکھ کر طبیعت بوجھل سی ہوگئی۔ صدیقہ کے ساتھ جو ہوا ایسا ہونا تو نہیں چاہیے تھا۔ تفصیلی تبصرہ ان شاء اللہ جولائی میں پورا ناول پڑھنے کے بعد۔

فرحانہ ناز کا سلسلے وار ناول "شام آرزو" اچھا تو ہے، مگر ناول کا مرکزی کردار "عقیدت" حد سے زیادہ ہی گونگی ہے۔ لاکھ کم گو سہی، مگر تھوڑا بہت کانفیڈنس تو ہونا چاہیے۔ ایسے کم حوصلہ اور بزدل لوگوں سے کسی کو "عقیدت" نہیں ہوتی۔

حیا مجتبیٰ کا ناولٹ "محبت ہم سفر میری" ہزار بار کا دہرایا ہوا موضوع انداز تحریر اچھا تھا۔ مگر موضوع بہت ہی پرانا۔ والدین کی پسند کی شادی اور بچوں کی آزمائش۔ عموماً ایسے ہی ہوتا ہے، مگر ہر کوئی ثناء کی طرح خوش قسمت تو نہیں ہوسکتا نا۔

نگہت سیما بہت عرصے بعد جلوہ افروز ہوئیں۔ "زخم پھرسے گلاب ہوں" مکمل ناول پسند آیا۔ سحر اور عینا دو بہنیں اور خیالات کس قدر مختلف مگر اینڈ اچھا تھا۔

ایک سال بعد بھی سب سلسلے ویسے کے ویسے ہی ہیں اور خوشی ہوئی سب ہی سلسلے بہتر جارہے ہیں۔

فریدہ لکھو، سونیا لکھو۔۔۔ نوابشاہ

کرن سے میرا تعلق برسوں سے ہے۔ بہت بار دل شدت سے چاہا کہ خط لکھوں، اپنی رائے دوں۔ مگر ہر بار مسوس کر رہ گئی، کوئی موقع میسر ہی نہیں آیا۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ جانے کیوں خط لکھتے ہوئے میں ایک عجیب سے احساس سے دوچار ہوئی۔ احساس جو بھی تھا بڑا ہی خوش کن اور پیارا تھا۔ اب بات ہوجائے اپنے موسٹ فیورٹ سلسلے کی۔ جس تحریر نے میرے دل کو اپنا اسیر بنالیا وہ ہے "زخم پھر گلاب ہوں" ویل ڈن نگہت سیما، عینا کا فیصلہ بہت اچھا لگا۔ "شام آرزو" کی اگر بات کی جائے تو۔۔۔ عقیدت کا کردار منفرد اور بہت اچھا ہے۔

باقی شمارہ میں نے ابھی تک پڑھا نہیں، خط لکھنے کی جلدی جو تھی یہ موقع میں کسی بھی قیمت گنوانا نہیں چاہتی۔ پلیز میرا خط ضرور شائع کیجیے۔

ثناء ابرار۔۔۔ شادیوال (گجرات)

میں پہلی بار کرن میں ڈرتے ڈرتے خط لکھ رہی ہوں۔ ٹائٹل گرل اتنی خاص نہیں تھی۔ حسب عادت حمد باری تعالیٰ اور نعت رسولؐ سے ذہن کو معطر کیا۔ انٹرویو اس مرتبہ کافی اچھے تھے۔

اس شمارے میں تمام ناول، افسانے اور ناولٹ ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "کرن کا دسترخوان" کافی زبردست تھا اور باقی سلسلے تو سارے ہی کمال کے ہیں۔ اللہ کرن کو اس طرح عروج کی بلندیوں میں رکھے۔ (آمین)

عابدہ رانی۔۔۔ کیروالا

میرا اور کرن کا ساتھ دس سال سے ہے۔ کرن میں لکھنے کی پہلی کوشش کی ہے۔ پلیز مجھے نا امید مت کیجیے گا۔ مکمل ناول "میرے دل میرے مسافر" رفاقت جاوید کا بہت اچھا لگا۔ افسانے میں "کدورت" لبنیٰ طاہر "زندگی گلزار نہیں" ردا ایم سرور بہت زبردست افسانے تھے۔ پڑھ کر بہت مزا آیا۔ سب ہی سلسلے اچھے تھے۔ مجھے گھر بیٹھے کرن منگوانے کا طریقہ بتائیں۔

ج۔ پیاری بہن! سالانہ خریدار بننے کے لیے اسی پتے پر 700 روپے کا منی آرڈر ارسال کردیں۔ ہر ماہ "کرن" آپ کو بھجوادیا جائے گا۔

☼ ☼